

# مشروط نکاح

☆ مہر اور تفویضِ طلاق کے مسائل ☆

- ☆ کیا نکاح کے وقت عورت یا مرد ایک دوسرے کو شرائط کا پابند کر سکتے ہیں؟
- ☆ شادی کے بعد ملازمت جاری رکھنے یا اپنے شہر سے باہر نہ جانے کی شرط عورت کی جانب سے عائد کرنا کیسا ہے؟
- ☆ دوسری شادی کو پہلی بیوی کی اجازت پر موقوف، اور بے جا طلاق کی صورت میں مہر دو گنا دیا کرنے کی شرائط کے احکام؟
- ☆ کیا طلاق کا اختیار بیوی یا کسی تیسرے فرد کو دیا جاسکتا ہے؟
- ☆ ناروا ظلم اور طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے جائز طریقے شریعت میں کیا ہیں؟
- ☆ ان جیسے سوالوں کے جوابات اور خانگی زندگی کے اہم ترین مسائل کی بابت شرعی راہنمائی۔

ترتیب و پیشکش: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

تاثرات: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی  
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی  
تقدیم: وخطبہ رصدا رت شیخ الاسلام مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ

گکشن اقبال کراچی فون: 34965877

## .....جملہ حقوق محفوظ ہیں.....

**Islamic Fiqh Academy (India)**

**مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)**

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، نعیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔  
اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت و طباعت و تقسیم کے لیے آپ کے ادارے ”ادارۃ القرآن والعلوم  
الاسلامیہ“ کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا سلام  
پہنچادیں۔  
والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام ..... نعیم اشرف نور

ناشر ..... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ..... ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ نارنگلی لاہور 042-37353255

☆ ادارۃ اشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت العلوم ناہرہ روڈ پرائی انارنگلی لاہور 042-37352483

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

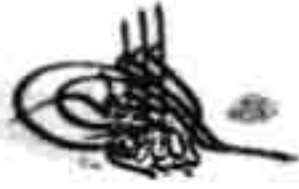
☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ رشیدیہ دسرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ مکتبۃ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، H-8/1 اسلام آباد



## فہرست مضامین مباحث مشروط نکاح

.....	تاثرات برائے مجمع الفقہ الاسلامی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
.....	تاثرات مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
۱	تقدیم و خطبہ صدارت شیخ الاسلام جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی
۷	ابتدائیہ۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
۱۰	سوالنامہ۔ اشراط فی الزکاح
۱۱	نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں
۱۳	حوالہ جات
۱۴	مقالات کی تلخیص۔ مولانا محمد فہیم اختر ندوی
۱۵	اضافی شرط لگانا
۱۵	قائلین کی دلیلیں، مانعین کی دلیلیں
۱۶	تفویض طلاق کا مسئلہ
۱۷	طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی زائد مقدار
۱۸	طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں
۱۸	نکاح بشرط ملازمت
۲۰	عرض مسئلہ۔ نکاح میں شرط اور مشروط مہر کا مسئلہ۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۰	طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی
۳۵	تفویض طلاق قبل نکاح۔ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی
۳۹	تفصیلی مقالات
۴۰	نکاح میں شرط، تفویض طلاق اور مشروط مہر کا مسئلہ۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۴۲	منکرین اور ان کے دلائل
۴۳	مشبہتین اور ان کے دلائل
۴۶	فریقین کے دلائل پر ایک نظر
۵۱	تفویض طلاق کا مسئلہ
۵۲	بیوی کو تفویض طلاق
۵۳	دارالقضاء (عدالت) کو تفویض
۵۵	دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی مقدار
۵۶	امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا نقطہ نظر
۵۹	عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

- ۶۰ ..... خلاصہ جوابات
- ۶۲ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا عتیق احمد بستوی
- ۷۱ ..... اشراط فی النکاح اور اس کا حکم۔ مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی
- ۷۳ ..... توکیل و تفویض طلاق کی بحث
- ۷۶ ..... زوجہ یا غیر زوجہ کو تفویض بالطلاق کا حکم
- ۷۷ ..... تفویض کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید کرنے نہ کرنے کا حکم
- ۷۹ ..... طلاق مع التفویض میں خاوند کا حق طلاق
- ۸۰ ..... توکیل و تفویض کا باہمی فرق
- ۸۱ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا ظفر الاسلام صاحب
- ۹۰ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا ابوسفیان اعظمی
- ۹۵ ..... تفویض میں کچھ قیدیں بڑھانا
- ۱۰۰ ..... اشراط فی النکاح۔ مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی
- ۱۰۱ ..... شرط فاسد کی تعریف
- ۱۰۳ ..... کس طرح کی شرط پوری کرنا ضروری ہے اور کس طرح کی نہیں؟
- ۱۰۶ ..... نفس عقد نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داری کو شرط کی صورت میں ذکر کرنے کا حکم
- ۱۰۷ ..... نئی ذمہ داری سے متعلق لگائی گئی شرط کا حکم
- ۱۱۰ ..... ایک شبہ کا ازالہ
- ۱۱۲ ..... تفویض کے سلسلے میں چند مفید مشورے
- ۱۱۵ ..... طلاق دینے کی صورت میں مہر کی زیادتی کی شرط
- ۱۱۸ ..... ملازمت سے نہ روکنے کی شرط
- ۱۲۰ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا شمس پیرزادہ
- ۱۲۵ ..... تفویض طلاق
- ۱۲۷ ..... ضروری اقتباسات
- ۱۳۳ ..... دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں مہر میں اضافہ؟
- ۱۳۴ ..... کیا اشراط فی النکاح شریعت میں پسندیدہ ہے؟
- ۱۳۶ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی
- ۱۳۸ ..... کیا تفویض طلاق واپس لی جاسکتی ہے؟
- ۱۳۹ ..... تفویض طلاق کی مدت
- ۱۳۹ ..... شرائط کب معتبر ہوں گی
- ۱۴۱ ..... تفویض طلاق اور احتیاطی قیود
- ۱۴۳ ..... طلاق اور عدم طلاق کی شرط پر مخصوص مہر
- ۱۴۳ ..... طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں
- ۱۴۴ ..... نکاح ثانی کرنے اور نہ کرنے پر کم و بیش مہر کی شرط



- ۱۳۶ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی
- ۱۳۷ ..... مقصد نکاح سے گریز کی شرط
- ۱۵۲ ..... دونوں فریقوں کے دلائل پر ایک نظر
- ۱۵۸ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں
- ۱۶۰ ..... عقد نکاح میں شرائط ذکر کرنا
- ۱۶۱ ..... طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کی تدبیر
- ۱۶۳ ..... نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کرنا
- ۱۶۴ ..... عورت کا ملازمت سے سبکدوش نہ ہونے کی شرط
- ۱۶۶ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا محمد طیب الرحمن صاحب
- ۱۶۹ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام
- ۱۷۵ ..... اشتراط فی النکاح۔ مفتی عزیز الرحمن فتحپوری
- ۱۸۱ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب
- ۱۸۲ ..... معاوضات غیر مالیہ
- ۱۹۱ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا انیس الرحمن قاسمی
- ۱۹۲ ..... شرط صحیح
- ۱۹۵ ..... شرط فاسد
- ۱۹۶ ..... شرط باطل
- ۱۹۶ ..... فاسد و باطل کے درمیان فرق
- ۱۹۷ ..... نکاح فاسد اور شرط فاسد کے درمیان فرق
- ۱۹۸ ..... عورت کی طرف سے ملازمت میں رہنے کی شرط
- ۱۹۹ ..... عورت کا عقد نکاح میں حق طلاق کی شرط لگانا
- ۲۰۰ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
- ۲۰۳ ..... دیگر مذاہب پر ایک نظر
- ۲۰۵ ..... نکاح پر شرط فاسد کے اثرات
- ۲۰۷ ..... تعلیق طلاق کی شرط
- ۲۰۸ ..... تنویض طلاق کی شرط
- ۲۱۰ ..... تنویض کے بعد رجوع
- ۲۱۱ ..... مہر مشروط سے متعلق مسائل
- ۲۱۳ ..... نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کے شرعی احکام
- ۲۱۵ ..... شرطوں کی تین قسمیں
- ۲۱۷ ..... پہلی قسم کا حکم اور جائز شرطیں
- ۲۱۷ ..... دوسری قسم کا حکم اور ناجائز شرطیں
- ۲۱۹ ..... تیسری قسم کا حکم اور مباح شرطیں

- ۲۲۰ ..... شرعی دلائل کا مقتضی
- ۲۲۳ ..... نکاح تمام قسم کی شرطوں سے خالی ہونا چاہئے
- ۲۲۳ ..... نکاح میں تفویض یعنی عورت کو خود طلاق واقع کر لینے کی شرط لگانے کا حکم
- ۲۲۶ ..... تفویض کے بعد شوہر کا حق رجوع باقی نہیں رہتا
- ۲۲۶ ..... تفویض کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام
- ۲۲۸ ..... زبردستی اقرار نامہ لکھوانے کا حکم
- ۲۲۹ ..... احتیاطی تدابیر
- ۲۳۰ ..... تعلیق و تردید کے ساتھ مہر متعین کرنے کا شرعی حکم
- ۲۳۰ ..... امام صاحب کے مسلک کی توضیح اور غلط فہمی کا ازالہ
- ۲۳۲ ..... صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا مسئلہ کا حل نہیں
- ۲۳۲ ..... حضرت تھانوی کی رائے
- ۲۳۳ ..... حضرت گنگوہی کا فتویٰ
- ۲۳۳ ..... مناسب حیلہ اور مفید تدبیر
- ۲۳۶ ..... عقد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم۔ مولانا نور الحق رحمانی
- ۲۴۰ ..... حنا بلہ کا مسلک
- ۲۴۲ ..... جمہور فقہاء کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف
- ۲۴۳ ..... شرط فاسد اور اس کا حکم
- ۲۵۲ ..... بوقت نکاح عورت کی جانب سے ملازمت اختیار کرنے کی شرط
- ۲۵۳ ..... مشروط نکاح کے چند بنیادی احکام۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی
- ۲۵۸ ..... طلاق نہ دینے کے ساتھ مشروط مہر
- ۲۶۰ ..... مسئلہ دائرہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا
- ۲۶۳ ..... نکاح میں شرائط مقرر کرنے کا شرعی حکم۔ مفتی نسیم احمد قاسمی
- ۲۶۳ ..... فقہ حنفی میں شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام
- ۲۶۶ ..... حنا بلہ کے نزدیک شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام
- ۲۷۰ ..... تفویض طلاق کا حکم
- ۲۷۱ ..... دو طرح کا مہر مقرر کرنا
- ۲۷۲ ..... عورت کے لئے نکاح میں ملازمت کی شرط لگانا
- ۲۷۳ ..... مشروط نکاح۔ مولانا ولی اللہ قاسمی
- ۲۸۰ ..... دلائل کا ایک جائزہ
- ۲۸۲ ..... تفویض طلاق
- ۲۸۳ ..... الفاظ تفویض
- ۲۸۳ ..... تفویض کب درست ہے؟
- ۲۸۵ ..... مشروط تفویض



- ۲۸۶ ..... کیا شرط کے ساتھ تفویض نکاح مشروط نکاح ہے؟
- ۲۸۸ ..... ملازمت پیشہ عورت
- ۲۹۰ ..... اشتراط فی النکاح۔ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں۔ مولانا اختر امام عادل
- ۲۹۱ ..... موضوع سے متعلق قرآن و حدیث کے نصوص
- ۲۹۳ ..... "اشتراط فی النکاح" فقہ کے یہاں
- ۲۹۵ ..... شافعیہ
- ۲۹۶ ..... مالکیہ
- ۲۹۷ ..... حنفیہ
- ۲۹۹ ..... عورت کے لئے خیار طلاق
- ۲۹۹ ..... ان دونوں شکلوں میں فرق کی وجہ دو ہیں
- ۳۰۰ ..... نکاح میں ملازمت کی شرط
- ۳۰۱ ..... قسم ثالث۔ نکاح کے وقت خارجی شرائط
- ۳۰۵ ..... مہر سے متعلق شرطیں
- ۳۰۷ ..... خلاصہ جوابات
- ۳۱۰ ..... مشروط نکاح اور اس کے احکام۔ مفتی اقبال احمد کانپوری
- ۳۱۱ ..... شرائط کا ایک عمومی حکم
- ۳۱۳ ..... مشروط نکاح کا مصداق
- ۳۱۵ ..... عورت کی ملازمت کی شرط
- ۳۱۶ ..... نکاح میں تفویض طلاق کی شرط
- ۳۱۸ ..... تفویض قبل النکاح
- ۳۱۹ ..... تفویض بوقت نکاح
- ۳۱۹ ..... احتیاطی تدبیر
- ۳۲۰ ..... تعلیق و تردید کے ساتھ مہر کی تعیین
- ۳۲۲ ..... مسائل اشتراط فی النکاح۔ مولانا اخلاق الرحمان
- ۳۲۷ ..... حق تفویض کی واپسی
- ۳۲۸ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتیں اور حکم
- ۳۲۹ ..... کم و بیش مہر کی شرط
- ۳۳۱ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا عبدالرشید جوینپوری
- ۳۳۶ ..... جواب نامہ بابت تفویض طلاق
- ۳۳۹ ..... تفویض کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے
- ۳۴۳ ..... نکاح و طلاق میں مختلف شرطوں کی شرعی حیثیت۔ مولانا محمد عزیز اختر قاسمی
- ۳۴۶ ..... تفویض طلاق بوقت نکاح
- ۳۴۸ ..... تفویض کے بعد شوہر اس کو ختم نہیں کر سکتا ہے

- ۳۴۹ ..... عقد نکاح میں تفویض کی شرط کی تین صورتیں
- ۳۵۲ ..... تفویض طلاق میں کچھ ضروری قیدوں کا اضافہ ضروری
- ۳۵۳ ..... تفویض طلاق کی وجہ سے مصالح شرع متاثر نہیں
- ۳۵۴ ..... مالی سزا کے تقرر کی ایک صورت
- ۳۵۶ ..... نکاح میں عدم تزوج کی شرط لگانا
- ۳۵۹ ..... عورت کا اپنی ملازمت کی شرط لگانا
- ۳۶۱ ..... اشتراط فی النکاح اور اس کے احکام۔ مولانا محمد اقبال قاسمی
- ۳۶۲ ..... شرائط تفویض اور اس کے احکام
- ۳۶۵ ..... عقد نکاح سے قبل شرائط شرائط تفویض
- ۳۶۶ ..... بوقت عقد نکاح شرائط تفویض
- ۳۶۸ ..... عقد نکاح کے بعد شرائط تفویض
- ۳۶۹ ..... تفویض نامہ میں احتیاطاً مزید قیودات
- ۳۶۹ ..... مہر کی تکثیر و تقلیل کا مدار وجود شرط پر
- ۳۷۱ ..... خواتین کی ملازمت کی شرعی حیثیت اور عقد نکاح میں اس کی شرط
- ۳۷۲ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا شاہد قاسمی
- ۳۷۹ ..... تصیاطی صورت
- ۳۸۰ ..... تفویض طلاق سے رجوع
- ۳۸۴ ..... نکاح اور مسائل شروط۔ مولانا بدر احمد نجفی
- ۳۹۱ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا محمد فضل الرحمان ارشادی
- ۳۹۲ ..... تفویض قبل النکاح
- ۳۹۸ ..... اشتراط فی النکاح کا مسئلہ۔ مولانا عمران قاسمی
- ۴۰۳ ..... اشتراط فی النکاح کا حکم۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی
- ۴۰۴ ..... نکاح میں شرط کی صورتیں
- ۴۰۶ ..... شرائط نکاح سے متعلق بعض ضروری مسائل و دلائل۔ مولانا ابو بکر صاحب
- ۴۰۷ ..... شرائط نکاح اور ان کے احکام
- ۴۱۴ ..... تفویض طلاق کی شرعی حیثیت اور اس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل
- ۴۱۹ ..... پہلی بیوی کا مہر دوسری شادی کرنے نہ کرنے پر متعین کرنا
- ۴۲۰ ..... عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا
- ۴۲۲ ..... نکاح میں شرطیں لگانا۔ مولانا سید اسرار الحق سہیلی (ایم۔ اے)
- ۴۲۲ ..... نفقہ وغیرہ کی شرط لگانا
- ۴۲۳ ..... بعض ذمہ داریوں سے سبکدوشی کی شرط
- ۴۲۵ ..... نکاح میں شرائط کی صورتیں
- ۴۲۷ ..... طلاق کی صورت مہر میں اضافہ



- ۲۲۸ ..... دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط
- ۲۳۰ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولوی نعیم اختر قاسمی
- ۲۳۰ ..... بوقت نکاح لگائی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم
- ۲۳۳ ..... کیا بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد اس سے رجوع ممکن ہے؟
- ۲۳۴ ..... نکاح میں شرط لگانے کی صورتیں
- ۲۳۴ ..... بوقت نکاح عورت کو مشروط طور پر طلاق کا اختیار دینا مصلحت کے منافی نہیں
- ۲۳۵ ..... طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں مہر متفاوت ہونا
- ۲۳۶ ..... کیا صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟
- ۲۳۶ ..... کسی دوسری عورت سے شادی کرنے پر مہر کم مقرر کرنا
- ۲۳۸ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولوی محمد نور القاسمی
- ۲۳۸ ..... مقتضیات عقد شرائط
- ۲۳۹ ..... غیر مقتضیات عقد اور منافی عقد شرائط
- ۲۴۱ ..... غیر مقتضیات اور غیر منافی عقد شرائط
- ۲۴۲ ..... بین الفریقین طے شدہ اقرار نامہ
- ۲۴۳ ..... رجوع بعد التفویض کا حکم
- ۲۴۵ ..... مصالح کی حفاظت کیلئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاطیں
- ۲۴۵ ..... فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے
- ۲۴۷ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولوی محمد یوسف خاں قاسمی
- ۲۴۸ ..... نکاح میں شرط کی تینوں صورتوں کا حکم
- ۲۵۰ ..... طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے
- ۲۵۱ ..... مہر کی کمی بیشی کی تعلیق دوسرے نکاح پر
- ۲۵۱ ..... نکاح کے وقت عورت کا ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا
- ۲۵۳ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولوی ہارون الرشید مظاہری
- ۲۵۸ ..... عورت کا ملازمت کی شرط لگانا
- ۲۵۹ ..... مختصر تحریریں۔ زیر بحث مسائل سے متعلق مختصر جوابات
- ۲۶۰ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا برہان الدین صاحب <sup>سنہجلی</sup>
- ۲۶۰ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں
- ۲۶۱ ..... عورت کا مہر دس ہزار ہے
- ۲۶۲ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا زبیر احمد قاسمی
- ۲۶۳ ..... تفویض طلاق کی مختلف صورتوں کا حکم
- ۲۶۸ ..... اشتراط فی النکاح۔ مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی
- ۲۷۰ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی
- ۲۷۲ ..... اشتراط فی النکاح۔ مفتی محفوظ الرحمان

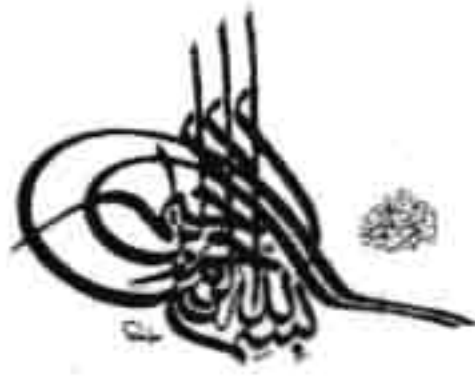
- ۴۷۳ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں
- ۴۷۴ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا محمد رضوان القاسمی
- ۴۷۵ ..... تفویض طلاق
- ۴۷۵ ..... مہر مشروط
- ۴۷۶ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا عبداللہ جو لم صاحب
- ۴۸۳ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا عبدالجلیل قاسمی
- ۴۸۷ ..... نکاح اور شرائط۔ مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی۔ الجواب
- ۴۹۱ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا محمد رفیق ابن آدم فلاحی۔ الجواب
- ۴۹۲ ..... نکاح میں تینوں قسم کی شرائط کا حکم اس طرح ہوگا
- ۴۹۵ ..... اشراط فی النکاح کا مسئلہ۔ مفتی محمد اسلم۔ الجواب
- ۵۰۴ ..... اشراط فی النکاح۔ مفتی ریاست علی قاسمی
- ۵۰۴ ..... عقد نکاح میں شرط لگانے کا حکم
- ۵۰۵ ..... عقد نکاح میں مذکورہ دونوں قسم کی شرائط کے علاوہ شرائط کا حکم
- ۵۰۶ ..... عقد نکاح میں عورت کی طرف سے طلاق کے اختیار کی شرط لگانے کا حکم
- ۵۰۷ ..... عورت کو تفویض طلاق کی صورت میں مصالحہ شرعیہ کے ضیاع کا اندیشہ اور اس کا حل
- ۵۰۷ ..... تفویض طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا حکم
- ۵۰۸ ..... شوہر کے طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں اختلاف مہر کا حکم
- ۵۰۸ ..... کثرت طلاق کی وباء کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا حکم
- ۵۰۹ ..... عقد نکاح میں عورتوں کی طرف سے اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کی شرط کا حکم
- ۵۱۰ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا عبدالرحمان، چھاپی
- ۵۱۴ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام
- ۵۱۴ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا عبدالقیوم پالپوری القاسمی
- ۵۱۸ ..... اشراط فی النکاح۔ مفتی محمد معز الدین
- ۵۲۰ ..... تفویض طلاق بوقت نکاح
- ۵۲۳ ..... اشراط فی النکاح۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی
- ۵۲۵ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا نذر توحید مظاہری
- ۵۲۷ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا محمد اختر قاسمی
- ۵۳۰ ..... اشراط فی النکاح۔ مولوی نوشاد عالم قاسمی
- ۵۳۳ ..... اقباسرات۔ تخصص فی الفقہ اور تربیت قضاء و افتاء کے طلبہ کے مقالات سے منتخب حصے
- ۵۳۳ ..... اشراط فی النکاح۔ مولانا محمد شہباز عالم ندوی
- ۵۳۵ ..... فریقین اپنی ذمہ داریوں سے گریز کریں
- ۵۳۷ ..... مشروط نکاح کی شرعی حیثیت۔ مولوی انور حسین چتر اوی
- ۵۴۰ ..... نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں۔ مولوی محمد شہاب الدین انیس سمیلی



- ۵۴۰ ..... فریقین کا تقاضہ عقد کے مطابق شرط لگانا
- ۵۴۱ ..... فریقین کا مقتضیات عقد کے خلاف شرط لگانا
- ۵۴۲ ..... تیسری قسم کی شرائط کا حکم
- ۵۴۳ ..... نکاح میں نفقہ، سکنی اور کسوہ کی شرط لگانا۔ مولوی محمد عارف مظہری
- ۵۴۵ ..... کسی ذمہ داری سے گریز کی شرط
- ۵۴۶ ..... تفویض طلاق کا مسئلہ۔ مولوی محمد مجتبیٰ مظاہری
- ۵۴۹ ..... اشتراط فی النکاح۔ مولوی سجاد الاسلام قاسمی
- ۵۵۳ ..... تفویض طلاق کا حکم۔ مولوی احمد نادر القاسمی
- ۵۵۲ ..... تفویض طلاق سے رجوع
- ۵۵۴ ..... نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں
- ۵۵۶ ..... جائین کے لئے مفید قیدیں
- ۵۵۶ ..... کیا تفویض طلاق سے مصالح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ہے؟
- ۵۵۷ ..... تفویض طلاق اور احتیاطی قیودات۔ مولوی عبدالقادر قاسمی
- ۵۵۸ ..... طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا جائز نہیں؟
- ۵۵۸ ..... شرط کی تین صورتیں۔ قبل العقد، بعد العقد، وقت العقد
- ۵۶۳ ..... تفویض طلاق اور اس کی شرطیں۔ مولوی نسیم الدین قاسمی
- ۵۶۹ ..... تفویض طلاق کا شرعی حکم۔ مولوی محمد نعیم رشیدی
- ۵۷۲ ..... شرائط نکاح کی تین صورتیں
- ۵۷۴ ..... تفویض طلاق۔ مولوی محمد حاذق قاسمی
- ۵۷۶ ..... تفویض و اختیار کے ساتھ مزید احتیاطی قیدیں
- ۵۷۷ ..... مہر کی دو مشروط مقدار۔ مولانا محمد انظر سمبیلی
- ۵۷۹ ..... طلاق کو روکنے کے لئے مہر میں کمی اور زیادتی کی شرط۔ مولوی محمد ہارون القاسمی
- ۵۸۱ ..... عورت کا بغرض ملازمت باہر نکلنا
- ۵۸۳ ..... مہر میں زیادتی کی شرط۔ مولوی عتیق الرحمن سیوانی
- ۵۸۴ ..... حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ
- ۵۸۷ ..... مہر کی کمی اور زیادتی کو طلاق پر معلق کرنا۔ مولوی محمد عاقل قاسمی
- ۵۸۸ ..... بوقت نکاح مہر کی کمی و بیشی کو دوسری عورت سے نکاح کرنے نہ کرنے پر معلق کرنا
- ۵۹۰ ..... انسداد طلاق کے لئے مہر میں اضافہ۔ مولوی احکام الحق قاسمی
- ۵۹۰ ..... صاحبین کے قول پر فتویٰ
- ۵۹۳ ..... بیوی کی طرف سے شرط ملازمت۔ مولوی معین الدین قاسمی
- ۵۹۳ ..... عورت کا ملازمت کے سلسلہ میں باہر نکلنا
- ۵۹۶ ..... نکاح میں عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط۔ مولوی سمیع اللہ قاسمی
- ۵۹۸ ..... نکاح میں شرط ملازمت اور اس کا حکم۔ مولوی محمد منصور عالم قاسمی

- ۶۰۲ ..... عقد نکاح میں خواتین کی طرف سے شرط ملازمت - مولوی نظام الدین قاسمی
- ۶۰۳ ..... مباحثہ - زیر بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں پر دلائل کی روشنی میں شرکائے سیمینار کا تفصیلی مباحثہ ..
- ۶۰۵ ..... اشتراط فی النکاح سے متعلق مباحثہ ..
- ۶۰۵ ..... ذیلی کمیٹی کی مجوزہ تجویز ..
- ۶۰۸ ..... مولانا سید نظام الدین صاحب ..
- ۶۰۸ ..... مولانا مجاہد الاسلام صاحب ..
- ۶۰۹ ..... مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب، مولانا سید نظام الدین صاحب ..
- ۶۱۰ ..... مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ..
- ۶۱۱ ..... مولانا قاری امداد اللہ صاحب ..
- ۶۱۱ ..... قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ..
- ۶۱۲ ..... مفتی شبیر صاحب، مولانا عتیق احمد بستوی ..
- ۶۱۳ ..... حکیم ظل الرحمان صاحب ..
- ۶۱۵ ..... مفتی نسیم صاحب، مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ..
- ۶۱۷ ..... مولانا سلطان احمد اصلاحی ..
- ۶۱۸ ..... مولانا ریاست علی صاحب، مولانا زبیر احمد قاسمی ..
- ۶۱۹ ..... مولانا انیس الرحمن قاسمی، مفتی ظفیر الدین صاحب، مولانا عبد اللہ طارق صاحب ..
- ۶۱۹ ..... مفتی عبد الرحمان صاحب، مفتی حبیب اللہ قاسمی - اعظم گڑھ، مولانا قاضی صاحب ..
- ۶۲۰ ..... مولانا جمیل نذیری ..
- ۶۲۱ ..... مولانا مفتی جنید عالم صاحب، مولانا یعقوب اسماعیل منشی ..
- ۶۲۲ ..... مولانا عتیق احمد قاسمی ..
- ۶۲۳ ..... مولانا سعود عالم قاسمی ..
- ۶۲۵ ..... مولانا شاہین جمالی صاحب ..
- ۶۲۶ ..... مفتی نسیم احمد قاسمی ..
- ۶۲۷ ..... ڈاکٹر توقیر عالم صاحب، مولانا انیس الرحمن صاحب ..
- ۶۲۸ ..... مولانا مصطفیٰ مفتاحی، مولانا بدر احمد نجفی، مولانا شمس پیرزادہ صاحب ..
- ۶۲۹ ..... مولانا مجاہد الاسلام صاحب ..
- ۶۳۱ ..... فیصلہ اشتراط فی النکاح ..
- ۶۳۲ ..... ایک عملی اقدام ..
- ۶۳۳ ..... ازدواجی زندگی کی مشکلات اور ان کے حل کی ایک کوشش ..
- ۶۳۶ ..... نکاح نامہ ..
- ۶۳۷ ..... اقرار نامہ ..





## چند تاثرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی  
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

”اسلامک فقہ اکیڈمی ہند“ ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے  
جس پر ہندوستانی مسلمانوں ..... بالخصوص علماء اور دینی  
غیرت و فکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر  
سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص  
تعمیری و فکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس  
میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ و صحیح الفکر اور وسیع العلم علماء  
اور کارکن شامل ہیں۔“

# چند تاثرات

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

”مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے..... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا۔“

# تقدیم

## شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

بمناسبت خطبہٴ صدارت چوتھے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۲ء حیدرآباد (دکن)

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى: اما بعد!

میرے لئے یہ بات بہت بڑے اعزاز اور خوشی و مسرت اور یادگار کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے مجھے اس عظیم الشان علمی ادارے کے چوتھے فقہی مذاکرہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اپنے محترم بزرگ جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم کا اور اس اسلامک فقہ اکیڈمی کے تمام منتظمین کا دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا اور نہ صرف ایک سامع اور شریک کی حیثیت میں بلکہ اس افتتاحی اجلاس کی صدارت کی ذمہ داری بھی مجھ ناچیز کو سونپی۔ اس سے پہلے اگرچہ اکیڈمی کی طرف سے ہر سال مجھے دعوت موصول ہوتی رہی لیکن میں اپنے بعض مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا عاںانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد مجہم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ بیہمی نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

”اذا جاءنا امر ليس فيه امر ولا نهى فماذا تأمرنا فيه“



یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

”شاوروا الفقهاء العابدین ولا تمضوا فیہ برای خاص“

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نئے نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگادی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنالے، اس کے حاکم بیان کر دے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ یہ بات فرمایا کرتے تھے:

”کہ اگر میرا علم بمعنی جان لینا کوئی کمال کی بات ہوتی تو شاید ابلیس سے بڑا

صاحب کمال اس کائنات میں کوئی نہ ہوتا۔“

اس لئے کہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے صرف جان لینے کا، علم حاصل کر لینے کا، تو ابلیس کو علم بہت بڑا حاصل تھا، بہت کچھ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اور عقل کے اعتبار سے بھی آپ دیکھیں تو عقل، خالص عقل، جو وحی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس عقل کے اعتبار سے اس نے جو دلیل پیش کی، سجدہ نہ کرنے کی، کہ اے اللہ تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھ کو آگ سے پیدا کیا،



اختیار انہیں نہ دیا جائے بلکہ خاص شرائط کے ساتھ دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے عورت کے بجائے دارالقضاء کو حق طلاق تفویض کئے جانے کو مستحسن سمجھا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب کی رائے میں آیت تمخیر کو تفویض طلاق پر معمول کیا جانا درست نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی رائے کی تائید میں قرآن و حدیث کے متعدد دلائل نقل کئے ہیں۔

### طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی زائد مقدار

مقالہ نگار حضرات مسئلہ ہذا میں دو طرح کی رائے رکھتے ہیں، کچھ حضرات نے صاحبین کے قول کو وقت کی ضرورت اور قابل ترجیح قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس رائے کے اپنانے والوں میں سے بعض حضرات اسے مسئلہ کا پورا حل نہیں سمجھتے ہیں، اور بعض دیگر حضرات مہر کی زیادتی کو تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کرنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ تین طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً مہر کے خوف سے طلاق کا ناروا اقدام نہ ہو۔

(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عتیق احمد صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اختر امام عادل صاحب، مولانا جنید عالم صاحب، مولانا نذر توحید صاحب، مولانا ریاست علی قاسمی صاحب وغیرہ)

دوسری رائے یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہی اختیار کیا جائے گا، ان حضرات کا استدلال ہے کہ ضرورت اگر تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود ہے اور خلاف عقل و نقل ہے، کیونکہ کثرت مہر سے مقصود محض شوہر کے لئے استعمال طلاق کو دشوار بنانا ہے، جب کہ یہ نظریہ شرعاً مردود ہے کیونکہ یہ تمخیر مشروع کے مرادف ہے، نیز عقلاً بھی یہ تدبیر غیر مفید بلکہ مضر ہے کیونکہ بسا اوقات طلاق دینے کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے اور مہر کی زیادتی کی وجہ سے شوہر طلاق نہیں دیتا اور ظلم پر ظلم کرتا رہتا ہے۔

(مفتی محمد زید صاحب، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی صاحب، مولانا عبد القیوم پالنپوری صاحب، مولانا زبیر احمد صاحب، مولانا نسیم الدین قاسمی صاحب، مولانا محفوظ الرحمان صاحب وغیرہ)

مولانا مفتی جنید عالم صاحب ندوی نے طلاق اور عقد ثانی دونوں میں فرق کیا ہے موصوف کی رائے میں طلاق کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں تو صاحبین کی رائے اختیار کرنا مناسب ہے، لیکن عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں امام صاحب کی رائے اختیار کی جائے گی۔

## طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں

بعض حضرات اس سلسلہ میں اس بات کے قائل ہیں کہ شوہر سے اقرار کرایا جائے کہ بلا قصور عورت کو طلاق دے تو بطور متہ مطلقہ بیوی کو ایک مخصوص رقم دینی ہوگی (مولانا محفوظ الرحمن صاحب)

بلا قصور طلاق دینے پر تادیبی سزا مقرر کی جائے گی مثلاً چھ ماہ قید یا مشقت کی مسلم پرسنل لا بورڈ سفارش کرے۔

### نکاح بشرط ملازمت

اس مسئلہ میں شرکاء کی دو رائیں ہیں۔

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر شرعی پردہ و حیا کی رعایت رکھی جائے اور شرعی حدود میں رہ کر انجام دیا جائے تو عورت کے لئے ملازمت کی شرط لگانا درست ہے۔

(مولانا ریاست علی قاسمی صاحب، مولانا اختر امام صاحب، مولانا شمس پیر زادہ صاحب، مولانا محفوظ الرحمن

شاہین جہالی صاحب، مولانا ممتاز عالم مصباحی صاحب)

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عورت کی بنیادی ذمہ داری گھر اور بچوں کی نگہداشت ہے۔ ملازمت تقاضائے نکاح میں رکاوٹ بنتی ہے، نیز ملازمت سے جو حصول رقم مقصود ہے وہ نکاح کے بعد شوہر کی ذمہ داری سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے عورت کو ملازمت کی حاجت نہیں ہے اور ایسی شرط لگانا غلط و باطل ہے۔

(مولانا انیس الرحمن قاسمی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عمتیق احمد قاسمی صاحب،

مولانا نذر توحید صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا محمد ابو بکر صاحب، مولانا محمد زید صاحب، مولانا زبیر احمد

قاسمی صاحب، مولانا مفتی جنید عالم صاحب، مولانا ظفر الاسلام اعظمی صاحب، مولانا نور الحق رحمانی صاحب، مولانا آل

مصطفیٰ صاحب وغیرہ)

# عرض مسئلہ

ہر زیر بحث مسئلہ سے متعلق تمام مقالہ نگاروں کے نقاط نظر اور دلائل کا تجزیہ  
ترجمی رائے اور وجوہ ترجیح

## نکاح میں شرط اور مشروط مہر کا مسئلہ

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی \*

اشتراط فی النکاح کے سوالنامہ میں تفویض طلاق کے علاوہ دو اہم سوالات زیر بحث ہیں، اور دونوں ہی سوالات اس تناظر میں قائم کئے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں شریعت کے بعض احکام اور رخصتوں کے غلط استعمال کی وجہ سے بعض ایسے مفاسد پیدا ہو رہے ہیں جو سراسر منشاء شریعت کے مفائر ہیں، اور اکثر اوقات ان کی سرحدیں جو روتعدی سے جا ملتی ہیں، اس لئے ان دونوں مسائل پر ہم رشتہ بحث آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ ان مسائل پر کل کیا دن ۵۱ جوابات موصول ہوئے ان میں سے ۶۸ جوابات علماء ارباب افتاء کے ہیں اور ان کے نام اس طرح ہیں۔

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا فضیل الرحمن بلال عثمانی، مولانا اقبال احمد کانپوری، مولانا شتیق احمد قاسمی، مولانا مصلح الدین قاسمی، مفتی عبد الرحمن پالنپوری، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا ابو الحسن صاحب، مولانا ابو سقیان صاحب، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ اسمعی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد رفیق فلاحی، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اختر امام عادل، مولانا شاہ الہدیٰ قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا فضل الرحمن رشادی، مولانا محمد انظر سنبلی اور راقم الحروف خالد سیف اللہ رحمانی۔



نیز اسلک فقہ اکیڈمی، امارت شرعیہ پھلوری شریف پنڈ، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد اور دارالعلوم حیدرآباد کے تخصص فی الفقہ کے ۷۳ عزیز طلبہ نے بھی بڑی کاوش کے ساتھ مقالات سپرد قلم کئے ہیں۔

نکاح میں شرط کی بابت اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو انہی حقوق و واجبات کو موکد کرتی ہوں جو شرعاً نکاح سے ثابت ہیں، معتبر ہیں اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں، البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، سوائے اس کے کہ نکاح منعقد یا نکاح موقت کی صورت پیدا ہو جائے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی اضافی شرطیں جن میں عورت کا فائدہ ہو، اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہو اور ان سے منع کیا ہو، نکاح کے درست ہونے میں مانع نہیں ہیں، نکاح ایسی شرطوں کے ساتھ بھی منعقد ہو جائے گا، البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر نکاح کے وقت مرد نے یہ شرط قبول کر لی اور بعد میں اس کو پورا نہ کیا تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟

جمہور فقہاء کے ہاں ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک لازم الایفاء ہیں تو اس مسئلہ میں ترجیح کس رائے کو ہے؟ مولانا عبید اللہ اسمعی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی اور راقم مسطور خالد سیف اللہ رحمانی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں حنابلہ کی رائے اختیار کی جاسکتی ہے، کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اور دلائل دونوں ہی طرف خاصے قوی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ اس وقت موجب طوالت ہوگا، اس کے علاوہ بقیہ حضرات نے جمہور ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اس کو دلائل اور اصول افتاء دونوں اعتبار سے راجح سمجھا ہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے، بعض حضرات نے حنفیہ کے یہاں بھی ایفاء شرط کو لازم قرار دیا ہے جب کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں شرط واجب الایفاء نہیں ہے، عام طور پر لوگوں نے لکھا ہے کہ حنابلہ کے یہاں یہ اور اس قسم کی شرطیں واجب الایفاء ہیں دوسروں کے یہاں واجب الایفاء نہیں ہیں۔ لیکن اگر فقہاء کی نقول پر نظر غائر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سمجھنا کہ حنفیہ کے یہاں ایفاء شرط مطلقاً واجب نہیں، صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمارے نزدیک یہ شرط عام طور پر عموم و موعید کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ وعدے

دیانتاً واجب الایفاء ہوتے ہیں، قضاء واجب الایفاء نہیں ہوتے، اسی لئے امام ابو بکر جصاص رازی "یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود" کے ذیل میں شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وہو موم فی ایجاب الوفا، بجمیع ما یشرط الانسان علی نفسه ما لم تقم دلالة  
تخصیصہ۔ احکام القرآن ج ۳ ص ۲۸۲)

وہ عام ہے ان تمام چیزوں کو واجب قرار دینے میں جو انسان اپنے آپ پر مشروط کر لے جب تک کہ کوئی دلیل  
تخصیص نہ آجائے۔

علامہ صفینی نے حنفیہ کا نقطہ نظر اس طرح نقل کیا ہے :

یومر الزوج بتقوی اللہ و الوفا، بالشروط و یحکم بذلک حکما، معدة القاری ج ۲۰ ص

(۱۳۰)

شوہر کو تقویٰ اور ایفاء شرط کا حکم دیا جائے گا اور اس بارے میں قطعی حکم دیا جائے گا۔

مولانا انور شاہ صاحب نے اشترط فی النکاح میں حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والشروط التي لا تنافی النکاح جائزة و توفی دیانته و لا تلزم قضاء، العرف الشذی ج ۱

ص ۲۱۲)

جو شرطیں منافی نکاح نہیں ہیں وہ جائز ہیں، دیانتہ ان کو پورا کرنا واجب ہے، قضاء واجب نہیں۔

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ حابله کے نزدیک بعینہ شرط کی تکمیل واجب ہے، حنبلی مکتب فقہ کے معروف

عالم فرماتے ہیں۔

ولا یجب الوفا، بہا بل یسن، الاقناع ج ۳ ص ۱۹۰)

اس شرط کی تکمیل واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟ حنفیہ کے

زادیک مہر مقررہ کے بجائے مہر مثل یعنی عورت کے خاندان میں مروجہ مہر کی مقدار اگر مقررہ مہر سے زیادہ ہو تو وہ

واجب ہوگا، اور حابله کے نزدیک عورت کو مطالبہ تفریق کا حق ہوگا۔

اب اس وضاحت کے بعد یہ عرض ہے کہ دلائل فریقین کے قوی ہیں اور دور صحابہ میں بھی اس مسئلہ میں

اختلاف رہا ہے، اس لئے مسئلہ دلائل کی قوت و ضعف کا نہیں اور نہ ہمارا یہ مقام ہے کہ ایسے مسائل میں محاکمہ کی

جسارت کی جائے، مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں مصلح کا تقاضا کیا ہے؟ اور جن

حضرات نے اس مسئلہ میں حنبلی مکتبہ فکر کی رائے کو قابل قبول سمجھا ہے ان کا منشاء بھی دراصل یہی ہے، لیکن غور

کیا جائے تو یہ مسئلہ کا حقیقی حل نہیں ہے، مرد اگر شرعی حدود و قیود کی رعایت کے بغیر دوسرا نکاح کرتا ہے، تو جو شخص بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کے حکم میں خدا سے بے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے عاری ہے اس کے بارے میں یہ توقع رکھنا کہ بیوی کی علاحدگی کا خوف اس کو جاد و مستقیم پر قائم رکھے گا، بہ ظاہر بے سود نظر آتا ہے، اور عورت کو اتنا ساقی فقہ حنفی کے 'نرہ میں رہتے ہوئے' تقویض طلاق کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اس لئے مشروط نکاح کی بجائے "مشروط مہر" کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے، امام ابو حنیفہ کی رائے میں نکاح کے لئے جو پہلا مہر مقرر ہو وہی "مہر" ہے، شرط کے ساتھ مہر کی جو دوسری مقدار مقرر کی جائے وہ معتبر نہیں، لہذا اگر شوہر نے شرط پوری کی تو پہلا مہر واجب ہوگا اور شرط پوری نہیں کی اور "مہر مثل" کی مقدار اس سے زیادہ ہے تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یہی رائے مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں ہی مقدار معتبر ہے، مثلاً اگر مہر اس طرح مقرر ہو کہ اگر مرد نے اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر دس ہزار ہوگا، دوسرا نکاح کیا تو بیس ہزار ہوگا، تو اسی تفصیل کے مطابق دس اور بیس ہزار روپے بطور مہر واجب ہوں گے، حجاب کی بھی یہی رائے ہے۔

سینار کے مقالہ نگاروں میں کل تینتیس (۳۳) حضرات نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں۔

مولانا عشیق احمد، مولانا عبد الجلیل، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا رفیق بن آدم، مولانا شام السدی قاسمی، مولانا اخلاق الرحمان، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا فضل الرحمان رشادی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی اور خالد سیف اللہ رحمانی۔

جب کہ سترہ (۱۷) حضرات نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں۔ مفتی محمد زید، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیر زادہ، مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا عبد القیوم پاپن پوری، مولانا ابوسنیان، مولانا محفوظ الرحمان، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا اقبال احمد، مولانا عبد الرحمان، مولانا فضل الرحمان بلال عثمانی، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جہالی، مولانا عبید اللہ سعدی، عام طور پر مقالہ نگاروں نے اس مسئلہ پر دونوں نقطہ نظر کے دلائل پر زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں کی ہے، اور خود ان علماء و مؤلفین نے بھی اس مسئلہ پر اختصار ہی کی راہ اختیار کی ہے جو اس اختلاف رائے کے ناقل و راوی ہیں۔ اس حیر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے، اور اس سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔



(۱) ہندوستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگمی، اسلامی مزاج و مذاق سے محرومی، نظام قضاء کا فقدان اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی رسوم سے تاثر، ایسی حقیقتیں ہیں جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ پھپھانے کے مترادف ہوگا، حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے۔ اسی طرح طلاق کا استعمال بھی۔ باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے۔ غالباً اب بھی مسلم سماج میں بہت زیادہ نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فی صد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ و متین فیصلہ کے تحت نہیں بلکہ وقتی رد عمل کے تحت کیا جاتا ہے، اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے، لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے، دوسری اقوام کے درمیان جو جگہ بنانی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں، ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں۔ ان حالات میں تعیین مہر کی یہ صورت ایک حد تک مشکلات کا مداوا بن سکتی ہے اور ضرورت کے مواقع پر ایک فقہی رائے سے دوسری رائے کی طرف عدول ضعیف دلیل کے باوجود درست ہے۔

شامی کا بیان ہے۔

قلت۔ لکن هذا فی غیر مواضع الضرورة فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث الوان الدماء، اقوالاً ضعیفة ثم قال۔ وفي المراج من فخر الائمة لو افتی مفت بشئ من هذه الاقوال فی مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً۔ وكذا قول ابی یوسف فی المنی اذا اخرج بعد فتور الشهوة لا یجب به الغسل۔ ضعیف۔ و اجازوا العمل به للمسافر او الضیف الذی خاف الریبة كما سياتی فی محله و ذلك من مواضع الضرورة ارد المتحارج ۱ ص ۵۱

میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو، چنانچہ "بحر" کے باب الحيض میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند ضعیف اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے کہ "مراج" میں فخر الائمہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر ازراہ سولت فتویٰ دے تو بہتر ہوگا، اسی طرح کہ شہوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا، اور یہ مواقع ضرورت میں ہے۔



اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ مشائخ نے بستے موقع پر دلائل کی قوت کے مقابلہ ایسی رائے کو اختیار کیا ہے جس میں امت کے لئے سہولت زیادہ ہو، علامہ شامی نے ایک مسئلہ میں بہ مقابلہ امام صاحب کے صاحبین کی رائے پر فتویٰ نقل کیا ہے، پھر مختلف اہل علم سے نقل کیا ہے کہ دلیل امام صاحب کی زیادہ قوی ہے مگر ازراہ آسانی فتویٰ صاحبین کی رائے پر ہے، لکھا ہے۔

وظاهره ترجیح التیسیر علی قوۃ الدلیل ارد المحتار ج ۲ ص ۷۱

جو گویا افتاء کے لئے ایک قاعدہ کا درجہ رکھتا ہے، اسی لئے مشائخ نے جن مسائل میں ایک سے زیادہ اقوال نقل کر کے یہ وضاحت نہ کی ہو کہ کون سا قول صحیح و راجح اور مفتی بہ ہے؟ ان میں ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ جس قول میں امت کے لئے آسانی و سہولت زیادہ ہو وہ راجح ہوگا۔  
علامہ حنفی لکھتے ہیں:

فان قلت . قد يحكون اقوالا بلا ترجيح و قد يختلفون في الصحيح قلت . يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف و احوال الناس و ما هو الارق و ما ظهر عليه التعامل و ما قوی وجه الدر المختار علی هامش الرد ج ۱ ص ۵۷

اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں، میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے یعنی عرف، لوگوں کے حالات، ان کے لئے آسان تر، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل کے اعتبار سے قوی قول پر عمل کیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسی جزئیات بہ کثرت موجود ہیں جن میں امت کے لئے سہولت و آسانی کی غرض سے بہ مقابلہ امام صاحب کے صاحبین یا ان میں سے ایک کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً

امام ابو حنیفہ کے نزدیک روٹی کو نہ وزن سے قرض لیا اور دیا جاسکتا ہے اور نہ عدد کے اعتبار سے، لیکن امام محمد کے نزدیک دونوں طرح قرض لین دین کی گنجائش ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۷۰۸)

درخت پر لگا ہوا تیار پھل اس شرط کے ساتھ خرید کیا کہ ابھی یہ درخت پر لگا رہے، تو اس شرط کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہو جائے گی، امام محمد کے نزدیک اس شرط کے باوجود درست ہو جائے گی اور فتویٰ اسی پر ہے (الدر المختار ج ۲ ص ۳۳)

بیع باطل کے ذریعہ خریدار نے کوئی چیز حاصل کی اور اس کے پاس وہ چیز ضائع ہوگئی، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک خریدار اس کا ضامن نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۸)

ریشم کے کیڑے اور انڈے کی خرید و فروخت امام صاحب کے یہاں جائز نہیں اور یہی رائے امام ابو یوسف کی بھی ہے امام کے یہاں جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ( الدر المختار ج ۲ ص ۱۱۷ )

مباشرت فاحشہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک موجب وضو ہے ، امام محمد کے یہاں موجب وضو نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے ( فتاویٰ تمار خانہ ج ۱ ص ۲۲ )

تداوی بالگرام امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے یہاں جائز نہیں ہے ، امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ( رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۱ )

(۲۱) بعض اوقات صاحبین کی رائے کو قوت دلیل کی بنا پر ترجیح دیا جاتا ہے ۔ مثلاً :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک منرب کا وقت شفق ابیض کے ڈوبنے تک ہے ، اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر کے ڈوبنے تک ، اور فتویٰ بقول شارح وقایہ کے صاحبین کے قول پر ہے ( ہندیہ ج ۱ ص ۵۱ )  
سجدہ شکر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ، اس لئے مکروہ ہے ، امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک مستحب و باعث ثواب ہے ۔ اور فتویٰ اسی پر ہے ( ہندیہ ج ۱ ص ۳۶-۱۳۵ )

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۳۰ سے زیادہ ۳۰ سے کم گائیں ہوں تو ۳۰ سے زائد جانور میں بھی اسی لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جس کو فقہ کی اصطلاح میں " عفو " کہتے ہیں ، صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے ( رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۰ )

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جہاں زکوٰۃ میں بکری واجب ہو ، وہاں چھ ماہ کا دنبہ کافی نہ ہوگا ، صاحبین کے نزدیک کافی ہو جائے گا اور فتویٰ اسی پر ہے ، کیونکہ بقول امام ابن ہمام " الدلیل حجتہ " ( رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۱ )

امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے پر زکوٰۃ واجب ہے ، صاحبین کے نزدیک واجب نہیں ، اور فتویٰ اسی پر ہے کیونکہ بقول اکرم مشائخ : هذا القول اقوی حجتہ ( رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲ )

عدت اگر درمیان ماہ سے شروع ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۹ دن عدت کے گزارنے ہوں گے ، صاحبین کے نزدیک درمیان کے دونوں ماہ چاند کے حساب سے ہوں گے اور ابتدائی مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے بعد کو پورا کیا جائے گا اور فتویٰ اسی پر ہے ، البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۱ )

(۳) اسی سے قریب تر بات یہ ہے کہ اگر امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط

ہو، تو ایسے مواقع پر بھی صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً:

اگر ٹھنڈا پانی مضر ہو اور گرم پانی سے غسل کرنے میں مضرت کا اندیشہ نہ ہو پھر بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک گرم پانی سے غسل کے بجائے تیمم پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے اور ازراہ احتیاط اسی پر فتویٰ ہے (ہندیۃ ج ۱ ص ۲۹)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک بعض تفصیلات کے ساتھ نمیز کا پینا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے اور کپڑے میں لگ جانے تو قباحت نہیں، امام محمد کے نزدیک نہ اس کا پینا جائز ہے نہ اس سے وضو کرنا اور کپڑے میں لگ جانے تو دھونا واجب ہے، اور ازراہ احتیاط فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے (آمارخانہ ج ۱ ص ۲۲۵)

امام صاحب کے نزدیک شدید کراہت و گناہ کے ساتھ یہ جائز ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو شراب فروخت کرنے کا حکم دے اور وہ اس قیمت کو استعمال کر سکتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے **هو الاظہر، الدر المختار ج ۲ ص ۱۳۵**

قبول نکاح کی بابت اختلاف ہو جائے، عورت کے میں نے رد کر دیا تھا، مرد کہے کہ اس نے سکوت اختیار کیا تھا اور گواہان موجود نہ ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر قسم کھلائے ہوئے عورت کا قول معتبر ہوگا، صاحبین کے نزدیک عورت سے حلف لیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے (رد المحتار للفتویٰ قولہما۔ مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۵۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی امام کے ساتھ تکبیر تحریر کئے گا، صاحبین کے نزدیک امام کے تحریر باندھنے کے بعد اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (ہندیۃ ج ۱ ص ۲۸)

یہ مثالیں بہ طور نمونہ اور بے تکلف معمولی تنبیہ سے لکھی ہیں، اگر ان مسائل کا احاطہ کیا جائے جن میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے تو شاید کئی جلدیں مطلوب ہوں، ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ضرورت و مصلحت، قوت دلیل اور احتیاط کی بنا پر بہت سے مواقع پر صاحبین کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ حقیر صاحب سراجیہ کے اس قول سے غافل نہیں ہے کہ:

**ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفۃ ثم بقول صاحبیہ ثم بقول ابی یوسف ثم**

**بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الہذیل ثم بقول حسن بن زیاد السراجیۃ ۱۵۷**

فتویٰ مطلقاً امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے اس کے بعد صاحبین پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر امام زفر اور اس

کے بعد امام حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا۔

گو سراج الدین اودی نے امام صاحب کے مقابلہ صاحبین کے قول کو علی الاطلاق راجح قرار دیا ہے۔ مگر راجح وہی قول معلوم ہوتا ہے جس کو انہوں نے صیغہ تفضیف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

قیل۔ اذا كان ابو حنیفہ بجانب و صاحبہ فی جانب المفتی بالخیار (حوالہ سابق)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابو حنیفہ ہوں اور دوسری طرف صاحبین، تو مفتی کو اختیار

ہے۔

اسی کو حاوی قدسی نے ترجیح دیا ہے، کیونکہ جب قضاء و شہادت کے ابواب میں امام ابو یوسف، ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور سترہ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لئے راجح شمار کیا گیا ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۹۳) تو صاحبین کے قول پر فتویٰ کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے۔

اس موقع پر شامی کی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ:

اذا حکم الحنفی بما ذهب الیه ابو یوسف او محمد او نحوهما من اصحاب الامام فلیس حکما بخلافه فقد افاد ان احوال اصحاب الامام غیر خارجه عن مذہبه فقد نقلوا منهم انهم ما قالوا قول الا وهو مروی من الامام (رد المحتار ج ۳ ص ۳۷۳)

حنفی قاضی اگر امام ابو یوسف، یا امام محمد یا امام صاحب میں سے کسی کی رائے پر فیصلہ کرے تو یہ امام ابو حنیفہ کے خلاف فیصلہ متصور نہ ہوگا، ان سے منقول ہے کہ یہ حضرات جو بھی کہتے ہیں وہ امام صاحب سے بھی مروی ہوتا ہے۔

اسی لئے جو فقہی نظائر اور ذکر کئے گئے، ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مشائخ کی عمومی روش یہی ہے کہ سولت و مصلحت، قوت دلیل اور ورع و احتیاط کے پیش نظر بعض اوقات صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں یہ تینوں باتیں جمع ہیں، جیسا کہ مذکور ہوا، دلائل کے اعتبار سے بھی صاحبین کی رائے کی طرف میلان ہوتا ہے، موجودہ حالات میں یہ سماجی مصلحت سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے اور قرآن مجید کے حکم "وفوا بالعقود"

اور حدیث "احق الشروط ما استحللتم به الفروج" بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ کی رو سے شرط کے مطابق اثر مرتب ہونے میں احتیاط اور نصوص کا پاس و لحاظ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے، پھر فقہاء کا یہ قاعدہ کہ "اصال الکلام اولی من اھمالہ" (مکلف کے کلام کو تہمت خیز بنانا اس کو بے نتیجہ قرار دینے سے بہتر ہے) بھی یہی تقاضا کرتا ہے، اس لئے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔



البتہ جیسے طلاق دینے اور مناسب صلاحیت کے فقدان نے باوجود دوسرا نکاح کرنے میں سماجی بگاڑ ہے۔ اسی طرح طلاق و نکاح ثانی کے ساتھ مہر کی ایسی کثیر مقدار کو مشروط کر دینے میں بھی مفسد کا اندیشہ ہے جس میں کوئی قید و بند نہ ہو، ایسی صورت میں خطرہ یہ ہے کہ مرد طلاق تو نہ دے گا اور دوسرا نکاح تو نہ کرے گا مگر وہ عورت پر ظلم و جور کا دروازہ کھول دے گا اپنی آتش انتقام کو سرد کرے گا۔ اس لئے مناسب ہے کہ مہر اس طرح مقرر کیا جائے کہ مثلاً، زینب کا مہر دس ہزار ہوگا، اور اگر قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر زینب کو طلاق دے گا یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرے گا تو مہر پچاس ہزار ہوگا۔ اس طرح جہاں مہر کی کثیر مقدار مرد کو نامناسب عمل سے باز رکھ سکے گی، وہیں قاضی شریعت سے اجازت کی قید اس کے لئے واقعی ضرورت کے موقع پر طلاق اور نکاح ثانی کے حق سے استفادہ کا دروازہ بھی دار کھے گی۔

ہذا ما صندی واللہ اعلم بالسواب و ملعہ اتم و احکم

عرض مسئلہ

## طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر

مولانا عبد الجلیل قاسمی

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على آله

و صحبه اجمعين اما بعد

حضرات گرامی!

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر کے سلسلہ میں مقالات کی روشنی میں عرض مسئلہ کی ذمہ داری مجھ کو دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ۵۳ مقالات اور ایک مقالہ کی تلخیص و صول ہوئی۔ ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا۔ ان میں تلخیص اور دو مقالوں کے مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی مجھے معلوم نہ ہو سکے۔ ان مقالہ نگار حضرات نے اپنے اپنے مقالہ میں طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں اضافہ مہر کو غلط قرار دیا ہے۔

جناب مولانا مصلح الدین احمد صاحب نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے، جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اپنے مقالہ میں ان دونوں مسئلوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، لیکن اپنی رائے نہیں دی، بلکہ ارباب حل و عقد

کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ مولانا فضیل الرحمن بلال عثمانی صاحب نے طلاق کی صورت میں اضافہ مہر پر گفتگو نہیں کی ہے۔ بلکہ کثرت طلاق کو روکنے کی تدبیر ذکر کی ہے۔ نکاح ثانی پر پابندی لگانے کے لئے مہر کے تفاوت کو غیر معتبر قرار دیا ہے، لیکن کوئی دلیل نہیں دی ہے۔

جناب شمس پیر زادہ صاحب نے طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر میں اضافہ کو جہانہ قرار دیا ہے اور اسی لئے انہوں نے اس کو غلط کہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے شام کے قوانین کی ایک دفعہ اور شیخ عبد الوہاب خلاف کی رائے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بلا وجہ شرمی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور قاضی کے نزدیک ثابت ہو جائے تو قاضی نفقہ عدت کے علاوہ ایک رقم یکشمت، یا ماہانہ بیوی کو شوہر سے دلوا سکتا ہے۔ اور اس طرح کا مصری عدالت کا ایک فیصلہ بھی نقل کیا ہے۔

اگر موصوف اس کو جہانہ تصور کرنے پر اصرار نہ کریں بلکہ اس طرح سوچیں کہ مرد کو عورت سے حق استمتاع جو حاصل ہوتا ہے اس کا معاوضہ عورت مہر کی شکل میں شوہر سے وصول پاتی ہے، عورت اپنی سولت کے پیش نظر اس معاوضہ کی مقدار میں کم و بیش کرنے کی حقدار ہوتی ہے، یعنی اس کو حق ہے کہ وہ کم مقدار مہر پر نکاح کرے یا زیادہ مہر کا مطالبہ کرے۔ اب اگر عورت کو زندگی بھر شوہر کی رفاقت حاصل رہتی ہے، اور اس میں اس کے لئے بہت سی پریشانیوں سے نجات بھی ہے، تو ممکن ہے کہ مہر کی کم مقدار پر بھی وہ شوہر کو حق استمتاع دینے پر راضی ہو جائے۔ لیکن شوہر نے اس کی رفاقت سے انکار کر دیا اور عورت کو حاصل شدہ ساری سولتیں یکسر ختم ہو گئیں تو بھی عورت اسی کم مقدار پر راضی رہے، ضروری نہیں ہے۔ اس لیے وہ اپنی سولتوں کی کمی و زیادتی کی صورت میں اپنے مہر میں زیادتی یا کمی کی شرط عائد کرتی ہے تو اس کو جہانہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

خود موصوف نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ بے جا طلاق کی صورت میں عورت کو نفقہ عدت کے علاوہ بھی رقم دلائی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس اضافہ رقم کو مہر میں اضافہ کہا جائے یا نفقہ کا نام دیا جائے ایک ہی بات ہے۔

اسی طرح ایک عورت اپنے شوہر کی تمام تر توجہات کی تنہا مرکز ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ کم مقدار مہر پر بھی نکاح کر سکتی ہے، اگر شوہر نے دوسری شادی کی، جو جرم نہیں ہے۔ بلکہ شریعت نے اس کو اس کا حق دیا ہے لیکن عورت کے حق میں تو بہر حال تحصیف ہو جاتی ہے۔ اب وہ شوہر کی پوری توجہ کی تنہا مستحق نہیں رہ جاتی۔ ایسی حالت میں اگر وہ زیادہ مہر کی شرط لگاتی ہے تو اس کو جہانہ قرار دینا مناسب نہیں لگتا۔

مولانا مفتی محمد زید صاحب۔ مولانا مفتی اقبال احمد کانپوری اور مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب نے طلاق کی صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ مفتی زید صاحب اور مفتی اقبال احمد صاحب نے صراحتاً عقد ثانی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور مولانا زبیر احمد صاحب نے عقد ثانی کی صورت میں اختلاف ائمہ کا ذکر

کیا ہے، اپنی رائے نہیں دی ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ عقد ثانی کی صورت میں بھی ان حضرات کے نزدیک امام صاحب کا قول ہی قابل عمل ہے۔

مولانا نسیم الدین قاسمی صاحب نے عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور طلاق کی صورت کو ذکر نہیں کیا ہے۔ غالباً ان کے نزدیک بھی طلاق کی صورت میں امام صاحب کا قول ہی راجح ہے۔ مولانا مفتی محمد زبیر صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ امام صاحب کی دلیل قوی بھی ہے، اور فقہاء نے اس کو ترجیح بھی دی ہے، اس لئے اس سے عدول کی گنجائش نہیں۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا تھا۔ لیکن بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ صاحبین کا مسئلہ اختیار کرنے کو خلاف عقل و نقل کہا ہے، اور لکھا ہے کہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے۔ اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کر دو کہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کر سکے شرعاً بھی مردود ہے، اور عقلاً بھی۔ پھر حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی کی عبارتوں سے اس کی قباحت کو بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے۔ پھر آخر میں مولانا موصوف نے ایک مناسب حیلہ اور مفید تدبیر عالمگیری کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرے کہ شوہر اس کو طلاق نہ دے اور اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری سے نکاح نہ کرے۔ اگر اس شرط کے خلاف کرے گا تو مہر مسمی کے بجائے مہر مثل لازم ہوگا۔ اور مہر مثل کو متعین کر دے کہ مہر مثل اتنا ہوگا۔ جو شوہر پر ثقیل ہوگا اور شوہر اس کا اقرار بھی کر لے، مفتی صاحب نے طلاق کی صورت میں زیادتی مہر کو شرعاً و عقلاً مردود کہتے ہوئے تفصیل کے ساتھ جن قباحتوں کو ذکر کیا ہے، ان کے اس مجوزہ حیلہ میں ساری قباحتیں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ مہر مسمی کثیر ہو یا مہر مثل مقرر کیا جائے۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا رہ جائے گا؟

سات حضرات علماء نے دونوں صورتوں میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

(۱) مولانا عاقل خاں قاسمی (۲) مولانا محمد مصطفیٰ ندوی (۳) مولانا آل مصطفیٰ مصباحی (۴) مولانا محفوظ الرحمن

(۵) مولانا عبد الرحمن صاحب قاسمی پالنپوری (۶) مولانا عبد القیوم پالنپوری (۷) مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

(۸) مولانا عبد الرحمن صاحب قاسمی پالن پوری کے مقالہ پر مولانا محمد حنیف صاحب کالنپوری اور مولانا عمران خاں

صاحب نے تصدیقی دستخط کئے ہیں۔ مولانا موصوف اصولی طور پر کثرت طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی مقدار میں

اضافہ سے اتفاق رکھتے ہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ اس کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کی ضرورت نہیں



ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک جس شرط کو پہلے ذکر کیا جائے وہ معتبر اور جو بعد میں مذکور وہ فاسد ہے اس لئے مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر پچاس ہزار روپے ہوگا۔ اور اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر دس ہزار ہوگا۔ اس صورت میں اگر شوہر طلاق دے گا یعنی پہلی شرط پوری کرے گا تو پچاس ہزار مہر لازم ہوگا۔ اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر مثل دے گا۔ یہی رائے مولانا عبد القیوم پالن پوری کی بھی ہے۔

لیکن مولانا محمد یوسف خاں قاسمی نے بحر کی عبارت نقل کر کے اور مولانا مفتی محمد زید صاحب نے بحر اور فتح القدیر کی عبارتیں نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شرط کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں تہدیم و تاخیر کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ تمیز و تعلق ہے، نہ کہ تہدیم و تاخیر یعنی جو شرط منجز ہوگی وہ صحیح ہوگی اور جو معلق ہوگی وہ فاسد ہوگی۔ چاہے جو پہلے یا بعد میں ہو۔

اس تفصیل کے بعد میرا خیال ہے کہ دونوں حضرات اضافہ مہر کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنے کی رائے دیں گے۔

مولانا شاہین جمالی صاحب نے طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل کو لازم قرار دیا ہے۔ البتہ مولانا موصوف نے طلاق کی صورت میں بطور متعہ ایک کثیر رقم شوہر کے ذمہ لازم کرنے سے پہلے اتفاق کیا ہے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ رقم کثیر کی مقدار نفقہ کی صورت میں ہو یا مہر مثل کی صورت میں ہو، یا متعہ کی صورت میں ہو، یا مہر مسمیٰ کی صورت میں ہو۔ نتیجہ کے اعتبار سے ان سب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مولانا نے بے جا طلاق کی صورت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ حکومت سے شوہر کو ایک سال یا چھ ماہ قید یا مشقت کی سزا دلوانے کی رائے دی ہے۔

غالباً مولانا کو یہ علم ضرور ہوگا کہ سرکاری عدالت سے ایک عورت کے لئے حصول انصاف آسان نہیں ہے۔ اور پھر اس میں بے جا طلاق کے ساتھ بجا طلاق کی صورتیں بھی زد میں آئیں گی۔ اور حکومت کے لئے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی راہ ہموار ہوگی وہ ظاہر ہے، اس لئے مولانا کی اس تجویز سے اتفاق کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔

مولانا محمد حاذق قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی اور مولانا نور القاسمی نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے۔ مولانا حاذق صاحب اور مولانا ظفر الاسلام صاحب نے عقد ثانی کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دی ہے۔ مولانا محمد نور القاسمی صاحب نے عقد ثانی کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد ثانی میں بھی صاحبین کا قول راجح ہے۔ سات حضرات نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح کہا ہے۔

(۱) مولانا عبد القادر قاسمی (۲) مولانا معین الدین قاسمی (۳) مولانا محمد یوسف خاں قاسمی (۴) مولانا ابو سفیان (۵) مولانا محمد رفیق بن آدم (۶) مولانا نعیم اختر قاسمی (۷) اور مولانا عبید اللہ السعدی صاحب - مولانا اسعدی صاحب نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو بضرورت اختیار کرنے کی گنجائش کا اعتراف کیا ہے ، لیکن ابھی ان کو ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہے ۔

مولانا نعیم اختر صاحب نے عقد ثانی کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں مہر میں اضافہ یا کمی کو غلط قرار دیا ہے ، دونوں صورتوں میں مہر مثل کو واجب کیا ہے ۔ اگر ان کی یہ اپنی رائے ہوتی تو مضائقہ نہیں تھا ، لیکن انہوں نے اس قول کو علامہ نووی کے حوالہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے ۔ حالانکہ جو عبارت انہوں نے ذکر کی ہے اس کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے ۔ بہتر ہوتا ہے کہ مولانا موصوف امام صاحب کے قول کے لئے علماء احناف اور فقہ حنفی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد نہیں ہیں ، صرف وہ شرط فاسد ہے جو معلق ہو اور اسی صورت میں مہر مسمی کے بجائے مہر مثل لازم ہوتا ہے ، شرط منجز میں ان کے نزدیک بھی مہر مسمی ہی لازم ہے ۔

۲۸ حضرات نے دونوں مسئلوں میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی رائے دی ہے ، اور رسم المغنی اور شامی کے حوالوں سے ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کا قول اختیار کرنے کو مناسب قرار دیا ہے ، جن میں سے چند نام یہ ہیں ۔

۱۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی - ۲۔ مولانا عتیق احمد قاسمی - ۳۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی - ۴۔ مولانا اختر امام عادل - ۵۔ مولانا شہداء المہدی قاسمی - ۶۔ مولانا قدرت اللہ باقوی - ۷۔ مولانا اخلاق الرحمان اردیادی - ۸۔ مولانا ولی اللہ قاسمی - ۹۔ مولانا فضل الرحمان رشادی - کاتب المروف عبد الجلیل قاسمی ۔

هذا ما عندي و الله عنده علم الصواب و علمه اتم

## تفویض طلاق قبل النکاح

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

تفویض طلاق بوقت نکاح و بعد از نکاح کے جواز پر تمام مقالہ نگاروں نے اتفاق ظاہر کیا ہے۔ البتہ قبل النکاح کی صورت میں تفویض کے جواز سے میں نے اور میرے ہم خیال تین مقالہ نگاروں نے، باقی سب حضرات کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

اسمائے مجوزین اور ان کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

۱) مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے قبل النکاح کا بین نامہ لکھوانے کے جواز پر "خلاصۃ الفتاویٰ" کی

عبارت سے استدلال کیا؛

لو قال الزوج تزوجتک علی ان امرک بیدک بعد التزوج فقبلت المرأة صار الامر بیدها

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹)

جواب۔ اس میں "تزوجتک" کا صید متکلم "ی" خطاب کے ساتھ صاف بتا رہا ہے کہ یہ صورت عقد

نکاح کے وقت کی ہے۔ چنانچہ مفتی محمد زید صاحب جامد ہتھورا نے "عالمگیری کتاب المہل ج ۲ ص ۳۹۶ کے

مضمون کی عبارت کو بوقت نکاح پہ محمول کیا ہے۔ دیکھنے ان کا مقالہ ص ۱۳۔

۲) مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی نے تفویض قبل النکاح کے جواز پر "احکام الشرعیۃ باحوال

الشخصیۃ" ص ۳۲۷ کی عبارت؛



والتفویض یصح قبل الزواج و یصح عند انشائه و یصح بعده عند الحنفیة و ذالک لانه تعلیق و تعلیق الطلاق قبل الزواج جائز سے حجت قائم کی ہے۔

جواب۔ لیکن تفویض کو تعلیق قرار دینا خلاف اصل ہے۔ تفویض کی اصل تملیک ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں معنی تعلیق بھی ہے۔ اور شوہر ملک نکاح سے پہلے خود طلاق دینے کا مجاز نہیں تو وہ دوسرے کو طلاق سپرد کرنے کا مجاز کیونکر ہو سکتا ہے۔

نیز زیر بحث مسئلہ تفویض طلاق کا ہے نہ کہ تعلیق طلاق کا، لہذا دلیل اصل مسئلہ سے متعلق نہیں رہی۔ مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

۱۳۹ اکبر فاضل مقالہ نگاروں نے قبل النکاح تفویض طلاق کے جواز پر استدلال حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "المیلۃ الناجزۃ" کے حوالہ سے کیا ہے۔ اور حضرت تھانوی نے اس کے جواز پر استدلال

"لما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطہ الملک او الاضافة کان نکحتک فانت طالق و

العالمگیریۃ الفصل الثالث من کتاب "شہ و مد و الشانی تعلیق التفویض بالشرط"

سے کیا ہے۔

جواب۔ لیکن اول تو اس حوالہ میں "ان نکحتک" کا جملہ خود اضافت ملک نکاح کو بوقت نکاح ظاہر کر رہا دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ دراصل طلاق مضاف الی ملک النکاح کا ہے نہ کہ تفویض طلاق، افت و نسبت ملک کے معتبر ہونے کا۔ چنانچہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کے مطابق قبل النکاح طلاق کی صحت پر فقہاء معتبرین کی کوئی صریح عبارت موجود نہیں ہے۔

(الف) تفویض طلاق کے باب میں کتب فقہ میں جو مسائل مذکور ہیں وہ سب بعد النکاح تفویض سے متعلق

(ب) ملا علی قاری، صاحب ہدایہ اور ابن الہمام رحمہم اللہ وغیرہم نے تفویض طلاق کو دلیل قیاس کے برخلاف دلیل استحسان سے ثابت مان کر جن آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے وہ سب آثار عند النکاح یا بعد النکاح تفویض طلاق کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(ج) خود بخاری ص ۹۰ ج ۲ میں آیت تخییر کے سلسلے کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا حضرت عائشہ سے یہ ارشاد کہ "انی ذاکر لک امر افلا علیک ان لاتجلی حتی تستامری ابویک"

اگر تفویض طلاق کے معنی میں ہو (جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے) تب بھی اس واقعہ کا بعد النکاح ہونا معلوم ہے۔  
(د) اور تخمیر کی مختلف المعنی آیت کا نزول بھی قطعی طور پر ازواج مطہرات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں داخل ہو چکنے کے بعد ہوا ہے۔

اس طرح قرآن و حدیث اور آثار صحابہ میں قبل النکاح تفویض طلاق کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔  
رہ گئی یہ بات کہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کو تفویض طلاق میں کیوں استعمال نہیں کیا جاسکتا؟ جب کہ طلاق و عتاق اور دیگر معاملات میں فقہاء نے استعمال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرفوعہ میں ارشاد نبوی ہے۔

” لا نذر لابن آدم فیما لا یملک و لا متق فیما لا یملک و لا مطلق فیما لا یملک “ الترمذی  
ص ۱۲۱ ج ۱ (باب لا مطلق قبل النکاح) و فی الباب من ملى و معاذ و جابر و ابن عباس و عائشة۔  
حدیث عبداللہ بن عمر و حدیث حسن صحیح و ہوا حسن شنی روی فی هذا الباب و ہو قول  
اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ضیرہم۔ و قال القاری۔ و ہو متمسک  
الشافعی و بہ یقول احمد (مرقات ج ۲ ص ۵۸۲)

اس حدیث کا عموم قبل النکاح طلاق کو غیر معتبر قرار دے رہا ہے تو مجوزین کے مطابق تفویض کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ اس کے بالمقابل اضافت ملک سے ملک کے ثبوت پر چند صحابہ و تابعین کے آثار ہیں، صحیح مرفوعہ حدیث نہیں ہے، پھر ان آثار کے برعکس ابن جر نے جمہور علماء کا مسلک نقل کیا ہے، اور امام بخاری نے ” لا مطلق قبل النکاح “ پر ۷۳ صحابہ و تابعین کے نام اپنی تائید میں گنوائے ہیں، علامہ کرمانی نے اس مسلک کو لگ بھگ اجماعی قرار دیا ہے۔

مقصودہ من تعداد ہولاء الجمامة الثلثة و العشرون من الفقہاء و الافاضل الاشعار بانہ  
یکاد ان یکون اجماعاً علی انہ لا تطلق قبل النکاح (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۹۳)  
خود احناف کے یہاں اسی مذکورہ حدیث کے پہلے ” جزء حلال لا نذر لابن آدم فیما لا یملک “ میں  
اضافی ملکیت کا اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں :  
” ای لا صحۃ لہ فلو قال لآلہ علی ان امتق هذا العبد و لم یکن ملکہ وقت النذر لم یصح  
النذر۔ فلو ملکہ بعد هذا لم یعتق علیہ کذا ذکرہ بعض الشراح من علمائنا “ (مرقات الصفایح ج ۲

تو پھر تفویض طلاق میں قبل النکاح اضاقت الی النکاح کو کیوں معتبر مانا جائے ؟

(ا) میری رائے میں طلاق اور تفویض میں ایک واضح فرق موجود ہے جو حکم کی یکسانیت میں مانع ہے اور وہ یہ ہے کہ حق طلاق بہ نص قرآن صرف شوہر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے "الذی بیده مقدة النکاح" (البقرة ۲۳۲) عورت کو (حق طلاق دینا) خدا کو منظور نہیں، ورنہ وہ خود دیتا۔ ایسی حالت میں شوہر کا اپنی طرف سے عورت کو یہ حق منتقل کرنا حکم منصوص کے خلاف بھی ہے، قلب موضوع بھی ہے، اور منجانب اللہ شوہر کو حق تفویض نہ ملنے کے سبب یہ حق ضعیف بھی ہے، جب کہ خود شوہر کا طلاق دینا خدا کے حکم سے حق قوی ہے اور قوی اور ضعیف کا ایک حکم نہیں ہو سکتا۔

(ب) اس مسئلہ میں دو فاضل مقالہ نگار جناب مولانا شباز عالم صاحب ندوی اور مولانا سید اسرار الحق صاحب فاضل سہیل السلام حیدرآباد میرے مکمل ہم خیال ہیں۔ ان دونوں حضرات نے قبل النکاح تفویض کے عدم جواز پر علامہ عبدالرحمان جزیری کی اس صریح عبارت سے استدلال کیا ہے۔

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانها لا یصل بها الفقه علی المذاهب الاربعة ص ۸۹ ج ۲  
(ع) جناب مولانا عبید اللہ صاحب اسعدی نے تفویض طلاق کو سرے سے قرآن و حدیث اور مصالح شرعیہ کے خلاف قرار دیا ہے، اور اس کو مقدمین فقہاء کا بیان کردہ جزئی مسئلہ بتایا ہے جس کو قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی ضمن میں کاہن نامہ لکھوانے پر نکیرگی ہے جس سے ایک گونہ میرے موقف کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

(ف) تفویض طلاق کا اصل مقصد عورت کو شوہر کے ضرر متحقق سے بچانا ہے اور ضرر کا تحقق وقت نکاح تک شوہر کی شخصیت، اس کی سیرت و عادت اور اس کے رجحانات فکر کا مشاہدہ و مطالعہ اور اس کی مزاجی کیفیت کی چھان بین کر کے ہو سکتا ہے۔ لیکن وقت نکاح سے قبل ضرر زوج کا خدشہ محض وہی اور فرضی ہے، بلکہ قبل از نکاح اس کو ظالم و جابر مان لینا اور کاہن نامہ لکھوانا شدید قسم کی بدگمانی ہے جس کا کوئی جواز نہیں پس تفویض قبل النکاح کا بھی کوئی جواز نہیں۔

البتہ بوقت نکاح تفویض طلاق کا جواز (حالانکہ یہ بھی قبل از حصول ملک نکاح ہے) اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ تفویض کا ملک نکاح کے ساتھ زبانی قرب و اتصال ہے اور وہ انشاء نکاح کے ساتھ ساتھ پائی جا رہی ہے۔ جب کہ قبل النکاح تفویض میں تفویض اور ملک نکاح کے حصول کے درمیان فاصلہ حائل ہے۔ اور ملک نکاح کا حصول بوقت تفویض موہوم امید کے درجہ میں ہے اور تحقق سے دور ہے، لہذا دونوں حالتوں کا حکم یکساں نہیں ہو سکتا، قریب بہ تحقق ملک میں ملک کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اور موہوم ملک میں ملک کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

# مقالات

زیر بحث موضوع سے متعلق تفصیلی مقالات



## نکاح میں شرط، تفویض طلاق اور مشروط مہر کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

یہ مذہبی خوش اعتقادی نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت اور زندہ پائندہ واقعہ ہے کہ اسلام کا قانون ازدواج جس درجہ معتدل، متوازن اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور سماجی مصلح کی کسوٹی پر کامل و مکمل ہے، وہ بجائے خود اسلام کا معجزہ اور اس کی حقانیت کی روشن دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا سرچشمہ مخلوق کا ناقص و ناتمام علم نہیں، بلکہ یہ خالق کائنات اور رب العالمین کا عطا فرمودہ ہے، جو انسانیت کی ضروریات اور مصلح سے خود ان سے بھی زیادہ واقف و آگاہ اور علیم و خبیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرق و مغرب کا نہ کوئی مذہب اور نہ ہی گروہ ہے اور نہ انسانوں کا بہ طور خود وضع کیا ہوا قانون، جس نے اسلام کے نظام معاشرت سے استفادہ نہ کیا ہو اور اس خرمن کی خوشہ چینی سے بے نیاز ہو۔ ایک سماجی ضرورت کے طور پر بہ درجہ مجبوری طلاق کی گنجائش، نظام میراث، عورت کے لئے جائداد میں مالکانہ حقوق کا تصور، مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے دوسرے نکاح کی اجازت اور اس طرح کے بہت سے احکام ہیں جن کو آج تمام ہی وضعی قوانین نے تسلیم کیا ہے۔ یہ اسلام ہی کے دئے ہوئے معاشرتی نظام کی دین ہے۔

مگر افسوس کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں احکام شریعت سے ناواقفیت و ناآگہی، دوسری اقوام کی بعض

یہی روایات و روایات سے تاثر جو سراسر اسلامی تعلیمات اور انصاف کے عمومی تقاضوں کے خلاف ہے اور شریعت کی جانب سے دئے گئے بعض حقوق کا غلط استعمال اور خدا ناطری کے نتیجے میں ان لوگوں کو شریعت اسلامی کے خلاف منہ کھولنے کا موقع مل رہا ہے جن کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص کسی طور پر گوارا نہیں اور علماء کے لئے بھی یہ بات لمحہ فکریہ ہوگئی ہے کہ وہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے ایسی تدبیریں اختیار کریں کہ قانون کے غلط استعمال کا سدباب ہو سکے۔ نکاح کے ساتھ بعض شرطوں کو ہم رشتہ کرنے کے مسئلہ پر بھی اسی پس منظر میں غور کرنا چاہئے

(جواب سوال نمبر ۱)

نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں بنیادی طور پر تین طرح کی ہیں۔

## پہلی قسم

(۱)۔ ایسی شرطیں جو انہی حقوق و فرائض کو مؤکد کرتی ہوں جن کو شریعت نے نکاح کی وجہ سے لازمی طور پر واجب قرار دیا ہے۔ جیسے شوہر کا بیوی کو نفقہ ادا کرنا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت کے مطابق بچھے طور پر زندگی بسر کرنا۔ بیوی کا معروف میں شوہر کی نافرمانی نہ کرنا۔ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ جانا وغیرہ۔

ایسی شرطیں بالاتفاق معتبر ہیں اور فریقین پر ان کا ایفاء واجب ہے۔ کیونکہ یہ بجائے خود نکاح کے مقاصد میں ہیں اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہے۔ نکاح کے وقت شرط کے طور پر ان کا تذکرہ محض احکام شریعت پر عمل اور اپنے اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی کے عہد کی تجدید و توثیق ہے۔ (فتح الباری - ۹ - ۷۱۷)

## دوسری قسم

(۲)۔ ایسی شرطیں جو نکاح سے متعلق شریعت کے وجوبی احکام سے متصادم ہوں۔ حافظ ابن رشد کے الفاظ میں جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی شرط کو ساقط کر دیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدیلی کو مستلزم ہوں۔ (بداية المجتہد ۲ - ۱۵۹)۔ جیسے: یہ شرط کہ بیوی کا مہر نہیں ہوگا یا یہ کہ شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہوگا، یا عورت کی طرف سے شرط کہ شوہر اس سے مقاربت نہیں کرے گا یا یہ کہ اس کو سوکن کے حصہ میں سے بھی اضافی حصہ دے گا۔ من جملہ انہیں شرائط کے یہ ہے کہ شوہر، عورت اور اس کے اہل خاندان سے کوئی مالی مطالبہ کرے (المغنی ۷ - ۷۷)

ایسی شرطیں بالاتفاق نامعتبر ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایسی شرطوں کی ممانعت پر مستقل عنوان قائم فرمایا

باب الشروط التي لا تحل في النكاح - ان شرطوں کا بیان جو نكاح میں حلال نہیں ہیں (بخاری مع

الفتح ج ۹ - ص ۱۶۹)

پھر اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول پیش کیا ہے کہ "کوئی خاتون اپنی دینی سن یعنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے" اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے حصہ کی بھی حقدار ہو جائے۔ کیونکہ جو اور جتنا اس کے لئے مقدر ہے وہ تو اسے مل کر ہی رہے گا۔ (حوالہ سابق)

اگر اس طرح کی شرطیں لگائی دی جائیں تو نكاح پر بالاتفاق ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ نكاح منعقد ہو جائے گا اور شرطیں لغو و بے اثر ہو جائیں گی امانہا لا تفسد النكاح باتفاق۔ بدایة المجتہد ج ۲ ص ۵۹۔ فتح

الباری ج ۹ - ص ۸۱۲

## تیسری قسم

(۳)۔ تیسری قسم کی شرطیں وہ ہیں جن سے عورت کو نفع پہنچتا ہو اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو۔ گویا ان شرطوں کو مان کر مرد اپنے بعض ایسے حقوق سے دستبردار ہو جاتا ہے جن سے دستبردار ہونے کا اس کو اختیار ہے۔ مثلاً: عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسرا نكاح نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے میکہ میں رکھے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ وغیرہ (اللفظی

ج ۷ - ص ۱۷۱)

ایسی شرطوں کے ساتھ نكاح کیا جائے تو نكاح منعقد ہو جائے گا، اس پر اتفاق ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرطیں معتبر ہوں گی اور ان کی تکمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں مشتبہتیں اور منکرین دونوں کی قابل لحاظ تعداد ہے۔

## منکرین اور ان کے دلائل

جو لوگ ایسی شرطوں کو بھی نا معتبر خیال کرتے ہیں، ان میں صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ - ص ۱۷۰) نیز یہی رائے سعید بن السیب، حسن بصری، شعبی، طاؤس، (ان سبھوں سے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے مصنف ج ۲ ص ۱۷۰ من قال لیس لها شرط الخ، ابراہیم نخعی، ابن شباب زہری، عطاء، ایاس بن معاویہ اور ہشام بن ہبیرہ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۳۰) ابن سیرین اور سفیان

ثوری (شرح السنن للبخاری ۹- ص ۵۵) کی ہے ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، ابدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۹ اور امام شافعی (شرح مہذب ج ۱۷ ص ۲۵۰) کا نقطہ نظر بھی یہی ہے فقہاء مالکیہ ایسی شرطوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد کے لیے ان کا ایفاء کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن مستحب ہے۔ (حاشیۃ صاوی علی الشرح الصغیر ۲۸۵۰۲) ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل، جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے۔ بخاری

۱۰۰۰ کتاب الشروط

اور ظاہر ہے کہ نکاح کے ساتھ اس قسم کی شرطیں کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں۔

(۲) ارشاد نبوی ہے۔

المسلمون علی شروطہم الا شرطاً احل حراماً او حرم حلالاً۔ یعنی مسلمانوں کے حقوق و

واجبات طے شدہ شرطوں کے مطابق ہوں گے۔ سوائے ایسی شرط کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہو۔

— شوہر کے لئے جب شریعت نے دوسرے نکاح کی اور جہاں رہے وہاں بیوی کو رکھنے کی اجازت دی

ہے تو اب کسی شرط کے ذریعہ مرد کا اس حق سے محروم ہو جانا حلال کو حرام کر لینے کے مترادف ہے۔

(۳) ایسی شرطیں تقاضا عقد کے خلاف ہیں (شرح مہذب ۱۷-۲۵۰ فقہ السنۃ ۲-۵۲ للسید سابق)

(۴) ایک خاتون جن سے شوہر نے مکان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جب ان کی بابت حضرت علی سے دریافت کیا

گیا تو فرمایا اللہ کی شرط بیوی کی شرط سے مقدم ہے۔ شرط اللہ قبل شرطہا (مصنف ابن ابی شیبہ ۲-۲۰۰)۔

## مشتبہ اور ان کے دلائل

جن حضرات کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی فہرست بھی

خاصی طویل ہے۔ صحابہ میں حضرت عمر (مصنف صید الرواق ۲-۷۷۷) اور عمرو بن حاص (مصنف صید

الرواق ۲-۷۷۸) کا یہی نقطہ نظر تھا۔ بعد کے اہل علم میں قاضی شریح، ابوالشعنا، (حوالہ سابق ۲-۷۷۳) اور اس کے

بعد باب الشروط فی النکاح) حضرت عمر بن عبد العزیز (مصنف ابن ابی شیبہ ۲-۷۰۰) اسحاق (ترمذی ۱

۲۱۳- باب الشروط عند النکاح) اوزاعی، ابن شبرمہ (ابدایۃ المجتہد ۲-۵۹) کا یہی قول ہے۔ علامہ بخاری

نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے۔ (شرح السنۃ ۹-۵۳) اکثر مجتہدین کا رجحان بھی



سی طرف معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری نے اپنے "ترجمہ الباب" میں حضرت عمر کے اس قول کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو اقسام کی شرطوں کے معتبر ہونے کی بابت ہے (بخاری باب الشروط فی النکاح) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی گروہ کے ساتھ ہیں۔ یہی حال امام ابو داؤد کا ہے (ابو داؤد مع صون المعبود باب فی الرجل یشرط لہا داراً ۶۱-۶۲) امام مجتہدین میں یہی رائے امام احمد بن حنبل کی ہے۔ (المغنی ۱۰۷-۱۰۸) ان حضرات کے دلائل اس طرح ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود ایمان والوا وعدوں کو پورا کرو۔

ابو بکر جصاص رازی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریر، ابو عبیدہ اور متعدد لوگوں سے نقل کیا ہے کہ "عقود" سے مراد "عمود" یعنی معاہدات اور وعدے ہیں (احکام القرآن ۳-۷۸۲، ۱۷۸۳)۔ ظاہر ہے کہ نکاح کے وقت طے پانے والی جائز شرطیں بھی "عہد" کے قبیل سے ہیں۔ خود جصاص نے آگے چل کر لکھا ہے۔  
و کذلک کل شرط شرطہ انسان علی نفسه فی شئی یعملہ فی المستقبل فهو عقد۔ مستقبل میں  
کئے جانے والے افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کر لے وہ "عقد" ہے۔ (احکام القرآن ۳-۷۸۵)

۱۷۸۵

پھر آگے اس بات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ اس آیت کا تقاضا کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

و هو عموم فی ایجاب الوفاء بجمیع ما یشرط الانسان علی نفسه ما لم تقم دلالة تخصصه انسان اپنے آپ پر جو شرطیں منظور کر لے، یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضا کرتی ہو؛ (احکام القرآن ۳-۷۸۶) اسی طرح کا مضمون قرآن مجید نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

واوفوا بعہد اللہ النحل ۹۱ اللہ کے عہد کو پورا کرو

مفسر قرطبی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

لفظ عام لجميع ما یعقد باللسان و یلتزمہ الانسان من بیع او سلة او موثقة فی امر

موافق للدیانة الجامع لاحکام القرآن ۱۰-۱۷۹

عقد ان تمام باتوں کو عام ہے جو زبان سے طے کی جائے اور جسے انسان اپنے اوپر لازم کر لے۔ خرید و فروخت

ہو یا صلہ رحمی یا کسی بھی ایسے معاملہ میں معاہدہ جو دین کے موافق ہو۔

(۷) حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج

سب سے زیادہ قابل ایفاء شرطیں وہ ہیں جن کے ذریعہ سے تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو۔ (بخاری مع

الفتح ۹-۲۱۷، مسلم ۱-۲۵۵، ابو داؤد ۱-۲۹۱، ترمذی ۱-۲۱۲، نسائی ۲-۷۸، ابن ماجہ ۱-۳۰، الفاظ بخاری کے ہیں)۔

عام طور پر محدثین نے اس سے اسی قسم کی شرطیں سمجھی ہیں۔ بخاری و ابو داؤد کا نقطہ نظر گزر چکا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے پہلے وہ روایات و آثار نقل کئے ہیں جن سے شرطوں کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر کا یہ اثر ذکر کیا ہے۔ پھر ان کا ذکر کیا جو ایسی شرطوں کو نامعتبر تصور کرتے ہیں اور ابتداء حضرت علی کے قول سے کی ہے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر کی اس روایت کو پہلے گروہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (مصنف ۲۔

(۳) عبد الرحمن بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت عمر کے پاس ایک مقدمہ آیا، جس میں شوہر بیوی کے درمیان یہ شرط طے شدہ تھی کہ شوہر اس کو اس کے میکہ ہی میں رکھے گا، ان کا بیخروجھا من دارھا، حضرت عمر نے فرمایا کہ شرط پوری کی جائے۔ اس کے شوہر نے کہا کہ اگر اس طرح کا فیصلہ ہو تو عورت جب بھی شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے گی علیحدہ ہو جائے گی۔ حضرت عمر نے فرمایا۔

المسلمون مند ما شارطتھم مند مقاطع حدودھم، مصنف عبد الرزاق ۲-۲۲۷، ابن ابی

شیبہ نے اس کو مختصراً، مصنف ۲-۲۰۰، اور بخاری نے تعلقاً نقل کیا ہے۔ (بخاری مع الفتح ۹-۲۱۷)

(۴) یہی رائے متعدد صحابہ یعنی عمر کے علاوہ سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن عاص کی بھی ہے۔ (الصفی ۷-۱۷۱، نیز حضرت عمر کا فیصلہ اس وقت ہوا ہے جب صحابہ کی بڑی تعداد مرنے میں فروکش تھی اور کسی کا اس فیصلہ میں اختلاف کرنا منقول نہیں ہے۔

(۵) یہ ایسی شرطیں ہیں جو مقاصد نکاح میں تو مانع نہیں ہیں اور اس سے ایک جائز مقصد و منعت متعلق ہے

جیسے مہر کی زیادتی یا اپنے ملک کے بجائے کسی اور ملک کے سکے میں مہر کی تعیین، تو انہیں امور کی طرح ان

شرطوں کو بھی لازم ہونا چاہئے۔ (حوالہ سابق)

## فریقین کے دلائل پر ایک نظر

ہر چند کہ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر ان مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے، لیکن اصل استدلال دونوں ہی فریقوں کا حدیث نبوی سے ہے۔ امر ثلاثہ نے اس حدیث کے عموم کو ملحوظ رکھا ہے کہ:

كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل ولو كان مائة شرط. شرط كتاب الله من ان يكون باطلا  
 ہے گو وہ سو شرطیں ہوں۔ (بخاری، ۲۵۰۱ باب التقاضی والملازمة فی المسجد)  
 اور حنابلہ نے نکاح سے متعلق اس خصوصی ارشاد کو پیش نظر رکھا ہے کہ:

الحق الشرط ان يوفى به ما استحللتم به الفروج سب سے بڑھ کر وہ شرط قابل ایفاء ہے جس کے ذریعہ تم عصمت حلال کرتے ہو۔ (بخاری، ۳۷۶۰ وغیرہ)

حافظ ابن رشد بلند پایہ مالکی فقیہ میں ہیں اور منصف مزاج بھی ہیں۔ مگر ان کا رجحان حنابلہ کی طرف ہے۔ فرماتے ہیں: والحدیثان صحیحان اخرجهما البخاری و مسلم الا ان المشهور عند الاصولیین القضاء بالخصوص علی الموم وهو لزوم الشرط وهو ظاهر ما وقع فی "العتبة" وان كان المشهور خلاف ذلك ابدایة المجتهد ۵۹۰۲

- دونوں حدیثیں صحیح ہیں، جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے، لیکن علماء اصول کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ خاص کے ذریعہ عام کی تخصیص کی جائے گی۔ اور زیر بحث مسئلہ میں خصوص ہی ہے کہ شرط کی تکمیل لازمی ہو "عتیبہ" (فقہ مالکی کی ایک اہم کتاب) میں جو کہا گیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے۔ گو قول مشہور اس کے خلاف ہے۔

موجودہ دور کے اہل تحقیق علماء میں متعدد لوگ ہیں جو اس مسئلہ میں حنابلہ کے نقطہ نظر کے مؤید ہیں۔ ان میں شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء (المدخل الفقہی العام ۱-۲۸۲، شیخ سید سابق (فقہ الستة) اور ڈاکٹر وحید زحیلی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۰۰۷، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شام کے موجودہ عائلی قوانین میں بھی اسی پر عمل ہے اور یاد آتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں مصر کی پارلیمنٹ نے بھی علماء ازہر کی تائید سے اسی قسم کا قانون بنایا تھا جو اس وقت ہندوستان میں اخبارات کا موضوع بن گیا تھا۔

واقعہ ہے کہ شرائط و معاہدات کے معاملہ میں اسلام کے عمومی مزاج و مذاق، خصوصیت سے نکاح کے بارے میں طے شدہ شرائط کی ایفاء و پابندی کی ہدایت پھر حضرت عمر کا بحیثیت خلیفہ فیصلہ اور یہ ظاہر اس پر صحابہ کا سکوت نیز اسی قسم کا قاضی شریح کا فیصلہ اور متعدد صحابہ سے اس رائے سے اتفاق وہ امور ہیں جن سے حنابلہ کا

مسئلہ نسبت زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں نکاح کے وقت متعینہ شرطوں کو وفا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ اس سے کوئی اضافی شرط مراد نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کی بناء پر عائد ہونے والے فرائض و واجبات کی تاکید مقصود ہے۔ لیکن حدیث کے الفاظ میں یہ ظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کتب حدیث میں اس کا کوئی ایسا پس منظر ہی منقول ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ مراد متعین کی جاسکے۔ چنانچہ امر ثلاثہ کے مقلدین میں سے بھی جن لوگوں نے معروضی انداز پر اس حدیث میں غور کیا ہے۔ انہوں نے حابلہ کے نقطہ نظر کو حدیث سے زیادہ قریب محسوس کیا ہے۔ ابن رشد کی صراحت اور مذکور ہو چکی ہے۔ شوافع میں ابن دقیق العید کا جو پایہ علمی ہے، اس سے حدیث و فقہ کے کوچہ کا کون رہ گزر ناواقف ہوگا۔ انہوں نے جمہور کی طرف سے حدیث کی اس تشریح پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔

قد استشكل ابن دقيق العيد حمل الحديث على الشروط التي هي مقتضيات النكاح قال تلك الامور لا تؤثر الشروط في ايصالها فلا تشتد الحاجة الى تطبيق الحكم باشتراطها و سياق الحديث يقتضي خلاف ذلك لان لفظ "احق الشروط" يقتضي ان يكون بعض الشروط يقتضي الوفاء بها و بعضها اشد اقتضاء و الشروط هي من مقتضى المقدم مستوية في وجوب الوفاء بها افتح الباري ۹-۲۱۸

۔ جو شرطیں خود ہی مقتضیات عقد میں سے ہیں۔ انہیں کو اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ابن دقیق العید کو اشکال ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ان امور کے واجب قرار دئے جانے میں ان شرطوں کو لگانا مؤثر نہیں ہے تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو مشروط و متعلق کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ حدیث کا سیاق بھی اس سے مختلف بات کا مقتضی ہے۔ کیونکہ "احق الشروط" کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ بعض شرطیں قابل ایفاء ہیں اور بعض زیادہ قابل ایفاء ہیں اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم الایفاء ہونے میں برابر ہیں۔"

"كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل" (کتاب اللہ میں جو شرط نہ ہو وہ باطل ہے) کس قسم کی شرطیں مراد ہیں؟ ان کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ نامی ایک باندی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے مالکان نے ان کو مکاتب بنادیا تھا۔ (مکاتب سے مراد ایسا غلام یا باندی ہے جس سے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ آزاد شدہ غلام اور باندی پر آزاد کرنے والوں کو حق و لاء حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے حق میراث حاصل ہوتا ہے۔) انہوں نے ام المؤمنین سے



درخواست کی کہ بدل کتاب کی ادائے گی میں ان کی مدد کی جائے۔ ام المؤمنین نے فرمایا کہ اس سے بجائے میں چاہوں گی کہ تم کو تمہارے مالکان سے خرید لوں اور خود آزاد کر لوں۔ اس طرح تمہارا ولاء مجھے حاصل ہو گا۔ انکان نے کہا کہ ہم فروخت تو کر دیں اور ام المؤمنین آزاد کر لیں مگر حق ولاء ہمارے لیے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شریعت کی روح کے خلاف تھی، شریعت میں "نسب" کی طرح "ولاء" کو بھی ایک فطری علقہ اور نا اہل تبدیلی حق قرار دیا گیا ہے۔ جیسے زید کا بیٹا معاہدہ کے ذریعہ سے عمرو کا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اسی طرح جس کو زید نے آزاد کیا وہ کسی معاہدہ اور شرط کی بنا پر عمرو کا مولیٰ نہیں ہو سکتا۔

ان کے اس نامعقول مطالبہ اور شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہی ظاہر فرمائی اور ارشاد:

ما بال اقوام یشترون شروطاً لیس فی کتاب اللہ من اشتراط شروطاً لیس فی کتاب اللہ

فلیس لہ و ان اشتراط ماہ مرة بخاری ۲۵۰۱ باب ذکر البیوع و الشراء علی المنبر فی المسجد

"کچھ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ جو شخص اس شرط لگائے

کہ وہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، گو ایک سو شرطیں لگا دے۔"

اس واقعاتی پس منظر سے صاف ظاہر ہے کہ "لیس فی کتاب اللہ" سے ایسی شرط مراد ہے جو شرعاً اس

معاملہ کی روح و مقصد اور بنیادی مزاج ہی کے مغاثر ہو۔ جیسے نکاح میں زن و شوہر میں سے کسی ایک سے جہتی تعلقات میں تعاون سے انکار کی شرط، شوہر کی جانب سے نفقہ نہ دینے کی شرط، مہر کے انکار کی شرط۔ کہ یہ سب نکاح کے اساسی واجبات میں سے ہیں۔ ایک نکاح کے بعد دوسرا نکاح یا عورت کی جائے سکونت کا مسئلہ نکاح کے لوازم میں سے نہیں ہے۔

اس قسم کی شرطوں کو "تحریم حلال" سے بھی تعبیر کرنا دشوار ہے۔ حلال سے بھی ایسے ہی مراد ہیں جو

عقد کے لوازم میں سے ہوں۔ جیسے: دہلی کا حق شوہر یا بیوی کو مباح ہی ہے۔ فریق دوم کے مطالبہ کے بغیر واجب نہیں۔ یہی حال عورت کے حق نفقہ کا ہے۔ رہ گئے وہ حقوق جو معاملہ کے لوازم میں نہ ہوں، مباحات کے قبیل سے ہوں، ان میں کسی فریق کا بذریعہ معاہدہ اپنے حق سے دستبردار ہو جانا تحریم حلال نہیں۔ پھر کیجئے کہ طلاق

اصولی طور پر مرد کا حق ہے۔ اور وہ تنہا اس کے استعمال کرنے کا حق دار ہے۔ بیوی اپنے طور پر اس کی مددگی کا فیصلہ نہیں

کر سکتی۔ لیکن فقہاء نے "تفویض طلاق" کی صورت میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے حصہ گویا بیوی کو منتقل

کردے۔

”تحريم حلال“ کے اس مفہوم کو اس پس منظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر نے نکاح میں اس طرح شرطوں کو معتبر اور واجب الایفاء قرار دیا ہے اور یہی حضرت عمر ہیں جنہوں نے اسلام کے قانون عدل کی بابت حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے :

الصلح جائز بين المسلمين الا صلحا احل حراما او حرم حلالا ابو داؤد من ابی هريرة  
و الترمذی و ابن ماجة من عمرو بن عوف۔ نصب الراية ۲۔ ۱۱۷ کتاب الصلح

۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا باعث بنے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر اس بات سے بے خبر تھے اور نہ غافل، کہ تحلیل حرام اور تحريم حلال پر مبنی صلح و معاہدہ جائز نہیں، لیکن وہ اس طرح کی شرائط کو تحريم حلال کا مصداق ہی نہ جانتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شرطوں کا مقصد معاملہ کے کمزور فریق کا اپنے لئے تحفظ حاصل کر لینا ہوتا ہے۔ خرید و فروخت کے معاملہ میں رہن اور کفالت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ قول ابن قدامہ کے یہ بھی اسی قسم کی شرطوں میں ہے (المغنی ۷۔ ۷۱) معاملات دراصل معاہدات پر مبنی ہیں اور جو معاہدہ ہو اس پر فریقین کا عمل کرنا واجب ہے۔ سوائے اس کے کہ اس سے شریعت کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، شریعت کے مزاج و مذاق کے رمز شناس خاص شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

الاصل فی العقود رضی المتعاقدين و نتیجتھا هو ما اوجباہ علی انفسهما بالتعاقد  
افتویٰ ابن تیمیہ ۳۔ ۷۳۹) معاملات میں اصل فریقین کی رضامندی ہے اور اس کا ثمرہ و نتیجہ اس چیز کا واجب ہونا ہے جو معاملہ کے ذریعہ دونوں نے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔

یہ تو اس مسئلہ سے متعلق ایک فقہی اور استدلالی بحث تھی اور اس چیز پر بہت کچھ بحث و نظر کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اصل قابل فکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگمی، ہمارے سماج کی اسلامی مزاج و مذاق سے محرومی اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی اقدار سے تاثر ایسی حقیقتیں ہیں، جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ چھپانے کے مترادف ہوگا۔ حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے۔ اسی طرح طلاق کا استعمال بھی۔۔۔ باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے غالباً اب بھی مسلم سماج میں بہت نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر

ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فیصد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ و متین فیصلہ کے تحت نہیں، بلکہ وقتی رد عمل کے تحت کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ تو اپنی جگہ دوسری اقوام کے درمیان جو جگہ ہنسائی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں۔ ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں۔

ان اوقات میں دل چاہتا ہے کہ ایسے خدا ناترسوں اور عاقبت نااندیشوں کے لئے ہم درہ فاروقی کا نظم نہیں کر سکتے تو کم سے کم ممکن حد تک کوئی ایسی قید و بند شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے لگائیں کہ اس قسم کی مظلوم عورتوں کے لئے کوئی راہ نجات نکل آئے۔ اور ایک حد تک ہم اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے نقطہ نظر سے فائدہ اٹھا کر اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں۔۔۔ فقہ حنبلی میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگا دے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔ پھر بھی وہ دوسرا عقد کر لے تو وہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ (المغنی ۷-۷۱) از راہ احتیاط اس میں شرط کو مزید مقید کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جب تک دار القضاء طہی اور معاشی اعتبار سے اس شخص کو دوسرے نکاح کے حقوق ادا کرنے کے لائق اور دوسرے نکاح کا واقعی ضرورت مند تصور نہ کرے، اس وقت تک وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکے گا وغیرہ۔ حالانکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ تقلید ایک ضرورت ہے اور فی زمانہ ہوس اور نفسیات کو لگام دینے کے لئے تقلید شخصی، سفید، نجات کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ایسے حساس مسائل میں فقہ کی بکتی پابندیوں سے کسی قدر پرے اٹھ کر احکام شریعت کے وسیع تر تناظر میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ تا کہ ہم اس ملک میں قانون شریعت کا تحفظ کر سکیں۔

ہذا ما صندی و ما رید الا الا صلاح۔ واللہ من وار القصد



## تقویض طلاق کا مسئلہ

(جواب سوال ۲)

عورت کو حق طلاق سپرد کرنا فقہ کی اصطلاح میں "تقویض طلاق" کہلاتا ہے۔ شرعاً اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ شوہر کسی اور شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی صورت "تملیک طلاق" کی ہے اور دوسری صورت "توکیل طلاق" کی۔ پہلی صورت میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا ہے اور دوسری صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔ شوہر دیا ہوا حق واپس نہیں لے سکتا۔ اس بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

انه لازم من جانب الزوج حتى لا يملك الرجوع منه و لا نهى المرأة عما جعل اليها و لا فسخ ذلك لانه ملكها الطلاق و من ملك ضميره شيئاً زالت ولايته من الملك و لا يملك ابطاله بالرجوع و النهى و الفسخ (بدائع الصنائع ۲-۱۱۳)

### دوسری صورت

دوسری صورت کہ ایجاب و قبول ہی میں تقویض طلاق کر دیا جائے درست ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور تقویض طلاق سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کر لے۔ اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تقویض طلاق کرے اور عورت قبول کرے، تو اس کا اعتبار نہیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

و علی هذا لو تزوج امرأة على انها طالق او على ان امرها بيدها ما تعلق نفسها كلما تريد لا يقع الطلاق و لا يصير الامر بيدها و لو بدأت المرأة - فقالت زوجت نفسي منك على اني طالق او على ان امرى بيدى اطلق نفسي كلما اريد فقال الزوج قبلت - وقع الطلاق و صار الامر بيدها خلاصۃ الفتاویٰ ۲-۱۲۹

"اسی پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس پر طلاق واقع ہو جائے یا اس شرط پر کہ اسے طلاق کا اختیار حاصل ہو جب بھی چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔ تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کو حاصل نہ ہوگا۔ ہاں، اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہوئی اور اس نے کہا کہ میں نے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ پر طلاق واقع ہو جائے یا یہ کہ مجھے اختیار حاصل ہو، جب چاہوں اپنے آپ پر طلاق واقع کر لوں اور شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اختیار بیوی کو حاصل ہو جائے گا۔"

خلاصہ ہی کے حوالہ سے اس کو ابن نجیم نے (البحر الرائق ۳-۳۱۸) اور ابن نجیم کے حوالہ سے علامہ شامی



نے بھی اس کو نقل کیا ہے (رد المحتار ۲۸۵.۲) فتاویٰ بزازیہ میں بھی تفویض طلاق کی اسی صورت کو کسی قدر قیود و حدود کی پابندی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

اذا خافت المرأة انه اذا تزوجها لا يجعل الامر بيدها بعد التزوج تقول زوجت نفسي  
منك بكذا على ان امرى بيدي. اطلق نفسي منك باننا متي شئت كلما ضربتني بصير جنابة  
او تزوجت على اخرى او اشتريت او ضبت مني سنة (فتاویٰ بزازیة ۲۳۲.۲)

”عورت کو اندیشہ ہو کہ نکاح ہو گیا تو نکاح کے بعد شوہر اس کو طلاق نہیں سونپے گا تو اسے یوں کہنا چاہئے :  
میں نے تم سے اتنے مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ اختیار طلاق مجھے حاصل ہوگا، جب بھی تم مجھ کو بے  
قصور مارو یا میری موجودگی میں دوسرا نکاح کر لو یا باندی لاؤ یا مجھ سے ایک سال تک غائب رہو۔ ایسی صورت میں  
میں جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر لوں گی۔“

”یہ شوہر کی جانب سے لازم ہے چنانچہ وہ اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ عورت کو دئے گئے  
حق سے باز رکھنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار ہی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنا دیا ہے اور جو  
کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادے اب اس مملوکہ شئی سے اس کا حق تصرف ختم ہو چکا ہے۔ لہذا وہ رجوع کر کے  
منع کر کے اور فسخ کر کے اس حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔“

## بیوی کو تفویض طلاق

تفویض طلاق کی پہلی صورت کہ نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ طے ہو جائے اور کاہن نامہ پر فریقین کی  
دستخط ہو جائیں، بھی درست ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض میں نکاح کرنے کی شرط ذکر کر دی  
جائے۔ مثلاً یوں کہے ”اگر میں نے تم سے نکاح کیا اور فلاں فلاں بات میری طرف سے پائی گئیں تو تم کو اپنے آپ  
پر ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔“ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

و لا تصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيف الى ملكه لان الجزاء لا بد ان  
يكون ظاهرا ليكون مخيفا فيتحقق معنى اليمين وهو القوة والظهور باحدى هذين و الاضافة  
الى سبب الملك منزلة الاضافة اليه لانه ظاهر عند سببه (هداية ۳۸۵.۲)

”طلاق کی نسبت عورت کی طرف درست نہیں۔ سوائے اس کے کہ مشروط طلاق دینے والا اس پر ملکیت نکاح  
رکھتا ہو یا ملکیت نکاح ہی کی طرف نسبت کرے اس لیے کہ جزاء کا ظاہر ہونا ضروری ہے تاکہ یہ چیزیں عورت کے

لیے باعث خوف ہو سکیں اور یمین کا معنی متحقق ہو سکے جو قوت و ظہور ہے، اور یہ انہیں دو میں سے ایک طریقہ سے ہو سکتا ہے، کیونکہ سبب ملکیت کی طرف نسبت خود ملکیت کی طرف نسبت کرنے کے درجہ میں ہے اس لئے کہ سبب کے پائے جانے کے وقت خود اس کا پایا جانا ظاہر ہے۔“

پس جیسے مشروط طلاق کے لئے نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے، ورنہ کلام غیر مؤثر ہوگا۔ اسی طرح تفویض طلاق کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ نکاح کے ساتھ مشروط ہو۔ قبل نکاح، نکاح پر مشروط تفویض طلاق کا بعد از نکاح مؤثر ہونا علامہ عبد الرتیبہ ظاہر بخاری کی اس عبارت سے بھی اخذ کیا جاسکتا ہے:

ولو قال الزوج تزوجتک ملی انک طالق بعد التزوج او علی ان امرک بیدک بعد التزوج

فقبلت المرأة حصار الامر بیدها خلاصة الفتاوی ۲۹۰۲

اگر شوہر نے کہا: میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ شادی کے بعد تم پر طلاق واقع ہو جائے یا یہ کہ نکاح کے بعد اختیار تمہارے ہاتھ میں ہوگا اور عورت قبول کر لے۔ تو عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔

## تیسری صورت

تیسری صورت، کہ نکاح کے بعد طرفین تفویض طلاق کے معاہدہ نامہ پر دستخط کر دیں جائز ہے۔ چاہے اس معاہدہ میں شوہر کی طرف سے پہل ہو یا بیوی کی طرف سے۔ دونوں ہی صورتیں درست ہیں۔ یوں تو نکاح کے وقت ہی تفویض طلاق کے موضوع پر گفتگو سماج کے موجودہ مزاج کے تحت گراں محسوس ہوگی۔ لیکن اگر اس طرح نکاح نامے طبع کرائے جائیں اور مطبوعہ فارم پر کر کے ہی عقد کارواج ہو جائے۔ جیسا کہ دکن کے علاقوں میں مروج ہے اور اس فارم میں پہلے سے اس طرح تحریر موجود ہو تو لوگ بتدریج اس کے عادی ہو جائیں گے۔ اور اس طرح نکاح کا ریکارڈ بھی محفوظ رہے گا۔ جس کی وجہ سے ثبوت نکاح، ثبوت نسب اور مقدار مہر وغیرہ کی بابت کم سے کم نزاع پیدا ہوگی۔

تفویض طلاق کی ان دونوں صورتوں میں شرائط نامہ کی تحریر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ہوگا جو تفویض میں عموم کو بتاتا ہو۔ مثلاً یہ کہ ”میں اپنی زوجہ قلال بنت فلان کو اختیار دیتا ہوں کہ مستذکرہ بالا شرائط میں سے کسی کی عدم تکمیل جب بھی دارالقضاء میں ثابت ہو جائے تو وہ اپنے آپ پر طلاق بائن واقع کر لے“ یہ ”جب کبھی“ کا لفظ عربی زبان کے ”متی ما“ کا ہم معنی ہے اور ایسے الفاظ شرط کے ساتھ تفویض طلاق میں عورت صحت نکاح اپنے حق کو استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ کاسانی کے الفاظ میں:

فان اطلق الوقت بان قال امرک بیدک اذا شئت او متی شئت او حیثما شئت فلها الخيار فی المجلس و ضمیر المجلس ولا یتقید بالمجلس حتی لوردت الامر لم یکن رد البدائع الصنائع ۳۔

۱۱۵

” اگر وقت کو مطلق رکھا اور یوں کہا: تم جب چاہو یا جہاں چاہو تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہوگا۔ تو اس مجلس میں بھی اختیار حاصل رہے گا اور اس کے بعد بھی، مجلس کے ساتھ اس کا اختیار مقید نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود اختیار کو رد بھی کر دے تو رد نہیں ہوگا۔“

تفویض طلاق میں طلاق بان کی صراحت بھی ضروری ہے۔ تین طلاقوں کا ذکر ہرگز مناسب نہیں کہ خلاف سنت اور معصیت ہے۔ مطلق طلاق کافی نہیں کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور مرد کو ایک طرف رجوع کا حق باقی رہے گا۔ تو یہ ایک ہاتھ سے عورت کو پروانہ خلاصی دینے اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لینے کے مترادف ہوگا۔ چونکہ طلاق ایک نازک مسئلہ ہے اور عورتوں کے لیے اس کا بے قید اختیار دے دینا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مردوں ہی کی طرف سے طلاق کے بے جا استعمال نے جب یہ کچھ ستم ڈھایا ہوا ہے تو عورتوں کو اس کی بے قید اجازت کیا کچھ مفاسد پیدا نہیں کرے گی؟ اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ تفویض طلاق مرد کی طرف سے ظلم و زیادتی اور دارالقضاء یا کچھ صالحین کی طرف سے حق مفوضہ کے استعمال کی اجازت سے مشروط کر دیا جائے۔ اگر متعدد اشخاص کی اجازت اور رضامندی سے طلاق کو مشروط کر دیا جائے تو ان کی رضامندی اور عورت کے پیش کئے ہوئے غدر کی معقولیت سے اتفاق کر لینے کے بعد ہی وہ اپنے آپ پر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

رجل جعل امر امراته بید رجلین لا ینفرد احدهما بالطلاق (الخانیاۃ ۱۔ ۵۷۳)

”کوئی شخص اپنی بیوی کے معاملہ کو دو اشخاص کے اختیار میں کر دے تو دونوں میں سے ایک کو تنہا طلاق واقع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔“

### دارالقضاء کو تفویض

خیال ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی ایسی صورت اختیار کرنی بہتر ہے جس میں حق طلاق دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ کو دیا گیا ہو۔ بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر تو ”توکیل“ ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت و مشیت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کر دیا جائے تو یہ



”توکیل“ کی بجائے ”تفویض“ ہے۔ (الحنانیة ۱. ۵۷۲)۔ اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے :

لو قال لاجنبی طلاقھا بیدک او مطلقھا ان شئت کقولہ امرھا بیدک یقتصر و لایملک

الرجعة ابدانہ الصنائع ۳. ۲۳۲

”اگر اجنبی شخص سے کہا کہ عورت کا حق طلاق تمہارے ہاتھ میں ہے۔ یا یہ کہے کہ ”اگر تم چاہو تو طلاق دے دو“ تو یہ ”تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے“ کہنے کی طرح ہے کہ اس میں اختیار مجلس میں محدود رہے گا اور شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔“ اور سراجیہ میں ہے۔

لو قال لاجنبی مطلقھا ان شئت ثم مزله لایصح السراجیة ۲۲۔ اجنبی شخص سے اپنی بیوی کی

بابت کہے کہ ”اگر چاہو تو اسے طلاق دے دو۔ پھر اس کو اختیار سے معزول کر دے تو درست نہیں۔“ فتاویٰ بزازیہ میں اختیار طلاق کو اسی مجلس تک محدود مانا گیا ہے کہ شرط کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عموم کو نہیں بتاتا ہے۔ اگر ”ان شئت“ (اگر تو چاہے) کی بجائے ”متی شئت“ (جب بھی چاہے) کہا جائے تو پھر بعد از مجلس بھی اختیار باقی رہے گا۔

پس، اگر کچھ شرطوں کے ساتھ دارالقضاء کو حق طلاق تفویض کیا جائے اور یہ وسعت برتی جائے کہ عورت قاضی شریعت کے پاس ثبوت شرعی کے ذریعہ ان شرائط میں کوتاہی ثابت کر دے، یا دوسرے قرآن کی بناء پر قاضی کو عورت کے بیان کی صداقت پر اطمینان ہو جائے تو وہ عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے۔ تو شاید یہ زیادہ بہتر صورت ہو۔

دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی مقدار

(جوابات سوال ۳-۳)

طلاق اور نکاح ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار میں اضافہ کا مسئلہ ایک ہی نوعیت کا ہے کہ دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار متعین کی جائے اور اس شرط میں عورت کا فائدہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟ شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ فقہاء کی رائیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔



وان تزوجها صلی الف ان لم یخرجها من بلدھا و صلی الفین ان اخرجھا فالمہر فاسد و

یجب لھا مہر مثلھا (شرح مہذب ۱۲-۷۳۷)

” اگر ایک ہزار مہر پر نکاح کیا بشرطیکہ شہر سے باہر نہ لے جائے اور دو ہزار مہر پر بشرطیکہ شہر سے باہر لے جائے تو مہر فاسد ہے اور مہر مثل واجب ہوگا۔“

امام احمد سے منقول ہے کہ دونوں تعیین معتبر ہوں گی۔ ابن قدامہ کا بیان ہے :

وان قال تزوجتک صلی الف ان لم اخرجک من دارک و صلی الفین ان اخرجتک منها او

صلی ان لم یکن لی امرآة و صلی الفین ان کانت لی امرآة فنص احمد علی صحۃ التسمیہ فی  
ہاتین المسئلین (المغنی ۷-۷۰۳)

” اگر کہے : ایک ہزار پر تجھ سے نکاح کیا بشرطیکہ تجھ کو تمہارے میکہ سے باہر نہ لے جاؤں یا اس شرط پر کہ میری دوسری بیوی موجود نہ ہو اور دو ہزار مہر پر اگر تم کو میکہ سے باہر لے جاؤں یا یہ کہ میری کوئی اور بیوی ہو، ان دونوں صورتوں کی بابت امام احمد کی صراحت موجود ہے کہ تعیین مہر اس طرح درست ہے۔“

آگے ابن قدامہ نے اس سلسلہ میں حنبلیہ سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے مگر ترجیح اسی کو دیا ہے۔

### امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا نقطہ نظر

جہاں تک احناف کی رائے ہے تو اس سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے۔ فقہاء نے اس ذیل میں کئی مسائل نقل کئے ہیں جو باہم مماثل اور متفقارب ہیں۔ لیکن ان کے احکام میں فرق کیا گیا ہے۔ یہاں ان کا تذکرہ مناسب ہوگا :

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خوبصورت ہو تو مہر دو ہزار اور بد صورت ہو تو ایک ہزار، تو فتویٰ اس پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خاندانی طور پر آزاد رہی ہو تو مہر دو ہزار اور خاندانی طور پر غلام تھی گو اب آزاد ہے تو مہر ایک ہزار، تو اس صورت میں بھی فتویٰ اسی پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ان دونوں صورتوں کی بابت ابن سمامہ نے امام محمد سے وہی اختلاف نقل کیا۔ جو ذیل کی صورت میں ہے۔ لیکن محققین نے ابن سمامہ کی نقل کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان متفق علیہ مانا

انہیں دو صورتوں کا حکم اس وقت بھی ہے جب نکاح کے وقت اس طرح مہر مقرر کیا جائے کہ اگر نکاح کی کوئی اور بیوی بھی موجود ہو تو دو ہزار، کوئی اور بیوی نہ ہو تو ایک ہزار۔۔۔ اب بھی دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر میں تمہاری موجودگی میں دوسرا نکاح کروں، یا کہا کہ تمہیں تمہارے شہر سے باہر لے جاؤں تو مہر دو ہزار ورنہ ایک ہزار ہوگا۔۔۔ اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے ہاں مہر مقررہ ایک ہزار ہوگا۔ اگر اس نے دوسرا نکاح نہ کیا تو ایک ہزار مہر ہوگا۔ دوسرا نکاح کر لیا تو دو ہزار اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

اوپر جو مفتی علیہ صورتیں مذکور ہوئی ہیں، ان کی بابت نقول مختلف ہیں۔ تاہم راجح و مختار قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، البحر الرائق، ۳-۱۶۰، الدر المختار و رد المحتار، ۲-۳۲۶، ہندیہ، ۱-۹-۸-۳۰، خلاصۃ

الفتاویٰ ۲-۱۳۷

ان دونوں صورتوں میں فرق کی جو وجہ بتائی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوبصورت اور بد صورت ہونا ایک قابل مشاہدہ بات ہے۔ نکاح کے وقت کسی اور بیوی کی موجودگی و عدم موجودگی کی یا اس کا خاندانی طور پر آزاد ہونا یا غلام ہونا ان امور میں سے ہے جو پہلے سے واقع شدہ ہے اور آئندہ مرد کا دوسرا نکاح کرنا یا نہیں کرنا اور اس کو شہر سے باہر لے جانا یا نہیں لے جانا، مستقبل سے متعلق ہے۔ پس پہلی صورتوں میں "خطر" یا تو موجود نہیں یا خفیف ہے اور دوسری صورت میں "خطر" قوی ہے۔ دوسرے پہلی صورتوں میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے۔ جب کہ اس دوسری صورت میں آئندہ نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ قوی ہے۔ البحر الرائق، ۳-۱۶۳، رد

المختار، ۲-۳۲۶

در اصل امام صاحب کا خیال ہے کہ ایک ہزار مہر متعین ہے اور چونکہ مشروط واقعہ کا پیش آنا یقینی نہیں ہے۔ اس لیے دو ہزار مہر مجہول ہے۔ صاحبین کا خیال ہے کہ شرط اور اس شرط سے ہم رشتہ مقدار مہر دونوں معروف و متعین اور واضح و غیر مبہم ہے، اس لئے نہ جہالت ہے اور مستقبل میں نزاع کا اندیشہ ہے۔ واقعہ ہے کہ عملاً اس طرح کے معاملات میں نزاع پیدا نہیں ہوتی۔ اصول افتاء میں دونوں طرح کی رائیں موجود ہیں یہ بھی کہ امام صاحب کے قول کو بہر حال صاحبین کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور یہ بھی کہ مفتی کو دونوں میں سے کسی بھی قول کے اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

ثم الفتوى على الاطلاق على قول ابي حنيفة ثم بقول صاحبيه ثم بقول ابي يوسف ثم

بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الهذيل ثم بقول حسن بن زياد - وقيل - اذا كان ابو

حنيفة بجانب و صاحبها في جانبه فما لعفتي بالخيار والاول اصح (السراجية ۱۵۷)

” فتویٰ مطلقاً امام ابو حنیفہ، پھر صاحبین، اس کے بعد امام ابو یوسف، پھر امام محمد، پھر بالترتیب امام زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابو حنیفہ اور دوسری طرف صاحبین ہوں تو مفتی کو اختیار ہوگا پہلا قول زیادہ درست ہے۔“

گو علامہ سراج الدین اودی نے امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول پر فتویٰ کے غیر درست ہونے کو ترجیح دی ہے۔ لیکن عملاً ایسے سیکڑوں مسائل ہیں جن میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اس لیے حاوی قدسی وغیرہ کی بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ قوت دلیل کی بنا پر صاحبین کے قول کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے۔ جب قضاء و شہادت کے ابواب میں امام ابو یوسف، ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور ۶ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لیے راجح شمار کیا گیا ہے (رد المحتار ۱-۲۹) تو صاحبین کے قول پر افتاء کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے۔ حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ عام طور پر صاحبین کی رائے بھی امام صاحب ہی کے کسی قول پر مبنی ہوتی ہے۔

دوسرے: مشائخ نے ان دونوں اقوال کو نقل کر کے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ کونسا قول صحیح و راجح اور مفتی بہ ہے؟ اور ایسے احکام میں ترجیح کا اصول کیا ہے؟ اس بابت علامہ حسکفی لکھتے ہیں:

فان قلت قد يحكون اقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون في الصحيح - قلت، يعمل بشمل ما عملوا من اعتبار تغير العرف و احوال الناس و ما هو الارفق و ما ظهر عليه التعامل و ما قوى وجه الدر المختار صلی هامش الرد (۱-۱۵۷)

” اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے یعنی عرف، لوگوں کے حالات، ان کے لئے آسان تر، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل کے اعتبار سے قوی قول پر عمل کیا جائے۔“

تیسرے: مواقع ضرورت میں قول ضعیف پر بھی فتویٰ کی گنجائش ہے۔ علامہ شامی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ ”قول ضعیف پر فتویٰ کی گنجائش نہیں“ لکھتے ہیں:

قلت لكن هذا في خير موضع الضرورة فقد فكر في حيز البحر في بحث الوان الدماء  
اقوالا ضعيفة ثم قال، وفي المعراج من فخر الائمة لو افتي مفتي بشئ من هذه الاقوال في



مواضع الضرورة ملبا ليتيسر كان حسنا. وكذا قول ابي يوسف في المنى اذا خرج بعد فتور الشهوة لا يجب عليه الغسل ضعيف. و اجازوا العمل به للمسافر او الضيف الذي خاف الريبة كما سيأتي في محله و ذلك من مواضع الضرورة.

” میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو۔ چنانچہ ”بحر“ کے باب المہیض میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ ”معراج“ میں قرآن سے مستقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر ازراہ سولت فتویٰ دے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح کسر شوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل کا واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے۔ لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا۔ اور یہ مواقع ضرورت میں ہے۔“

ہرچند کہ افتاء کی بابت اس اصول کا اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ غالباً کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن عملاقہ کی اکثر متداول کتب میں اس کے شواہد موجود ہیں۔۔۔ اب مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ضرورت جیسے شخصی و انفرادی ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی اور سماجی بھی ہوتی ہے۔ اس وقت طلاق اور سنجیدہ و متین فیصلہ کے بجائے محض موجودہ بیوی سے انتقام کے جذبہ کے تحت دوسرے نکاح پر مناسب حد تک روک لگانا ایک سماجی اور معاشرتی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ ان مسائل میں حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ اس سے سماجی اصلاح اور معاشرتی ناانصافی کے سد باب کی توقع کی جاسکتی ہے۔

## عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

(جواب سوال ۵) خاندانی زندگی کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ کسب معاش، خاندان کی کفالت اور گھر سے باہر کی ذمہ داریوں کی تکمیل مرد کے ذمہ ہے اور بچوں کی پرورش و تربیت اور امور خانہ داری کی انجام دہی عورتوں کے ذمہ۔ یہ عورتوں پر اسلام کا بڑا احسان اور اس کی فطرت و طبیعت کی رعایت ہے۔۔۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ ”وقرن فی بیوتکم احزاباً“۔ اس لیے جو ملازمتیں شرمی حدود کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہیں، خواتین کے لیے ضرورت و مجبوری کے بغیر ایسی ملازمتیں بھی مناسب نہیں۔ پھر بیویوں کا لفظ شوہر پر واجب اسی لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کی پرورش و تربیت کے لیے محبوس اور گھری ہوئی ہے۔ (ہدایۃ ۲-۱۳۱۷ باب النفعۃ)۔ اور اس نے سارا وقت اسی فریضہ مادری کی ادائیگی کے لیے وقف کر رکھا



عورت کا اپنے آپ کو گھر سے باہر کی ایسی مصروفیت سے فارغ رکھنا جو مرد کے "حق حبس" کو متاثر کرتی ہو، واجب ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے:

وإذا ارادت المرأة ان تخرج الى مجلس العلم بغير اذن الزوج لم يكن لها ذلك الخائفة صلی

ہامش الہندیۃ ۱. ۲۲۳

"عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علمی مجالس میں جانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔"

اور علامہ حنفی کا بیان ہے۔

له منعها من المنزل و محل عمل تبرعاً لا جنسی و لوقابلة او مفلسة لتقدم حقه صلی فرض

الكفاية من مجلس العلم الا لئلا تمتنع زوجها من سوالها۔ الدر المختار صلی ہامش الرد ۲۔

۲۲۵

"شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دھاگے کا تسنہ اور ایسے ہر کام سے روکے، گو وہ اجنبی شخص کے لیے تبرعاً انجام دے، گو وہ "دایہ" ہو یا غسال ہو۔ کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے۔ اسی طرح وہ مجلس علم میں جانے سے بھی روک سکتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ کسی ایسے پیش آمدہ مسئلہ کی بابت ہو جس کو شوہر دریافت نہیں کر رہا

ہو۔"

اس لیے عورت کے لئے ملازمت کی شرط مقصد نکاح کے مفارم محسوس ہوتی ہے اور ایسی شرط کو غیر معتبر ہونا چاہئے۔ اگر مرد نے قبول بھی کر لیا تو بعد میں وہ عورت کو ترک ملازمت کا حکم دے سکتا ہے۔۔۔ البتہ اگر کوئی شخص بے روزگار ہو یا عورت کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور تعنت کی راہ اختیار کر رکھی ہو۔ مجبور ہو کر عورت نے کوئی ایسی ملازمت کر لی ہو جو شرعاً جائز ہے تو قاضی تجربات و حالات کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ بہ یک دفعہ عورت کو ملازمت سے روک دیا جائے یا پہلے اندازہ قائم کیا جائے کہ مرد اپنے مطالبہ میں واقعی سنجیدہ ہے یا بیوی کو مزید مشقت میں ڈالنے کی غرض سے ایک حکم شرعی کا سہارا لے کر محض اپنی مقصد برابری کرنا چاہتا ہے۔ ہذا ما

سندی ولانہ الموافق للصواب۔

خلاصہ جوابات

۱۔ الف۔ ایسی شرطیں جو انہیں حقوق و فرائض کو مؤکد کرتی ہوں جو نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں، معتبر و

جائز ہیں۔

ب۔ ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں۔ البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے

ج۔ ایسی شرطیں جن سے عورت کو نفع پہونچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا اور نہ ان سے منع کیا ہو۔ ان کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے۔ احناف کے یہاں ایسی شرطیں معتبر نہیں ہیں۔ البتہ حنابلہ کے یہاں معتبر ہیں اور حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی بھی یہی رائے ہے

اور موجودہ حالات میں اسی قول پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۲۔ تفویض طلاق کی تینوں ہی صورتیں جائز ہیں، البتہ:

الف: نکاح سے پہلے تفویض میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو۔

ب: نکاح کے وقت تفویض میں ضروری ہے کہ عورت کی طرف سے پہل ہو۔

ج: نکاح کے بعد تفویض میں یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ البتہ ان کا قبول کرنا یا نہیں کرنا، مرد کے اختیار

میں ہے۔

تفویض کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کی بجائے دارالتقضاء کو حق طلاق تفویض کر دیا جائے۔

۳۔ ۲۔ دو حالتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار کو مشروط کرنا صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور موجودہ حالات

میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۵۔ حق حبس مرد کا ویسا ہی حق ہے جیسے نفقہ عورت کا حق ہے۔ اس لیے عورت کی طرف سے ملازمت کی

شرط معتبر نہیں۔ ہاں اگر نکاح کے بعد مرد کے نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے عورت نے کوئی جائز ملازمت کی۔ شوہر اس

کو ترک کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اور بیوی کو مستقبل میں شوہر کی جانب سے پھر عدم ادائیگی کا اندیشہ ہے تو اب

قاضی کی صوابدید پر ہے کہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے۔

## اشترائط فی النکاح

مولانا عتیق احمد بستوی

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرائط کو سوالنامہ میں تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ ایسی شرطیں قابل بحث نہیں ہیں۔ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہونے کی وجہ سے ان کی پابندی اور ان پر عمل درآمد ضروری ہے۔ خواہ عقد کے وقت شرط کی صورت میں ان کا ذکر کیا جائے یا نہیں، ان شرطوں کے لازم الایفاء ہونے پر سلف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اس طرح کی شرط لگانے سے عقد نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ شرط ہی باطل اور ناقابل اعتبار ہوگی، ہاں اگر ایک محدود مدت تک کے لئے نکاح کی شرط لگائی جائے جسے نکاح متعہ یا نکاح موقت کہا جاتا ہے تو جمہور فقہاء کے

نزدیک نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ اصل سرکۃ الآراء سواننامہ میں ذکر کردہ تیسری قسم کی شرطیں ہیں سواننامہ کے الفاظ میں ان کا حاصل یہ ہے۔

۳۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو ۱۶۱، ۱۶۲ میں سے کسی کے دائرے میں نہیں آتی ہے۔ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح اور دوسرے عقود میں شرائط عائد کرنے کے تعلق سے فقہاء اسلام میں مختلف رجحان پائے جاتے ہیں۔ فقہاء ظاہریہ (ابن حزم وغیرہ) کا مسلک یہ ہے کہ عقد نکاح وغیرہ میں وہی شرط لگائی جاسکتی ہے جس کی اجازت نص سے ثابت ہو، ان حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ عقود شرعیہ (بیع، نکاح، اجارہ وغیرہ) کی طرح ان کے اثرات بھی شارع کی طرف سے مقرر ہیں، ان عقود میں اپنی طرف سے شرائط عائد کرنے سے ان کے اثرات میں خلل اندازی ہوتی ہے اور ان عقود کے مقاصد متاثر ہو سکتے ہیں لہذا عقد نکاح وغیرہ میں ایسی شرط کی گنجائش ہے جس کا جواز نص سے ثابت ہے۔

اس کے برخلاف دوسرا موقف فقہاء حنبلیہ کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک عقد نکاح میں میاں بیوی اپنی من پسند شرطیں عائد کر سکتے ہیں، اور عقد نکاح کے اثرات میں تبدیلی لاسکتے ہیں، ہاں اتنی بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ شرطیں نکاح کے مقاصد اور اس کے لازمی تقاضوں کو مجروح نہ کرنے والی ہوں۔ عقد نکاح اور دوسرے عقود میں وہ شرط لگائی نہیں جاسکتی جس کی ممانعت نصوص و آثار میں صراحتاً کر دی گئی ہو، مثلاً کسی عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے، فرضیہ حنبلیہ کے نزدیک ان شرائط میں اصل اباحت ہے، کسی شرط کو اسی وقت غیر معتبر کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ عقد کے مقصد اور لازمی تقاضوں کو مجروح کرتی ہو، یا نصوص و آثار میں صراحتاً اس شرط کی ممانعت ہو۔

ظاہریہ اور حنبلیہ کے دو متضاد مسالک کے درمیان جمہور فقہاء (احناف، شوافع، مالکیہ) کا مسلک ہے، ان حضرات کے نزدیک شرط لگانے کے معاملہ میں نہ تو ظاہریہ کی طرح بے انتہا تسکین ہے نہ حنبلیہ کی طرح غیر معمولی وسعت۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر وہ شرط لغو اور غیر معتبر ہے جو تقاضائے عقد میں شامل نہ ہو اور نہ ہی عقد کے کسی تقاضے کو پختہ کرنے والی ہو، اس کے ایفاء کے واجب ہونے پر نصوص و آثار یا عرف کے قبیل کی کوئی دلیل



موجود نہ ہو اس طرح کی ہر شرط جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے ، لیکن اس شرط کی بنا پر عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل بہت متوسع ہیں ، وہ صرف انہیں شرائط کو غیر معتبر کہتے ہیں جن سے عقد نکاح کے لازمی تقاضے اور اثرات مجروح ہوتے ہوں ، یا جن کے بارے میں شریعت نے صراحتاً ممانعت کی ہو۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے۔ احتاف و شوافع کے نزدیک وہی شرطیں معتبر ہیں جو عقد نکاح کے تقاضوں کے مطابق ہوں ، ان کے حق میں کوئی دلیل شرعی (مثلاً نص یا قیاس یا عرف) موجود ہو۔ امام مالک اور مشہور قول کے اعتبار سے احتاف ، شوافع کے ساتھ ہیں اور ان کا غیر مشہور قول امام احمد بن حنبل کے مطابق ہے ، امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف دراصل ان شرطوں کے بارے میں ہے جن کی صحت یا عدم صحت کسی خاص دلیل سے ثابت نہ ہو ، ایسی شرطوں کو جمہور فقہاء غیر لازم اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں ، ان کے نزدیک ان شرطوں کا ایفاء لازم نہیں ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں دوسرے فریق کو نکاح فسخ کرنے یا عدالتی چارہ جوئی کا کوئی اختیار نہ ہوگا ، اس کے برخلاف امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ شرطیں لازم عمل ہوں گی ، اور اگر عورت کی طرف سے یہ شرطیں عائد کی گئیں تھیں اور شوہر نے ان شرطوں کی خلاف ورزی کی تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کے اختلاف کی مزید وضاحت ان مثالوں سے ہو سکتی ہے جنہیں فقہاء نے اس بحث میں ذکر کیا ہے۔ چند اختلافی شرطوں کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ عقد نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔

۲۔ عورت کی طرف سے نکاح میں یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا ، وہاں سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا۔

۳۔ عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط عائد کی کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے۔

ان میں سے تیسری شرط کے بارے میں حنابلہ کے یہاں دو قول ملتے ہیں ، صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ عورت کی طرف سے یہ شرط عائد کرنا جائز نہیں ہے ، اور اگر یہ شرط لگائی گئی تو شوہر کے لئے لازم العمل نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کو طلاق کا مطالبہ کرنے سے منع فرمایا ، اس لئے راجح قول کے اعتبار سے حنابلہ کے نزدیک بھی یہ شرط فاسد ہے ، ہاں ابتدائی دو شرطوں کے بارے میں امام

احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف مقبول ہے۔ امام احمد ان دونوں شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں اور شوہر کی جانب سے ان کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ ابتدائی دو شرطوں کو بھی لغو اور ناقابل اعتبار گردانتے ہیں، شوہر کے ذمہ ان کی پابندی لازم نہیں کرتے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امام مالک بھی اپنے غیر مشہور قول میں زیر بحث شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں، اور اپنے مشہور قول کے اعتبار سے ان شرطوں کو غیر لازم کہتے ہیں اگرچہ وہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے ہم نوا ہیں لیکن اس طرح کی شرطیں عائد کرنے کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ایسی شرط لگادی گئی اور میاں بیوی نے اپنے نکاح کے وقت اسے تسلیم کر لیا تو اس شرط کا پورا کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔

زیر بحث شرطوں کے بارے میں صحابہ و تابعین اور فقہاء مجتہدین کے اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہیں۔ جو حضرات ان شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں ان کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث سے ہے جو صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں مروی ہے۔

من صقبة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما

استحلتم به الفروج۔

حضرت عقبہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا سب سے زیادہ پورا کئے جانے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی لکھتے ہیں۔ نکاح کی شرطیں مختلف قسم کی ہیں بعض شرطوں کا پورا کرنا بالاتفاق سب کے نزدیک واجب ہے، یہ وہ شرطیں ہیں جن کا خود اللہ نے حکم دیا ہے۔ مثلاً بیوی کو دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا اس کے حقوق ادا کرنا یا اچھے طریقے سے اسے چھوڑ دینا، امساک بالمعروف و تنسیح بالاحسان، بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو اس قسم کی شرط پر محمول کیا ہے، کچھ شرطیں وہ ہیں جن کے پورا نہ کئے جانے پر اتفاق ہے مثلاً کسی عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور کچھ شرطوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا شوہر اس کو اس کے گھر سے منتقل کر کے اپنے گھر نہیں لے جائے گا۔

اس کی ہم معنی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں

ہم شافعی اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل وہ شرطیں ہیں جو مقصائے نکاح کے منافی نہ ہوں۔

بلکہ نکاح کے تقاضوں اور مقاصد میں سے ہوں، مثلاً حسن سلوک کی شرط لگانا دستور کے مطابق لباس، رہائش گاہ، نان و نفقہ مہیا کرنے کی شرط لگانا، اور یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی کے کسی حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ ایسی شرط جو تقاضائے نکاح کے خلاف ہو مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا۔ اس کی موجودگی میں کسی باندی سے تعلقات زن و شوئی قائم نہیں کرے گا، بیوی پر خرچ نہیں کرے گا، اسے لے کر سفر نہیں کرے گا، اس طرح کی شرطوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ شرط لغو ہو جائے گی اور نکاح مہر مثل کے بدلہ میں صحیح ہو جائے گا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے۔ امام احمد اور ایک جماعت کے نزدیک شرط کا مطلقاً پورا کیا جانا واجب ہے ان احق الشروط بالوفاء، .... والی حدیث کی بنا پر امام ترمذی نے حدیث "ان احق الشروط ان یوفی بہا ما استحللتم بہا الفروج" کی روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے انہیں میں سے حضرت عمر بن الخطاب بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے عورت سے نکاح کرتے وقت یہ شرط منظور کی ہے کہ عورت کو اس کے شہر سے نکال کر اسیں لے جائے گا تو اسے عورت کو نکال کر لے جانے کا حق نہیں ہے۔ بعض اہل علم کا قول یہی ہے، حدیث علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ کی شرط عورت کی شرط سے پہلے ہے۔ گویا حدیث علی کی رائے میں عورت کی طرف سے نکال کر لے جانے کی شرط لگانے یا وجود شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو اس کے شہر سے نکال کر لے جائے۔ بعض اہل علم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

مذکورہ بالا حدیث امام احمد بن حنبل اور ان تمام لوگوں کی سب سے مضبوط دلیل ہے جو شرائط نکاح قبول کرنے میں متوجہ ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک حدیث بالا کی روشنی میں نکاح کی وہ تمام شرطیں صحیح اور لازم العمل ہیں جن کی نصوص میں صراحتاً ممانعت نہ کی گئی ہو، اور ان سے نکاح کے لازمی تقاضے مجروح ہوتے ہوں۔ جو حضرات فقہاء نکاح اور دوسرے عقود کی شرطوں کو بہت محدود دائرے میں قبول کرنے کا رجحان رکھتے ہیں وہ حضرات بھی استدلال میں احادیث نبویہ پیش کرتے ہیں، اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔



زیر بحث شرطیں چونکہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہیں لہذا حدیث بالا کے اعتبار سے باطل اور ناجائز ہوں گی، دوسری حدیث یہ ہے۔

”المسلمون علی شروطہم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا“ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوں گے سوائے اس شرط کے جو حرام کو حلال قرار دے یا حلال کو حرام قرار دے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں حقیقی تحلیل و تحریم مراد نہیں ہے ایک مسلمان حالت ایمان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیسے کر سکتا ہے، اور اگر کرے تو مسلمان کہاں باقی رہے گا۔ تحریم حلال کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس شرط کی بنا پر ایک حلال چیز پر پابندی ہو جائے اور اس کی بنا پر خواہش کے باوجود ایک فریق ایک جائز کام نہ کر سکے، زیر بحث شرطوں میں اس مفہوم کے اعتبار سے تحریم حلال (حلال کو حرام کرنا) موجود ہے۔ مثلاً اگر ایک عورت سے کسی مرد کا نکاح ہوتا ہے تو اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے مرد دوسرا اور تیسرا نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن اگر عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور شرعاً یہ شرط لازماً عمل قرار دیدی گئی تو شوہر پر دوسرا نکاح کرنے کے سلسلے میں پابندی عائد ہوگئی اور اسے ایک حلال کام سے روک دیا گیا، ضرورت اور خواہش کے باوجود وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر دوسرا نکاح کرے تو پہلی بیوی سے ہاتھ دھوئے۔

زیر بحث شرطوں کو باطل قرار دینے والے جمہور فقہاء کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامی نے عقود و معاملات کے احکام و اثرات متعین کر دئے ہیں، ان کے احکام و اثرات کی حد بندی فریقین پر نہیں چھوڑی ہے، عقود و معاملات کے شرعی احکام و اثرات اور ان کے لازمی تقاضوں سے تجاوز کر کے فریقین کی طرف سے شرائط عائد کرنا ان عقود و معاملات کی شرعی ساخت پر اثر انداز ہوگی۔ ان عقود کے شرعی مقاصد متاثر اور مجروح ہوں گے مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے منتقل کر کے کہیں اور نہیں لے جائے گا، بادی النظر میں ایک بے ضرر سی شرط معلوم ہوتی ہے لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو مقاصد و مصالح نکاح پر اس شرط کے برے اثرات پڑتے ہیں، مثلاً بیوی کے وطن میں شوہر کو رزق کے ذرائع حاصل نہ ہو سکے اس لئے وہ مجبور ہوا کہ حصول رزق کے لئے کسی اور شہر میں قیام کرے، تلاش رزق میں اس کا قیام عورت کے وطن سے دور رہے اور خواہش کے باوجود اپنی بیوی بچوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا پائے گا۔ اس کے نتیجے میں میاں بیوی دونوں کی زندگی نا آسودہ گزرے گی، بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے مسائل پیدا ہوں گے۔ عائلی زندگی متزلزل ہو کر رہ جائے گی، خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی شرطیں بظاہر بے ضرر ہونے کے باوجود



نتیج کے اعتبار سے نکاح کے مقاصد و مصلح کو مجروح کرتی ہیں اس لئے شرعاً ان شرطوں کا اعتبار نہیں ہے۔  
 اسلامی شریعت کی منشاء یہ ہے کہ نکاح کرنے سے قبل ایک دوسرے کے بارے میں پورا اطمینان کر لیا جائے۔ نکاح طے کرنے میں نامناسب جلد بازی کرنے کے بجائے ہر طرح معلومات اور اطمینان حاصل کر لینے کے بعد اللہ کے نام پر نکاح کا فیصلہ کیا جائے۔ نکاح کے وقت بے اعتمادی اور بے اطمینانی کا ماحول نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ رشتہ نکاح محبت اور اعتماد کی فضا ہی میں بار آور ہو سکتا ہے۔ نکاح کے وقت ہی سے شرائط بازی اعتماد و اطمینان کی فضا کو مجروح کرتی ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں دلائل و مصلح کے اعتبار سے جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، شافعیہ) کی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے۔ فقہ اسلامی کی اصطلاح میں یہ تعویض طلاق ہے، ظاہر یہ کہ علاوہ باقی تمام فقہاء تعویض طلاق کو درست اور نافذ قرار دیتے ہیں، شوہر کو جس طرح خود طلاق دینے کا اختیار ہے، اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مشروط یا غیر مشروط طور پر بیوی کو یا کسی تیسرے شخص کو تعویض کرے۔ تعویض طلاق کے جواز پر جمہور فقہاء نے آیت تغیر کے علاوہ صحابہ کرام کے ہست سے آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

اصولی طور پر تعویض طلاق کی درستگی پر اتفاق کے باوجود اس کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل میں فقہاء اسلام کے درمیان کافی اختلافات ہیں۔ فقہاء احناف کے نزدیک تعویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک خاص شرائط اور تفصیلات کے ساتھ تعویض طلاق کا عمل نکاح سے پہلے بھی ہو سکتا ہے عقد نکاح کے دوران اور نکاح کے بعد بھی۔

فقہ حنفی کے مسائل و تفصیلات کے اعتبار سے تعویض طلاق کی حکیمانہ اور فقہیانہ تطبیق و تشریح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے "الحیلة الناجزة للمحیلة العاجزة" میں کی ہے تعویض طلاق کے مسائل کی روشنی میں مختلف کاہن نامے مرتب کر کے حضرت تھانوی نے مردوں کے اس طرح کے مظالم کا سد باب کرنا چاہا ہے کہ ہست سے مرد بیویوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں یا ان کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتے، بال بچوں سے بے فکر ہو کر پردیس چلے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق ادا کرنے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے کے باوجود اس طلاق دینے یا ان سے فسخ کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے، اگر نکاح کے وقت کاہن نامہ کی شکل میں تعویض طلاق کا نام لیا جائے تو عورت کاہن نامہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کر کے رہاؤ۔

حاصل کر سکتی ہے۔ حضرت تھانوی نے مختلف کاہن ناموں کا جو متن تحریر فرمایا ہے اس میں پوری دانشمندی کے ساتھ احتیاطوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس بات کو مد نظر رکھا ہے کہ مردوں کے مقابلہ کا سد باب بھی ہو جائے اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار آنے سے جن مفاسد کا اندیشہ ہے، ان پر بھی روک لگ سکے۔

اشتر اطلاق النکاح کے سوانامہ میں دو سوالات عقد نکاح میں دو شرطوں کے ساتھ دو مہروں کو وابستہ کرنے کے بارے میں ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو اس کا مہر دس ہزار، اور اگر طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار، یا اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار اور اگر دوسرا نکاح کیا تو مہر تیس ہزار۔ فقہاء اسلام نے اس طرح مہر طے کرنے پر بحث کی ہے، صاحبین نے دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیا ہے اور جو شرط پائی جائے گی اس کے اعتبار سے مہر کی ادائیگی ہوگی، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو مہر پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کی تعمین درست ہوگی، اگر پہلی شرط پائی گئی تو مہر مسمی واجب ہوگا، اور اگر دوسری شرط پائی گئی تو مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے زائد نہ ہو، لیکن خود امام ابو حنیفہ نے دو شرطوں سے دو مہروں کے وابستہ کرنے کی بعض صورتوں کو جائز اور ناقد قرار دیا ہے، مثلاً اگر اس طرح مہر طے ہو کہ اگر عورت حسیں ہو تو اس کا مہر دس ہزار اور اگر بد صورت ہو تو اس کا مہر پانچ ہزار، اس صورت میں امام ابو حنیفہ بھی دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیتے ہیں، ان دونوں مسائل میں امام ابو حنیفہ نے کس بنیاد پر فرق کیا ہے اس پر کتب فقہ حنفی میں تفصیلی بحث اور رد و قدح ملتی ہے۔

میرے خیال میں زیر بحث مسئلہ میں صاحبین کا قول اختیار کرنا مناسب ہے، صاحبین کا قول نہایت واضح اور سہل ہے، اس کا اختیار کرنا مفہوم اور مستقیم دونوں کے لئے سہولت کا موجب ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلاق اور عدم طلاق والے مسئلہ میں اگر طلاق کے ساتھ مہر کی ایسی بڑی مقدار وابستہ کر دی گئی جس کی ادائیگی شوہر کے لئے ناممکن ہو تو دوسرے مفاسد پیدا ہوں گے، طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود شریعت اسلامی نے جن مصلح سے طلاق کو مشروع کیا ہے ان مصلح پر زرد پڑے گی، طلاق کے ناگزیر ضرورت بن جانے کے باوجود لمبے مہر کے خوف سے لوگ طلاق کا اقدام نہ کریں گے اور ناپسندیدہ بیویوں سے لگو خلاصی کے لئے حشیانہ اقدامات کر گزریں گے۔ جیسا کہ ہندو سماج میں ہو رہا ہے۔

پھر اصل مفاسد نفس طلاق سے نہیں بلکہ بیک وقت تین طلاق سے پیدا ہوتے ہیں اگر شوہر سنت کے مطابق ایک وقت میں ایک طلاق پر اکتفا کرتا ہے تو دونوں کے درمیان ملاپ کی راہیں کھلی ہوتی ہیں اس لئے مہر کی زیادتی تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کی جانی چاہئے تاکہ تین طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً زیادہ مہر کے خوف سے تین طلاق کا ناروا اقدام نہ کیا جائے۔

سوالنامہ اشراط فی النکاح کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی شرط شرعاً ناقابل اعتبار ہوگی، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط شرائط فاسدہ کے زمرہ میں آتی ہے۔ صرف اتنی بات نہیں ہے کہ یہ شرط نکاح کے لازمی تقاضوں میں شامل نہیں اور نہ انھیں پختہ کرنے والی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ شرط عقد نکاح کے ایک لازمی تقاضا کے خلاف ہے، نکاح کے بعد اسلامی شریعت بیوی کے ضروری اخراجات شوہر کے ذمہ لازم کر دیتی ہے، خواہ شوہر مالدار ہو یا غریب اور شوہر کو یہ حق دیتی ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر (بعض استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر) اس کے گھر سے باہر نہ جائے، اسلام نے مرد اور عورت کے مزاج اور صلاحیت کا خیال کرتے ہوئے دونوں کے کام تقسیم کر دئے ہیں، مگر گھر کے باہر کا کام خصوصاً تلاش معاش مرد کے ذمہ رکھا ہے، اور اندرون خانہ کی ذمہ داری عورت پر رکھی ہے، گھر کا داخلی نظم و نسق، چھوٹے بچے، بچیوں کی نگہداشت وغیرہ، بیوی کے فرائض میں داخل ہے۔ ظاہر ہے کہ گھر کے باہر مستقل ملازمت کے ساتھ عورت شوہر اور بچوں کے تنہا اپنی خانگی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی، ملازمت کرنا بہت سے بہت اس کے لئے جائز عمل کہا جاسکتا ہے اور گھر کی دیکھ بھال بچوں کی نگہداشت، پرورش اس کے واجبات میں شامل ہے۔ مباح اور واجب میں جب بھی ٹکراؤ ہوگا واجب کو ترجیح ہوگی۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط شوہر کے حق صبر کو کالعدم کر دیتی ہے اور حق صبر نکاح سے پیدا ہونے والا ایک لازمی حق ہے، لہذا اس کو باطل کرنے والی شرط خود باطل ہوگی، یہ شرط اسی طرح ناقابل اعتبار ہوگی جس طرح یہ شرط غیر معتبر ہوتی ہے کہ شوہر کو میرے کہیں آنے جانے پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا۔



## اشترائط فی النکاح اور اس کا حکم

☆ مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

اشترائط فی النکاح سے مراد یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی کا ایسی شرط لگانا جس کے لیے کوئی غرض یا منفعت وابستہ ہو، اس سلسلہ میں ایسی شروط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون و متصل ہوں یعنی ایجاب اس طرح متحقق ہو کہ اس کے ساتھ کوئی شرط لگی ہوئی ہو، وہ ایجاب مراد نہیں جو کسی شرط پر معلق ہو، کیونکہ معلق بالشرط ایجاب کا وجود و تحقق، وجود شرط سے قبل ممکن نہیں۔

الشروط فی الزواج ہی ما يشترطه احد الزوجين على الآخر معاملة فيه غرض و يراد به  
الشروط المقتترنة بالايجاب او القبول اي ان الایجاب يحصل ولكن يصاحبه شرط من  
الشروط (الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۵۳)

یعنی نکاح میں زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر ایسی شرط لگانا جس کے ساتھ شرط لگانے والے کی غرض اور منفعت متعلق ہو، اور اس سے وہ شرائط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون ہو، بایں طور کہ مشروط ایجاب صادر ہو۔ وهذا بخلاف حالة الایجاب المعلق بشرط فان الایجاب لا وجود له قبل الشرط .  
(الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۳۵)

اور یہ صورت اس ایجاب کے برخلاف ہے جو معلق بالشرط صادر ہو، کیونکہ شرط کے تحقق سے پہلے ایجاب کا وجود ممکن ہی نہیں۔

### شروط فی النکاح کے سلسلہ میں احناف کا مذہب

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگانا ہے جو شرط صحیح ہو۔ شرط صحیح سے ایسی شرط مراد ہے جو مقتضائے عقد کے مناسب ہو اور احکام شرعیہ کے منافی نہ ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند اپنے گھر والوں سے یا اپنی سوکن سے الگ کسی محلہ مکان میں اس کی رہائش کا انتظام کرے، یا کسی دور دراز جگہ کے سفر میں اس کو اس کی



مرضی کے خلاف نہ لے جائے گا وغیرہ۔ تو ایسی شرط کو پورا کرنا اور اس کا لحاظ رکھنا شرعا واجب و لازم ہے۔ اور اسی حکم میں وہ شروط بھی داخل ہیں جو شرعا مامور بہ ہوں، جیسے کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند میرے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، مجھے خلاف شرع امور پر مجبور نہ کرے گا وغیرہ۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کی طلاق کا معاملہ اسی عورت کے قبضہ و اختیار میں ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح ہے اور فقہاء احناف نے اس کو شرط صحیحہ میں سے قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے عورت کے باپ کو مخاطب کر کے یوں کہا کہ "تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے اس شرط پر کر دے کہ اس کا امر طلاق تیرے اختیار میں ہوگا" تو اس صورت میں باپ کے اختیار میں امر طلاق نہ ہوگا، کیونکہ یہ تفویض قبل النکاح ہے۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگانا ہے جو شرط فاسدہ ہے۔ شرط فاسدہ سے وہ شرط مراد ہے جو عقد نکاح کے معنی کے خلاف ہو یا احکام شرعیہ کے منافی ہو۔ شرط فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ شرط فاسدہ کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ صرف شرط ہی باطل ہو جاتی ہے، اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، البتہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ نکاح اور معاوضات مالیہ کا باہمی فرق یہ ہے کہ شرط کی وجہ سے معاوضات مالیہ (بیع وغیرہ) فاسد ہو جاتے ہیں اور نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگانا ہے جو شرعا ممنوع ہے، تو ایسی شرط لگانا ناجائز ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، مثلاً کسی عورت نے یہ شرط لگائی کہ تجھے میری سوکن کو طلاق دینا پڑے گا۔ تو ایسی شرط لگانا نیز اس کو پورا کرنا دونوں ممنوع ہیں، حدیث شریف میں ہے "لا یحل لامرأة تسال طلاق ضرمتها یعنی کسی عورت کو جائز نہیں کہ وہ خاوند سے اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے۔" (در مختار ج ۲ ص ۲۰ تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۲۸ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۰۷ بدائع صنایع)

و الخلاصة ان الفقهاء اتفقوا على صحة الشروط التي تلائم العقد وعلى بطلان الشروط التي تنافي المقصود من الزواج او تخالف احكام الشريعة و اتفق الحنفية و المالكية و الحنابلة على صحة الشروط التي يكون فيها تحقيق و صف مرضوب فيه او خلو المرأة من عيب لا يثبت الخيار في فسخ الزواج الفقه الاسلامي ج ۷ ص ۲۰۰-۵۹

شروط نکاح کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کی مفصل و مدلل تشریح کے بعد پوری بحث کے خلاصہ کے طور پر

درج بالا عبارت مذکور ہے۔

یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ فقہاء نے ان شرائط کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو عقد نکاح کے مناسب ہوں، اور وہ شرائط جو نکاح کی غرض و فائیت یا احکام شرعیہ کے منافی ہوں، ان کے باطل و غیر معتبر ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے۔ اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ نے ان شرائط کے صحیح ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے جن میں کسی پسندیدہ وصف کی تحقیق ہو، یا کسی ایسے عیب سے پاک و صاف ہونا مطلوب ہو جس میں خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ملتا۔

لیکن وہ شرائط جو مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں، مگر عقد نکاح کے احکام میں سے کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو مثلاً یہ شرط لگانی کہ خاوند اس پر اور کسی عورت سے نکاح نہ کرے گا یا اسے سفر میں اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا یا اس کو اس کے گھر یا شہر وغیرہ سے باہر نہیں نکالے گا وغیرہ تو ایسی شرائط کا حکم امر اربعہ کے یہاں درج ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک اس قسم کی شرطیں لغو قرار پائیں گی اور عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ حنبلیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی شرائط صحیح ہیں اور ان کا پورا کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس قسم کی شرطیں مکروہ ہیں جن کو پورا کرنا لازم نہیں، البتہ مستحب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ شرطیں باطل ہیں اور عقد نکاح صحیح ہے

(الفقہ الاسلامی ج ۷ ص ۵۹-۶۰)

## توکیل و تفویض طلاق کی بحث

اس بحث کا تعلق طلاق کی دونوں قسموں، صریحی و کنائی، لے ساتھ ہے، کیونکہ خاوند کی جانب سے بیوی یا اس کے علاوہ اور کسی شخص کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا طلاق کے استعمال کئے جانے والے الفاظ صریحہ کے ساتھ ہوگا، جیسے "مطلق نفسک" تو اپنے آپ کو طلاق دیدے، یا کنایہ اور اشارہ کے الفاظ کے ساتھ ہوگا جیسے "امرک بیدک" تیرا معاملہ تیرے قبضہ و اختیار میں ہے۔

خاوند جس طرح بذات خود طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح وہ طلاق واقع کرنے میں کسی کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے۔ بیوی کو حق طلاق سپرد کرنا باجماع امت ثابت ہے، آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجُكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ** (سورہ احزاب) کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اپنے ساتھ قیام و مفارقت کے درمیان اختیار دیا تھا، پس اگر ازواج مطہرات کا اختیار مفارقت نہ ہوتا تو یہ تغیر بے معنی و بے اثر ہو کر رہ جاتی۔

## نیابت فی الطلاق کی اقسام معہ احکام

خاوند کی اجازت سے اور کسی کے طلاق دینے کی تین قسمیں ہیں، توکیل، تقویض، رسالہ۔

توکیل: خاوند کا بیوی کے علاوہ اور کسی کو طلاق دینے کے سلسلے میں اپنا نائب و قائم مقام بنانا، مثلاً خاوند کسی شخص سے کہتا ہے۔ میری بیوی کو طلاق دینے کا میں نے تجھے وکیل بنایا وغیرہ، اور وکالت قبول کرنے کے بعد یہ شخص اپنے موکل کی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ، تجھے طلاق ہے، تو اس پر طلاق ہو جائے گی۔

تقویض: اپنی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق دے دینا، یا بیوی کا معاملہ طلاق بیوی کے ہاتھ میں دے دینا مثلاً یوں کہنا "مطلق نفسک" اپنے آپ کو طلاق دیدے یا "امرک بیدک" تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اسی طرح بیوی کی طلاق کو اجنبی کی مشیت و مرضی پر معلق کر دینا، مثلاً یوں کہنا "مطلق زوجتی ان شئت" اگر تیرا جی چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے۔

رسالہ: کسی شخص کا کلام بطور نفل کسی تک پہنچا دینا، مثلاً "خاوند کسی شخص سے یہ کہے کہ فلاں عورت کے پاس جا کر یہ کہدے کہ تیرا خاوند تجھے "اختیاری" کہہ رہا ہے یعنی میرے ساتھ رہنے اور اپنے کو مجھ سے جدا کرنے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے۔ یا خاوند کسی شخص کے ذریعہ اپنی غائب بیوی کے پاس طلاق کا پیغام بھیجے، پس وہ قاصد ٹھیک طریقہ پر بھیجنے والے کا پیغام عورت تک پہنچا دے، تب بھی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ رسالہ والی صورت میں درمیانی شخص (واسطہ) کی حیثیت صرف ایک معبر اور ناقل کلام کی ہوتی ہے۔

تین قسم کے الفاظ سے تقویض طلاق ہوتی ہے۔ امر بالید، تخییر، مشیت۔ ان تینوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ تملیک و تخییر مرآة کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہر ایک لفظ کی بناء پر بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہو جاتی ہے، اور خاوند کے ساتھ رہنے اور اپنے کو اس سے جدا کر لینے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اس کو حق حاصل ہو جاتا ہے۔

امر بالید: یعنی خاوند کا اپنی بیوی سے کہنا کہ "امرک بیدک" تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، ایسا کہنے کی بناء پر دو شرطوں کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا معاملہ بیوی کے قبضہ و اختیار میں آ جاتا ہے۔

شرط اول: خاوند کا بنیت طلاق یہ لفظ کہنا۔ کیونکہ یہ لفظ طلاق کے الفاظ میں سے ہے، لہذا بغیر نیت طلاق یہ لفظ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔



شرط ثانی: عورت کو اس کا علم ہونا کہ خاوند نے میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ چنانچہ جب تک کہ بیوی اس لفظ کو سن نہ لے یا کسی کے ذریعہ اس کو خبر نہ پہنچے وہاں تک معاملہ طلاق اس کے اختیار میں نہیں آئے گا۔

تعمیر: یعنی خاوند کا بیوی سے "اختاری" کہنا یعنی تمہے میرے ساتھ رہنے اور مجھ سے جدا ہو جانے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اختیار ہے۔ دو باتوں کے علاوہ میں تعمیر اور امر بالید کا حکم یکساں ہے۔ باہمی فرق والے دو امر یہ ہیں۔

(۱) امرک بیدک کہنے میں تین طلاق کی نیت صحیح ہے اور "اختاری" اس لفظ میں تین طلاق کی نیت صحیح نہیں اسی وجہ سے تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کما تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

(۲) "اختاری" میں لفظ نفس کا ذکر خاوند کے کلام میں یا عورت کے جواب میں لازم و ضروری ہے، بایں طور کہ خاوند یوں کہے کہ اختاری نفسک اور اس کے جواب میں عورت کہے اختوت یا خاوند بیوی سے کہ اختاری اور اس کے جواب میں کہے اختوت نفسی۔ یا زوجین میں سے کسی کے کلام میں ذکر طلاق ضروری ہے۔ یا ایسے لفظ کا ذکر ضروری ہے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو، مثلاً خاوند کے کلام تعمیر کا لفظ مکرر ہو جیسے کہ یوں کہے اختاری اختاری۔ یا دونوں میں سے کسی کے کلام میں لفظ الاختیارۃ کا ذکر ہو، جیسے خاوند یوں کہے اختاری اختیارۃ اور اس کے جواب میں بیوی کہے اختوت اختیارۃ۔

مشیت: یعنی خاوند اپنی بیوی سے یوں کہے "انت معالق ان شنت" اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے۔ مشیت اور تعمیر کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ دونوں لفظ تملیک طلاق ہیں۔

مشیت اور تعمیر کا باہمی فرق یہ ہے کہ مشیت والی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی، کیونکہ لفظ صریح کے ساتھ تفویض طلاق ہوتی ہے اور تعمیر والی صورت میں طلاق بان واقع ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے۔

خاوند کا "مطلق نفسک" کہنا یعنی اپنے آپ کو طلاق دیدے۔ فقہاء کے نزدیک تملیک ہے خواہ اس کو مشیت کے ساتھ مقید کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اس لفظ کا اثر "انت معالق ان شنت" کی طرح مجلس تک ہی محدود رہے گا۔ تبدیل مجلس کے بعد بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔



## توکیل بالطلاق کا حکم

وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا مقید و مکلف ہے۔ اگر وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے سے تجاوز یا انحراف کرتا ہے تو اس کا تصرف موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل اجازت دے گا تو نافذ ہوگا ورنہ رد ہو جائے گا۔ اگر توکیل بالطلاق کسی معین زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہو تو وکیل بالطلاق جب ہی چاہے تب موکل کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اور موکل اپنے وکیل بالطلاق کو جب چاہے تب مزول بھی کر سکتا ہے۔

وکیل بالطلاق کی حیثیت معبر و سفیر محض کی ہوتی ہے، لہذا حقوق طلاق (مہر مؤجل کی ادائیگی، متعہ یا نفقہ عدت وغیرہ) کا مطالبہ وکیل سے درست نہ ہوگا، بلکہ براہ راست خاوند سے حقوق طلاق کا مطالبہ ہوگا۔

## زوجہ یا غیر زوجہ کو تفویض بالطلاق کا حکم

خاوند کے حق میں تفویض لازم ہے، بایں طور کہ تفویض طلاق کے بعد خاوند اس سے رجوع نہیں کر سکتا اور عورت کو اس سپرد کردہ حق کے استعمال سے روک بھی نہیں سکتا اور اس کو فسخ بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ خاوند نے تفویض کے ذریعہ بیوی وغیرہ کو طلاق کا مالک بنا دیا اور کسی غیر کو مالک بنا دینے کے بعد اس کی ولایت اس کی ملکیت سے زائل ہو جاتی ہے، لہذا رجوع، منع و فسخ کے ذریعہ ابطال کا مالک نہ ہوگا۔ نیز رجوع کا حق اس لئے بھی نہیں ہے کہ خاوند کے حق میں تفویض کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایقاع طلاق کو بیوی کی مشنیت پر معلق کر رہا ہے، اور تعلق، یمین کے حکم میں ہوا کرتی ہے اور ایمان میں ان کے صدور کے بعد حق رجوع ممکن نہیں رہتا۔

مگر بیوی کے حق میں تفویض لازم نہیں، چنانچہ اس کو صراحتاً یا دلالتاً اس تفویض کو رد کر دینے کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ امر بالید تخیر ہے یعنی عورت کو خاوند کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں سے ایک امر کو پسند کرنے کا اختیار ہے اور اختیار و لزوم باہم منافی ہیں۔

مفوضہ عورت کو صرف ایک مرتبہ اختیار کا حق ہے، کیونکہ خاوند کا بیوی سے "امرک بیدک" کتنا تکرار کا مقضی نہیں۔ مگر یہ مقضی تکرار لفظ اس کے ساتھ شامل کر دیا جائے مثلاً بیوی سے یوں کہا "امرک بیدک کلمہ شنت" جب جب تیرا جی چاہے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اس صورت میں معاملہ اس کے ہاتھ

میں آجائے گا جب جب اس کا جی چاہے۔

عورت ایک مجلس میں اپنے اوپر ایک ہی طلاق واقع کر سکتی ہے، لہذا تین مجلسوں میں تین مرتبہ طلاق واقع کرنے سے وہ بائند ہو جائے گی۔ کیونکہ لفظ ”کلمہ“ تکرار افعال کا مقتضی ہے۔ لہذا تکرار مشیت کے وقت تکرار تملیک کا بھی مقتضی ہوگا۔

### تفویض کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید کرنے نہ کرنے کا حکم

تفویض اگر مطلق ہو، اس میں کسی زمانہ کی قید نہ ہو تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق علم یا تفویض کی مجلس تک محدود رہے گا یعنی مجلس کے بدلنے سے پہلے تک اس کو ایقان طلاق کا حق رہے گا۔ لیکن اگر مجلس بدل گئی یا عورت سے کسی ایسے فعل کا صدور ہوا جو مقتضائے تفویض سے اعراض پر دلالت کرتا ہو تو عورت کے ایقان طلاق کا حق ساقط ہو جائے گا۔

اگر تفویض طلاق کسی زمانہ کے ساتھ مقید ہے، مثلاً ”امرک بیدک الیوم“ اور ”شہرا او سنۃ“ وغیرہ ایک مہینہ یا ایک سال تک تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو یہ وقت مقید و مخصوص کے ختم ہونے تک عورت کو ایقان کا حق حاصل رہے گا اس کے بعد نہیں۔

اگر تفویض طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا، مثلاً یوں کہا ”اذا قدم زید فامرک بیدک“ جب زید آوے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو زید کی آمد سے پہلے اس کو حق طلاق نہ ہوگا۔

وقت مخصوص و مقید گزر جانے کے بعد عورت کو وقوع شرط کا علم ہوا تو اب اس تفویض کے ذریعہ اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

اگر تفویض ایسے الفاظ سے ہو جو تکرار کے مقتضی ہیں، مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا ”امرک بیدک کلما شئت“ جب چاہے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں یا ”طلق نفسک متی شئت“ جب چاہے تب اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔

پس اس صورت میں طلاق دینے کا اختیار مجلس تخیر و تفویض تک محدود نہ رہے گا، بلکہ جس وقت چاہے

وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ ادر مختار ورد المختار ج ۲ ص ۲۵۳ و بدائع الصنائع ج ۳

## الفاظ تقویض سے واقع شدہ طلاق کی تعداد و نوعیت

”مطلقى نفسك“ اپنے آپ کو طلاق دیدے۔ ”مطلقى نفسك كلما شئت“ جب جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔ اس قسم کے الفاظ سے تقویض طلاق کی صورت میں بیوی اپنے اوپر بہ یک وقت ایک ساتھ تین طلاقیں نہیں واقع کر سکتی، کیونکہ خاوند نے طلاق صریح کی تصریح کے ساتھ تقویض کی ہے لہذا ”مطلقى نفسك كلما شئت“ والی صورت میں اگر اس نے ایک ساتھ ہی اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ایک ہی طلاق واقع نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی سے تین طلاقوں کی نیت سے یہ کہا ”امرک بیدک“ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے، اور بیوی نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کر لیں تو اس پر تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، اور اگر دو طلاقوں کی نیت سے یہ جملہ کہا تو امام زفر کے علاوہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

الفاظ تقویض سے کس قسم اور کس نوع کی طلاق واقع ہوگی؟ اس میں تفصیل ہے۔ اگر صریح لفظ طلاق کے ساتھ تقویض ہوئی تو طلاق رجعی واقع ہوگی، چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا ”مطلقى نفسك“ اپنے آپ کو طلاق دیدے اور اس نے جواب میں ”طلقت نفسی“ میں نے اپنے آپ کو طلاق دیدی کہا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

اور اگر یوں کہا کہ ”امرک بیدک فی تطلیقہ“ طلاق کے سلسلہ میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، یا یوں کہا کہ ”اختاری تطلیقہ“ اور اس نے ”اخترت نفسی“ کہا یعنی میں نے اپنے آپ کو پسند کر لیا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ صریح لفظ کے ساتھ تقویض ہوئی ہے، ”المفید للبینونة اذا قرون بالتصریح صار رجعیاً“ طلاق بائن واقع کرنے والا لفظ جب تصریح کے ساتھ ملایا جاوے تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

اگر تقویض طلاق بلفظ ”اختیار“ یا ”امرک بیدک“ کے ذریعہ ہو تو طلاق بائن ہوگی چنانچہ خاوند نے بیوی سے بنیت طلاق ”اختاری نفسک“ یا ”امرک بیدک“ اپنے آپ کو پسند کر لے یا تیرا معاملہ ہاتھ میں ہے ”کہا، مگر تین طلاق کی نیت نہیں کی اور بیوی نے اس کے جواب میں ”اخترت نفسی“ میں نے خود کو پسند کر لیا یا ”طلقت نفسی“ میں نے خود کو طلاق دے دی کہا، تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی، بدائع

## تفویض طلاق اور اس کے احکام

احناف کے یہاں انشاء عقد نکاح کے مقارن ہو کر یا عقد نکاح کے بعد زوجیت برقرار رہنے کے زمانہ میں تفویض طلاق صحیح ہے۔

احناف کے یہاں تفویض مقارن عقد کے صحیح ہونے کے لئے زوج یا وکیل زوج کی جانب سے ایجاب مشروط کا صادر ہونا لازم و ضروری ہے، مثلاً عورت کسی مرد سے یوں کہ "تزوجتک صلی ان الطلاق بیدی او متی شنت اور کلمہ شنت" یعنی میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ یا طلاق کا معاملہ میرے زیر اختیار رہے گا، جس وقت میں چاہوں۔ یا جب جب میں چاہوں۔ اور مرد نے اس کو قبول کر لیا۔

یعنی عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہے اور مرد اس مشروط ایجاب کو قبول کر لیتا ہے تو یہ تفویض شرعاً معتبر اور صحیح قرار پائے گی۔

لیکن اگر مرد کی جانب سے ایجاب کا صدور ہوا اور مرد نے عورت سے یوں کہا "تطلقین نفسک متی شنت" میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا تو جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے، اور عورت نے اس ایجاب کو قبول کر لیا تو اس صورت میں نکاح تو شرعاً معتبر اور صحیح ہوگا، مگر یہ تفویض نہ ہوگی کیونکہ مرد نے عقد نکاح کی تکمیل سے پہلے عورت کو ایجاب طلاق کا مالک بنایا ہے، حالانکہ تکمیل عقد نکاح سے قبل خود خاوند کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور کوئی شخص کسی کو کسی ایسی شئی کا مالک نہیں بنا سکتا جو خود اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

جب عورت کے ایجاب مشروط اور مرد کے قبول سے تفویض بوقت عقد صحیح ہو جائے اور اس تفویض میں کسی معین زمانہ کی کوئی قید نہ ہو مثلاً عورت نے ایجاب کے طور پر یوں کہا کہ "تزوجتک صلی ان طلاق بیدی" میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں رہے گا اور مرد نے قبلت (میں نے قبول کیا) کہہ کر اس ایجاب کو قبول کر لیا تو اس صورت میں عورت کا اختیار طلاق مجلس انشاء عقد نکاح تک محدود رہے گا بایں معنی کہ مجلس نکاح کے ختم ہونے کے بعد عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق نہ رہے گا۔

## طلاق مع التفویض میں خاوند کا حق طلاق

تفویض بمعنی تملیک ہونے کی وجہ سے توکیل کے مشابہ ہے لہذا اپنی بیوی کو تفویض طلاق کے بعد بھی



خاوند کو طلاق دینے کا حق باقی رہے گا، جیسے کہ توکیل کے بعد موکل کو بذات خود مؤکل فیہ میں حق تصرف باقی رہتا ہے۔

## توکیل و تفویض کا باہمی فرق

توکیل و تفویض دونوں میں خاوند کا حق ایقاع طلاق ساقط و سلب نہیں ہوتا اس کے باوجود دونوں میں درج ذیل وجوہ فرق ہیں۔

- (۱) ایک مرتبہ تفویض صادر و صحیح ہو جانے کے بعد خاوند اس تفویض سے رجوع نہیں کر سکتا، لیکن مؤکل فیہ میں توکیل کے تصرف سے پہلے مؤکل رجوع کر سکتا ہے یعنی وکیل کی وکالت کو منسوخ کر سکتا ہے۔
- (۲) تفویض کے اندر مفوض الیہ اپنی مشنیت و اختیار سے عمل کر سکتا ہے، لیکن توکیل میں وکیل اپنی مرضی و مشنیت سے نہیں بلکہ مؤکل کی مرضی و مشنیت کے مطابق عمل کرتا ہے، کیونکہ وکیل کا ممثل اور نائب شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) تفویض مطلق، مجلس تفویض تک مخصوص و مقید ہوا کرتی ہے، بخلاف توکیل بالطلاق کے، کیونکہ وکالت کے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل بالطلاق مجلس میں نیز مجلس ختم ہونے کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

(۴) جنون زوج یعنی خاوند کے پاگل ہو جانے سے تفویض باطل نہیں ہوتی، کیونکہ تفویض، تعلق کے حکم میں ہوا کرتی ہے، لیکن توکیل بالطلاق خاوند کے پاگل ہو جانے کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ جنون کی وجہ سے خاوند میں اہلیت باقی نہیں رہتی اور وکیل موکل میں سے کسی کے اندر اہلیت ختم ہو جانے سے توکیل خود بہ خود باطل ہو جاتی ہے (صنایۃ بہامش فتح القدیر ج ۳ ص ۱۰۰ اور المحتار ج ۲ ص ۲۵۳)

## اشتراط فی النکاح

مولانا ظفر الاسلام صاحب <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

### شرط اول :

عقد نکاح کے تشکیل پانے کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط نان و نفقہ بھی ہے جسے خداوند قدوس نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے ۔

(۱) الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما انفقوا من اموالہم۔

مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس بناء پر اللہ نے ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں کچھ فطری خصوصیات کی وجہ سے ترجیح دی ہے اور اسی بنا پر نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ہے (۲) و علی المولود لہ رزقہن و کسوتہن بالمعروف " بچے کے باپ کو دستور کے مطابق اپنی عورتوں کو کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ (۳) " علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ " مالدار پر اس کو استطاعت کے مطابق اور غریب پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے۔ حکیم بن معاویہ قشیری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا یا رسول اللہ ما حق زوجة احدنا علیہ ؟ قال ان تطعمها اذا طعمت و تکسوها اذا اکتسیت و لا تضرب الوجه المحلی لابن حزم ج ۹ ص

(۱۵۰۶)

ایک دوسری روایت جابر بن عبد اللہ سے اس طرح پر ہے ۔

من جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی خطبته فی حرفة فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامان اللہ و استحللتم فروجهن بكلمة اللہ تعالیٰ و لکم علیهن ان لا یومنن فرشکم احدا تکرهونه فان فطن ذاک فاضربوهن خیر مبرح و لهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف المحلی ج ۹ ص ۱۵۰

قاضی خاں لکھتے ہیں۔

فتجب علی الرجل نفقة امراته المسلمة و الذمیة و الفقیرة و الغنیة دخل بها و لم یدخل افتاوی قاضی خاں ج ۱ ص ۱۹۲

نیز حضور اکرم کے ارشاد من استمتع منکم الباءة فی استطاعت سے مراد استطاعة النکاح ہے

افتاوی ابن تیمیہ ج ۳۲ ص ۱۷

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں فاما النفقة فاتقوا علی وجوبها ابدایة المجتهد ج ۲ ص

۵۸

فلاص کلام: نفقہ مرد پر واجب ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو نکاح فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوتا (دیکھئے در مختار مع الرد ج ۳ ص ۱۵۷)

بہر حال نفقہ متقاضی عقد سے ہے اور عقد نکاح ہی سے یہ مفہوم ہو رہا ہے اس لئے عورت کی یہ شرط بے کار ہے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔ وجہہ ان ذاک الشرط و صدمہ سوا لان ذاک هو الواجب علیہ بنفس العقد سوا شرطہ اولاً (در مختار ج ۳ ص ۱۵۷)

## شرط ثانی :

حضرت امام ابو حنیفہ نے شرائط کی دو قسمیں کی ہیں (۱) وہ جو مقارن للعقد ہو (۲) وہ جو معلق بالشرط ہو سوائے چند صورتوں کے، دونوں کے احکام تقریباً یکساں ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں خواہ یہ شرطیں صلب عقد میں لگادی گئی ہوں، یا پہلے سے زوجین کے درمیان طے پا چکی ہوں حضرت امام مالک کے نزدیک دونوں کے احکامات میں تفصیل ہے، مگر بیشتر صورتوں کے احکام میں موافقت ہے۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر نکاح کو مشروط پر معلق رکھا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، بعض صورتوں میں جواز کا بھی قول ہے اور شرط مقارن للعقد میں تفصیل ہے۔ اب ہر ایک امام کے اقوال اور ان کے احکام بالتفصیل پیش ہیں۔

عقد نکاح کے وقت شرائط کے سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ شرطیں اگر مقتضائے عقد سے نہ ہوں تو ایسی صورت میں شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا اور اگر مقتضائے عقد سے ہو تو یہ شرط اصل عقد کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے نافذ ہو جائیگی۔ (فتاویٰ لابن تیمیہ ج ۳۷ ص ۱۰۸)

حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب اور ان کا حکم یہ ہے (۱) وہ شرائط صحیحہ جن سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ (۲) وہ شرائط فاسدہ جن سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے (۳) وہ شرائط جن سے نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر شرط باطل ہو جاتی ہے۔

سوال میں دی گئی شرط امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق قسم ثالث میں داخل ہے جس کی بنیاد پر نکاح تو صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی۔ (مکتب الفقہ صلی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۷۔

۱۸۸

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں۔

و یصح النکاح مع المهر المحرم ومع نفی المهر وهو الروایة الثانية من احمد اختارها  
کثیر من اصحابہ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۷ ص ۱۵۸) یہی علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں۔ (انمضی  
لابن قدامة ج ۷ ص ۱۲۵۰)

حضرت امام مالک کے نزدیک شروط فی النکاح کی چار صورتیں ہیں (۱) تعلق علی الشرط۔ اس کا حکم یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مشروط کا وجود ہوگا اسی لئے آگے لکھتے ہیں "لم یضر" (۲) ان یشتروا شرطا مقارنا للعقد مفسدا له اس کا حکم یہ ہے کہ ان شروط فاسدہ میں سے کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح فسخ ہوگا اور اگر بعد الدخول پائی جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (۳) ان یشتروا شرطا لا تناقض العقد اس سے نکاح تو صحیح ہو جائے گا مگر اس طرح کی شرطوں کا لگانا مکروہ ہے۔

(۲) شروط یجب الوفاء بها ویكون لهما خيار فسخ العقد

حضرت امام شافعی کے نزدیک شرائط فی النکاح کی تفصیل اس طرح ہے۔

الشافعية قالوا اذا حلق النکاح صلی شرط فسد العقد اما الشروط المقارنة

للعقد صلی قسمین (۱) شروط فاسدة لا یقتضیها العقد (۲) شروط صحیحة۔ فالشروط

الفاسدة تفسد العقد اما الشروط المتی لا تفسد العقد فانها تصح و لا تفسد العقد۔ فاذا



اشترعت فی صلح العقد فبان خیر ذالک صح العقد وکان بالخیار ان شاء قبل و ان شاء فسخ  
 فاذا اشترعت هذه الشروط خارج العقد فانها لا یصل بها الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۲ ص  
 ۱۸۹ فالشروط الفاسدة تفسد العقد ۱۰ نکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر مستثنی ہے  
 اس کو علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں و یصح النکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر هذا مذهب  
 الشافعی فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۷ ص ۱۵۸

مندرجہ بالا شرائط کے ذکر کرنے کے بعد یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہوگا کہ صورت مستولہ میں دی گئی یہ شرط  
 شرط فاسد ہے جس کی بابت ائمہ اربعہ کی تفصیل یوں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے  
 نزدیک شروط فاسدہ باطل ہوں گی اور نکاح صحیح ہو جائے گا۔ (مغنی لابن قدامة ج ۸ ص ۷۷) اور حضرت  
 امام مالک کے نزدیک دخول کا اعتبار ہوگا۔ اس لئے اگر کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور  
 بعد الدخول منعقد ہو جائے گا۔ اور مہر و نفقہ وغیرہ دینا ہوگا۔ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ ج ۲  
 ص ۸۸)

حضرت امام شافعی کے نزدیک شروط فاسدہ کی بعض صورتیں یعنی نکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر  
 صحیح ہیں نان و نفقہ کی نفی کو بھی اسی میں شامل کر لیا جائے گا۔ جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی کی درج شدہ عبارت سے بھی  
 معلوم ہو گیا ہوگا، باقی صورتوں میں باطل ہے، نیز امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے (فتاویٰ لابن تیمیہ ج ۳۷  
 ص ۱۵۸ فتاویٰ آثار خانیہ میں مذکور ہے۔ و افتا تزوجها علی ان لا مهر لها صح النکاح و وجب لها مهر  
 المثل و قیہ خلاف لمالک ج ۳ ص ۸۷) امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ مہر ایک شرعی حق ہے جو شوہروں پر  
 واجب ہے نیز عورت کی شرافت کا اظہار ہے "ابانۃ لشرف المحل" اہدایۃ ج ۲ ص ۲۰۲) لیکن اگر  
 دخول و عدم دخول کی شرط لگادی جائے جیسا کہ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ کی عبارت سے مسالکی  
 مذہب معلوم ہو چکا ہے تو امام مالک کے یہاں بھی بعد الدخول نکاح صحیح ہو جائے گا، اور فیہ خلاف مالک کا اطلاق ختم  
 ہو جائے گا۔ اس مفہوم کی وضاحت اس عبارت سے بھی ہو رہی ہے و حکم من مالک انه ان کان بعد  
 الدخول ثبت النکاح و ان کان قبله فسخ المغنی لابن قدامة ج ۸ ص ۱۷۷

علامہ ابن حزم کی رائے ہے۔

وکل نکاح عقد علی صداق فاسد او علی شرط فاسد مثل ان یؤجل و الی اجل مسمی  
 او ضیر مسمی الخ فهو نکاح مفسوخ ابدان فان کان الصداق الفاسد و الشروط الفاسدة انما

تعاقداھا بعد صحة عقد النکاح خالیا من کل ذالک فالنکاح صحیح و یفسخ الصداق و یقتضی لها بمهر مثلھا الا ان یتراضیا باقل او اکثر فذالک جائز و تبطل الشروط کلھا المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۱۲۹۱ چنانچہ عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ مہر فاسد یا شرط فاسد پر کیا ہوا نکاح قابل فسخ ہے لیکن اگر مہر فاسد یا شرط فاسد اس وقت لگائی گئی جب کہ نکاح صحیح ہو چکا تھا، تو ایسی صورت میں یہ بعد والی شرط قابل فسخ ہوگی اور نکاح صحیح ہو کر شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا الا یہ کہ زوجین مہر مثل سے کم یا زیادہ پر راضی ہو جائیں اور ساری شرطیں باطل ہو جائیں گی۔ آگے اسی صفحہ پر اس کی دلیل حضور کا ارشاد:

”کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل“ اور ”من عمل عملا لیس علیہ امرنا فهو رد“

پیش فرمائی ہے، نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

مالو شرط شرط فاسدا کما لو تزوجتہ علی ان لا یطأھا فانہ یصح النکاح و یفسد

الشرط ”رد المحتار در المختار ج ۳ ص ۱۱۳۱“

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

و لان تسمیة مالیس بمال بشرط فاسد و النکاح لا تبطله الشروط الفاسدة بخلاف

البیع و الفرق ان الفساد فی البیع لمکان الربا و الربا لا یتحقق فی النکاح فیبطل الشرط و

یبقى النکاح صحیحا بدافع الصنایع ج ۲ ص ۲۷۷

نکاح میں ایسی چیز کو مہر قرار دینا جو مال نہ ہو شرط فاسد ہے اور یہ نکاح کو باطل نہیں کرتی بخلاف بیع کے۔ کیوں کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع میں فساد، ربا کی وجہ سے ہے اور نکاح میں ربا نہیں اس لئے نکاح میں یہ شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا۔

خلاصہ کلام، شرط فاسد کے ساتھ کیا ہوا نکاح ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے اور شرائط کے سلسلہ میں ائمہ کی

آراء اس طرح پر ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد مقارن للعقد منافی مقتضائے عقد باطل ہے۔ حنابلہ کے نزدیک

بھی یہی حکم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک وہ شرط لغو ہوگی۔ کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص

۱۸۸، امام شافعی کے نزدیک یہ شرط صحیح ہوگی بدافع الصنایع ج ۲ ص ۲۷۷ اس کی تائید اسی فصل کے ص

۲۷۸ کی عبارت سے بھی ہو رہی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے ائمہ کے اسی اختلاف کی طرف اپنی اس عبارت ”ثم هل یصح اذا

احضاء الشرط الفاسد بعد ذالک؟ فیہ نزاع“ سے اشارہ کیا ہے افتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۷ ص

۱۵۷ بہر حال مذکورہ شرط پر کیا ہوا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے شوہر کو نفقہ دینا ہوگا جس وقت نفقہ کا وجوب ہو جائے۔ کیونکہ نفقہ کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب عورت پر شوہر قابض و متصرف ہو جائے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۳ نیز دیکھئے قاضی خاں (ج ۱ ص ۱۹۳)

### شرط ثالث:

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرطیں صحیح ہیں اور ان کا ایفاء لازم ہے اگر شوہر نے اسے پورا نہ کیا تو عورت کو فسخ کا حق حاصل ہوگا۔ (الفقہ صلی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۷) حضرت امام مالک کے نزدیک اس طرح کی شرط مکروہ ہے لیکن اس کا ایفاء مندوب ہے، نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۷-۸۸)

حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط صحیح ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جائے گا مگر مہر مثل دینا ہوگا، جو مہر مسی سے متجاوز نہ ہو۔ (ہدایۃ ج ۲ ص ۳۰۹) صاحب ہدایہ نے فتح القدر کی عبارت نقل فرمانے کے بعد تحریر کیا ہے کہ پہلی صورت میں مسی لے گا، اس لئے کہ جس چیز کو مہر بنایا گیا تھا وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے چونکہ شرط کے اتمام کی وجہ سے عورت کی رضا مندی ہوگئی اس لئے عورت کو مہر کامل لے گا اور دوسری صورت میں چونکہ اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی نیز اس کا اخراج من البلد یعنی دونوں شرطیں مفقود ہو گئیں، اس لئے عورت کی رضا مندی نہیں ہوتی اور اسے اب مہر مثل لے گا جو مہر مسی سے متجاوز نہ ہو۔ فتاویٰ تاتارخانیہ کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

علامہ کاسانی حضرت امام شافعی کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

و منہ تصح التسمیۃ لانہ یجوز اخذ العوض من الطلاق و القصاص و کذا لک اذا تزوجها

صلی ان لا ینخرجها من بلدھا او صلی ان لا یتزوج صلیھا (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸) حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق مذکورہ شرط ہی کو مہر بنایا جاسکتا ہے ان کے مسلک میں یہ نسبت دیگر ائمہ کے توسع زیادہ ہے، لہذا مسئلہ شرط بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی جس کا اتمام ضروری ہوگا۔ علامہ ابن حزم کی رائے کے مطابق یہ شرط فاسد ہے اور نکاح قابل فسخ ہے۔ (المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۲۹۱) برخلاف اس کے علامہ ابن تیمیہ سے اس طرح کی شرطوں کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ شرطیں صحیح ہیں عورت کو عدم ایفاء کی صورت میں حق فسخ حاصل ہے جیسا کہ حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۲ ص ۱۲۲)



خلاصہ کلام: ان شرطوں کے لگانے سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا ایفاء ضروری ہے عدم ایفاء کی صورت میں احتاف کے نزدیک مہر مثل جو مہر مسی سے زائد نہ ہو لازم ہوگا، حنابلہ و شوافع کے نزدیک حق فسخ حاصل ہوگا نیز امام مالک کے مذہب میں مذاہب الاربعہ میں دئے گئے مالکی مسلک کے مطابق عورت کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

(ج) اس طرح کی صورتیں تفویض طلاق کے نام سے فقہاء کے نزدیک موسوم ہیں۔ سوال کردہ تینوں شرطیں صحیح ہیں، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و متعبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے جسے **الحیلة الناجزة** میں ص ۲۲ تا ۲۶ پر نقل کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ بعینہ درج ذیل ہیں۔

پہلی صورت کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماة مذکور کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا اور اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا جیسا کہ در مختار ج ۲ ص ۶۲ پر مرقوم ہے۔

صورت ثانی کی صحت کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی ادلا خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل یا قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماة فلان بنت فلان کو (تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا) جتنا شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماة موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد نکاح یوں کہے کہ میں نے قبول کر لیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت کو دیکھے تو اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے یعنی اس طرح کہدے کہ میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرتی ہوں۔ قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں:

وان ابتدات المرأة ففعلت زوجت نفسی منك حلی انی طالق او حلی ان یکون الامر بییدی  
اطلق نفسی کلما شئت ففعل الزوج قبلت جاز النکاح و یقع الطلاق و کان الامر بیدها، فتاوی  
قاضی خاں ج ۱ ص ۱۵۵) صاحب بحر الرائق کی بھی یہی رائے ہے (البحر الرائق ج ۳ ص ۳۶۸)



خلاصہ کلام اس صورت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تعویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط بالکل بے کار ہو جائے گی۔

جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو یہ تعویض بعد النکاح ہو جائے گی کیونکہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا تو گویا یہ جواب متضمن ہوا اس شرط کے اعادہ کو جو سوال میں موجود ہے، پس گویا شوہر نے یوں کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تو مطلقہ ہے، یا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، لہذا مفوض بعد النکاح کے قبیل سے ہو گیا۔

دوسری صورت میں جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوگی تو طلاق اور تعویض دونوں قبل النکاح پائی گئیں جو صحیح نہیں۔

تیسری صورت یعنی عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے یہ شکل بھی جائز ہے۔ مگر جب نکاح ہو چکا اور شرائط نامہ بعد میں تحریر کیا جا رہا ہے کہ تو اب اس شرط کا ایفاء شوہر کی رضا مندی پر منحصر ہے۔ چونکہ عورتوں میں قوت تحمل کی کمی ہے اس لئے ممکن ہے کہ طلاق کا وقوع تعویض طلاق کی صورت میں بکثرت ہو جائے اس سے بچنے کی ایک تدبیر الحیلۃ الناجزۃ میں ص ۱۹۳ پر مرقوم ہے کہ :

”شرائط نامہ میں بوقت نکاح عورت یا اس کا ولی یا قاضی اس طرح شرط لگا دے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلان بنت فلان کو بعموض مہر دین مسلخ تمہارے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت تم کو اس سے یا مجھ سے شدید تکلیف پہونچے گی جس کو فلان فلان اشخاص (اس جگہ مناسب ہے تراضی طرفین کے ساتھ کم از کم دس آدمیوں کے نام معین کر دئے جائیں) تسلیم کر لیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ اس کے ہاتھ یا میرے ہاتھ میں ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بان دے کر اس نکاح سے علمدگی اختیار کر لے یا کر لوں“

شوہر کو تعویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اب تو طلاق کی مالک عورت ہو گئی (در مختار ج ۲ ص ۲۶)

جبکہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے جانا اور نہ لے جانا زیادہ وقت مہر کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کے اقوال موجود ہیں تو وقوع طلاق و عدم طلاق کی شرط پر مہر میں کمی و زیادتی کو بدرجہ اولیٰ سبب بنایا جاسکتا ہے، اس لئے صاحبین کے مسلک پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

جواب (۲) نکاح صحیح ہے ایفاء کی صورت میں مہر مسمیٰ لازم ہوگا اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل (جو

تیس ہزار سے زیادہ اور پندرہ ہزار سے کم نہ ہو) لازم ہوگا۔ یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں اور ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ جیسا کہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں۔  
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵)

جواب (۳) یہ شرط مقتضای عقد سے نہیں اس لئے باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا۔ کتاب الفقہ صلی المذاہب الادبیۃ ج ۲ ص ۱۸۵ اس شرط کے ابطال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کی ملازمت سے جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ایسی عورتیں اپنے کو خود مختار سمجھنے لگتی ہیں، نیز شوہر کی ماتحتی سے مستثنیٰ اسی کے ساتھ مرد کی قوامیت پر بھی زبردست حرف آتا ہے، جیسا کہ آئے دن کا مشاہدہ ہے۔

## اشتراط فی النکاح

مولانا ابوسفیان اعظمی

سوال (۱) بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے، اس پر علماء کرام رحمہم اللہ کا اجماع ہے (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۹۳) جب کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر اس کی اپنی حیثیت کے اعتبار سے واجب ہے اور واجب و لازم کرنے والے اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اجماع بھی ساتھ ہی ہے، تو اب بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، بلاوجہ ہے جب شریعت نے خود عورت کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور نکاح کے صحیح ہوجانے کے بعد خود نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے تو اس کی یہ شرط بے معنی ہے۔

(۷) شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولو امتنع من الانفاق حلیها مع اليسر لم یفرق و یبیح الحاکم مالہ و یسرفہ فی نفقتھا

فان لم یجد مالہ یحبسہ متی ینفق حلیها و لا یفسخ افتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۲ و کذا فی البحر

الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ و کذا فی العینی ثم الہدایۃ ج ۲ ص ۲۶۲

یعنی اگر شوہر مالدار ہوتے ہوئے اور قدرت کے باوجود اپنی بیوی کے نفقہ سے انکار کرے تو دونوں میں

تفریق نہیں کی جائے گی اور حاکم شوہر کے مال کو بیچ کر اس کی بیوی کے نفقہ میں خرچ کرے گا اگر حاکم مال نہ پاسکے تو شوہر کو قید کر دے گا حتیٰ کہ وہ بیوی کا نفقہ دے اور نکاح فسخ نہ ہوگا۔

اس سے ثابت ہوا کہ شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا یہ شرط فاسد ہے، لہذا اس شرط کے لگانے سے نفقہ نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یہ بیوی کا شوہر پر لازمی حق ہے تو شریعت کے لازم کردہ حق کے سلسلہ میں بندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ کمدے کہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، بلکہ نفقہ کا معاملہ تو ایسا ہے کہ نکاح کے صحیح ہو جانے کے بعد ہی شوہر کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے، گو کہ بیوی ابھی شوہر کے گھر رخصت ہو کر نہ آئی ہو، کیونکہ رخصتی کرانے کی ذمہ داری شوہر پر ہے تو اگر شوہر رخصتی کرا کر نہ لاوے تو شوہر قصور وار ہے نہ کہ بیوی، تو شوہر کے قصور سے بیوی کا حق نفقہ کیونکر ساقط ہوگا؟ چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے (دیکھئے حنیفۃ علی ہامش الفتح ج ۲ ص ۱۹۳۔ کذا فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۶ و فی الدرر وبہ یفتی و اقراء الشامی فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۶ و کذا فی الکفایۃ فی ذیل الفتح ج ۲ ص ۱۹۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نکاح صحیح ہو جانے کے بعد سے ہی شوہر کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے تو اب شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، شرط فاسد ہے، اس شرط کے لگانے سے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ ہو ہی سکتا ہے، بلکہ اس کے ذمہ واجب و لازم رہے گا۔ واللہ اعلم اور عقد نکاح منعقد ہو جانے کا اور منعقد ہونے کے بعد یہ شرط ساقط و غیر معتبر ہوگی بلکہ عورت کو نان و نفقہ دینا ضروری رہے گا۔

(۳) عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اللہ رب العزت نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع النساء، پس شادی کرو ان عورتوں سے جو حلال ہوں اور تمہیں پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار۔

غرض یہ ہے کہ مرد کے لئے ایک عورت سے زائد چار عورتوں تک نکاح کرنا یہ شریعت کی اجازت و رخصت ہے، اس میں مرد مختار ہے اپنا حال بہتر جانتا ہے تو جس میں خیر ہو وہ پہلو اختیار کر سکتا ہے، لہذا ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کے لئے پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اس کی



اجازت کے بغیر دوسری شادی کر سکتا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے، "یہ قول صحیح نہیں ہے کہ بدون اجازت پہلی بیوی کے دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا، بلکہ دوسرا نکاح درست ہے، پہلی زوجہ کے انکار کی وجہ سے اور راضی نہ ہونے سے دوسرا نکاح ناجائز نہیں ہے، البتہ دوسرے نکاح کے بعد یہ ضرور ہے کہ دو زوجہ کے حقوق پورے پورے ادا کرے اور برابری اور عدل کرے (ج ۷ ص ۵۱)

اس لئے عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، لازم نہیں ہے اور اس سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ اعلم

(الف) عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نقد کی طرح شوہر کے ذمہ اپنی عورت کے لئے سکنی اور مکان و گھر دینا بھی واجب ہے، اس سلسلے میں شوہر کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے رکھے اپنے آبائی وطن میں ہی رکھے یا سردال یعنی عورت کے آبائی وطن میں رکھے یا ان کے سوا جہاں رکھنا مناسب سمجھے رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے "لا تخرجون من بیوتھن" (المطلاق) یعنی نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے، اس میں لفظ بیوتھن میں مکانات کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکونت مرد کے ذمہ ہے، اس گھر میں اس کا حق ہے، اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادا واجب ہے۔ بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکنی بھی ہے، اس آیت نے بتا دیا کہ یہ حق صرف طلاق دے دینے سے ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا استحقاق ہے، اور ان کا گھر سے نکال دینا قبل اتمام عدت کے ظلم و حرام ہے، اسی طرح خود ان کے لئے با اختیار خود ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے، اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دیدے، کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گزارنا شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے جو من جانب اللہ معتمدہ پر لازم ہے (معارف القرآن ج ۸

ص ۱۵۲)

فقہاء کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تصریح کی ہے (دیکھئے وقایہ ج ۲ ص ۱۲۹، تجب ہی و العسوة و السکنی علی الزوج یعنی روٹی، کپڑا اور مکان بیوی کے لئے شوہر کے ذمہ واجب ہے اور اس کا لازمی حق ہے۔) (دیکھئے ہدایہ ج ۲ ص ۲۱۷، صنیۃ ج ۲ ص ۱۹۳)۔ نکاح صحیح ہو جانے کے بعد شوہر کا اپنی عورت کی رخصتی کرانا شوہر کا حق ہے تو جب رخصتی کرانا شوہر کا حق ہو تو رخصتی کرا کر جہاں مناسب سمجھے رکھ

سکتا ہے۔

(دیکھئے در مختار ج ۲ ص ۲۲۲) "و کذا تجب لها السكنى فى بيت خال من اهله و اهله" یعنی شوہر پر عورت کے لئے واجب ہے اس کو رکھنا ایسے گھر میں جو شوہر اور عورت دونوں کے لوگوں سے خالی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا گھر دینا واجب ہے جس میں نہ شوہر کے لوگوں کی شرکت ہو اور نہ عورت کے لوگوں کی بلکہ وہ گھر عورت ہی کے لئے مخصوص ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

قالوا للزوج ان يسكن حيث احب و لكن بين جيران صالحين۔ مثل شامی رحمہ اللہ عنہم نے کہا کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو جہاں چاہے رکھے لیکن صلح پر دوسروں کے درمیان رکھنا بہتر ہے اور المختار ج ۲ ص ۲۲۲

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بات بالکل صاف کر دی کہ شوہر جہاں چاہے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، پس نکاح صحیح ہو جانے کے بعد شوہر جہاں بھی مناسب سمجھے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے، لہذا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا، وہاں ہے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، شرط قاسد ہے، لازم الایفاء نہیں ہے، اس شرط کے پورا نہ کرنے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ اعلم

عقد نکاح کے وقت عورت کا شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا نہ؟

(۱) عقد نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے۔

عقد نکاح سے پہلے یہ شرائط طے ہوگئی ہوں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں تو شرعاً اس شرط کی حیثیت یہ ہے کہ درست ہے، اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔ (دیکھئے در مختار ج ۲ ص ۲۸۵) نکحها على ان امرها بيدها صح "یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس عورت کی طرف سے اس شرط پر کہ طلاق واقع کرنے کا حق اس کے قبضہ میں رہے گا تو نکاح درست ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ج ۲ ص ۲۸۵) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امرى بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت "

یعنی مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتدا کے میں اپنی شادی آپ سے کرادی اس شرط پر کہ مجھ کو طلاق واقع کرنے کا حق میرے قبضہ میں ہوگا، میں جب چاہوں گی اپنے کو طلاق دے دے دوں گی، یا اس

شرط پر کہ میں مطلقہ ہو جاؤں گی اور شوہر نے عورت کی اس شرط کو منظور اور قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہے اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقد کے وقت عورت کا شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں تو شرعاً درست ہے۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتیں

آج سے بہت پہلے ہی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان مسائل کو اپنی کتاب "الحیلة المناجزة" میں حل کر دیا ہے، یہاں ان کو نقل کیا جاتا ہے جو بلاشبہ کافی ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں: (۱) چاہے نکاح سے پیشتر لکھوایا جائے، (۲) چاہے عین وقت عقد زبان سے کہلوایا جائے، (۳) چاہے بعد میں لکھوایا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے ایک ایک شرط ہے، پہلی صورت میں شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہیں لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اس کے رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

دوسری صورت، عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس میں صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً عورت کے یا اس کا ولی یا وکیل۔

اور اگر ایسا نہ کہا گیا بلکہ ابتداء کلام (ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط بالکل بے کار ہو جائے گی دیکھئے

(شامی ج ۲ ص ۷۹۲۔ صالمنگیر ج ۷ ص ۲۲۳۔)

اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کر دیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے، خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے، عورت کی جانب سے جب ایجاب بلا شرط کے ہو چکا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جاوے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں بلکہ ایجاب میں



شرط لگانا ضروری ہے تاکہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔ اس از الحيلة الناجزة ص ۲۳

(۲۸ ق)

### تفویض میں کچھ قیدیں بڑھانا :

چونکہ فطرتاً عورت ناقص العقل ہے اور صحیح الرائے قائم کرنے سے قاصر ہے، بنا بریں تفویض طلاق کے نتیجے ہونے کو بخوشی گوارا کر لیتا ہے اور ہدایت پر گراہی کو ترجیح دیتا ہے، ایک شئی جائز کے بے جا استعمال کی نحوست کا نتیجہ ہے، جس کا مشاہدہ ہمارے معاشرہ میں بکثرت ہے۔

بنا بریں ایک مجلس میں تین طلاق دینا جو غیر مشروع ہے اور حرام ہے، گو تینوں طلاق واقع ہو جائے گی باجماع امت، اس فعل حرام کا بکثرت اقدام ہو رہا ہے، لہذا طلاق کے غلط استعمال کو سیاست اور سد باب الفتنة روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار روپے اور اگر طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپے ہوگا تو اس طرح مہر طے کرنا جائز ہوگا اور دونوں صورتوں میں متعین مہر ادا کرنا لازم ہوگا تاکہ ایک مجلس کی تین طلاق دینے کی کثرت کا حرام وغیرہ مشروع اقدام کا سد باب ہو سکے اور طلاق کے ساتھ تلاعب اور مذاق کے سلسلہ کا خاتمہ ہو سکے۔

اور اس غلط اقدام کی کثرت کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر عورت بد صورت ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر خوب صورت ہوگی تو دو ہزار تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں باتفاق ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اور دونوں صورتوں میں متعین مہر باعتبار شرط شوہر کے ذمہ لازم ہوگا (دیکھئے درمختار ج ۲ ص ۳۲۶۔ لو تزوجها علی الف ان كانت قبيحة و علی الغین ان كانت جميلة فانه یصح الشرطان اتفقافی الاصح)

لیکن یہ یاد رہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا بیک زبان گو حرام ہے مگر تینوں طلاق ہو جائیں گی اور عورت حرام ہو جائے گی اور بدون حلالہ شوہر اول کے پاس نکاح کر کے نہیں آسکتی۔

سوال ۴۔ نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری سے نکاح کرے گا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا ورنہ پندرہ ہزار، تو ایسی صورت میں اگر شوہر شرط پوری کرے یعنی دوسری شادی نہ کرے تو مہر میں پندرہ ہزار دینا لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی یعنی دوسری سے شادی کرے تو بیس ہزار مہر دینے کی شرط معتبر و لازم العمل نہ ہوگی بلکہ ایسی صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔



میں مصلح شرع کے ضائع ہونے کا خطرہ غالب ہے ، خصوصاً موجودہ دور میں عورتیں بہت نڈر ہوتی جا رہی ہیں اور بے پردہ چلنا پھرنا عام ہوتا جا رہا ہے وہ مرد کو بنظر شہوت دیکھتی ہیں اور دکھاتی بھی ہیں اور مردوں کی طرف خود مائل بھی ہوتی ہیں اور مردوں کو مائل بھی کرتی ہیں ، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے " ما ملات معیلات " تفویض کے نتیجے میں موجودہ شوہر سے رشتہ زوجیت کو ختم کر کے وہ خود ہی مردوں کا انتخاب کرتی پھریں گی ۔ الغرض ان کو کہیں تشفی نہ ہوگی ان کا رشتہ زوجیت کہیں بھی دائم اور باقی نہیں رہ پائے گا ان پر " نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم " صادق آئے گا ۔

لہذا ان حالات کے پیش نظر اس تفویض مطلق کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں ، مثلاً شوہر ظالم ہو یا نان و نفقہ بلا وجہ ادا نہیں کرتا نہ کپڑے کا نظم رکھتا ہے نہ مکلن و گھر کا ، جو شوہر پر فرض ہے اور عورت قاضی کے دربار میں دعویٰ کرے ، قاضی دونوں کو طلب کر کے اگر عورت کا دعویٰ ثابت ہو جائے تو اس عورت کو حق تفویض سے کام لینے کی اجازت دیدے گا ۔

لیکن یہ قیدیں مفید مقصد ہوں اور بے جا تصرف کا سد باب کرنے والی ہوں ورنہ تو پھر عورتیں شہرت بے مہار کی طرح آزاد ہو کر حاکم مطلق ہو کر کبھی بھی یہ کسی شوہر کو خاطر میں نہیں لاسکتیں ، اور ان قیدیوں کا اضافہ سیاست اور سداللباب ہونا چاہئے ۔

طلاق اصلاً حلال ہوتے ہوئے اللہ رب العزت کے نزدیک مبعوض و ناپسندیدہ چیز ہے ، جیسا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " ابض الحلال الی اللہ الطلاق " رواہ ابو داؤد ، لیکن چونکہ اصلاً حلال ہے ، بنا بریں شریعت نے ناگزیر حالات میں اس کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی ہے ، چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے " یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتھن " اے نبی علیہ السلام جب تم طلاق دو عورتوں کو تو دو ان کو طلاق کی عدت پر ۔

لیکن طلاق کے بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں یہاں تک کہ بعد میں شرمندگی آنے پر سوائے حلالہ کے کوئی صورت نظر نہیں آتی ، تو نفس کے واسطے راہ حق سے ہٹ کر زنا کاری میں مبتلا سوال ۳۰ - عورت کی ملازمت اور شوہر کا اس کو اس سے منع کرنا ۔

عورت کے نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو عقد کے وقت شوہر قبول کرتا ہے ، چونکہ شرعاً روٹی کپڑا اور مکان دینے کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ ہے اور

فرض و لازم ہے، اس ذمہ داری کی ادائیگی سے نہ تو سبکدوش ہو سکتا ہے اور نہ انکار کر سکتا ہے، اگر شوہر محتاج و غریب ہے تب قاضی عورت سے کہے گا کہ شوہر کے نام پر قرض لو اور اس قرض کے ادا کرنے کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوگی، اور اگر بالفرض یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو قاضی بین الزوجین تفریق کر سکتا ہے اور دوسرے مرد سے اس کی شادی کر سکتا ہے اور یہ صورت ناممکن ہے کہ کوئی مرد قادر علی النفق مل ہی نہیں سکتا، لہذا عدم قدرت کا مطلقاً وہم نہ ہونا چاہئے۔

تو جب صورت یہ ہے تو شوہر عورت کو ملازمت سے روک سکتا ہے تو عورت کا یہ شرط لگانا فاسد ہے اور شوہر کا عقد نکاح کے وقت شرط کو قبول کرنے کے باوجود بھی منع کر سکتا ہے، شرعاً اس شرط کی حیثیت لزوم کی نہیں ہے، لہذا شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں، اور اگر شوہر نے اس شرط کو قبول کر لیا ہو تب بھی عورت کو سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے اور ملازمت سے روک سکتا ہے اور عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ (دیکھئے رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۷ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

” من البحر ان له منها من الغزل وكل عمل ولوقابلة و مضلة ۱۰۔ و انت خبير بانه اذا كان له منها من ذالك صسته و خرجت بلا اذنه كانت ناشزة مادامت خارجة و ان لم يمنحها لم تكن ناشزة “

یعنی شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو دھاگا بٹنے سے اور ہر کام سے روک دے اگر دایہ گیری اور میت کو غسل دینے کا کام کرتی ہو تو اس سے بھی روک سکتا ہے، اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو اور باخبر ہو کہ جب شوہر کے لئے اپنی بیوی کو ان سب چیزوں سے روک دینا جائز ہے تو اگر شوہر کے روکنے کے باوجود شوہر کی نافرمانی کرے اور بغیر شوہر کی اجازت کے نکل کر چلی جائے تو وہ عورت ناشزہ و نافرمان ہوگی جب تک باہر رہے اور اگر شوہر روکا نہیں ہے تو ناشزہ نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو ہر کام کرنے سے روک سکتا ہے، لہذا ملازمت سے بھی روک سکتا ہے، اگر منع کرنے سے مانتی نہیں تو ناشزہ ہو کر شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ (دیکھئے رد المحتار ج ۲ ص

۵۶۲

” وفي البحر منها من الغزل وكل عمل ولو تبرما لاجنبی و لوقابلة و مضلة لتقدم

حیث علی فرض الكفاية ومن مجلس العلم الا لنازلة امتنع زوجها من سؤالها “

یعنی صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو دھاگا بٹنے اور ہر

کام کرنے سے روک دے اگرچہ اجنبی کے لئے وہ کام بطور تبرع و احسان ہو، اگرچہ ذایہ گیری اور میت کو غسل دینے کا کام ہو۔ کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے اور علم کی مجالس میں مسائل معلوم کرنے کے لئے جانے سے بھی شوہر بیوی کو روک سکتا ہے اس شرط سے کہ وضو و نماز کے مسائل کو یاد رکھتا ہو اور جانتا ہو تو شوہر سے وہ مسائل معلوم کر کے عمل کر سکتی ہے اور اس کے لئے جانا علم کی مجالس میں بلاوجہ و بغیر ضرورت ہے، لہذا شوہر اس کو روکنے کا حق رکھتا ہے، اور اگر شوہر کو علم نہ ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ کبھی کبھی حسب ضرورت عورت کو علم کی مجالس میں مسائل معلوم کرنے کے لئے اجازت دے دیگا، عام و مطلق اجازت نہیں دے گا، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فان لم تقع لها نازلة و ارادت الخروج لتعلم مسائل الوضوء و الصلوة ان كان الزوج

يحفظ ذلك و يعلمها له منها و الا فالاولى ان ياذن لها احيانا ج ۲ ص ۲۲۵

یاد رہے علامہ شامی رحمہ اللہ نے شوہر کے عالم نہ ہونے کی صورت میں علم کی مجالس میں جانے کی اجازت دینے کی جو بات کہی ہے، وہ اولیٰ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی منع کرنا چاہے تو منع کر سکتا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ اجازت کبھی کبھی ہوگی عام اور مطلق نہ ہوگی، کہ ہر وقت مسئلہ معلوم کرنا ایک حیلہ غلط بن جائے گا کیونکہ شوہر خود معلوم کر سکتا ہے اور پھر بتا سکتا ہے، ہاں اگر عورت کو کوئی حادثہ پیش آگیا جس کے بارے میں عالم دین سے معلوم کرنا ضروری ہے اور شوہر اس کے پوچھنے سے انکار کرے تو اس صورت میں عورت کو جانے سے نہیں روکے گا۔

دیکھئے رد المحتار ج ۷ ص ۲۲۵

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”بل له ان يمنها من الاعمال كلها المقتضية للكسب لانها مستغنية عنه لوجوب

كفايتها عليه“

یعنی بلکہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کر دے جو کمائی کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، کیونکہ بیوی کمائی کرنے سے بے نیاز ہے، کیونکہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب و لازم ہے شریعت نے عورت کے نان و نفقہ، کپڑا اور مکان دینے کو شوہر کے ذمہ فرض کیا ہے۔

الغرض ملازمت بھی کمائی کرنے ہی کے لئے ہوتی ہے اور ذریعہ معاش بنتی ہے، لہذا اس ملازمت کرنے سے

بھی عورت کو منع کر سکتا ہے، آگے لکھتے ہیں۔



”والذی ینبغی تحریر ان یکون له منها من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره الی  
خروجها من بیتہ۔ اما العمل الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها منه خصوصاً فی حال حیثتہ  
من بیتہ فان ترک المرأة بلا عمل فی بیتها یؤدی الی وساوس النفس و الشیطان او الاشتغال  
بما لا یمنی من الاجانب و الجیران۔“

اور جس کا لکھنا مناسب ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو روک دے اور ایسے کام کرنے سے  
جس سے شوہر کے حق کا کم کرنا (مثلاً خدمت اور جماع اور اس کے دوائی و اسباب) یا شوہر کو ضرر (مثلاً شوہر پر غلبہ  
شہوت اتنا شدید ہو کہ عورت سے جماع نہ کرنے میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ) یا عورت کا شوہر کے گھر سے  
نکلنا لازم آتا ہے۔

الفرض ملازمت کرنے میں تنقیص حق زوج اور ضرر بھی ہے اگر گھر سے نکلنا بھی ہے اور گھر سے نکلنا روز روشن کی  
طرح واضح ہے، لہذا بیوی کو ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے، لہذا عورت عقد کے وقت ملازمت کی جو شرط  
لگانے وہ فاسد ہوگی، شوہر پر اس کی پابندی ضروری نہیں اور اگر عورت کی ملازمت کرنے کی شرط شوہر نے قبول  
کر لیا ہو تب بھی روک سکتا ہے اور عورت کو شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور وہ کام یا عمل جس میں شوہر کا کچھ بھی ضرر نقصان نہیں ہے تو شوہر کا  
اپنی بیوی کو ایسے کام سے روکنا بلاوجہ ہے خصوصاً شوہر گھر پر نہ ہو سفر میں گیا ہو (مراد اس طرح کے کام سے،  
مثلاً گھریلو کام کاج جیسے گھر میں سلانی مشین یا پاور لوم ہو تو کپڑوں کی سلانی کرنا اور لوم چلانا وغیرہ) کیونکہ عورت کو  
اس کے گھر میں بلا کام کے چھوڑے رکھنا نفس اور شیطان کے وسوسے کی دعوت دیتا ہے کہ بے کار بیٹھی ہوتی  
نفسانی اور شیطانی خیالات کے سمندر میں غوطہ لگاتی رہے گی جس سے اس کی صحت متاثر ہوگی، اور بے کار بیٹھک  
ہو جائے گی اور کام سے کابل ہو جائے گی، یا اجنبیوں اور پڑوسیوں کے ساتھ لایعنی اور واہیات قصہ کہانیوں میں  
مشغول ہو کر اپنے کو بالکل معطل کر دے گی جیسا کہ یہی مشاہدہ ہے لہذا عورت خود سے اندرون خانہ کام کاج کرتی  
ہے تو کرنے دینا چاہئے۔ چھڑانا نہیں چاہئے کہ اس میں اس کے لئے ضرر ہے۔



## اشتراط فی النکاح

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی

نکاح عبادت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کا سلسلہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوگا۔ یہ مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے۔ جس سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ نکاح کے نتیجے میں میاں بیوی دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور دونوں کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان حقوق کی حفاظت میاں بیوی دونوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہونے اور اس رشتہ کو مستحکم و پائیدار بنانے کے لئے شریعت نے کچھ شرطیں عائد کی ہیں، جن کی رعایت کئے بغیر عائلی حقوق کا مکمل تحفظ نہ ہو سکے گا۔

اس سلسلہ میں اسلماک فقہ اکیڈمی کی طرف سے "اشتراط فی النکاح" کے عنوان سے سوالنامہ آیا ہے۔ جو قابل

قدر ہے۔

### شرط صحیح کی تعریف

شرط صحیح جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک وہ شرط ہے جو معتضاً عقد کا جزء ہو مثلاً ایسے مکان کی شرط لگانے جانے جو میاں بیوی دونوں کے لائق ہو۔ یا معتضاً عقد کے لئے مؤکد ہو جیسے مہر کے لئے کفیل کی شرط لگادی جانے

کہ مہر کی ادائیگی کی ذمہ داری مثلاً لڑکے کے والد لے لیں، یا فلان شخص اس کا ذمہ دار بن جائے۔ یا اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل یعنی کوئی نص یا عرف موجود ہو، مثلاً عورت یہ شرط لگا دے کہ مہر کا کچھ جزو شوہر فوراً ادا کرے۔ یہ سب شرط صحیح ہیں۔

گویا کہ چار چیزیں عقد صحیح کے تحت آتی ہیں۔

(الف) مقتضائے عقد کا جزو۔

(ب) مقتضائے عقد کے لئے مؤکد ہو۔

(ج) اس کے جواز پر کوئی نص ہو۔

(د) اس کی ادائیگی کے وجوب پر عرف ہو۔

الاحوال الشخصية للامام محمد ابو زهرة في شروط صحیحہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

”القسم الثالث، الشروط الصحيحة - وهي مند الجمهور الشروط التي تكون جزءاً من العقد كاشتراط مسكن يليق بها وبه، او تكون مؤكدة لمقتضى العقد كاشتراط كفيل بالمهر او يقوم الدليل على وجوب الوفاء به من نص او عرف كاشتراط تجبيل جزء من المهر“ الاحوال الشخصية (۱۵۹)

## شرط فاسد کی تعریف

شرط صحیحہ کے خلاف جو شرط ہے وہ شرط فاسد ہے۔ یعنی ایسی شرط جو نہ تو مقتضیات عقد میں سے ہے، نہ مقتضائے عقد کے لئے مؤکد ہے اور نہ ہی اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل قائم ہے۔ وہ شرط فاسد ہے۔ جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک شرط فاسد کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

و القسم الثاني، قسم يلغى فيه الشرط - ويصح النكاح - وهو مند جمهور الفقهاء، كل شرط لا يكون من مقتضى العقد - ولا مؤكداً لمقتضاه - ولم يبق دليل من الشارع على وجوب الوفاء به من نص او اثر او عرف مشهور فكل شرط لا يكون كذلك ولا يكون مؤقتاً للصيغة يكون لاشياً يبطل ولا يؤثر في صحة العقد.

هذا مسلك جمهور الفقهاء في تعريف الشرط الفاسد الذي يلغى ولا يؤثر في العقد (حوالہ

علامہ ابن الہمام شرح فتح القدر میں شرط فاسد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

” هو اشتراط ماليين مقتضى العقد. یعنی ایسی چیز کی شرط لگانا جو عقد کا مقتضی نہ ہو شرط فاسد

ہے (شرح فتح القدير - فصل في المحرمات ج ۳ ص ۱۷۵)

شرط فاسد کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ ایسی شرط جس کے نتیجے میں امر مشروع سے ممانعت ہوتی ہو شرط فاسد ہے۔ مثلاً بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا یا کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا امر مشروع ہے۔ اگر بوقت نکاح یہ شرط لگادی جائے کہ شوہر بیوی کو سفر میں نہیں لے جائے گا۔ یا دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا تو یہ شرط فاسد ہے۔ بنا یہ میں ہے۔

” و ان كان شرط عدم المسافرة او عدم التزوج فهو فاسد لان فيه المنع من الامر

المشروع ابناية مع الفتح ج ۲ ص ۲۷۲)

کوئی ایسی شرط لگانا جس سے تحلیل حرام یا تحریم حلال لازم آئے شرط فاسد و باطل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے، البتہ ایسی صلح جائز نہیں ہے جس میں حلال

کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جائے۔

” الصلح جائز بین المسلمین زاد احمد الا صلحا حرم حلالا و احل حراما ”

بذل الجہود میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریم حلال کی مثال یہ دی ہے کہ عورت شوہر سے یہ

مصالحت کرے کہ وہ اس کو طلاق نہیں دے گا، یا اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں

کرے گا یا اس کی سوکن کے پاس رات نہیں گزارے گا۔ اور تحلیل حرام کی مثال یہ دی ہے کہ ایسی باندی سے

وطی کی مصلحت ہو جس سے وطی حلال نہیں ہے یا کسی کے مال کھانے پر مصلحت ہو جو اس کے لئے حلال نہیں

ہے۔ اس طرح کی صلح اور اس طرح کی شرط شرعا باطل ہے۔

و الصلح الذی یحرم الحلال کمصالحة الزوجة للزوج علی ان لا یطلقها او لا یتزوج

علیها او لا یبیت عند ضررتها... والذی یحلل الحرام کان یصالحه علی وطی امة لا یحل له

وطؤها و اکل مال لا یحل له او نحو ذلك بذل المجہود ۱۵-۱۶۷)

اسی طرح کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضیات عقد نکاح کے خلاف ہو شرط فاسد ہے۔ مثلاً یہ شرط لگادی جائے کہ

کسی کو بھی ایک دوسرے سے انتفاع کا حق نہیں ہوگا۔ یا ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ یا بیوی

کا مہر واجب نہیں ہوگا، یا بیوی شوہر کو مکان دے یا کچھ روپے دے، یا نکاح کسی متعین مدت کے لئے ہو۔ اس

طرح کی شرطیں مقتضیات عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہیں۔ صاحب ہدایہ نے جہاں پر نکاح موقت کا حکم بیان کرتے ہوئے امام زفر کا قول صحت نکاح کا نقل کیا ہے۔ وہیں پر صاحب عنایہ نے امام زفر کے قول کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لان التوقیت شرط فاسد لكونه مخالفا لمقتضى عقد النکاح و النکاح لا يبطل

بالشروط الفاسدة احناية على هامش هداية ج ۳ ص ۱۷۲۹

### شرط فاسد کا حکم اور صحت نکاح پر اس کا اثر

تقریباً سبھی کتب فقہ معتبرہ اور متداولہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ اگر نکاح شرط فاسد کے ساتھ کیا گیا تو شرط کا اعتبار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے ایجاب کے بعد یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اگر میرے والد چاہیں یا میرا لڑکا آجائے تو اس صورت میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا۔

(و لكن لا يبطل) النکاح (بالشروط الفاسد و) انما يبطل الشرط دونه (يعنى لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النکاح بل الشرط بخلاف ما لو حلقه بالشرط) الدر المختار ص ۱۷۹  
ہامش رد المحتار۔ فصل فی المحرمات ج ۲ ص ۷۹۵

### کس طرح کی شرط پورا کرنا ضروری ہے اور کس طرح کی نہیں؟

جو شرطیں عقد نکاح میں لگائی جاتی ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ اور صحت نکاح پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر بہت ہی اچھی بحث علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المغنی" میں کی ہے۔ انھوں نے تمام شرطوں کو تینوں قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔ ان تینوں قسموں اور ان کے احکام کو مختصراً ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ بعض وہ شرائط جو خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً نکاح میں وقت کی تعیین و تحدید کی شرط یعنی بوقت نکاح ایجاب یا قبول میں یہ شرط لگادی جائے کہ اتنے یا اتنے سال کے لئے نکاح ہو رہا ہے جیسا کہ نکاح متعہ یا نکاح موقت میں ہوتا ہے یا نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اگر میری ماں راضی ہو جائے، یا فلاں شخص راضی ہو جائے، یا نکاح میں خیار کی شرط لگادی جائے خواہ دونوں کے لئے یہ



شرط ہو یا ان میں سے کسی ایک کے لئے۔ یہ سب شرطیں خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہو جاتا ہے

فہذہ شروط باطلۃ فی نفسہا و یبطل بہا النکاح۔

۷۔ بعض وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد نکاح کے خلاف ہیں مثلاً شوہر نے یہ شرط لگادی کہ بیوی کا سر اس پر نہیں ہوگا۔ یا اس کا نفقہ نہیں دے گا یا اگر سر دیدیا ہے تو اس کی واپسی کی شرط لگادی، یا یہ شرط لگادی کہ دوسری بیویوں کی باری سے کم یا زیادہ اس کو دے گا۔ یا ایک ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اس کے پاس آئے گا یا دن میں اس کے پاس جائے گارات میں نہیں یا یہ شرط لگادی کہ بیوی اس پر خرچ کرے یا اس کو کچھ دے، یا بیوی نے یہ شرط لگادی کہ شوہر اس سے وطنی نہیں کرے گا، یا وہ عزل کرے گا۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطیں شرعاً باطل ہیں۔ اس طرح کی شرطوں کے باطل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ مقتضیات عقد کے خلاف ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ ان کے ذریعہ عقد سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منعقد ہونے سے قبل ہی ساقط ہو جا رہے ہیں۔

”فہذہ الشروط کلہا باطلۃ فی نفسہا لانہا تنافی مقتضی العقد و لانہا تتضمن اسقاط

حقوق تجب بالعقد قبل انعقادہ فلم یصح“

البتہ ان شرطوں کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ صحیح و منعقد ہوگا۔ اس لئے کہ شرائط صحت نکاح میں سے نکاح کا شرط فاسدہ سے خالی ہونا نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر زائد ہے جس کی وجہ سے نکاح کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا۔

۸۔ بعض وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد نکاح میں سے ہیں اور نہ ہی مقتضیات عقد کے خلاف ہیں۔ نہ مقتضیات عقد کے لئے مؤکد ہیں اور نہ ہی ان کے جواز پر کوئی دلیل قائم ہے۔ البتہ ان کا فائدہ عورت کو پہنچتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی شکل میں نہیں پہنچتا۔ مثلاً عورت یہ شرط لگادے کہ شوہر اس کو اس کے گھر یا اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا، یا اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ یہ اور اس طرح کی شرطوں کو پورا کرنا امام احمد بن حنبل، حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر بعض صحابہ اور تابعین کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور بعض صحابہ، تابعین کے نزدیک اس طرح کی شرطیں فاسد ہیں ان کا اعتبار نہیں ہے۔

علامہ ابن قدام نے دونوں طرف کے دلائل بھی پیش کئے ہیں اور دلائل پر نقد و جرح بھی کیا ہے۔ پوری

تفصیل کے لئے دیکھئے المعنی، المعنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۵۲۸ تا ۵۵۱)

پہلی دونوں صورتوں میں تو اتفاق ہے۔ پہلی صورت میں بالاتفاق شرط بھی باطل اور نکاح بھی باطل ہے اور

دوسری صورت میں نکاح صحیح اور شرط باطل۔ البتہ تیسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل اس شرط کے صحیح بلکہ اس کی ادنیٰ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی بلکہ جمہور اس کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ دلائل تو دونوں جانب ہیں اور کتابوں میں ہر ایک کے دلائل پر نقد و جرح بھی موجود ہے جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ جمہور کی رائے دلائل کی روشنی میں اصول عام کے تحت راجح معلوم ہوتی ہے اور عموماً عمل بھی جمہور ہی کے قول کے مطابق ہے اور اس پر عمل بھی آسان ہے۔ اس لئے کہ اگر بیوی نے بوقت نکاح یہ شرط لگادی کہ شوہر سفر پر نہیں لے جاسکتا ہے اور شوہر لکھنؤ یا بمبئی یا سعودیہ عربیہ میں ملازمت کرتا ہے۔ سال دو سال پر گھر آتا ہے۔ شرط کے مطابق بیوی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا ہے تو پھر دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار کیسے رہ سکتی ہے؟ اور مقاصد نکاح کیسے پورے ہو سکتے ہیں؟

استاذ محمد مصطفیٰ شبلی نے احکام الاسرة فی الاسلام میں امام صاحب کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مصر میں بھی اسی مذہب پر عمل جاری ہے۔ "و بهذا المذهب یجری العمل فی جمہوریت مصر العربیة لعدم وجود قانون ینعالف ذلک" (۱۵۵)

امام محمد ابو زہرہ نے بھی الاحوال الشخصیة میں بہت ہی زور دار انداز میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

"انسانی، ان الاولیٰ و الصالح ان تبقى الشروط فی الزواج خاصتہ لمذہب ابی حنیفہ اذ هو مذہب جمہور الفقہاء" "ولا ننالو جعلنا باب الشروط مفتوحا و الوفاء بها لازما لاضطربت الحیاة الزوجیة ایما اضطراب" "الاحوال الشخصیة ۱۷۱ تا ۱۷۲)

کس طرح کی شرط کو پورا کرنا واجب ہے اور کس طرح کی شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دکتور وہب الزحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے۔ مذہب حنفی کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اگر شرط صحیح ہے، تقاضہ عقد کے موافق ہے اور احکام شرع سے متعارض نہیں ہے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور اگر شرط فاسد ہے۔ مقتضایہ عقد نکاح کے موافق نہیں ہے یا احکام شرع اس کی اجازت نہیں دیتے تو وہ شرعاً باطل ہے۔ اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایسی شرط ہے جس کی ممانعت از روئے شرع ہے تو اس کا پورا کرنا صحیح بھی نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں نکاح صحیح ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۵۲)

اس مختصر سی تمہیدی بحث کے بعد اب اصل سوالات کے جوابات دئے جا رہے ہیں۔ نکاح میں شرطیں

لگائی جاتی ہیں ان کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ احکام درج کے جاتے ہیں۔

نفس عقد نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داری کو شرط کی صورت میں ذکر کرنے کا حکم

### پہلی صورت

ان شرائط کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو شرط کی صورت میں بوقت عقد نکاح ذکر کر دیا گیا، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یا اس کے ساتھ حسن معاشرت یا مہر کی شرط لگانا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی میرے گھر میں رہے گی میری اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی۔ اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے میری اطاعت کرے گی۔ اطاعت نہ کرنے کی صورت میں مجھے تادیب کا حق ہوگا۔ یا یہ شرط لگانا کہ زوجین کے ماہین وراثت جاری ہوگی۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطیں اگر لگائی جائیں تو چونکہ خود نفس عقد نکاح ہی سے یہ چیزیں واجب ہیں شرط لگانے سے ان کا وجوب نہیں ہوا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرط لگا کر ان حقوق کو مزید مؤکد کر دیا، اس لئے ان شرائط کا پورا کرنا شرعاً واجب ہے۔ اس طرح کی شرطیں۔ شروط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں۔

استاذ محمد مصطفیٰ شبلی نے احکام الاسرة فی الاسلام میں مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”الشرط الصحيح هو الذي يقتضيه العقد بان يكون موجبه حكما من احكام العقد او يؤكد مقتضى العقد او ورد به الشرع او جرى به عرف ... كاشتراط الزوجة على زوجها ان ينفق عليها او يعطيها مهرا او يحسن معاشرتها و كاشتراطه ان تدخل في طاعته فهذه كلها يقتضيه العقد و ثابتة ولو لم يشترطها احدهما ... و حكم هذا الشرط . انه يجب الوفاء به

احکام الاسرة فی الاسلام ص ۱۰۲ تا ۱۵۵

### مقتضاء عقد نکاح کے خلاف لگائی گئی شرط کا حکم

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط لگا دے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یا وہ بیوی کے ساتھ حسن



معاشرت نہیں کرے گا۔ یا دوسری بیویوں کے مقابلہ میں باری کم دے گا۔ یا بیویوں کے درمیان خوراک و پوشاک اور شب گزاری میں برابری قائم نہیں رکھ سکے گا۔ یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ شوہر کے گھر میں نہیں رہے گی۔ اس کی اجازت کے بغیر جب چاہے اس کے گھر سے جاسکتی ہے یا اس کی اطاعت نہیں کرے گی۔ یا وہ جو کچھ بھی کرے شوہر کو تنبیہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ یا دونوں یہ شرط لگادیں کہ دونوں میں سے جس کا بھی انتقال پہلے ہو جائے دوسرا اس کے ترک کا وارث نہیں ہوگا۔ یا شوہر اس کے ساتھ وطن نہیں کرے گا۔ یہ اور اس طرح کی جو شرطیں لگائی جاتیں ان کا حکم یہ ہے کہ چونکہ یہ مقتضیات عقد کے خلاف ہیں۔ نیز ان کے ذریعہ عقد نکاح سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منقذ ہونے سے قبل ہی ساقط ہو جا رہے ہیں۔ اس لئے اس طرح کی شرطیں شرعاً باطل ہیں۔ ان پر عمل صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں:

”فهذه الشروط كلها باطلة في نفسها لانها تنافي مقتضى العقد و لانها تتضمن اسقاط

حقوق تجب بالمعقد انمقاده فلم يصح“ (المغنی لابن قدامة ج ۶ ص ۵۵۰)

البتہ نکاح صحیح ہوگا۔ ان شروط کی وجہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ شرائط صحت نکاح میں سے نکاح کا شرط فاسدہ سے خالی ہونا نہیں ہے۔ یہ امر زائد ہے جو صحت نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵

عناہ میں ہے :

”النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة صناية على هامش شرح القدير ج ۳ ص ۳۵۰“

احکام الاسرة فی الاسلام میں شرط غیر صحیح کے سلسلہ میں احناف کے مذہب کو بیان کرتے ہوئے اس کا حکم ان الفاظ میں لکھا ہے۔

”و حکم هذا الشرط انه يلغو وحده لا اثر له في العقد بل يبقى العقد منه صحيحا لان القاعدة

المقررة عندهم ان الزواج لا يبطل بالشروط الفاسدة احكام الاسرة فی الاسلام ص ۱۵۵“

## نئی ذمہ داری سے متعلق لگائی گئی شرط کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط عائد کرے جو نمبر (۱) اور (۲) کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، یعنی نہ تو مقتضات عقد کے موافق ہے اور نہ ہی اس کے مخالف، بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ



داری حاصل ہوتی ہے۔ جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔ یا بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا۔ اس کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔ یا عورت یہ شرط لگا دے کہ مہر کی ادائیگی کے لئے شوہر کے والدین یا اس کے فلاں رشتہ دار کفیل بن جائیں، یا اس کا یہ شرط لگانا کہ مہر کا اتنا حصہ فوراً ادا کرنا ہوگا۔ یہ اور اس طرح کی شرطیں جو (۱۱) اور (۲) کے ذیل میں نہیں آتی ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق اس طرح کی تمام شرطیں جائز ہیں اور ان کا پورا کرنا واجب ہے۔ البتہ ایسی شرط لگانا جس کی ممانعت صراحتاً کتاب و سنت میں موجود ہے صحیح نہیں ہے۔ جمہور علماء و فقہاء خصوصاً حنفیہ کے نزدیک ان میں سے وہ شرطیں جائز اور ان کا پورا کرنا واجب ہے، جو مقتضائاً عقد کے لئے مؤکد ہیں مثلاً مہر یا نفقہ کی ادائیگی کے لئے شوہر کے والد کو کفیل بنانا، اس لئے کہ نفقہ اور مہر دونوں مقتضیات عقد میں سے ہیں اور کفیل بنانا اس کے لئے مؤکد ہے۔ یا عرفاً ثابت ہو، جیسے مہر کے کسی حصہ کو بطور مہر معجل ادا کرنے کی شرط، یہ سب شرط صحیح کی تعریف میں داخل ہیں۔

”احکام الاسرة فی الاسلام“ میں شرط صحیح کی تعریف کرتے ہوئے ہر قید کی وضاحت مثال سے کی ہے۔ چنانچہ مؤکد اور عرف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکاشترائط ولی المرأة ان یکون والد الزوج کفیلاً بالمہر و النفقة فان المہر و النفقة من مقتضیات العقد و اشتراط الکفالة بہما یؤکد حصولہما... وکاشترائط الزوج ان یدفع لہا نصف المہر فقط قبل الدخول وکان صرف بلدہما جاریاً بذلک احکام الاسرة فی الاسلام (ص ۱۵۵)

اور ان کا حکم ان الفاظ میں لکھا ہے۔ ”و حکم هذا الشرط انه یجب الوفاء بہ“ احکام الاسرة فی الاسلام (ص ۱۵۵)

البتہ وہ شرطیں جن سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا، یا کسی امر مشروع سے ممانعت لازم آئے، یا جن سے متعلق کتاب و سنت میں کوئی صراحت موجود نہ ہو وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں پورا کرنا جائز نہیں ہے۔

ایک عورت کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا یا سفر میں اپنے ساتھ لے جانا بھی جائز و مشروع ہے۔ عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اس کو اس کے آبائی

وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یہ امر مشروع سے روکنا ہے لہذا یہ شرط فاسد ہے۔ اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ شوہر پر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عنایہ میں ہے۔

قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج امرأة على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح وان كان شرط عدم التزوج وصدمة المسافرة وطلاق الضرة فاسداً لان فيه المنع من الامر المشروع

” عنایہ علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۰ باب المهر ”

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرط صحیح و درست ہے اور اس کا پورا کرنا شوہر پر ضروری ہے۔ البتہ جمہور کا قول راجح اور عمل کے اعتبار سے سہل ہے۔

### تفویض طلاق

اس ضمن میں یہ بحث آتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا؟ اور کیا شوہر اپنے اس حق طلاق کو تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کو شرعاً اس کا اختیار ہوگا؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شرعاً شوہر کو ہے نہ کہ عورت کو، اور صاحب حق کو یہ اختیار ہے کہ اپنے حق کا استعمال خود کرے یا کسی کو نائب یا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ کرے، یا کسی کو اپنا حق سپرد کر دے اور وہ اس کو استعمال میں لائے۔ شوہر کو بھی شرعاً یہ اختیار ہے کہ حق طلاق کو خود استعمال کرے یا کسی کو اپنا نائب وکیل بنا دے اور اس کو طلاق دینے کا اختیار دیدے۔ نائب وکیل کو اختیار ملنے کے بعد طلاق دینے کا حق ہے اور ان کی طرف سے اختیار کے مطابق دی گئی طلاق بھی واقع ہوگی۔ اسی طرح شوہر اگر اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کر دے تو وہ اپنی طرف سے از خود تفویض کرے، یا بیوی کے شرط لگانے پر اس کو قبول کر لے تفویض صحیح ہوگی اور بیوی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اور حق طلاق تفویض کرنے کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، اگر شوہر اس کو ختم کرنا چاہے تو بھی ختم نہیں کر سکتا۔ ”المبسوط للسرخسی“ میں ہے۔

” و اذا جعل الرجل امر امراته بيدها فالحكم فيه كما لحكم في الخيار في سائر مسائل

الباب المتقدم الا ان هذا صحيح قياسا واستحسانا لان الزوج مالك لامرها فانما يملكها بهذا

اللفظ ما هو مملوك له فيصح منه ويلزمه حتى لا يملك الزوج الرجوع منه اعتبارا

بإيقاع الطلاق ” المبسوط للسرخسی ج ۳ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر ”

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ شوہر جب حق

طلاق تفویض کر دیتا ہے تو شوہر کی طرف سے تفویض لازم ہو جاتی ہے۔ اس کو اس حق سے رجوع، عورت کو منع کرنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

(الف) جس طرح کوئی شخص کسی کو اپنی کسی چیز کا مالک بنا دے تو وہ شخص مالک ہو جاتا ہے اور اصل مالک کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا، اسی طرح جب شوہر نے اپنے حق طلاق کا مالک بیوی کو بنا دیا تو بیوی طلاق کی مالک ہو گئی شوہر کو رجوع یا اس کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب) طلاق کے وجود کے بعد رجعت ممکن نہیں۔ اسی طرح جب تفویض طلاق کے ذریعہ شوہر نے طلاق کا اختیار بیوی کو دیدیا تو اب اس سے رجوع اور اس کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔

(ج) تفویض طلاق میں درحقیقت طلاق کو عورت کی مشیت پر معلق کرنا ہے جو تعلق طلاق کے مفہوم میں ہے۔ اور طلاق کو کسی چیز پر معلق کرنے کے بعد اپنے کلام سے رجوع اور تعلق کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ تعلق طلاق یمین کے معنی میں ہے اور یمین میں رجوع نہیں ہو سکتا ہے۔

” و اما بیان صفتہ فهو انه لازم من جانب الزوج حتى لا يملك الرجوع منه و لانہي المرأة مما جعل اليها و لا فسخ ذلك لانه ملكها الطلاق و من ملك غيره شيئا فقد زالت ولايته من الملك فلا يملك ابطاله بالرجوع و النهي و الفسخ... و لان الطلاق بعد وجوده لا يحتل الرجوع منه و الفسخ كسائر التعليقات المطلقة “ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۸۲۲)

### ایک شبہ کا ازالہ

یہاں پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب بدائع نے تفویض طلاق میں رجوع کا اختیار نہ لینے کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے یہ واضح ہے کہ شوہر کو طلاق کی جو ملکیت حاصل تھی اس کو اس نے بیوی کی طرف منتقل کر دیا اور جب اس نے اپنی ملکیت منتقل کر دی تو اب اس کو خود طلاق دینے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر طلاق کی ملکیت کو بیوی کی طرف بالکل منتقل نہیں کرتا، بلکہ اپنی ملکیت میں بیوی کو بھی شریک کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تفویض کے دوران شوہر طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

الاحوال الشخصیہ میں ہے کہ:

” و ليس معنى كون التفويض تمليكا ان ملكية الزوج للمطلاق قد انتقلت الي من فوضه ولم يعد هو مالكا. بل انه اشتراك له فيما يملكه من تصرف و لم يسلب حقه الاصيل فيه “ (الاحوال

الشخصية ص ۳۷۲)



## تفویض اور توکیل میں فرق

یہیں سے تفویض اور توکیل کے درمیان فرق بھی سمجھ میں آتا ہے کہ۔

(الف) توکیل میں مؤکل کو رجوع اور وکیل کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔ تفویض میں رجوع اور معزول کرنے کا اختیار نہیں رہتا ہے۔

(ب) توکیل میں وکیل اپنے ارادہ و خواہش سے کام نہیں کرتا بلکہ مؤکل کے ارادہ اور خواہش کے مطابق کام کرتا ہے۔ اور تفویض میں مفوض الیہ (جس کے حوالہ معاملہ کیا گیا ہے) اپنی خواہش اور ارادہ کے مطابق کام کرتا ہے۔

(ج) اگر توکیل مطلق ہو تو وکیل کا اختیار مجلس تک محدود نہیں رہتا ہے اور اگر تفویض مطلق ہو تو مجلس تک اس کا اختیار محدود رہتا ہے۔ (حوالہ مذکور)

تفویض طلاق کے سلسلہ میں جو شرائط طے پاتی ہیں ان کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں۔

۲۔ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

تینوں صورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کئے جا رہے ہیں۔

## پہلی صورت

پہلی صورت (جب کہ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں شرعاً صحیح و درست ہے۔ اور اس کے مطابق عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ البتہ اس صورت کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح یا تزوج کی طرف نسبت ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر اقرار نامہ ہذا میں مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو ایک طلاق بائن دے کر عملحدگی اختیار کر لینے کا اختیار ہوگا۔ وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے۔ اگر نکاح کی طرف نسبت نہیں ہوتی تو یہ اقرار نامہ بیکار ہوگا۔ اس کی رو سے کسی قسم کا اختیار عورت کو حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تعلق طلاق کے لئے یہ شرط ہے کہ بوقت تعلق ملکیت موجود ہو۔ یا کم از کم سبب ملک یعنی نکاح یا تزوج کی طرف نسبت ہو ورنہ تعلق لغو و بیکار ہے، یہی وجہ ہے کہ اجتہاد عورت سے یہ کہنا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تجھے طلاق ہے اور اس نے نکاح کے بعد زید کی زیارت کر لی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔



” (شرطہ الملك) .. (كقوله لمنكوحته) او معتدته (ان ذهبنت فانت طالق او الاضافة اليه) اي الملك الحقيقي .. (كان) نكحت امرأة او ان نكحتك فانت طالق .. (فلما قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحها فزارت) تنوير الابصار مع الدر المختار على هامش رد المحتار

ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۵

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

” ولا تصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيفه الى ملك و الاضافة الى سبب الملك كالاضافة الى الملك فان قال لاجنبية ان دخلت الدار فانت طالق ثم نكحها فدخلت الدار لم تطلق كذا في الكافي “ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۲۲۰- الفصل الثالث في تعليق الطلاق)

واضح رہے کہ اگر عقد نکاح سے قبل شرائط طے پائیں اور فریقین کے دستخط کا بین نامہ پر نہ ہوں بلکہ نکاح کے بعد ان دونوں سے دستخط کرائے جائیں، تو یہ پہلی صورت میں داخل نہیں بلکہ اس کا شمار تیسری صورت میں ہے۔ اس میں نکاح کی طرف اضافت ضروری نہیں ہے۔

## دوسری صورت

دوسری صورت جبکہ بوقت عقد نکاح ایجاب یا قبول میں شرائط طے ہوں۔ ان کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے۔

۲۔ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور قبول مرد کی جانب سے۔

ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایجاب مطلق ہو اور شرائط کا ذکر قبول میں ہو۔

۲۔ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو اور قبول مطلق ہو۔

اس طرح اس کی چار صورتیں بنتی ہیں۔

الف۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے اور شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو۔

ب۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے اور شرائط کا ذکر قبول میں ہو۔

ان دونوں صورتوں میں شرائط کا شرعا اعتبار نہیں۔ ان شرائط کی بنیاد پر عورت کو کسی طرح کا اختیار حاصل

نہیں ہوگا۔

ج۔ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور قبول مرد کی طرف سے اور شرائط کا ذکر ایجاب ہی میں ہو۔ مثلاً عورت کی طرف سے ایجاب اس طرح ہو کہ تم سے اس شرط پر نکاح کیا۔ یا اس شرط پر اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا کہ فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں عورت کو ایک طلاق بائن دینے کا اختیار ہوگا۔ جب چاہے وہ ایک طلاق بائن دے کر علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ مرد اس کو قبول کر لے تو اس صورت میں شرعاً معتبر ہوگی اور کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو ایک طلاق بائن دے کر علیحدگی اختیار کر لینے کا شرعاً حق ہوگا۔

د۔ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور قبول مرد کی طرف سے اور شرائط کا ذکر قبول میں نہ ہو۔ مثلاً عورت پہلے یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا (عورت کے کلام میں شرائط کا ذکر نہ ہو) اور مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا اس شرط کے ساتھ کہ اگر فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کروں تو تم کو ایک طلاق بائن دے کر مجھ سے علیحدگی اختیار کر لینے کا حق ہوگا۔ یہ صورت بھی شرعاً صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں بھی عورت کو کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرنے پر ایک طلاق بائن دے کر علیحدگی اختیار کر لینے کا حق ہوگا۔ البتہ اس صورت میں جب کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور وہ ایجاب میں شرائط کا ذکر نہ کرے تو قبول میں مرد کو اختیار ہے چاہے تو قبول میں شرائط کا ذکر کر کے تفویض طلاق کرے یا نہ کرے اس لئے جو عورت احتیاط کی طالب ہے اس کو چاہئے کہ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہی کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو تو شرائط کا اعتبار ہے۔ اور اگر مرد کی جانب سے ایجاب ہو تو شرائط کا اعتبار نہیں ہے۔ خواہ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو یا قبول میں۔ درمختار میں ہے۔

”نكحها على ان امرها بيدها صح (درمختار) اقوله صح) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امرى بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما في البحر من الخلاصة و البزازیة “ ارد المحتار قبيل فصل في المشية ج ۲ ص ۲۸۵

ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ فتاویٰ خانہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ۔

اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو تو تفویض طلاق نکاح سے قبل ہوگی اس لئے کہ نکاح ایجاب اور قبول کے بعد تام ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں قبول سے قبل ہی تفویض ہوگی۔ لہذا یہ تفویض صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی۔ اس لئے کہ جواب میں سوال بھی شامل ہوتا ہے۔ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد یہ کہا کہ میں نے قبول کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے نکاح قبول

کرنے کے بعد یہ بھی قبول کیا کہ تمہارا معاملہ تمہارے حوالہ ہے۔ تم جب پاہو طلاق دے سکتی ہو۔ تو چونکہ اس صورت میں نکاح کے بعد تفویض ہوتی ہے اس لئے تفویض صحیح ہے۔

” لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق والتفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت البداءة من قبل المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت و الجواب يتضمن اعادة ما في السؤال صار كانه قال قبلت على انك او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح “ الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية فصل في النكاح على الشرط ج ۱ ص ۳۷۹

تیسری صورت جبکہ نکاح ہو جانے کے بعد شرائط طے ہوں اور بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا جائے۔ یہ صورت بلا کسی شرط کے صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں تفویض کے مطابق عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

الاحوال الشخصية میں ہے۔

” التفويض يصح قبل الزواج - ويصح مند انشاءه ولا يصح بعده مند الحنفية “ الاحوال

الشخصية ص ۳۷۷

تفویض کے سلسلہ میں چند مفید مشورے

شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کو دیا ہے۔ تفویض کے نتیجہ میں یہ اختیار عورت کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ عورت تفویض کے مطابق طلاق دے سکتی ہے۔ چونکہ عورت جذباتی ہوتی ہے ممکن ہے کہ فوراً اپنے اختیار کا استعمال کر لے جس سے مصالح شرع اور مقاصد نکاح ضائع ہو جائیں، اس لئے تفویض کے ساتھ احتیاطاً کچھ ایسی قیدیں بڑھانا مناسب ہے جو مفید مقصد ہوں۔ اور جن سے بیجا تصرف کا سد باب ہو سکے۔ تفویض کے سلسلہ میں درج ذیل مشورے دئے جا رہے ہیں جن پر عمل فریقین کے حق میں مفید ہے۔

۱۔ بہتر یہ کہ تفویض کے لئے نکاح سے قبل شرائط طے پا جائیں اور فریقین کے دستخط اس پر ہو جائیں۔ لیکن اس صورت میں نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے۔ یا عورت کی جانب سے ایجاب ہو اور وہ اس میں تفویض کی شرط لگا دے۔ اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ اس میں تفویض کی شرط نہ لگائے۔ لیکن شوہر قبول کرتے وقت تفویض کی شرط ذکر کر دے یا نکاح کے بعد شرائط طے پا جائیں جن کی رو سے عورت کو طلاق دینے کا حق

حاصل ہو جائے تو بھی درست ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں شوہر کی مرضی پر ہے اگر وہ چاہے تو تفویض کی شرط ذکر کرے یا نہ کرے۔ عورت کی طرف سے اگر ایجاب میں تفویض کی شرط نہ ہو تو شوہر کو تفویض کی شرط لگانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ تعلق مذکور میں "اگر چاہے" کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس صورت میں تفویض خاص اسی مجلس کے ساتھ مقید و محدود رہے گی جس میں وہ شرائط واقع ہوں۔ اس مجلس کے ختم ہو جانے کے بعد عورت کو طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کر دینا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح "جب کبھی چاہے" کا لفظ بھی نہیں بڑھانا چاہئے۔ اس لئے کہ اس صورت میں عورت کو ہمیشہ کے لئے طلاق دینے کا اختیار رہے گا۔ اور یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لئے کوئی ایسا لفظ بڑھانا چاہئے جس سے نہ تو اختیار بالکل محدود ہو جائے، اور نہ ہی ہمیشہ کے لئے اختیار حاصل ہو جائے۔ مثلاً اس طرح کا جملہ ہو کہ "اگر شوہر شرائط مذکورہ میں سے کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو عورت کو اس مجلس میں یا اس کے بعد بھی ایک طلاق بائن دے کر طلحدگی اختیار کر لینے کا حق ہوگا۔"

۳۔ چونکہ عورت ناقص العقل ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ طلاق دینے کا بالکل یہ اختیار عورت کو نہ دیا جائے بلکہ اس طرح کی قید بڑھادی جائے کہ اگر شوہر کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف شدید پہنچے جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم آدمی اس کی تصدیق کر دیں تو عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ دونوں طرف دس اشخاص کا نام دونوں کی باہمی رضامندی سے ذکر کر دیا جائے۔ مزید احتیاط کے لئے یہ قید بڑھادینا بھی مناسب ہے کہ اگر شوہر شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط کی مخالفت کرے اور فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی طلحدگی کو مناسب سمجھیں تو عورت کو چاہئے کہ اس صورت میں بھی طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

اول یہ ہے کہ فوراً حضر کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتد بہ مدت تک عود و خوض کرے جس کی مدت ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کر لے۔

تیسرے یہ کہ سنت کے مطابق استحارہ کرے۔ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرے۔ استحارہ میں جو بات آئے اس پر عمل کرے۔ اس کے سلسلہ میں بہت ہی اچھی اور مفید بحث حضرت تھانوی کی "الحيلة الناجزة" میں موجود ہے جس میں کاہن نامہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ جس کے مطابق تحریر تیار کر لینا بہتر ہے۔

طلاق دینے کی صورت میں مہر کی زیادتی کی شرط



اشتراطی النکاح کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ آتا ہے کہ اگر بوقت عقد نکاح مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، یا اس طرح مہر طے پائے کہ اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دی تو بیس ہزار اور تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار ہوگا۔

تو کیا اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا؟

اس مسئلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا اس لئے کہ۔

۱۔ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے جس کی اجازت ناگزیر حالات میں ہے۔ مختلف مراحل (اس کی تفصیل کتاب دست میں موجود ہے) سے گزرنے کے بعد بھی نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو ایک طلاق دینے کی اجازت ہے، اور وہ بھی اس ظہر میں جس میں ہمبستری نہ کی تو ہمارے اس زمانہ میں چونکہ لڑکوں کی شادی آسانی و سہولت سے ہو جاتی ہے۔ لڑکیاں آسانی سے مل جاتی ہیں، لیکن لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا کٹھن اور دشوار گزار ہوتا ہے۔۔۔ چیز کی لعنت نے مسئلہ کو بہت ہی سنگین بنا دیا ہے ان حالات میں شوہر پر کوئی ایسی پابندی جس کے نتیجے میں وہ طلاق دینے سے گریز کرے۔ فقط قریب اور مقاصد شرع سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ نیز کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی مشروعیت کا مقصد بھی طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے۔ یعنی شریعت نے مہر کو اس لئے مشروع کیا ہے تاکہ شوہر تھوڑی سی بات پر طلاق نہ دیدے۔ اگر مہر واجب نہ ہو تو شوہر تھوڑی سی ناراضگی کی صورت میں بھی رشتہ کو ختم کر دے گا۔ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں اس کی مشروعیت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”ولان ملک النکاح لم یشرع لعینہ بل لمقاصد لاحصول لها الا بالدوام علی النکاح و القرار علیہ ولا یدوم الا لوجوب المہر بنفس العقد لما یجری بین الزوجین من الاسباب التي تحمل الزوج علی الطلاق من الوحشة و الخشونة فلو لم یجب المہر بنفس العقد لا یبالی الزوج من ازالة هذا الملك بادنئ خشونة تحدث بینہما لانه لا یسئق علیہ ازالہ لعلہ یخف لزوم المہر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النکاح“ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۲۷۲)

جب مہر کی مشروعیت کا مقصد طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے تو بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر مہر بیس ہزار اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار شرعاً درست ہونا چاہئے۔

۳۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فقہ کے اس مشہور جزئیہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے پایا کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہو۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح و درست ہیں۔ دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔

”ولو تزوجها على الف ان اقام بها وعلى الغين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فلها مهر المثل لا يزاہ على الالفين و لا ينقص من الالف و هذا مند ابى حنيفة و قال الشرحان جميعا جائز ان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها و قال زفر الشرحان جميعا فاسدان۔ و يكون لها مهر مثلها لا ينقص من الف و لا يزاہ على الغين اهداية على هامش شرح فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۰-۳۵۱ باب المهر“

اس مسئلہ میں اصول افتاء کی رو سے اگر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ حالات اور ضرورت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے اور صاحبین کے قول پر عمل کرنا امام صاحب ہی کے قول پر سمجھا جائے گا۔ کتنے مسائل ہیں جن میں صاحبین نے حالات و ضرورت اور اپنے زمانہ کے عرف و عادت کی بنیاد پر امام صاحب کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے، اور متاخرین فقہاء نے صاحبین کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ انہیں مسائل میں سے مساقات و مزارعت۔ دلالی کی اجرت۔ حمام میں اجرت پر غسل کا جائز ہونا ہے۔

علامہ ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں:

”وان خالفه صاحباہ فی ذلك فان كان اختلافهم اختلاف مصر و زمان كالقضاء بظاہر المدالۃ یا خذ بقول صاحبيه لتغيير احوال الناس و المزارعة و المعاملة و نحوها يختار قولهما لاجماع المتأخرين على ذلك“ لا يرجح قول صاحبيه او احدهما على قوله الا لموجب وهو اما الضعف دليل الامام و اما للضرورة و التماثل كترجيح قولهما في المزارعة و المعاملة و اما لان خلافهما له بسبب اختلاف العصر و الزمان و انه لو شاهد ما وقع في عصرهما

لوافقهما كمدم القضاء بظاہر المدالۃ اشرح عقود رسم المفتی ص ۷۰-۷۱

اس زمانہ میں جب کہ تین طلاق کی کثرت ہے، شراب اور تازی کے نشہ میں طلاق دینا عام ہے۔ طلاق کے بعد عورت مظلوم بن کر در در کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے سارا ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں تین طلاق کے انسداد کے لئے اگر صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے مذکورہ دونوں شرطوں کو جائز اور واجب العمل قرار دیا جائے تو یہ جائز اور مقاصد شرع کے موافق ہوگا۔

### دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں زیادتی مہر کی شرط

البتہ اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے پائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر دوسری عورت نے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ اس طرح کی شرط میرے خیال میں درست نہیں ہے اور اس شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر اس طرح مہر طے پایا تو شرط پوری کرنے کی صورت میں مہر مسمیٰ اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم آنے گا، جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زائد نہ ہو۔ اس لئے کہ اس طرح کی شرط مقتضائاً عقد کے خلاف ہے۔ اور درحقیقت امر مشروع سے روکنا ہے جو شرط فاسد ہے اور اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ شرط فاسد باطل ہو جاتی ہے، البتہ نکاح صحیح ہوتا ہے۔ نیز تو مہر کی مشروعیت کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا ہے اور نہ ہی اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کے عرف میں دوسری شادی کرنی ہی معیوب ہے اس شرط کو جائز قرار دے کر اس کی شناعیت و قباحت میں مزید اضافہ کر دینا ہے۔

### ملازمت سے نہ روکنے کی شرط

شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ اس کے گھر میں رہے اور گھر کے نظم و نسق کو سنبھالے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کر دی ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حقوق کی تمیص ہو رہی ہو یا اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے۔

”فی البحر له منها من الغزل وكل عمل ولو تبرما لاجنبی اور مختار اقوله وكل عمل ولو تبرما لاجنبی او ینبغی عدم تخصیص الغزل بل له ان یمنعها من الاصل کلها المقتضیة للكسب لانها مستغنیة منه لوجوب کفایتها علیه و کذا من العمل تبرما لاجنبی بالاولی ... و الذی ینبغی تحریره ان یکون له منها من کل عمل یودی الی تنقیص حقه او ضرره او الر خروجها من بیتہ (رد المحتار باب النفقات ج ۲ ص ۲۶۵)



شوہر کے گھر سے نکلنے اور ملازمت سے نہ روکنے کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد

ہے۔ لہذا اگر بوقت نکاح اس طرح کی شرط لگانے اور شوہر کے قبول کرنے کے بعد بھی شوہر اپنی بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے بلکہ اگر ملازمت کے لئے گھر سے باہر جانے میں بے پردگی ہوتی ہو۔ غیر محرم سے بلا حجاب بات کرنی پڑتی ہو۔ شریعت کا قانون ٹوٹ رہا ہو تو شوہر پر ضروری ہے کہ اس طرح کی ملازمت سے روکے۔

خاص طور سے اس زمانہ میں ملازمت کی اجازت دینے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس کے لئے بے حجاب جانا اور غیر محرم سے بے حجاب پوری آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنا عام ہے۔ بلکہ عورتوں میں اس تصور کا پیدا ہوجانا کہ وہ بھی مردوں کی طرح ایک مخلوق ہیں وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کر سکتی ہیں۔ اس تصور نے عورتوں کو بالکل تنگ کر دیا ہے جس کے برے نتائج سے اہل علم و بصیر بخوبی واقف ہیں۔ لہذا اس وقت تو اس طرح کی ملازمت پر خاص پابندی ہونی چاہئے۔

صاحب مبسوط نے المبسوط للسرخسی میں عورتوں کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عورتیں کمانے سے عاجز ہیں۔ اس لئے ان کا نفقہ شوہر یا والد دیگر رشتہ داروں پر ہے۔ عورتوں کو کمانے کی اجازت دینے کے سلسلے میں انہوں نے بہت ہی سخت بات لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

صاحب مبسوط نے المبسوط للسرخسی میں عورتوں کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عورتیں کمانے سے عاجز ہیں اس لئے ان کا نفقہ شوہر یا والد یا دیگر رشتہ داروں پر ہے۔ عورتوں کو کمانے کی اجازت دینے کے سلسلے میں انہوں نے بہت ہی سخت بات لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عجز ظاہر من الاکتساب وفي امرها بالاكتساب فتنة فان المرأة اذا امرت بالاكتساب

اكتسبت بفرجها المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۱۸۵

البتہ اگر پردہ کا سخت نظم ہو، پردہ کے ساتھ جائیں اور پردہ کے ساتھ پڑھائیں۔ بلوغ لڑکوں کو نہ پڑھانا ہو یا ایسا کام نہ ہو جس میں غیر محرم سے بے حجاب بات کرنی پڑتی ہو تو اس صورت میں شوہر اگر چاہے تو ملازمت کی اجازت دے سکتا ہے۔

” اما العمل الذي لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها منه ” رد المحتار باب النفقات ج ۲ ص ۲۶۵

هذا ما ظهر مندى والله تعالى اعلم واتم



## اشتراط فی النکاح

مولانا شمس پیرزادہ

نکاح زوجین کے درمیان ایک پختہ عہد ہے، جس کو قرآن نے میثاق غلیظ سے تعبیر کیا ہے۔

«واخذن منکم میثاقاً غلیظاً النساء۔۲۶» وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہے۔

یہ عہد نہایت اہم ہے کیونکہ اس کے ساتھ حقوق اور ذمہ داریاں وابستہ ہیں، اسی طرح شارع نے نکاح میں عظیم مصلحتوں کو پیش نظر رکھا ہے، مثلاً یہ مصلحت کہ زوجین کے درمیان مودت کے تعلقات ہوں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ ایک فریق دوسرے فریق کا استحصال نہ کرے، یعنی اس پر ناجائز دباؤ نہ ڈالے اور اس سے جبراً کوئی بات نہ منوائے۔

شریعت نے مرد کو اختیارات دئے ہیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا کرے اور گھر کا نظم قائم رکھے، اگر وہ ان اختیارات کو آمرانہ (Arbiterary) طریقہ پر استعمال کرتا ہے تو یہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے، آمرانہ طریقہ پر استعمال کرنے سے مراد من مانے طریقہ پر استعمال کرنا ہے اور یہ عورت کے حق میں بڑی زیادتی ہے۔ اگر مرد ان اختیارات کو معروف طریقہ پر اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے تو ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہوں گی۔ اور اگر ہو جائیں تو ان کی ذمہ دار عورت ہی قرار پائے گی۔

مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ ازدواجی تعلقات کا آغاز مرد کی طرف سے خلوص و محبت کے ہدیہ کے ساتھ

ہو، نیز معاہدہ نکاح کی تقسویت کا باعث بنے۔

ایک سے زائد نکاح کی اجازت اخلاقی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے دی گئی ہے۔ اور اس لئے بھی دی گئی ہے تاکہ ہنگامی طور پر جو معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے میں معاون ہو لیکن یہ اجازت حد کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اصل حکم یک زوجگی ہی کا ہے۔

شریعت نے مرد کو طلاق کا اختیار دے کر عورت کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے، بلکہ ازدواجی زندگی کو جذباتی فیصلوں سے بچانے کا ممکن حد تک سامان کیا ہے اور مرد کی زیادتی کی صورت میں عورت کے لئے گلو خلاصی کی راہ بھی رکھی ہے۔

اسلام نے ازدواجی مسائل کے حل کے لئے پروج طریقہ اختیار کرنے سے گریز کیا ہے اور گھر کے مسائل کو گھر ہی میں حل کرنے کے لئے مناسب طریقے رائج کئے ہیں اور ضروری ہدایات دی ہیں۔ نکاح کے ان مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شرائط پر گفتگو کرنا ہے، جن سے نکاح کو مشروط کر دیا گیا ہو۔ یہ شرائط تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔

۱۱۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو شرط کی صورت میں عقد کے وقت ذکر کر دیا جائے۔ مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ ایسی شرط تحصیل حاصل ہے اور اس کا نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو ذمہ داری شریعت نے مرد پر عائد کی ہے، اس کو پورا کرنے کا بہر حال وہ پابند ہے۔

۱۲۱۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرنا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ شرعاً ایسی شرط باطل ہے مگر نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر عقد نکاح پر مرتب نہیں ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان تشترط المرأة طلاقاً اختها، بخاری کتاب الشروط، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط رکھے۔ اور امام بخاری نے کتاب النکاح میں باب باندھا ہے :

الشروط التي لا تحل في النكاح وقال ابن مسعود لا تشترط المرأة طلاقاً اختها " وہ شرائط جو نکاح میں جائز نہیں ہیں۔ اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط (نکاح میں) نہ رکھے "۔

یعنی عورت اس شرط پر نکاح نہ کرے کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے۔ کنیز کے آزاد کر دینے والے کو جو حق ولاء حاصل ہوتا ہے، اس کے خلاف جب ایک معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

الولاء لمن استحق وان اشترطوا مائة شرط (بخاری کتاب الشروط)

حق ولاء اس کا ہے جس نے کنیز کو آزاد کیا خواہ اس کا مالک سو شرطیں لگائے

یعنی جو شخص مال خرچ کر کے کسی کنیز کو آزاد کرے گا، حق ولاء (اس کنیز کی وراثت وغیرہ کا حق) اس کو حاصل ہوگا، خواہ اس کا آقا اپنے لئے حق ولاء کی شرط پر اسے آزاد کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنا مال خرچ کر کے کسی کنیز کو آزاد کرے، شریعت اس کے حق ولاء کو تسلیم کرتی ہے، لہذا اس کے خلاف جو شرط عائد کی جائے گی، وہ باطل ہوگی۔

اس سے یہ اصولی بات واضح ہوتی ہے کہ معاملات کے دو فریقوں کے درمیان شریعت نے جس کے جو حقوق مقرر کئے ہیں اگر ان میں سے کسی حق کے خلاف ایک فریق شرط عائد کرتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لہذا نکاح کے معاملہ میں بھی اگر ایک فریق ایسی شرط عائد کرتا ہے جو دوسرے فریق کے اس حق پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ کالعدم ہی سمجھی جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۱۳۱۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی اور جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا۔ وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ اس مسئلہ پر سلف کے درمیان اختلاف ہے۔ منہی میں ہے۔

”نکاح کی شرطوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کو پورا کرنا لازم ہے، اور وہ ہے ایسی شرط جو منفعت اور فائدہ کی موجب ہو، مثلاً یہ شرط کہ شوہر بیوی کو اپنے گھر یا اپنے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس کو ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، یا اس کی موجودگی میں دوسری بیوی نہیں کرے گا، اور نہ لونڈی رکھے گا۔ ایسی شرط کا پورا کرنا لازم ہے اگر اسے پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور



شریح، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ زہری، قتادہ، ہشام ابن عروہ، مالک، لیث، ثوری، شافعی، ابن المنذر اور اصحاب الرائی نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ ابو حنیفہ اور شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عقد ہو جاتا ہے لیکن مہر فاسد قرار پاتا ہے اور عورت کے لئے مہر مثل لازم آتا ہے۔ ان حضرات کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے، اگرچہ ایسی شرطیں سو ہوں۔ اور یہ شرط کتاب الہی میں نہیں ہے، کیونکہ شریعت اس کی متقاضی نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ، "مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو، اور یہ شرط حلال کو حرام ٹھہراتی ہے، یعنی دوسری بیوی، لونڈی اور سفر کی حلت کو حرمت میں بدل دیتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ایسی شرط عائد کرنے میں نہ عقد کی مصلحت ہے اور نہ اس کا تقاضا ہے اور نہ ہی وہ مروجہ اور نافذ العمل طور طریقوں پر مبنی ہے، اس لئے ایسی شرط فاسد ہے اور یہ ایسا ہی ہے، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ وہ اپنے کو شوہر کے حوالہ نہیں کرے گی۔"

(المغنی ۷-۵۲۸)

جو علماء ایسی شرائط کے جواز کے قائل ہیں، ان کا سب سے بڑا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ "احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری کتاب الشرائط) وہ شرائط پورے کئے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورتوں کو اپنے لئے حلال کر لیا ہے۔"

لیکن حدیث کے الفاظ "ما استحللتم به الفروج" (جن کے ذریعہ تم نے فروج کو حلال کر لیا ہے) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شروط سے مراد شریعت کی عائد کردہ وہ شرطیں ہیں جن کو قبول کر کے وہ نکاح کے بندھن میں بندہ جاتا ہے۔ مثلاً مہر، نفقہ، حقوق کی ادائیگی، حسن معاشرت وغیرہ۔ فتح الباری میں ہے۔

"خطابی کہتے ہیں کہ نکاح کی شرطیں مختلف ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو پورا کرنے پر سب کا اتفاق ہے اور وہ ہیں اللہ کے دئے ہوئے احکام مثلاً معروف طریقہ پر عورت کو رکھنا یا خوبصورتی کے ساتھ اسے رخصت کرنا اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اسی پر معمول کیا ہے" (فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۹)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک حدیث نقل کی ہے جو عورت کی اس شرط کو کہ وہ اس مرد کے بعد دوسرا نکاح نہیں کرے گی، ناجائز قرار دیتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

واخرج الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن من جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرمت لزوجی ان لا اتزوج بعد فقال النبی



”ظہرانی نے الصغیر میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کی اسناد حسن۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام بشر بنت براء بن معرور کو نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا میری شرط اپنا شوہر کے لئے یہ ہے کہ میں اس کے بعد نکاح نہیں کروں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ درست نہیں ہے۔“

اسی پر اس شرط کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو دوسرے نکاح کے بارے میں عورت کی طرف سے مرد پر عائد کی جائے۔

حافظ ابن حجر نے امام شافعی کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

”اما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لا یقسم لها او لا یتسری علیها او لا ینفق او نحو

ذک فلا یجب الوفاء بہ۔“ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۹)

”ایسی شرط جو نکاح کے مقتضی (مقصد) کے منافی ہو، مثلاً یہ کہ اس کے لئے شب باشی کی باری مقرر نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کی موجودگی میں لونڈی نہیں رکھے گا، یا اس کا نفقہ ادا نہیں کرے گا، تو اس قسم کی شرطوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔“

اس لئے ایسی شرطیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف ہوں اور جن سے شریعت کے عطا کردہ حقوق متاثر ہوتے ہوں، ان کو نہ جائز کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کو پورا کرنا واجب قرار پاتا ہے، البتہ بعض ایسی شرطیں ہو سکتی ہیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف بھی نہ ہوں اور جن کا مقصد کسی فریق کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے سے بچانا یا اس کے لئے اطمینان بخش زندگی گزارنے کا سامان کرنا ہے، مثلاً عورت کی طرف سے یہ شرط کہ مرد ملک سے باہر ملازمت کے لئے نہیں جائے گا، یا عورت کے لئے علیحدہ فلیٹ کا انتظام کرے گا، یا اس کے لئے خادمہ رکھے گا تو ان شرطوں کا پورا کرنا اخلاقاً ضروری ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو عہد کی خلاف ورزی کا گناہ لازم آئے گا اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مرد سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے۔

”مقاطع الحقوق مند الشروط۔“ (البخاری ج ۹ ص ۱۷۸) ”شروط کی پابندی حقوق کو برقرار رکھنے

کے لئے ضروری ہے“

اس موقع پر معلومات کے لئے مسلم پرسنل لا کے کچھ اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

" An agreement that the wife shall be at liberty to live with her parents has been held to be void."

( Muslim Law by Tyabji P. 57 )

" \_\_\_\_\_ Carrying the wife out of her native city \_\_\_\_\_ apparently against her desire. This apprehension surely can not effect the right of the parties in India and Pakistan, where the husband may not be able to carry her away without coming into conflict with the criminal law.

( Do P. 62 )

" As a result of the cases it is submitted that a stipulation in a marriage contract that the husband shall not marry a second wife is enforceable."

( Do P. 64 )

" In an Allahabad case the husband agreed to pay his wife maintenance within a specified time and in default the writing to operate as a divorce. It was held that on the husband's default the writing took effect as a valid divorce."

( Mulla's Principles of Mohammedan Law P. 325 )

" An agreement, therefore, which provides for a certain maintenance to be given to the wife in the event of a future separation between them, is also void. If the marriage is dissolved by divorce, the wife is entitled to maintenance for the period mentioned in Sec. 279 and not for life, unless the agreement provides that it is for life."

( Do P. 304 )

## تفویض طلاق

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعا کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا؟ اور اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

تفویض طلاق کی تشریح ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے "مجموعہ قوانین اسلام" میں اس طرح کی ہے۔

”تفویض طلاق ( Delegation of the power of divorce ) کے معنی ہیں ” طلاق دینے کا اختیار اپنی زوجہ کے سپرد کرنا “ چنانچہ عورت کا مرد سے نکاح کے وقت یہ شرط طے کرنا کہ وہ طلاق کی ممانعت ہے، شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح شوہر کا اپنی زوجہ کو قیام نکاح کے دوران حق طلاق تفویض کرنا بھی جائز ہے۔ ملک شام کے عائلی قانون کے تحت بھی شوہر کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔

اگر زوجہ نے بوقت نکاح شوہر سے حق طلاق حاصل کر لیا ہو یا وہ نکاح کے بعد اس حق کی مالک بن گئی ہو تو وہ اس حق کو استعمال کر کے خود کو طلاق دے کر رشتہ زوجیت قطع کر سکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے کہ شوہر نے زوجہ کو وہ طلاق خود دی ہو۔

تفویض یا تملیک طلاق کے بعد شوہر زوجہ کے اس حق کو فسخ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بغير مالک ہو جاتی ہے، خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ البتہ اگر تفویض طلاق معین مدت کے لئے ہو اور وہ مدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہو جائے گا۔

لیکن شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دیا اور پھر خود اس کو طلاق بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفویض سے ملکیت کیونکر پیدا ہوتی ہے اور اگر ملکیت عورت کو حاصل ہوگئی تو پھر مرد کا حق طلاق کیونکر باقی رہا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تفویض طلاق دراصل خیار طلاق ہے اور خیار دینا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا مالک بنانا ہوتا ہے، کیونکہ مخیر (جس کو اختیار دیا گیا) اس فعل میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے، لہذا اگر شوہر اپنی زوجہ کو خیار طلاق تفویض کرتا ہے تو گویا وہ اپنی زوجہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ خود کو طلاق دے کر اس مرد کے رشتہ زوجیت سے علیحدہ کر سکتی ہے، اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ عورت مالک ہو کر (مصرف) ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ مرد کی اس ملکیت میں عورت بھی تصرف کر سکتی ہے جو اس مرد کے علاوہ ہے نہ کہ بجائے ” (مجموعہ قوانین اسلام مطبوعہ پاکستان جلد دوم ص ۳۹۶-۳۹۳) مسلم پرسنل لا میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے۔

” Delegation of Power to divorce \_\_\_\_\_ Although the power to give divorce belongs primarily to the husbands, he may delegate the power to the wife or to a third person, either absolutely or conditionally, and either for a



particular period or permanently. The person to whom the power is delegated may then pronounce the divorce accordingly. A temporary delegation of the power is irrevocable, but a permanent delegation may be revoked."  
( Mulla's Principles of Mohammedan Law P. 332 )

Pakistan \_\_\_\_\_ "A kabinnamah gave the wife the right to pronounce talak if prompt dower was not paid. A Pronouncement of divorce after demand held not against public policy and principles of Mohammedan Law. Such a divorce is known as talak by tafweez."  
( Do P. 333 )

"Stipulation by wife for right of divorce \_\_\_\_\_ An agreement made, whether before or after marriage, by which it is provided that the wife should be at liberty to divorce herself in specified contingencies is valid, If the conditions are of a reasonable nature and are not opposed to the policy of the Mahomedan law, when such an agreement is made, the wife may, at any time after the happening of any of the contingencies, repudiate herself in the exercise of the power and a divorce will then take effect to the same extent as if a talak had been pronounced by the husband."

( Do P. 333 )

"An agreement between husband and wife by which the husband authorizes the wife to divorce herself from him in the event of his marrying a second wife without her consent is valid."

( Do P. 334 )

الحيلة الناجزة ( مؤلف مولانا اشرف علی تھانوی و دیگر علماء ) میں تفویض طلاق کو فقہ حنفی کی روشنی میں  
جائز قرار دیا گیا ہے اور کابین نامہ کے لئے نمونہ بھی پیش کر دیا گیا ہے ۔  
ضروری اقتباسات۔

" اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا ( جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو ) اور بوقت  
ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے ( اور اس اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں ۔ "



” اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ چاہے نکاح سے پیشتر لکھوایا جاوے، چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوایا جائے۔ چاہے بعد میں لکھوایا جائے۔“ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۰، ۳۱)

ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ

” چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسرۃ فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں بمعوضہ مہر... روپے... سکے رنج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلان فلان اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر دئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے عظیمگی اختیار کر لی جاوے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آنے کا جب تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدیدہ ہے“ (صفحہ ۳۵)

نیز یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ

” شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے“ (صفحہ ۳۲)

اور ہدایہ میں ہے

وان قال لها طلقی نفسک متی شئت فلها ان تعلق نفسها فی المجلس و بعدہ

(ہدایۃ ص ۱۹۶)

” اگر شوہر نے بیوی سے کہا، جب چاہو اپنے کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنے کو طلاق دیدے۔“

علماء اور فقہاء کی یہ تصریحات تفویض طلاق کو جائز قرار دیتی ہیں، لیکن تحقیقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی کوئی قوی دلیل ہمیں نہیں ملتی، درحقیقت قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور جس آیت سے اس کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ بنائے استدلال آیت تغیر ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

يا ايها النبي قل لازواجك ان كنتم ترمن الحيوة الدنيا و زينتها فتعالين امتكن و

اسرحكن سراحا جميلا (الاحزاب ۷۸)

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی۔ اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں“

فقہاء نے اس تخمیر کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، یعنی اس صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق نافذ کر لے، جب کہ اس آیت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی ازواج سے معلوم کر لیں کہ وہ دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کو۔ اگر دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا جائے یعنی ان کی یہ مرضی مطوم ہونے کے بعد آپ انہیں طلاق دے دیں۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اگر آپ کی ازواج دنیا کی زینت چاہتی تو طلاق خود بخود واقع ہو جاتی۔ آیت میں طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کے یہ الفاظ ”اسرحکن سراحا جميلا“ میں خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں ”صاف بتا رہے ہیں کہ آپ کے جدا کرنے سے وہ جدا ہو جائیں لہذا اس تخمیر (اختیار) کو تفویض طلاق پر محمول کرنا صحیح نہیں۔“

چنانچہ حافظ ابن جریر الباری میں لکھتے ہیں۔

لكن ظاهر الآية ان ذلك بمجرد لا يكون ملاقا بل لابد من انشاء الزوج الطلاق لان فيها

فتعالين امتكن و اسرحكن اى بعد الاختيار و دلالة المنطوق مقدمة على دلالة المفهوم (فتح

الباری ج ۹ ص ۳۰۳)

”لیکن آیت تخمیر کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مجرد تخمیر سے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے طلاق دینے ہی سے طلاق واقع ہو سکتی ہے، کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے، آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر رخصت کر دوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ازواج کے اس فیصلہ کے بعد (کہ وہ دنیا کی زینت کو ترجیح دیتی ہیں) انہیں رخصت کر دیا جائے۔ اور الفاظ کی دلالت مفہوم کی دلالت پر مقدم ہے“

لہذا تفویض طلاق کا جواز آیت تخمیر سے ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن نے طلاق کا اختیار مرد ہی کو دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

”الذی بیده مقدة النکاح (البقرة۔ ۷۳)“ ”مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے“

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی گرہ کھولنا یعنی طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہاں اس اندیشہ

کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ

” چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرے سے خالی نہیں “

(الحیلة الناجزة ص ۳۲)

اور اس خطرہ سے بچنے کی صورت یہ پیش کی گئی ہے کہ کاہن نامہ میں دس اشخاص کے نام پیش کئے جائیں جن میں کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ عورت کو مرد کی طرف سے شدید تکلیف پہنچ رہی ہے تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ مگر اس شرط کو عملاً پورا کرنا آسان نہیں ہے، اگر دو آدمی عورت کی بات کو صحیح تسلیم کر لیں اور تین آدمی اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کریں تو کیا صورت ہوگی۔ یہ دو آدمی صرف عورت کی بات سنیں گے یا مرد کی بھی۔ اگر صرف عورت کی بات سنیں گے تو یہ ایک طرف فیصلہ ہوگا اور اگر مرد کی بھی سنیں گے تو متضاد بیانات کی صورت میں گواہ وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر یہ مسئلہ دار القضاء کا بن جانا ہے۔ اور اس صورت میں یہ شرط بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہماری نگاہ اس پہلو پر بھی ہونی چاہئے کہ موجودہ دور میں جو مسلمان اسلام کے عائلی قوانین سے مطمئن نہیں ہیں اور ان میں ترمیم کے درپے ہیں یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر ایک کاہن نامہ تیار کیا جائے جس میں مرد عورت کو یہ پیشگی اختیار دے کہ فلاں اور فلاں صورت میں عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ تفویض طلاق کے اس حیلہ کو اختیار کر کے وہ مرد و زن میں مساوات کا اصول قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کی ہرگز تائید نہیں کی جا سکتی۔

نکاح کا موقع مرد اور عورت کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کا ہوتا ہے اور تعلقات ایسی صورت میں خوشگوار ہو سکتے ہیں جب کہ باہمی اعتماد کی فضا ہو۔ ایسے موقع پر ناچاقی اور طلاق کا تصور ہی مرد اور عورت دونوں کی نفسیات پر برا اثر ڈالنے والا ہے اور جب عورت کی طرف سے شرائط کی بات آئے گی تو مرد بھی اپنی شرطیں پیش کرے گا، اس طرح دونوں کے ذہن پر اس کے خراب اثرات پڑیں گے۔ دراصل کاہن نامہ کا تصور ہی باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا ہے اور ان مصلحہ سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا جو نکاح میں ملحوظ رکھے گئے ہیں

اگر متقدمین نے تفویض طلاق کی اجازت دی تھی تو اس کی حیثیت ایک فقہی جزئیہ کی تھی، جس سے اس وقت کے حالات میں کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر موجودہ حالات میں اس کی عام اجازت دینا، کسی طرح صحیح نہیں۔ اسلام میں عزل کی اجازت ایک جزئیہ کی حیثیت سے موجود ہے، تو کیا



اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ جیسے منصوبے بنانے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟۔ اگر نہیں، تو تقویض طلاق کے بارے میں بھی ایک فقہی جزیئہ کو کلیہ کی شکل دینے اور کابین نامہ میں اسے درج کرانے کی ترغیب لوگوں کو نہیں دی جاسکتی۔

## سوال ۱۔ طلاق کی صورت میں مہر میں زیادتی کی شرط

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے تو اس طرح مہر طے کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ طریقہ اس معروف طریقے کے خلاف ہے، جو قرآن و سنت سے ثابت ہے، اور جس پر صحابہ کرام عمل پیرا رہے ہیں۔ یہ گویا جرمانہ کی صورت ہے اور جرمانہ اس صورت میں تو صریح ظلم ہوگا، جب کہ مرد نے عورت کی زیادتیوں سے تنگ آکر اسے طلاق دی ہو۔ رہا ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام تو جب یہ اقدام غیر مشروع ہے تو بیک وقت تین طلاقوں کا واقع ہونا بھی غیر مشروع ہے، لہذا اس تکلف کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو مذکورہ صورت میں بیان کی گئی ہے۔

امام بخاری نے کتاب الشرائط میں باب باندھا ہے "الشروط فی المہر عند عقد النکاح" (نکاح کے وقت مہر میں شرطیں رکھنا) لیکن ان شرطوں سے مراد معروف شرطیں ہیں مثلاً یہ کہ مہر کس شکل میں ادا کیا جائے گا اور کب۔ نہ یہ کہ مہر میں کسی شرط کی بنا پر کمی و بیشی کی جائے گی۔

قرآن نے عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء۔ ۴) "عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے عطیہ کے طور پر

دو۔"

اور مہر میں جرمانہ کی صورت میں خوش دلی کے ساتھ عطیہ کے طور پر اسے دینے کی صبرت برقرار نہیں رہتی، اس لئے مہر میں زیادتی کی شرط صحیح نہیں۔

حنفی مسلک میں بھی امام زفر نے ان دونوں شرطوں کو فاسد کہا ہے جس میں عورت کا مہر اس کی سکونت کو برقرار رکھنے کی صورت میں ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار طے کر دیا گیا ہو۔

وقال زفر رحمه الله الشرطان جميعا فاسدان يكون لها مہر مثلها لا ينقص من الف ولا



”امام زفر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور عورت کو مہر مثل لے گا نہ ایک ہزار سے کم لے اور نہ دو ہزار سے زیادہ“

ہماری سوسائٹی میں طلاق کا جو بے جا استعمال ہو رہا ہے، اس کو روکنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تو صحیح نہ ہوگا، جس سے نفس طلاق پر قدغن عائد ہوتی ہو یا طلاق کو قطع نظر اس بات کے کہ ضروری تھی یا نہیں، جرم قرار دے کر شوہر پر جرم عائد کرتی ہو، البتہ اگر عدالت یا دارالقضاء عورت کے بیان سے مطمئن ہو کہ شوہر نے اس کو ناحق طلاق دی ہے تو اس پر مطلقہ کے لئے مکان مہیا کرنے یا ایک مدت تک مزید نفقہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کیونکہ موجودہ حالات میں کوئی مناسب تدبیر اختیار کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سوریہ (شام) کے قانون ازدواج سے مدد لی جاسکتی ہے جس میں طلاق تعسف کے بارے میں کہا گیا ہے۔

مادة ۱۱۷۰ اذا طلق الرجل زوجته و تبين للقاضي ان الزوج متعسف في مطلقها دون ما سب معقول و ان الزوجة سيصيبها بذلك بؤس و فاقة جاز للقاضي ان يحكم لها ملي مطلقها بحسب حالة ودرجة تعسفه بتمويض لا يتجاوز مبلغ نفقة ستة لا مثالها فوق نفقة المدة و للقاضي ان يجعل دفع هذا التمويض جملة او شهريا بحسب مقتضى الحال . (قانون الاحوال الشخصية ص ۳۷ . الجمهورية السورية)

”دفعہ ۱۱۷۰۔ اگر مرد بیوی کو طلاق دے اور قاضی پر واضح ہو جائے کہ شوہر نے کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق دی ہے جس میں وہ زیادتی کا مرتکب ہوا ہے اور جس کی وجہ سے بیوی کو تنگی اور فاقہ سے دوچار ہونا پڑے گا تو قاضی کے لئے جائز ہوگا کہ وہ حالت اور جس درجہ کی زیادتی ہوئی ہے، اس کی مناسبت سے عورت کو معاوضہ دینے کا شوہر کو حکم دے جو اس حیثیت کی عورتوں کے ایک سال کے نفقہ سے زیادہ نہ ہو علاوہ عدت کے نفقہ کے۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ حسب تقاضائے حال اس معاوضہ کو یک مشت یا ماہانہ ادا کرنے کا حکم دے۔“

شیخ عبد الوہاب خلاف فرماتے ہیں۔

”نصوص شرعیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بلا ضرورت طلاق دے تو شرعاً اس کی طلاق واقع ہوگی، لیکن وہ شخص گنہگار ہوگا اور اس کا گنہگار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے شایع کے دے ہوئے حق کا غلط استعمال کیا ہے۔ مشروع طریقہ پر اس کا استعمال اس نے نہیں کیا۔ اور جب اس کا گنہگار ہونا اس حق کے غلط استعمال کی دلیل ہے تو ہر طلاق دینے والا اپنے طلاق دینے کی بنا پر شرعاً گنہگار ہے، کیونکہ اس نے اس حق کا غلط

استعمال کیا۔ لہذا جب مطلقہ کو اس سے ضرر پہنچے تو اس ضرر کا معاوضہ دینا لازم ہے۔ البتہ اگر اس نے اس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر طلاق دی ہو، یا مطلقہ کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو تو پھر

معاوضہ دینا نہیں ہوگا۔ "الاحوال الشخصیۃ للدکتور احمد الغندور (۳۵۲)

اور مصر کی عدالت نے ایک مقدمہ میں جس میں عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ چونکہ اس کو مدرسہ کی ملازمت نکاح کی وجہ سے چھوڑنا پڑی اور شادی کو بھی تین مہینے گزرے تھے کہ شوہر نے طلاق دی جس کی وجہ سے اس کو کافی نقصان پہنچا ہے، یہ فیصلہ دیا کہ شوہر اپنی مطلقہ کو ایک ہزار گنی معاوضہ ادا کرے۔ (مکتبہ مذکورہ ص ۳۵۷)

### سوال ۲۔ دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں مہر میں اضافہ؟

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس عورت کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوگی یا نہیں؟

دونوں شرطیں شرعاً معتبر ہوں گی اور نہ واجب العمل، کیونکہ دوسرا نکاح کرنا ہر حال میں جرم نہیں ہے کہ شوہر اس کا جرم لازماً ادا کرے۔ قرآن نے دوسری بیوی کرنے کی مشروط اجازت دی ہے اور اگر شوہر اس شرط کو پورا کرتا ہے تو وہ اپنی پہلی بیوی کو جرم کیوں ادا کرے؟ مہر میں اس قسم کی شرطوں سے وہ مصلح فوت ہو جاتے ہیں جو سوال (۱) کے جواب میں اوپر بیان کئے گئے۔

### سوال ۳۔ عورت کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط

عورت اگر نکاح کے وقت یہ شرط پیش کرتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے اس ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

موجودہ دور میں ملت کے مصلح اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورتوں سے تعلیمی و طبی خدمات نیز دوسری ایسی خدمات جو عورتوں کے لئے مخصوص ہوں، عورتوں ہی سے لی جائیں، نیز انفرادی حالات بھی ایسے ہو سکتے ہیں کہ عورت ملازمت کرتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کوئی مناسب انتظام کر سکتی ہے۔

لہذا ملازمت کی شرط کو اگر شوہر نے قبول کر لیا ہے تو اس کی پابندی اس کے لئے ضروری ہے الا یہ کہ ملازمت میں شرعی حدود کا لحاظ نہ کیا جاسکے یا شوہر کو یا بچوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو وہ اپنا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر سکتی ہے اور قاضی مناسب حال حکم دے سکتا ہے۔

### کیا اشراط فی النکاح شریعت میں پسندیدہ ہے؟

نکاح میں شرطیں عائد کرنا، شرعاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے جس کی لوگوں کو ترغیب دی جائے، کیونکہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس شرط کو شوہر نے قبول کر لیا ہے، اس کو شوہر نباہ سکے گا، اور حالات اس میں مانع نہیں ہوں گے۔ اگر حالات مساعد نہیں ہوتے تو دونوں کے درمیان نزاع پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے امام مالک نے شرط کو مکروہ (ناپسندیدہ) کہا ہے۔

”والشروط ... بوجه عام .. مکروہۃ عند مالک رحمہ اللہ۔ وقد جاء منه انه نهى الناس ان

یتزوجوا بالشروط۔“ (الاحوال الشخصية للدكتور احمد الغندور ص ۷۹)

”شرطیں۔۔۔ بالعموم۔۔۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔ اور منقول ہے کہ وہ لوگوں کو شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے تھے۔“

موجودہ معاشرہ میں عورتوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہو رہا ہے جو اسلام انہیں دینا چاہتا ہے۔ ان کے حقوق بری طرح متاثر ہو رہے ہیں، خاندان کا جہاں قدیم ڈھانچہ ہے، وہاں عام طور سے انہیں گھٹن کی زندگی گزارنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور جہاں عورتیں مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی ہیں، وہاں وہ نہ شوہر کو خاطر میں لاتی ہیں اور نہ شرعی حدود کا لحاظ کرتی ہیں۔ لہذا معاشرہ میں عائلی زندگی سے متعلق جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کا حل اشراط فی النکاح یا کاہن نامہ نہیں ہے بلکہ ایسی تدابیر کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف ان میں اللہ کے حضور

جوابدہی کا احساس ابھارے، ان میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا شعور پیدا کرے، اور ناپاکی بالعموم جن وجوہ سے پیدا ہوتی ہے، ان سے بچنے کی صورتیں تجویز کرے، علاوہ ازیں قضائے شرعی کا ممکن حد تک انتظام

کیا جائے اور جن عورتوں کو ناحق طلاق (طلاق تعسف) دینے کی بناء پر ضرر پہنچ رہا ہو، ان کو ان کے شوہروں سے مناسب معاوضہ Compensation دلوانے کا عدالت اور قاضی کو اختیار دیا جائے، جس کے نئے ایکٹ بنانے کی سفارش کی جائے۔ اس قسم کی ٹھوس تدابیر اختیار کئے بغیر نہ معاشرتی اصلاح کا کام مؤثر طریقہ پر انجام پا سکتا ہے اور نہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔



## اشتراط فی النکاح

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی

نکاح - انسان کی ہر دو اصناف مرد و عورت کی فطری ضرورت ہے۔ اور شریعت اسلامی میں اس ضرورت کی تکمیل کو با معنی اور با مقصد بنانے کے لئے میاں بیوی پر کچھ ضابطے کی پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور دونوں کو ان کے حقوق و فرائض بتائے گئے ہیں جن کی ادائیگی سے طرفین کی تعلقات میں خوشگواہی اور استواری پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں نکاح صرف جنسی تسکین کے لئے مشروع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ نسل انسانی کی بقاء اور عفت و پاکدامنی کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اور مرد چونکہ عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی صنف ہے اور اس کے غلبہ سے صنف نازک کے حقوق متاثر ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لئے اس کو عورتوں سے کئی گنا زیادہ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، اور ان سے بطرز احسن عہدہ برآ ہونے کا پابند بنایا گیا ہے۔ ان ذمہ داریوں میں سے بعض شرعا "لازمی ذمہ داریاں" ہیں جو طرفین کی رضا مندی سے ساقط کرنے کے باوجود ساقط نہیں ہو سکتیں۔ اور بعض شرعا "غیر لازمی ذمہ داریاں" ہیں جن کا اسقاط طرفین کی رضا مندی سے معتبر ہو سکتا ہے۔ پہلی قسم کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کے لئے طرفین بوقت نکاح باہمی شرائط کی منظوری دیدیں تب بھی سبکدوشی نہیں ہو سکتی، بلکہ شرائط ہی کا عدم اور باطل ہوں گی۔

دوسری قسم کی ذمہ داریوں میں اضافہ اور اسقاط۔ اور باہمی شرائط کی منظوری شرعا معتبر ہوتی ہے اور یہ طرفین کا حق خود اختیاری مانا گیا ہے۔

## شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

دونوں قسم کی ذمہ داریوں سے متعلق کچھ شرائط اور احکام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) عقد نکاح سے شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ شرعاً واجب ہو جاتا ہے جب عورت شوہر کے حق زوجیت کی ادائیگی کے لئے اس کے زیر کنٹرول ہو۔ اس صورت میں بوقت نکاح اگر اسقاط نفقہ کی شرط شوہر عائد کرے۔ یا بیوی پابندی نفقہ کی شرط شوہر پر لگائے تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور نان و نفقہ کی ادائیگی ہر حال میں شوہر کے ذمہ لازم ہوگی۔

(۲) شوہر کا ایسی ذمہ داری سے گریز کرنا جو شرعاً اس پر عائد ہوتی ہے، مثلاً نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، بالکل باطل ہے، اور اگر بیوی نے اس کی منظوری بھی دیدی ہو تب بھی شوہر پر نفقہ زوجہ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔ اور نکاح ہر حال صحیح ہوگا۔ کیونکہ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة، حاشیة۔ ہدایة ج ۲ ص ۳۲۷

قاضی خاں لکھتے ہیں۔

رجل تزوج امرأة بالف صلی ان لا ینفق علیہا و مہر مثلہا ما تمکان لہا الالف و النفقة۔

کسی شخص نے عورت سے ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا بایں شرط کہ وہ عورت کا نفقہ نہیں دے گا، اور عورت کا مہر مثل ایک سو روپیہ ہو تب بھی عورت کو ایک ہزار روپیہ مہر اور نان و نفقہ ملے گا۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دو صورتوں کے ذیل میں نہ آتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا۔ وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ شرعاً ایک جائز شرط ہے۔ اور شرعاً "غیر لازمی ذمہ داری" کے تحت داخل ہے لیکن فریقین کی منظوری کے بعد باختیار خود لازم الایفاء شرط ہے۔ تاہم اگر شوہر اس قسم کی شرط پوری نہ کرے تو اس سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وفائے شرط کی صورت میں حسب شرط حکم لگایا جائے گا۔ لیکن اگر ایسی شرط پوری نہ کی گئی۔ تو اس جیسی عورت کے لئے جتنا مہر مناسب ہوتا ہو اتنا (مہر مثل) شوہر کے ذمہ لازم ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے

اذا تزوج امرأة و سمی لہا شینین احدہما مال و الآخر لیس بمال لکن لہا فیہ منفعة

کطلاق الضررة و ان لا یخرجہا من البلدة و نحو ذلک و لم یف بالشروط کان لہا مہر المثل۔

کسی شخص نے عورت سے نکاح دو ایسی چیزوں پر کیا جن میں سے ایک مال ہو اور دوسری چیز مال نہ ہو۔ لیکن اس میں عورت کا نفع ہو مثلاً یہ شرط کہ ہونے والا شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے۔ یا یہ شرط کہ شوہر اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یا اس جیسی کوئی اور شرط ہو تو اگر شوہر شرط پوری نہ کرے تو اسے ررت کو مہر مش دینا ہوگا۔

(۳) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے۔ تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی حقدار ہوگی۔ اور یہ صورت "تفویض طلاق" کے ذیل میں آئے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شوہر اپنے حق طلاق کو عورت کے حوالے کر دے اور اسے طلاق دینے یا نہ دینے میں باختیار اور مالک بنا دے۔

## کیا تفویض طلاق واپس لی جاسکتی ہے ؟

تفویض طلاق چونکہ تملیک کی ایک قسم ہے توکیل نہیں ہے اس لئے شرط کی منظوری کے بعد شوہر کو تفویض طلاق ختم کرنے یا واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا  
حضرت مولانا احسن نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

**ولا یصح رجوع الزوج من التفویض لانه تملیک لا توکیل**

شوہر کا تفویض طلاق کو واپس لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تفویض تملیک (مالک بنادینا) ہے۔ توکیل (نمائندہ یا نائب بنانے) کے معنی میں نہیں۔ (کنز الدقائق ص ۱۷۲)

مولانا نانوتوی "کنز الدقائق" کے متن "ولا یملک الرجوع" کی تشریح کرتے ہوئے مزید وضاحت فرماتے ہیں:

**ای لا یملک الزوج الرجوع من التفویض بانواعه الثلاثة سوا ما کان بلفظ التخییر۔ او الامر بالید۔ او طلق نفسک۔ لان فیہ معنی التعلیق۔ و باعتبار التملیک تقید بالمجلس و باعتبار التعلیق لم یصح الرجوع منه۔ ولا مز لها ولا نهیها۔ لان التعلیق تصرف لازم فلا یصح الرجوع**  
(کنوز الحقائق حاشیة کنز الدقائق ص ۱۷۲)

شوہر تفویض طلاق سے رجوع کرنے کا مالک نہیں ہو سکتا۔ خواہ یہ تفویض کے تینوں الفاظ میں سے کسی ایک کے ذریعہ واقع ہو جیسے (۱) تجھے اختیار ہے (۲) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے (۳) خود کو طلاق دے لے، اس لئے کہ تفویض میں تعلیق کے معنی بھی موجود ہیں (یعنی شوہر۔ عورت کے اختیار پر طلاق کو معلق کرتا ہے) اور باعتبار

تملیک عورت کو طلاق دینے کا اختیار مجلس تک ہی محدود رہے گا۔ اور باعتبار تعلق اس تفویض سے رجوع صحیح نہیں۔ نیز عورت کو اس حق سے معزول کرنا اور روکنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تعلق تصرف لازم (حسب منشاء اختیار کا استعمال) ہے لہذا رجوع درست نہیں۔

## تفویض طلاق کی مدت

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عورت کا اختیار طلاق "تفویض مطلق" میں مجلس تفویض تک ہی محدود رہے گا۔ اور تبدیلی مجلس یا تبدیلی مجلس پر دلالت کرنے والے افعال سے یہ اختیار باقی نہ رہے گا۔ البتہ "تفویض موقت" میں اختیار طلاق وقت مقرر تک حسب شرط باقی رہے گا۔

## شرائط کب معتبر ہوں گی۔

رہی یہ بات کہ نکاح بشرط تفویض طلاق۔ یا دیگر شرائط متعلقہ بالنکاح کس وقت معتبر ہوں گی؟ اس کی ممکنہ تین صورتیں ہیں۔

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور طرفین منظوری دیدیں یا اس تحریر پر دستخط کر دیں۔

۲۔ عقد نکاح میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو۔ قبول مشروط ہو۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین میں کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے اور اس پر دستخط کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرائط کی نوعیت کے اعتبار سے ان کے احکام میں فرق ہوگا۔

(الف) جن شرائط میں عورت کا نفع ہو اور وہ فعل زوج سے متعلق ہوں، تو وہ مذکورہ تینوں صورتوں میں معتبر ہوں گی۔ جیسے شریا آبائی وطن سے عورت کو باہر نہ جانے کی شرط۔

(ب) ایسی شرائط جو لازمی ذمہ داری سے گریز کے ہم معنی ہوں۔ جیسے عدم نفقہ، یا عدم مہر، یا عدم میراث کی شرطیں۔ تو یہ تینوں صورتوں میں باطل ہوں گی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان اشترط مائة شرط۔ و شرط اللہ

احق و اوفق البخاری ص ۲۸۹ ج ۱)

جو شخص ایسی شرط لگائے گا جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ ایک سو شرطیں لگائے۔ اور اللہ کی



شرط کو پورا کرنا زیادہ ضروری اور مناسب ہے ۔

(ج) ایسی شرائط جو ملک نکاح کے ثبوت پر موقوف ہوں ۔ اور تقاضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں ۔ جیسے طلاق ۔ یا تفویض طلاق کی شرط ۔ تو اس کا اعتبار صرف بعد النکاح ہو سکتا ہے ۔ قبل النکاح یا بوقت نکاح ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی ۔ خواہ ایجاب مشروط ہو اور قبول مطلق ہو ، یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو ۔ لیکن اس معاملہ کی ایک صورت ایسی ہے جس سے بظاہر ایسی شرط کا قبل النکاح معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے ، حالانکہ درحقیقت یہ بعد النکاح ہی معتبر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عند النکاح عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو اور شوہر ۔ قبول نکاح کرتے ہوئے اس شرط کو منظور کرے ، تو یہ شرط بھی اس لئے معتبر ہوگی کہ اس کی منظوری فی الواقع بعد النکاح ہو رہی ہے ۔

”فتاویٰ قاضی خاں“ میں فصل فی النکاح علی الشرط کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح نقل کی گئی ہے۔

رجل تزوج امرأة على انها طالق او على ان امرها في الطلاق بيدها ذكر محمد في الجامع انه يجوز النكاح . و الطلاق باطل و لا يكون الامر بيدها و ذكر في الفتاوى من الحسن بن زياد اذا تزوج امرأة على انها طالق الى مشرة ايام او على ان يكون الامر بيدها بعد مشرة ايام ان النكاح جائز و الطلاق باطل . و لا تملك امرها .

وقال الفقيه ابو الليث هذا اذا بدأ الزوج فقال تزوجتك على انت طالق . و ان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على اني طالق او على ان يكون الامر بيدي . اطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح و يقع الطلاق و يكون الامر بيدها لان البداية اذا كان من الزوج كان الطلاق و التفويض .

قبل النكاح فلا يصح . و اما اذا كانت البداية من قبل امرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت و الجواب يتضمن اعادة مافى السؤال فصار كأنه قال قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيديك فيصير مفوضا بعد النكاح فتاوى قاضی خاں ج ۱ ص ۱۵۵

ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو طلاق ہے ، یا اس شرط پر کیا کہ طلاق کے بارے میں طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا ، تو امام محمد نے جامع میں فرمایا کہ نکاح تو جائز ہو جائے گا ، لیکن طلاق باطل ہوگی اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہیں رہے گا ۔

اور فتاویٰ میں حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ جب کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ دس دن کے اندر اس کو طلاق ہے یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو دس دنوں کے بعد طلاق دینے کا اختیار ہے۔ تو نکاح جائز ہے اور طلاق باطل ہے اور عورت طلاق دینے کے اختیار کی مالک نہیں ہوگی۔

اور فقیہ ابو اللیث نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب شوہر نے شرط کی شروعات کی ہو اور یوں کہا ہو کہ میں نے تجھ سے نکاح اس شرط پر کیا کہ تجھے طلاق ہے۔۔۔ اور اگر عورت نے اپنی طرف سے شرط کی ابتدا کی ہو اور یوں کہا ہو کہ "میں نے اپنا نکاح تجھ سے کر دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے" یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں جب چاہوں خود کو طلاق دے ڈالوں" اور شوہر نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہے اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب شرط کی ابتدا شوہر کی طرف سے ہو تو طلاق اور اختیار طلاق کی سپردگی دونوں قبل النکاح ہوتی۔ لہذا طلاق اور تفویض کی شرط صحیح نہیں ہوتی۔

مگر جب شرط کی ابتدا عورت کی جانب سے ہو تو تفویض بعد النکاح ہوگی (بنابریں تفویض صحیح ہوتی) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جواب میں سوال میں مذکور چیز کا اعادہ شامل ہوتا ہے۔ تو گویا یہ کلام ایسا ہو گیا جیسے شوہر نے کہا ہو کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے۔ یا طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں نکاح کی منظوری پہلے ہوتی اور شوہر اختیار طلاق کو عورت کے سپرد کرنے والا بعد النکاح قرار پایا۔"

### تفویض طلاق اور احتیاطی قیود

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ شوہر کو قبل النکاح یا بوقت نکاح تفویض طلاق کا حق حاصل نہیں ہے وہ بعد النکاح ہی اپنی حق طلاق عورت کو سونپ سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں بھی عورت کی ذات سے سخت اندیشہ ہے کہ مصلح شرعیہ ضائع ہو جائیں، کیونکہ عورت فطری طور پر جذباتی ہوتی ہے اور طلاق کا اختیار حاصل کرنے کے بعد ذرا سی بات پر وہ رشتہ نکاح کو توڑ سکتی ہے، جیسا کہ یورپ کی عورتوں میں جنہیں قانوناً حق طلاق حاصل ہے۔ ۶۰ فیصد عورتوں کا شادی کے تین چار مہینوں کے بعد ہی شوہر سے طمطمندی اختیار کر لینے کا رواج عام ہے اور اس سے ۳۸ فیصد بچوں میں ماں باپ کی مشترکہ شفقت و تربیت سے محرومی کے سبب خطرناک جرائم کے ارتکاب کا رجحان اور معاشی تسکلی اور اخلاقی مسائل کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ

تقویض طلاق کے دروازہ کو بند کر دیا جائے اور تقویض طلاق کے ساتھ احتیاطی قیود کے اضائف کی کوئی راہ نہ ڈھونڈی جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ احتیاطی قیود کے بطن سے ایسی مضرتیں پھوٹ پڑیں جو مصلح نکاح کو ضائع کر دیں اور سد : ب مشکل ہو جائے۔

### مقدار مہر میں اضافہ کی شرط

رہ گیا یہ مسئلہ کہ شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت نکاح مہر کی تعیین مشروط طریقے پر کی جائے۔ مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر تمام عمر طلاق نہ دے تو مہر پانچ ہزار اور اگر طلاق دے تو پندرہ ہزار تو یہ صورت میری نظر میں شرط باطل کی قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس شرط کا مقصد شوہر کا طلاق دینے سے اختیار شرعی سے روکنا ہے جو منصوص طور پر اس کو حاصل ہے، لہذا ایسی شرط من اشترطت شرطا لیس فی کتاب اللہ نہ ہو باطل کے ذیل میں آتی ہے جو باطل اور غیر معتبر ہے، لہذا بصورت طلاق پندرہ ہزار کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی، بلکہ مہر مثل دینا ہوگا اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ فریقین کے درمیان مزاج کی ناہمواری یا خود شوہر یا بیوی کی کسی ناقابل برداشت حرکت کے سبب طلاق ناگزیر ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں شوہر پر بطور مہر بڑی رقم کی ادائیگی کی شرط لگانا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

### دو مشروط مقدار مہر

رہ گئی اشراط فی النکاح کی یہ صورت کہ شوہر نے بوقت عقد نکاح دو مہروں کا ذکر کیا اور دونوں کو کسی اور شرط پر معلق کیا، مثلاً اس نے کہا، میری کوئی دوسری بیوی نہ ہو تو ایک ہزار روپیہ مہر اور اگر کوئی اور بیوی ہو تو دو ہزار مہر یا یوں کہا کہ اس کو وطن سے نہ نکالے تو ایک ہزار اور نکالے تو دو ہزار تو اس مسئلہ میں اگرچہ بعض نے دونوں شرطوں کو جائز رکھا ہے، اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دیا ہے، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط ثانی جائز نہیں ہے پس یہ شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل دینا ہوگا، کیونکہ شرط معلق کا وجود بوقت عقد نا معلوم اور محمول ہے اور امام زفر کے یہاں دونوں شرطیں ناجائز ہیں، کیونکہ ملک بضع کے بالمقابل دو بدلوں کا ذکر علی سبیل البدلیہ کیا گیا ہے، لہذا دونوں نا معلوم اور محمول ہونگے پس مہر مثل لازم ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ اس شکل میں مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں، اور امام مالک ان شرطوں پر سرے سے نکاح کو ہی فاسد کہتے ہیں اور حنابلہ بھی شرط پوری نہ کرنے پر فساد نکاح کا حکم لگاتے ہیں، (کذا فی کنوز المتقن ص ۱۰۵) اور اسی جیسی دوسری شرط، مثلاً اگر



عورت بد صورت ہو تو ایک ہزار مہر اور خوبصورت ہو تو دو ہزار مہر کی صورت میں اگرچہ دونوں شرطوں کے جواز کو بلا خلاف نقل کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہی ان کے اصولوں کے مطابق صحیح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ قاضی خاں ص ۱۵۵ ج ۱ زیلی اور صاحب نہر الفائق کے کلام سے ظاہر ہے اور علامہ شامی نے بھی یہ تفصیلات ذکر کی ہے (رد المحتار ص ۳۲۸ ج ۲) اور ابن الہمام نے تو بالکل صاف صاف یہ فرمایا ہے کہ - و الاولی ان تجعل مسئلة القبیحة و الجمیلة علی الخلاف فقد نص فی نوادر ابن سمامة من محمد علی الخلاف فیہما افتح القدیر ص ۲۶۰ ج ۲) اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ خوبصورتی و بدصورتی والے مسئلہ میں صاحبین اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اختلاف کو ثابت مانا جائے۔ کیونکہ نوادر ابن سمامہ میں امام محمد سے اس مسئلہ میں اختلاف صراحتاً منقول ہے۔

اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب کے قول کے خلاف اصحاب فتاویٰ نے کوئی فتویٰ صادر نہیں کیا۔ لہذا ترجیح انہیں کے قول کو حاصل ہوگی۔ اور اس مختلف فیہ مسئلہ کو مندرجہ ذیل مسئلہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جائے گا۔

### طلاق اور عدم طلاق کی شرط پر مخصوص مہر

بوقت عقد نکاح یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر عورت کو طلاق دے تو مہر بیس ہزار روپیہ اور شوہر طلاق نہ دے تو دس ہزار روپیہ اور شرط کو جائز قرار دینا اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دینا نہایت ہی مشکل ہے، پھر یہ مسئلہ چونکہ دونوں تسمیہ کو طلاق اور عدم طلاق پر معلق کرنے کی شرط سے تعلق رکھتا ہے جب کہ شرعاً شوہر کو طلاق دینے یا نہ دینے کا حق برابر درجہ میں حاصل ہے، لہذا بڑی رقم کے دباؤ سے اس کو اس حق سے دست بردار کرنے کے لئے ایسی شرط لگانا میرے نزدیک شرط باطل ہے، لہذا شوہر طلاق دیدے تو مہر مثل لازم ہوگا نہ کہ مشروط رقم برخلاف مذکورہ بالا صورت مسئلہ کے کہ اس میں شرط کا تعلق عورت کی منفعت اور شوہر کے حسن و معاشرت سے ہے اور اس میں شوہر کے کسی شرمی حق کو متاثر نہیں کیا گیا ہے پھر بھی اس میں امام اعظم کے نزدیک عدم وفائے شرط کی صورت میں مہر مثل لازم ہے تو زیر بحث مسئلہ میں جب اس کا حق متاثر ہوتا ہے بدرجہ اولیٰ مہر مثل لازم ہوگا۔

### طلاق کے بیجا استعمال پر پابندی کی صورتیں

میں سمجھتا ہوں کہ اگر شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت عقد نکاح کسی ایسے معاہدہ کا



پابند کیا جائے جس کے مطابق وہ عورت کو جلد بلاقصور طلاق دیدے، تو بطور متعہ ایک خطیر رقم کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم قرار دی گئی ہو تو یہ صورت غالباً اذوق بالقرآن بھی ہوگی جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

و للمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین

اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے اگرچہ حسب تصریحات فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب درجہ میں ہے تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشاد نبوی کے عین موافق ہوگا۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج افتح القدير ج ۲ ص ۲۵۹

شرطوں کا حق ہے کہ ان کو پورا کرو جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہ کو حلال بنایا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ بلاقصور عورت کو طلاق دینے پر شوہر کے لئے کوئی تادیبی سزا مقرر کی جائے، جیسا کہ حضرت عمر تین طلاق بیک وقت دینے والے پر درے لگایا کرتے تھے، اگرچہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر تادیبی سزا پر عمل کسی آزاد ادارہ یا اصطلاحی انجمنوں کے لئے سخت مشکل ہے، لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے دو طلاق دینے پر قانوناً ایک سال یا تھے مہینے قید یا مشقت کی سزا دلانے کی سفارش حکومت ہند سے کی جاسکتی ہے۔

### نکاح ثانی کرنے اور نہ کرنے پر کم و بیش مہر کی شرط

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

تو اس مسئلہ میں بھی "نکاح کیا تو تیس ہزار" والی شرط غیر معتبر اور غیر لازم العمل ہے اگر شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا تب بھی اس پر مہر مثل ہی لازم ہوگا، کیونکہ اصحاب فتاویٰ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور یہ چونکہ مسئلہ بھی مذکورہ بالا مسئلہ کی نظیر ہے، لہذا یہ بھی مابین الامام و الصحابین مختلف فیہ رہے گا اور امام صاحب کے ہی قول پر فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں ارباب فتاویٰ نے دیا ہے۔

### نکاح بشرط ملازمت

اگر نکاح کے وقت عورت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اس کو کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور

شوہر اس شرط کو قبول کرتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ عورت شادی کے بعد بحق شوہر محبوس ہوتی ہے، اور قرآن حکیم کے مطابق شوہر حاکم اور بیوی محکوم ہے، لہذا شرط منظور کرنے کے باوجود شوہر اپنی بیوی کو گلی ملازمت سے دست بردار کرنے کا حق دار ہے، اور نئی ملازمت کے کرنے سے روک سکتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ شرعاً واجب ہے تو بیوی کو ملازمت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر آجکل کے دور فتنہ میں جبکہ ملازمت دینے والے اداروں میں بے پردگی اور جاہلی فیشن عام ہے اور ملازم مرد و عورت کا اختلاط ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے، عورت خود بے پردہ نہ ہو تو نیکر دھاری بے پردہ مردوں کا سامنا تو بہر حال کرنا ہی پڑتا ہے، ان اداروں کا ایسا ہی حال ہے کہ جیسے فقہاء متقدمین کے زمانے میں حمام کا حال تھا جسے پبلک باتھ روم کہنا چاہئے اور ان حماموں میں بلا اجازت شوہر عورت کے آنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

لکن انما یباح اذا لم یکن فیہ انسان مکشوف المورۃ و علی ذالک فلا خلاف فی منہن من

دخولہ للعلم بان کثیرا منہن مکشوفۃ المورۃ افتح القدیر ص ۳۳۶ ج ۷

حماموں میں عورتوں کا جانا اس وقت مباح ہے جب اس میں کوئی آدمی بے پردہ نہ ہو، اور اس بناء پر عورتوں کو ان میں جانے سے روکنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ پتہ ہے کہ اکثر عورتیں وہاں بے پردہ ہوتی ہیں جو خود عورتوں کو ملازمت پر جانے کے لئے شرعی طور پر اس بات کی پابندی کرنی ہوگی کہ وہ زیب و زینت ترک کر کے ایسے لباس و پوشاک میں جائیں جو مردوں کے لئے جاذب نظر نہ ہو۔

انما یباح بشرط عدم الزینۃ و تغییر الهيئة الی ما لا یكون داصیۃ الی نظر الرجال

والاستعمال له قال اللہ تعالیٰ و لا تبرجن تبرج الجاهلیۃ الاولی افتح القدیر ص ۳۳۶ ج ۷

اور رسوم جاہلیت سے مزاج آشنا ادارے اس کو برداشت نہیں کر سکتے، اس لئے ترک ملازمت ہی مناسب ہے، البتہ اگر کسی گرل اسکول میں ملازمت ہو جہاں سارا نظام عورتوں کے ہاتھ میں ہو یا کوئی مدرسہ البنات ہو، جہاں مردوں کے داخلہ پر پابندی ہو اور آنے جانے میں بے پردگی کے فتنے سے بچاؤ کا اہتمام ہو، تو ایسی صورت میں قبول شرط کے بعد شوہر کو ملازمت سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

اس کی تائید فتاویٰ دارالعلوم سے بھی ہوتی ہے۔

سوال۔ ایک عورت اس شرط پر نکاح کرنا چاہتی ہے کہ تین ماہ تک پردہ نہ کروں گی۔

جواب۔ نکاح کرنا جائز ہے عورت کی اس شرط پر کہ تین ماہ پردہ نہ کروں گی عمل نہ کیا جائے بعد نکاح کے وہ

عورت شوہر کی محکوم ہو جائے گی اس کا کچھ اختیار نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۷ ص ۷۷۰)

## اشتراط فی النکاح

مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی

عقد نکاح جائز تعلق استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے شریعت کا مقصد جہاں افزائش نسل ہے، وہیں یہ بھی ہے کہ دونوں شیر و شکر ہو کر باہم زندگی گزاریں۔ الفت و محبت کی روح پرور فضا میں سانس لیں، دونوں ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان تصور کریں، لیکن بسا اوقات اس مقصد کو بروئے کار لانے میں بعض اشیاء رخنہ انداز ہوتی ہیں۔ جنہیں پلٹنے کے لئے کچھ شرطیں لگانی جاتی ہیں۔ اب جائزہ یہ لینا ہے کہ عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطیں کس حد تک شریعت کی نگاہ میں معتبر ہیں اور کس حد تک نہیں؟

اس طرح کی شرطیں مجموعی اعتبار سے چار طرح کی ہیں۔ (۱) مقتضیات عقد میں سے کسی کو مشروط کرنا (۲) مقصد نکاح سے گریز کی شرط لگانا (۳) ایسی شرط لگانا جو نکاح میں لازم نہیں ہے۔ (۴) ایسی شرط لگانا کہ جس سے عقد نکاح ہی باطل ہو جائے۔

### تقاضاء عقد کے مطابق شرط

عقد نکاح میں ایسی شرط کا ذکر کرنا جس کی وجہ سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ عقد نکاح کا تقاضاء ہے کہ اسے بروئے کار لایا جائے۔ اس طرح کی شرطوں کو پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے، المجموع

شرح المہذب ۱۲-۳۳۷ و المدونۃ الکبریٰ ۷-۱۵۰

القواعد النورانیۃ الفقہیۃ۔ ص ۱۲۱۲ میں ہے۔

قال ابن التیمیة فاما اذا اشترط ما يقصد بالعقد لم ينافي مقصوده. هذا القول هو الصحيح

بدلالة السنة و الكتاب و الاجماع و الاختيار مع الاستصحاب و عدم الدليل المنافی -

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: عقد میں مقصد نکاح کو مشروط کرنا درست ہے۔ اس کی صحت پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع دال ہیں۔ استصحاب حال کا بھی یہی تقاضا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی منافی دلیل بھی نہیں ہے۔

جیسے شب و روز میں وطی کرنے کی شرط، شوہر عورت کے نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام کرے گا۔ ہر چھ مہینے گزرنے پر ایک جوڑا پیرہن تن مہیا کرے گا۔ موسم سرما میں گرم کپڑے دے گا، وغیرہ (المجموع شرح المہذب ۱۷، ۳۳۷، الدر المختار ۱، ۲۸۵، ۲۸۰)۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شرطوں کو پورا کرنے کی تلقین فرمائی، جن کی وجہ سے اجنبی عورت سے استمتاع حلال ہو جاتا ہے۔

من عقبہ بن عامر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال: احق الشروط ان یوفی بہ ما استحللتم بہ الفروج، البخاری، باب الشروط فی النکاح ج ۲ ص ۷۷۲۔ مسلم باب الوفاء بالشروط فی النکاح ج ۱ ص ۲۵۵ الترمذی باب ما جاء فی الشروط مند مقدة النکاح ج ۱ ص ۲۱۲۔ النسائی باب الشروط فی النکاح ج ۲ ص ۷۸۔ ابن ماجہ "باب الشروط فی النکاح ج ۱ ص ۱۲۰۔ واللغة لمسلم و النسائی و ابن ماجہ"

حضرت عقبہ بن عامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا "سب سے زیادہ جو شرطیں قابل ایفاء ہیں وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہ حلال ہو جاتی ہے۔ علامہ کاسانی ایفاء شرط کے وجوب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولان ذالك هو الواجب عليه بنفس العقد سواء شرطه اولا ارد المحتار و باب الشهادات ا  
اس لئے کہ یہ تو اس پر محض عقد ہی کی بنیاد پر واجب ہے، خواہ وہ عقد میں مشروط ہو یا نہ ہو۔

## مقصد نکاح سے گریز کی شرط

نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا خورد و نوش، یا لباس و پوشاک یا مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ یہ شرط لگانے کے دونوں میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا، یا مرد یہ شرط لگانے کے ہفتہ میں صرف ایک



رات، یا دن میں رات میں نہیں، یا جمعہ کے روز صرف رات میں شب بائیں کرے گا، یا عورت یہ شرط لگانے کے وہ اس سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کرے گا، یا اگر کرے تو عزل کا پابند ہوگا، یا یہ شرط لگانے کے وہ اس کی سوکن کو طلاق دیدے گا۔

اس طرح کی تمام شرطیں باطل ہیں، اور عقد نکاح درست ہے، یہ احناف اور حنابلہ کا مذہب ہے، اسی کے قائل اسحاق، ابو ثور اور طبری ہیں (الخصانیة بهامش الهندية ج ۳ ص ۲۳۱۔ المبسوط ج ۵ ص ۹۵۔ رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۱۔ مطلب فی النکاح الفاسد۔ المظنی ج ۷ ص ۷۲۔ بدایة المجتہد ج ۲ ص

۱۵۷

کیونکہ فاسد شرائط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے، لان النکاح لا يبطل بالشروط الفاسدة۔

المبسوط ج ۵ ص ۹۵۔ الهدایة ج ۱ ص ۳۳۱۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۱۰۔ المظنی ج ۷ ص ۷۲۔

ثلاث جد من جد۔ و هزلهن جد۔ النکاح و الطلاق و الرجعة ارواه الترمذی عن ابی هريرة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال، هذا حدیث حسن ضریب۔ باب ما جاء فی الجحد و الهزل فی الطلاق ج ۱ ص ۲۷۵)

تین چیزیں ایسی ہیں جن کا نفاذ بہر صورت عمل میں آجاتا ہے، خواہ سنجیدگی کی حالت میں ہو یا مزاح و مذاق کی صورت میں، وہ یہ ہیں، نکاح، طلاق، رجعت۔

شواہد قدرے تفصیل کرتے ہیں، کہ اگر فاسد شرط سے مقصد نکاح فوت نہ ہوتا ہو، تو شرط باطل اور عقد صحیح ہے جیسے کہ عورت یہ شرط لگانے کے اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، یا مرد شرط لگانے کے نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اور اگر ایسی شرط ہو جس سے مقصد نکاح متاثر ہو رہا ہو، یا سرے سے فوت ہو رہا ہو، مثلاً عقد نکاح کے وقت عورت یہ کہے کہ وہ اس سے وطن نہیں کرے گا۔ یا رات میں ازدواجی تعلق قائم کرے گا، ایسی صورت میں عقد نکاح بھی باطل ہو جائے گا (المجموع شرح المہذب ج ۱۷ ص ۳۳۷)

مالکیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے اور مرد کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وطن سے پہلے نکاح فسخ کر دے اور اگر اس نے دخول کر لیا تو عقد لازم ہو گیا اور شرط باطل (الفقہ السلاسی و ادلہ ج ۷

ص ۵۲ بحوالہ القوانین الفقہیة ص ۲۱۸۔ ۲۲۰ شرح الصغیر ج ۲ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۵۹۵)

### اضافی شرط لگانا

نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کے تنسیخ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے، جو

غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح بالاتفاق درست ہے، اختلاف ایفاء شرط لازم ہونے اور نہ ہونے میں ہے، حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد کے ذمہ شرط پورا کرنا واجب نہیں ہے (اسی کے قائل امام زہری، قتادہ، ہشام بن عروہ، لیث، ثوری اور ابن منذر ہیں) المجموع شرح المہذب ج ۱۲ ص ۳۳۷۔ تحفة الفقہاء ج ۱ ص ۱۳۵۔ التاتار خانیۃ ج ۳ ص ۱۰۰ المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۱۔ المغنی ج ۷ ص ۱۷۱)۔

البتہ مالکیہ ایک شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس شرط کے ساتھ یمین طلاق یا عتق شامل نہ ہو، ورنہ شوہر کے ذمہ ایفاء شرط ضروری ہوگا۔ المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۱، اس کے برخلاف حنابلہ کے نزدیک مطلق شرط پورا کرنا شوہر کے ذمہ ضروری ہے اور اگر شوہر مشروط کو بروئے کار نہیں لاتا ہے یا شرط کے خلاف عمل کرتا ہے، تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (المغنی ج ۷ ص ۱۷۱، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۹۔ القواعد النورانیۃ الفقہیۃ ص ۲۱۲)۔

علامہ ابن قدامہ رقم فرماتے ہیں:

ما یلزم الوفاء بہ ہو ما یعود الیہا نفعہ و فائدتہ مثل ان یشترط لہا ان لا ینخرجہا من دارہا فہذا یلزم الوفاء لہا بہ فان لم یفعل فلہا فسخ النکاح (المغنی ج ۷ ص ۱۷۱)۔

واجب الایفاء شرط اسے کہتے ہیں، جس کا فائدہ عورت کو پہنچے، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو مرد اپنے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہ لے جائے گا۔ تو شوہر کے ذمہ ایسی شرط کو بروئے کار لانا ضروری ہے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عمرو بن العاص سے مروی ہے، یہی قول حضرت شریح عمر بن عبد العزیز جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی اور اسحاق کا بھی ہے۔ (المغنی ج ۷ ص ۱۷۱۔ بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۹۵۔ القواعد النورانیۃ الفقہیۃ ص ۲۱۲۔ ۲۲۹)۔

قائلین کی دلیلیں

حنابلہ اور دیگر علماء جو واجب الایفاء کے قائل ہیں، ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱- یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (المائدہ-۱)

اسی طرح وہ تمام آیتیں اور احادیث استدلال میں پیش کرتے ہیں، جو ایفاء عہد پر دلالت کرتی ہیں۔ (دیکھئے القواعد النورانیۃ الفقہیۃ ص ۲۱۲-۲۱۹)

۲- من عقبہ بن صامران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: احق الشروط ان یوفی بہ

ما استحللتم بہ الفروج (مسلم "باب الوفاء بالشروط فی النکاح" ج ۱ ص ۲۵۵)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شرطیں سب سے زیادہ قابل ایفاء ہیں وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہیں حلال ہو جاتی ہیں۔

۳- المسلمون علی شروطہم (البیہقی کتاب الوقف باب الصدقۃ علی ما شرط الواقف

الخ "ج ۲ ص ۱۲۶)

مسلمان اپنے شرطوں پر قائم رہتا ہے

۲- روی عبد الرزاق من عبد الرحمان بن ضنم قال: شہدت عمر بن الخطاب و اختصم

لیہ فی امرأة شرط لها زوجہا ان لا ینخرجہا من دارہا فقال عمر لها شرطہا "المصنف

لعبد الرزاق "باب الشرط فی النکاح" ج ۲ ص ۲۲۷)

امام عبد الرزاق نے عبد الرحمان بن ضنم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس موجود تھا، ان کے پاس ایک عورت کے متعلق مقدمہ آیا کہ اس کے شوہر نے (عقد نکاح کے وقت) شرط لگائی کہ اسے اس کے آبائی گھر سے باہر نہیں لے جائے گا، حضرت عمر نے فرمایا۔ عورت کے لئے سکونت شرط کے مطابق ہے۔

علامہ ابن قدامہ اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

۵- ولانہ شرط لها فیہ منفعة و مقصود لا یمنع المقصود من الزواج فکان لازما کما

لو شرطت ملیہ زیادة المہر او غیر نقد البلد (المضنی ج ۷ ص ۱۷۱)

اس وجہ سے کہ اس شرط میں عورت کا فائدہ ہے، مقصد نکاح کے لئے خارج بھی نہیں ہے، لہذا یہ شرط لازم ہوگی، جس طرح عورت مرد پر زیادتی مہر کی شرط لگائے، یا مرد جو سکے کے علاوہ مہر کو مشروط کرے۔

۶- شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ عقود، معاملات اور شروط میں اصل صحت ہے، لہذا شوہر کے ذمہ

عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہوگی۔

وہ رقم فرماتے ہیں:

و اذا كان جنس الوفاء و رماية العهد مأمورا به ، علم ان الاصل صحة العقود و الشروط اذ لا معنى للتصحيح الا ما ترتب عليه اثره - و حصل به مقصوده و مقصود العقد هو الوفاء به فاذا كان الشارع قد امر بمقصود المصنوع . دل على ان الاصل فيها الصحة و الاباحة  
(القواعد النورانية الفقهية ص ۲۱۹)

جب جنس وعدہ پورا کرنا اور ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل عقود و شروط کا صحیح ہونا ہے ، صحیح ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کا اثر ظاہر ہو ، اور مقصد پورا ہو ، اور عقد کا مقصد ایفاء شرط ہے ، کیونکہ شارع کا عہد و پیمانہ کے مقصد کو بروئے کار لانے کا حکم دینا ، دلیل اس بات کی ہے کہ اس میں اصل اباحت اور درستگی

## ہے۔ مائعین کی دلیلیں

شواہد ، احناف اور جو حضرات شرط کو پورا کرنا ضروری قرار نہیں دیتے ہیں ، ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط البیهقی من مائنة

كتاب الشركة " باب الشرط في الشركة و ضميرها " ج ۷ ص ۱۷۹

وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے ، گرچہ سو ہی شرطیں کیوں نہ ہو۔

اور مذکورہ شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے ، اس لئے یہ مقضائے عقد کے خلاف ہے ۔

۲۔ المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا المصدر السابق من

كثير بن عبد الله المزني من ابیه من جدہ ج ۷ ص ۱۷۹

مسلمان شرائط کے پابند ہیں ، مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال قرار دے ، یا حلال کو حرام بتائے ۔  
مذکورہ شرطیں حلال و مباح کو حرام قرار دیتی ہیں ، جیسے دوسری شادی کرنا ، بیوی کے ساتھ سفر کرنا ، تبیین

الحقائق ج ۲ ص ۱۲۹ ، حلال و مباح ہے ، لیکن مشروط کی صورت میں حرام ہو جاتے ہیں ۔

۳۔ وقد روى ابو بكر البزاز من محمد بن عبد الرحمن السلماني من ابیه من ابن عمر

قال . قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس على شروطهم ما وافق الحق . وهذه الاسانيد

وان كان واحد منها ضعيفا . فاجتماعها من يشد بعضها بعضا القواعد النورانية الفقهية ص



ابو بکر بزاز محمد بن عبد الرحمن سلمانی اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ اپنے ان شرائط کے پابند ہیں، جو حق کے موافق ہو، اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں بعض بعض کے لئے باعث تقویت ہے۔ ۲۔ اور چونکہ اس طرح کی شرطیں نہ مصلحت نکاح میں سے ہیں اور نہ مقاصد عقد اور اس کے مقتضیات میں سے ہیں

### دونوں فریقوں کے دلائل پر ایک نظر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں کے دلائل پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی جائے تاکہ صحیح نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔ سب سے پہلے مانعین کی دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل المعنی ج ۷۔ ص ۷۱ کی تاویل علامہ ابن قدامہ کرتے ہیں:

ای لیس فی حکم اللہ وشرعہ و هذا مشروع (حوالہ سابق)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت میں نہ ہو اور یہ مشروع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس سے واضح الفاظ میں تاویل کی ہے، وہ رقمطراز ہیں:

من اشترط امرا لیس فی حکم اللہ و لا فی کتابہ بواسطۃ فهو باطل۔ لانہ لا بد ان یکون

المشروط مما یباح فعلہ بدون الشرط۔ حتی یصح اشتراطہ و یجب بالشرط ... فاذا شرط

الرجل ان لا یسافر بزوجه۔ فهذا المشروط فی کتاب اللہ لان کتاب اللہ یشیع ان لا یسافر بها۔

فاذا شرط عدم السفر شرط مشروطا مباحا فی کتاب اللہ فمضمون الحدیث، ان المشروط

اذا لم یکن من الافعال المباحة او یقال۔ لیس فی کتاب اللہ ای لیس فی کتاب اللہ نغیہ القواعد

النورانیۃ الفقہیۃ ص ۲۲۹

کوئی شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ کے حکم میں اور اس کی کتاب میں راست یا بالواسطہ ذکر نہ ہو، تو وہ باطل

ہے، مشروط کے لئے ضروری ہے کہ وہ مباح کے قبیل سے ہو بغیر شرط کے، یہاں تک کہ اس کی شرط لگانا صحیح

ہو اور لازم ہو جائے۔ جب یہ شرط لگائی جائے کہ مرد اپنی بیوی کے ہمراہ سفر نہیں کرے گا، یہ شرط کتاب اللہ میں

موجود ہے، کیونکہ کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے ہمراہ سفر نہ کرنا جائز ہے، لہذا جب یہ شرط لگائی کہ

شوہر اسے سفر میں نہ لے جائے گا، تو یہ مشروط مباح ہے اور کتاب اللہ میں موجود ہے، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ

جب مشروط مباح افعال میں سے نہ ہو، یا یہ کہا جائے کہ "لیس فی کتاب اللہ" یعنی اللہ کی کتاب میں اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔

علامہ ابن تیمیہ کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں حرام کردہ اشیاء کی نفی ہے کہ ان میں سے مشروط نہ ہو جیسے خنزیر وغیرہ، لہذا جو مباح چیزیں ہیں ان کی نفی حدیث میں نہیں ہے، پس جب مباح مشروط ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ یہ کہنا کہ یہ شرط حلال کو حرام کرتی ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت آتی ہے، اور اس کے اتمام سے روکا گیا ہے؟ اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مذکورہ تصریحات سے مل جاتا ہے۔  
نیز علامہ ابن قدامہ نے ان الفاظ میں جواب تحریر فرمایا ہے:

وقولهم - ان هذا یحرم الحلال قلنا - لا یحرم حلالا و انما یثبت للمرأة خیار الفسخ ان لم

یف لها به (المغنی ج ۲ ص ۱۷۱)

ان کا یہ قول کہ یہ حلال کو حرام قرار دیتی ہے، ہم کہیں گے کہ حلال کو حرام نہیں کر رہی ہے، پس عورت کو فسخ نکاح کا خیار حاصل ہوگا، اگر شوہر اس شرط کو بجا نہیں لاتا ہے۔

۴۔ یہ کہنا کہ یہ شرط مصلحت نکاح کے مغاثر ہے، ہمیں تسلیم نہیں ہے، بلکہ یہ شرط عائد کرنا عقد نکاح کے مطابق ہے، اس کے مقصد و مصلحت کے مغاثر نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ کے الفاظ میں:

قلنا لا نسلم ذالک فانه مصلحة المرأة و ماکان من مصلحة العاقد کان من مصلحة مقده

و شرط غیر نقد البلد (حوالہ سابق)

ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اس میں عورت کی مصلحت شامل ہے اور جو عاقدین کی مصلحت میں سے ہے وہ عقد نکاح کی مصلحت ہے، جیسے سر میں غیر مروج سکہ کی شرط لگانا۔

۵۔ ابن رشد قرطبی نے حابلہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ایک اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ لکھتے

ہیں:

والحدیثان صحیحان خرجهما البخاری و مسلم - الا ان المشهور مند الاصولیین

القضاء بالخصوص علی العموم (بداية المجتهد ج ۲ ص ۵۹)

دونوں حدیثیں مفتی علیہ ہیں، لیکن اصولیین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ عموم کے خلاف خصوص کا فیصلہ ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق کا استدلال صحیح ہے، لیکن اصولی طور پر حنبلیہ کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ شوافع و احناف کا استدلال عام ہے اور حنبلیہ کا مستدل خاص ہے۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ اب ہم قائلین کی دلیلیوں کا جائزہ لیتے ہیں، ان کا مستدل وہ تمام آیتیں ہیں، جن میں مطلق ایفاء ہمد کا ذکر ہے، حدیث پاک "المسلمون علی شروطہم" "احق الشروط ان یوفی بہ الخ" اس طرح دیگر احادیث مقید ہیں، جب ایسی شرطیں ہوں جو حلال کو حلال ہی قرار دیتی ہوں تو کیا انہیں بروئے کار لانا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں یہ مذکورہ احادیث خاموش ہیں، دوسری حدیث میں اس طرف واضح الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

"المسلمون علی شروطہم الا شرطاً حلالاً و حراماً و حراماً حلالاً"

مسلمان اپنے ہمد و میثاق کے پابند ہیں، ہاں اگر ایسی شرط و پیمان ہو جو حرام کو حلال، یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو، تو اس کے پابند نہیں ہیں،

دبستان فقہ شافعی کے ممتاز فقیہ و محدث امام نووی حنبلیہ کے مستدل احادیث کا محمل امام شافعی اور دوسرے علماء کے حوالہ سے رقم فرماتے ہیں:

احق الشروط ان یوفی بہ ما استحللتم بہ الفروج - قال الشافعی و اکثر العلماء ان هذا معمول علی شروط لا تنافی مقتضی النکاح - بل تكون من مقتضیاتہ و مقاصدہ کاشتراط المشرۃ بالمعروف و الا نفاق علیہا شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۵۵

آپ کا ارشاد مبارک "جو شرطیں سب سے زیادہ قابل ایفاء ہیں، وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہیں حلال ہوتی ہیں" امام شافعی اور اکثر دیگر علماء نے فرمایا، یہ معمول ہے ان شرائط پر جو تقاضاء عقد نکاح کے منافی نہ ہو، بلکہ مقاصد نکاح اور مقتضیات عقد میں سے ہو، جیسے عورت کے ساتھ حسن و خوبی کے ساتھ رہنے کی شرط عائد کرنا، اور اس کے اوپر خرچ کرنے کی شرط لگانا۔

اس توضیح کی تائید شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:



ماکان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل فكل شرط ليس في القرآن و لا في الحديث  
و لا في الاجماع فليس في كتاب الله بخلاف ماكان في السنة او في الاجماع فانه في كتاب الله  
بواسطة دلالة على اتباع السنة و الاجماع القواعد النورانية الفقهية ص ۲۰۹

جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔ یعنی ہر وہ شرط جو قرآن مجید، سنت رسول اور اجماع سے ثابت نہ  
ہو وہ کتاب اللہ میں شامل ہے، چونکہ اتباع سنت اور اجماع پر قرآن کی دلالت صریح ہے۔

۳۔ جہاں تک حضرت عمر کے اثر کی بات ہے تو وہ حدیث موقوف ہے اور وہ حدیث مرفوع صحیح کے مقابلہ  
میں مرجوح ہے، کیونکہ دلیلوں کے تعارض کے وقت قوی تر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے (الحموی ج ۱ ص ۱۹۷)  
ابن رشد قرطبی نے جو اصولین کے حوالہ سے "القضا بالخصوص على العموم" نقل کیا ہے، یہ ضابطہ حنبلیہ کے  
خلاف شوافع و احناف کی تائید کرتا ہے کیونکہ "المسلمون على شروطهم" "احق الشروط ان يوفى الخ" عام ہے،  
دوسری حدیث جس میں "الاشرط اصل حراما" اور "الناس على شروطهم ما وافق الحق" منسوس ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اصل درستی ہے، یہ بجاء ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا مطلق؟ شیخ  
الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قدامہ بھی مطلق کے قائل نہیں ہیں (القواعد النورانية الفقهية ص ۲۲۹۔ المصنی ج  
۷ ص ۱۷۳ معلوم ہوا، مقید اور وہ یہ کہ اس کی دلیل معارض نہ ہو، یہ اس وقت ہوگا جب کہ مقصد نکاح مشروع ہو،  
نہ کہ مصلح نکاح کے خلاف ہو۔

مذکورہ تجزیہ و محاکمہ سے نتیجہ برآمد یہ ہوتا ہے کہ احناف و شوافع کی رائے اصول شرع، روح اسلام اور دلائل  
شرعیہ سے قریب تر ہے، اور حنبلیہ کی رائے میں عورتوں کے لئے کشائش ہے، خصوصاً ہند و پاک کی موجودہ  
حالات میں عورتوں کے لئے دوسری شادی ایک مشکل مسئلہ ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جوئے شیر  
لانے سے کم نہیں ہے، اسی طرح بسا اوقات شوہر آبائی وطن سے کہیں اور ذریعہ معاش کے لئے جاتا ہے۔ تبدیلی  
مکان سے ان میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، اور عورت کو معلقہ چھوڑ دیتے ہیں، کبھی وہیں بود و باش اختیار کر لیتے ہیں،

## تفویض طلاق کا حکم

۱۔ تفویض طلاق کی تینوں قسمیں شوہر کی طرف سے لازم ہیں، اسے اپنے قول سے رجوع کا حق ساقط ہو جاتا  
ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۲۔ الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۲) اسی کے قائل شافعیہ بھی ہیں



۲۔ شوہر کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کو اپنے ارادہ سے باز رکھے یا وہ اسے فسخ کر دے کیونکہ طلاق کا مالک بنادینے کے بعد اس کی ولایت ملکیت طلاق سے ختم ہوگئی ابدائع ج ۳ ص ۱۱۳، حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک شوہر اپنے قول سے رجوع کر سکتا ہے، اور عورت کے قبول کرنے سے پہلے فسخ بھی کر سکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تفویض طلاق دراصل توکیل ہے، اس میں بیوی اور غیر شخص کی تفریق نہیں ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۰۸) جیسا کہ احناف کے نزدیک ہے۔

۳۔ تفویض مطلق (وقت و زمانے سے خالی ہو) میں انتہاء مجلس اگر عورت مجلس میں ہے، اور اگر غائب ہے، تو جس مجلس میں اسے تفویض طلاق کی اطلاع ملی، تو اس کے انتہاء تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ صاحب ہدایہ رقم فرماتے ہیں:

المخيرة لها المجلس باجماع الصحابة و لانه تعليق الفعل منها و التمليكات تقتضى

جواباً في المجلس كما في البيع (هداية ج ۲ ص ۲۱۰ باب تفويض الطلاق)

ایسی عورت جسے اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ اسے مجلس ہی میں اپنے اوپر ایجاب طلاق کا اختیار ہوگا، اس پر صحابہ کا اجماع ہے، اس لئے کہ عورت کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور کسی چیز کے مالک بنانے کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کا جواب مجلس ہی میں دیا جائے۔ جیسا کہ حق میں ہوتا ہے۔

۴۔ اگر تفویض طلاق وقت کے ساتھ مقید ہو، جیسے مرد کہتا ہے "امریک بیدک اذا شئت" تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، جیسے تم چاہو، تو اس عورت کو مجلس اور مجلس کے بعد بھی جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اختیار ہوگا ابدائع ص ۳ ص ۱۱۵

۵۔ اگر تفویض متعین زمانہ کے ساتھ مقید ہو تو عورت کو پورے وقت میں حق طلاق حاصل ہوگا، اگر آسانی وطن واپسی کو سوچتے بھی نہیں ہیں، جس سے عورت کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، یہاں اسلامی سلطنت بھی نہیں ہے کہ اس کی تادیب و سرزنش کی جاسکے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ احناف کے اصول استفسان کو اختیار کرتے ہوئے حنابلہ کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے یا پھر تعلق بالشرط کے اصول سے مدد لی جائے، جس کے تحت مذکورہ فقہ کا سد باب بھی ممکن ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوں گی، اول یہ کہ خود عورت تعلق بالشرط کے ساتھ حق طلاق حاصل کرے، مثلاً یوں کہے۔ اگر میں نے تم سے شادی کی تو مجھے طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، اگر تم نے دوسری شادی کی، دوسری صورت یہ ہے کہ عورت یوں کہے کہ اگر میں نے تم سے شادی کی تو فلاں شخص کو حق طلاق حاصل ہوگا، اگر تم نے دوسری شادی کی، مرد قبول کر لیتا ہے۔ اب شادی کے بعد عورت یا فلاں شخص کا

حق طلاق دوسری شادی کرنے پر معلق ہوگا ( دیکھئے الہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۶۔ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۱۵۔ الدر المختار بھامش الروح ج ۲ ص ۳۵۱) فرق اتنا ہوگا کہ شوہر کو پہلی صورت میں رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ دوسری شادی کرے۔ اور عورت کو اس کا علم ہو جائے، تو وہ اسی مجلس میں چاہے شوہر کو اختیار کر کے یا اپنے کو طلاق دے لے، دوسری صورت میں شوہر کو رجوع کا حق ہوگا، کیونکہ یہ توکیل طلاق ہے، اور عورت کو تفویض طلاق تملیک ہے، العینی ج ۲ ص ۲۷۱۔ الہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۱، جیسا کہ مفصل بحث تفویض طلاق کے ذیل میں آرہی ہے۔ ہمارے خیال میں استحسان کا اصول اپنانے کے بجائے تعلق بالشرط اختیار کیا جائے۔

### تفویض طلاق (ج)

تفویض "جعل الامر بالید" (تقریرات الرافعی ص ۲۷۰ رد المحتار ج ۳) "او تملیک الفعل منها"۔ کا نام ہے، یعنی شوہر کا بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا مالک بنانے کا نام تفویض ہے، تفویض طلاق کی بابت فقہاء جتنے بھی کلمات استعمال کئے ہیں، وہ مجموعی طور پر تین حصوں میں منقسم ہیں۔ الامر بالید (طلاق کا اختیار دینا) التخییر (طلاق دینے کا اختیار دینا) اور المشیئة (اس کی چاہت پر طلاق موقوف کرنا) یہ تینوں ہی اقسام عورت کو طلاق کا مالک بناتے ہیں، اور اسے اختیار حاصل ہوتا ہے، چاہے تو وہ اپنی ذات پر طلاق واقع کر لے یا شوہر کو اختیار کرے اور باہم دیگر شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کرے۔

بالفرض اسے تفویض طلاق کا علم نہیں ہو سکا۔ یہاں تک پورا وقت گزر گیا تو اب عورت کو حق طلاق حاصل نہیں ہوگا، جیسے مرد کے "امکوبیدک یوما" (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ایک دن ہے) یا کے "امرک بیدک الیوم" (آج تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) پہلی صورت میں تفویض طلاق کے وقت سے لے کر چوبیس گھنٹے تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، دوسری صورت میں شوہر کے تکلم کے وقت سے لے کر دن کے بقیہ حصوں میں حق طلاق رہے گا، پھر ساقط ہو جائے گا۔

۴۔ تفویض معلق مشروط ہو، اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وقت و زمانہ سے خالی ہو جیسے "اذا قدم فلان فامرک بیدک" یعنی جب فلان شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ فلان شخص آیا عورت کو اس کی آمد کا علم جس مجلس میں ہوا، اسی میں اسے حق طلاق ہے، اس مجلس کے درخواست ہونے کے بعد ساقط ہو جائے گا۔

۲۔ مطلق وقت کے ساتھ مقید ہو جیسے "اذا قدم فلان فامرک بیدک متی شنت" جب فلان آدمی آئے

گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا جب تم چاہو، فلاں شخص کی آمد کی خبر جس مجلس میں ملی، اسی حد تک حق طلاق نہیں ہوگا، بلکہ دوسری مجلس میں بھی حق طلاق ہوگا۔

۳۔ متعین وقت و زمانہ کے ساتھ تفویض معلق ہو جیسے ”اذا قدم فلان فامرک بیدک یوماً“ جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ ہاتھ میں ایک دن ہوگا، اور اس نے ”اذا قدم فلان فامرک بیدک الیوم کما یعنی جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دن کے بقیہ حصہ میں ہوگا (تلخیص از بدائع ج ۳ ص ۱۱۳-۱۱۲۔ التاتار خانیا ج ۳ ص ۳۳۰۔ البزازیة بہامش الہندیة ج ۲ ص ۲۸۔ الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۷-۲۲۹)۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

- ۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرط طے ہو جائیں، اور اس تحریر پر دستخط طرفین ہو جائے۔
- ۲۔ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔
- ۳۔ عقد نکاح کے بعد ماہین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

## عقد نکاح سے قبل شرائط کی حیثیت

اتنی بات مسلم ہے کہ نکاح سے قبل طلاق لغو ہے، کیونکہ طلاق کا محل نکاح ہے، لیکن جب طلاق کی نسبت نکاح کی جانب کی جائے تو نکاح کے بعد واقع ہو جاتی ہے (الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۲) میں مالکیہ و حنفیہ کا مذہب ہے، حضرت عمر بن الخطاب، ابن مسعود، ابن عمر، ابو بکر، عمرو بن حزم، ابو بکر، عبد الرحمن، شریح، زہری، سعید بن السیب، نخعی، شعبی، کھول، سالم بن عبد اللہ، عطاء، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی، قاسم، عمر بن عبد العزیز اور ابن ابی لیلیٰ کا قول یہی ہے، امام شافعی اور احمد کا اختلاف ہے، چوں کہ احادیث دونوں طرح کی ہیں، اور صحابہ کے آثار بھی متعارض ہیں، علامہ عینی اور علامہ ابن الہمام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہیں اور احادیث پر کلام کیا ہے، امام شافعی کی مستدل احادیث کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور مختلف وجوہات کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: عینی شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۵۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۲-۲۲۳) صاحب ہدایہ اور علامہ عینی نے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح سے قبل عدم طلاق والی حدیثیں تجزیہ پر موقوف ہیں (سبھی زہری وغیرہ)۔ (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) سے مستعمل ہے اور ہم بھی نکاح سے قبل فوری طلاق کے قائل نہیں، بلکہ طلاق نکاح کے



ساتھ مشروط کے قائل ہیں اور اس کی نفی حدیث میں نہیں ہے (عینی ج ۱ ص ۲۹۵۔ ہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵ ممتاز فقہ برہان الدین مرغینانی رقم فرماتے ہیں:

ان هذا تصرف یبیین لوجود الشرط و الجزاء فلا یشرط لصحة قیام الملك فی الحال لان

الوقوع عند الشرط و الملك متیقن به عندہ (ہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵)

یہ قسم ہے جو کہ شرط و جزاء کے وجود پر موقوف ہے، لہذا اس کی صحت کے لئے فوری ملکیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اس یمین کا وقوع شرط کے پائے جانے کے وقت ہوگا اور اس وقت ملکیت کا وجود یقینی ہے۔

مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے کہتا ہے ان تزوجتک فانك طالق یعنی اگر میں تم سے شادی کروں تو تمہیں طلاق ہے، یا یوں کہے کہ کل امرأة اتزوجها فہی طالق یعنی ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں وہ طلاق والی ہے، تو شرط نکاح پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی (دیکھئے ہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵) ٹھیک اسی طرح سے تعویض طلاق ملک نکاح کے ساتھ معلق ہو تو عقد نکاح کے بعد تعویض طلاق کا تحقق ہو جائے گا، مذکورہ تفصیلات کے ساتھ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، مثلاً کوئی شخص اجنبیہ سے یوں کہے، اگر میں نے تم سے شادی کی تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا، چونکہ تعویض طلاق ملک نکاح کے ساتھ مشروط ہے، لہذا شرط کے پائے جانے کے بعد تعویض طلاق پایا جائے گا، یا عورت کہے، "اگر میں نے اپنی ذات کی شادی کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا یا عورت ناحق مارنے کے ساتھ مقید کر کے بولتی ہے، یا دوسری شادی کو مشروط کر کے بولتی ہے، "اگر میں نے اپنی ذات کی شادی تم سے کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب تم مجھے ناحق مارو گے یا تم دوسری شادی کرو گے، اگر وہ حاضر ہے، یا غائب ہے تو جس مجلس میں نکاح منعقد ہونے کی خبر ملی، اس کے اختتام تک حق طلاق رہے گا، دوسری صورت میں ناحق مارنے یا دوسری شادی کرنے کی خبر جس مجلس میں ملی، اس کے اختتام تک حق طلاق حاصل ہوگا، ہاں اگر زمانہ کے ساتھ مقید کر کے بولی کہ اگر میں نے اپنی ذات کی تم سے شادی کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ایک دن ہوگا، اگر تم نے مجھے ناحق مارا یا دوسری شادی کی، ایسی صورت میں عورت کو ناحق مارنے کے وقت سے یا دوسری شادی کرنے کی اطلاع ملنے کے وقت سے لے کر چوبیس گھنٹے تک حق طلاق حاصل ہوگا، اس اثنا میں جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اگر عورت نے یوں کہا، اگر میں نے اپنی ذات کی شادی تم سے کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب جب تم ناحق مارو گے، یا دوسری شادی کرو گے، ایسی صورت میں شوہر جب بھی ناحق مارے گا، یا دوسری



شادی کرے گا تو عورت کو حق طلاق حاصل ہوگا، یہاں تک کہ موجودہ ملک نکاح کی تین تعین مکمل ہو جائے، اس لئے کہ جب جب عہنی کے "محلما" کے معنی میں ہے، جو عموم و تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف "اگر" "جب" عہنی کے "ان" "اذا" کہ ہم معنی ہیں، جو عموم و تکرار پر دلالت نہیں کرتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۲۔ ہندیۃ ج ۱ ص ۲۱۵۔ در مختار بہامش الرد ج ۳ ص ۱۷۵۲)

### عقد نکاح میں شرائط ذکر کرنا (ج "۷")

عقد نکاح کے وقت طلاق مشروط ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ شوہر کی جانب سے ابتداء ہو کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، یا یہ کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اسے طلاق ہے، دونوں ہی صورتوں میں صحیح قول کے مطابق نکاح درست ہو جائے گا اور شرط باطل ہوگی، ایسا ہی امام محمد نے جامع میں ذکر کیا ہے، امام حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں اور ابو اللیث نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ تعویض طلاق اور طلاق ملکیت نکاح سے پہلے پائی گئی، اور یہ باطل ہے (الخصانیۃ بہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۷۹)

۲۔ عورت شرط لگائے کہ میں نے اپنے آپ کی شادی تم سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب چاہوں اپنے اوپر طلاق وقع کروں، یا جب جب چاہوں اپنے اوپر طلاق وقع کروں، شوہر نے اسے قبول کر لیا، تو حق طلاق عورت کو حاصل ہوگا، کیونکہ اس صورت میں ملکیت نکاح کے بعد تعویض طلاق ہو رہا ہے، کیونکہ مشہور قاعدہ ہے "السؤال معافی الجواب" (الاشباہ لابن نجیم ص ۱۷۷۔ دار الفکر)

فانیہ میں ہے:

لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت الجواب يتضمن اعادة ما في السؤال - صار كأنه

قال قبلت على ان يكون الامر بيديك فيصير مفوضا بعد النكاح (الخصانیۃ بہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۷۹ نیز دیکھئے الدر المختار ورد المحتار ج ۳ ص ۳۷۹)

کیونکہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد "قبلت" میں نے قبول کیا کہا، اصول یہ ہے کہ جواب سوال کے مضمون کو شامل ہوتا ہے، لہذا گویا کہ اس نے یہ کہا "میں نے عقد قبول کیا اس شرط پر کہ معاملہ (طلاق) تمہارے ہاتھ میں ہوگا"۔ بس یہاں تعویض طلاق نکاح کے بعد پایا گیا۔

مذکورہ تعویض طلاق کے اصول کے مطابق عورت کو پہلی صورت "جب چاہوں" بمعنی اذا ارادت۔ متنی

ادمت " میں حق طلاق انشاء عقد کی مجلس تک محدود ہوگا دوسری صورت " جب چاہوں بمبئی مخلصا ارید " میں عقد کی مجلس اور اس کے بعد جب چاہے وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے ، لیکن پہلی صورت میں ایک ہی بار طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور دوسری صورت میں اس ملکیت نکاح کی تین طلاق تک دے سکتی ہے ، جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے ۔

## طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے تدبیر

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے ۔

## دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا ، اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا ۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نکاح درست ہے ۔ اس لئے کہ شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا (النکاح لا یبطل بالشرط الفاسد ، المبسوط ج ۵ ص ۹۵ ۔ الہدایہ ج ۲ ص ۳۳۱ ۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۱۰) سوال یہ کہ شرط کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے ، اسی کے قائل سید سابق بھی ہیں (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۱۱۲) شوافع اور احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے ، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے ، دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر شوہر نے شرط کے خلاف کیا تو کیا متعین مہر لازم ہوگا ، یا مہر مثل ؟

امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں ، اور مہر مثل لازم ہوگا ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور شرط کے تحت مہر مسمی لازم ہوگا ، امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط کو بروئے کار لانے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط کی خلاف ورزی کی حالت میں مہر مثل لازم ہوگا (ملاحظہ ہو بدائع ج ۲ ص ۷۸۵ ۔ السراجیۃ ص ۳۹ ۔ المبسوط ج ۵ ص ۹۰ ۔ التاتارخانیۃ ج ۳ ص ۱۰) لہذا دریافت کی صورت میں اگر شوہر نے عورت کو طلاق نہیں دی تو اس کو مہر دس ہزار ملے گا ، اور اگر اس نے طلاق دے دی تو عورت کو مہر مثل ملے گا ۔ البتہ مہر مثل مسمی سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے (دیکھئے المبسوط ج ۵ ص ۹۰) دوسری صورت میں اگر

شوہر منکوحہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو منکوحہ کو پندرہ ہزار ملے گا اور اگر اس کے عقد میں رہتے ہوئے دوسری سے نکاح کر لیا تو مہر مثل ہوگا تاہم غائبہ میں امام صاحب اور صاحبین کے اختلاف کی اساس و بنیاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لکھا ہے:

هذه المسئلة بناء على ان الموجب الاصل في باب النكاح عند ابي حنيفة مهر المثل. و  
انما يصر الى المسمى عند صحة التسمية. من كل وجه و عند هما الموجب الاصل  
يصر الى المسمى الى مهر المثل عند فساد التسمية من وكل وجه (التاتار خانية ج ۳ ص ۱۰۰ نوع  
منه في الشروط في المهر " ملاحظہ ہو - تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۵۰ - فتح القدير و معہ العناية و  
حاشیہ چلیپی ج ۳ ص ۲۳۱)

اس مسئلہ کی اساس یہ ہے کہ نکاح کے باب میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل مہر مثل واجب ہے، لہذا مقرر مہر کی درستگی کے وقت مسمیٰ لازم ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک اصل مہر مسمیٰ واجب ہے، لہذا مہر مثل اس وقت لازم ہوگا، جب کہ مہر مسمیٰ ہر اعتبار سے باطل ہو۔

ہمارے خیال میں امام صاحب کا قول معتدل معلوم ہوتا ہے، جس کی تائید احناف کے اصول سے ہوتی ہے، علامہ زیلیلی اپنے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

لان احد التسميتين منجزة و الاخرى معلقة - فلا يجتمع في الحال التسميتان - فاذا  
اخرجها فقد اجتمعتا ففسدان - وهذا لان المعلق لا يوجد قبل شرطه - و المنجز لا ينعدم  
بوجود المعلق فيتحقق الاجتماع عند وجود الشرط لا قبله (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۲۹)

دونوں مہر مسمیٰ میں سے ایک فوری ہے اور ایک معلق ہے دونوں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے، لہذا جب شوہر عورت کو باہر سفر میں لے گیا، تو دونوں مسمیٰ کا اجتماع ہو گیا، لہذا دونوں باطل ہو گئے، اس لئے کہ جس شئی کو کسی چیز کے وجود پر موقوف کیا جاتا ہے، اس کے پائے جانے سے پہلے وہ نہیں پائی جاسکتی، معلق کے پائے جانے سے فوری لازم شئی معدوم نہیں ہوتی، لہذا شرط کے پائے جانے کے وقت دونوں مہر مسمیٰ کا اجتماع لازم آئے گا، نہ کہ اس کے وجود سے قبل۔

اور چونکہ عورت نے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط لگائی ہے، اور یہ ایسی شرط ہے جو عقد نکاح کے مقتضی کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلاث و رباع" (العناية مع الفتح ج ۳ ص ۲۳۱) پس دوسری شادی نہ کرنے کی شرط لگانا ایک مشروع چیز سے روکنا ہے شارح ہدایہ اکمل الدین بابر قری رقتراز ہیں:



فالنكاح صحيح و ان كان شرط صدم التزوج و صدم المسافرة و طلاق الضررة فاسدا لان فيه المنع من الامر المشروع (حوالہ سابق)

نکاح درست ہے گرچہ شرط فاسد لگائی گئی ہے کہ دوسری عورت سے شادی نہ کرنا، ہمراہ سفر میں نہ لے جانا، سوکن کو طلاق دینا، اس لئے کہ اس شرط میں امر مشروع سے روکنا لازم آتا ہے۔

اس سے پہلے گزرا چکا ہے کہ مقتضیاً عقد کے خلاف عائد کردہ شرط کا پورا کرنا شوہر کے ذمہ لازم نہیں، بلکہ شرط باطل ہو جائے گی اور عقد نکاح درست ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب شرط باطل ہوگئی تو پہلا مہر فوری بجز محتین ہو گیا۔

پھر امام صاحب کا قول کہ اصل مہر واجب مہر مثل ہے، ظاہر حال کہ موافق ہے، لہذا مہر مثل کے بجائے مقرر مہر اس وقت درست ہوگا جب کہ وہ ہر اعتبار سے درست ہو، چنانچہ صاحب ہدایہ نے ایک جگہ اس طرف اشارہ فرمایا ہے :

والظاهر شاهد لمن يشهد له مهر المثل لانه هو الموجب الاصل في باب النكاح اهداية

مع الفتح ج ۳ ص ۲۵۱

ظاہر حال اس شخص کے موافق ہے جو کہ مہر مثل کی شہادت دے رہا ہے، اس لئے کہ نکاح کے بیان میں اصل واجب مہر، مہر مثل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اسی طرف امام زیلی کا بھی حجتان معلوم ہوتا ہے (دیکھئے الحقائق ج ۲ ص ۱۳۹) اور صاحبین کی رائے میں لوگوں کے لئے کشائش ہے۔

نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کرنا (ج "۳")

عقد نکاح کے بعد دوران زوجیت تفویض طلاق خواہ وہ تحریری شکل میں ہو یا زبانی بلا اختلاف درست ہے، چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تمہارے اختیار میں تین طلاق ہے، اس شرط پر کہ تم اپنا مہر معاف کر دو، امر لات تطليقات بيدك ان ابرأتني من مبرك "عورت نے جواب میں کہا مجھے طلاق کا وکیل بنا دو، مرد نے اس سے کہا ٹھیک ہے تم میری وکیل ہو، تم اپنے آپ کو طلاق دے لو، عورت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی، طلاق کا تیار سا قلم ہو گیا، اگر وہ اب اپنے اوپر طلاق وقع کرتی ہے تو طلاق وقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ عورت کو طلاق کا



وکیل بنانا دراصل طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیک میں حق طلاق مجلس ہی تک رہتا ہے، وہاں اگر مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے، تو واقع ہو جائے گی بشرطیکہ وہ پہلے مہر معاف کر دے، اگر اس نے مہر معاف نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ تفویض طلاق مہر سے برائت پر متعلق ہے (الحنانیۃ بہامش الہندیۃ ج ۳ ص

(۵۲۱)

مزید تفصیل تفویض طلاق کے ذیل میں گذر چکی ہے، بیچھے رجوع ہوں۔

### عورت کا ملازمت سے سبکدوش نہ ہونے کی شرط (۳)

ہر میدان میں جہاں مرد سبقت لے جانے میں کوشاں نظر آتے ہیں، وہیں عورتیں بھی مسابقت کے میدان میں دکھائی دیتی ہیں، خاص طور پر جب سے عورتوں کے حقوق کی آواز فضا میں گونجنی شروع ہوئی ہے، اور عورتوں کو مرد کے مساوی ملازمتیں ملنے لگیں، تو ان میں اعلیٰ تعلیم کا رواج تیزی سے بڑھنے لگا، جس کے نتیجے میں آج حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں ایک ورکر بھی عورت نہ ہو، افسوس تو یہ ہے کہ فوج میں بھی بھرتی ہو رہی ہیں، جب کہ اس کے لئے عورت کی خلقت نہیں ہوتی، اس کا اثر مسلم خواتین پر پڑنا ناگزیر تھا، کیونکہ انسان جس ماحول میں نشوونما پاتا ہے، تو اس کا اثر غیر شعوری طور پر ضرور قبول کرتا ہے، جس کے نتیجے میں آج بہترے مسلمان عورتیں برسر روزگار ہیں، اور جو نہیں ہیں وہ بھی ملازمت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کر رہی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو ہونیوالا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے شوہر پر ایسی شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط مقصد نکاح کے خلاف ہے لہذا عقد نکاح درست ہوگا، اور شرط باطل ہو جائے گی، یہ اصناف (ملاحظہ ہو الصبوح ج ۵ ص ۹۵، الخانیۃ بہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۱، اور شولفہ کا مذہب ہے) دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۷۹۳، حنبلیہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط درست ہے، البتہ حنبلیہ مشروط کو بروئے کار لانا ضروری قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ مشروط کو عملی جامہ پہنانے کو ناپسند کرتے ہیں (دیکھئے حوالہ سابق)

پس اگر شوہر عورت سے مطالبہ کرے کہ وہ ملازمت سے سبکدوش ہو جائے یا یہ کہ وہ ملازمت حاصل کرنے کی سعی ترک کر دے، تو عورت پر حکم کی تعمیل واجب ہے، ورنہ وہ ناشزہ و نافرمان تصور ہوگی، اور شوہر پر اس کا

نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت پر جانے سے شوہر کا حق متاثر ہو رہا ہے، اسی بنیاد پر فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ شیر خوار بچے کو اجرت پر لے اور دودھ پلانے، اگرچہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی، لیکن اسے بچے کی نگہداشت و نگہبانی میں وقت صرف کرنا ہوگا، اور بدن کا تکان ہوگا جس کی وجہ سے شوہر کا حق اس سے متمنع نہیں ہو سکتا، بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر دوسرے شوہر سے بچہ ہو، تو بھی عورت کو دودھ پلانے سے روکا جائے گا (الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۵۷۷) اس کی علت پر علامہ شامی روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

لان فی الارضاع و السهر تتعب و ذالك ينقص جمالها و جمالها حق الزوج فكان له ان

يمنعها رد المحتار ج ۳ ص ۵۷۷

کیونکہ دودھ پلانے اور شب بیداری میں تکان ہوگا جس کی وجہ سے اس کے حسن و جمال میں منفی اثر مرتب ہوگا، اور حسن و خوبصورتی شوہر کا حق ہے، لہذا اسے اختیار ہے کہ عورت کو اس عمل سے باز رکھے۔  
نیز کافی کے حوالے سے لکھا ہے:

وللزواج ان يمنع امراته مما يوجب خللا في حقه (حوالہ سابق)

شوہر کے لئے روا ہے کہ عورت کو ایسے کام سے روکے جس سے اس کا حق متاثر ہو رہا ہو۔

لہذا مذکورہ صورت میں شوہر کے لئے شرط کی تکمیل واجب نہیں، بلکہ اسے حق حاصل ہے کہ عورت سے ملازمت سے سبکدوشی کا مطالبہ کرے، یا اگر وہ ملازمت کی تلاش میں ہے تو اسے باز رکھے، اگر عورت اپنے عمل سے باز نہیں آئی تو نافرمان سمجھی جائے گی، اور شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ ملازمت کے لئے آمد و رفت میں نقصانات اور فتنے الگ ہیں اور مرد کا بھی جو حق احتباس ہے وہ مفقود ہو رہا ہے۔

## اشترائط في النكاح

مولانا محمد طیب الرحمان صاحب

اشترائط في النكاح کے بارے میں سوالات کے جوابات میں ذیل میں قلمبند کر رہا ہوں واللہ هو الموفق للصدق والصواب۔ عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان تینوں قسم کے شرائط کے بارے میں شریعت کا حکم مع الدلائل ذیل میں مرقوم ہے۔

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو اگر شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا جائے تو یہ شرعا جائز ہے، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو اس کے ساتھ نیک زندگی گزارنا ہوگا۔ اس کا نفقہ، سکنی شوہر کے ذمہ ہوگا، ایسا ہی زوج کا یہ شرط لگانا کہ بیوی ان کی اجازت کے علاوہ ان کے گھر سے نہ نکلے۔ نفل روزہ نہ رکھے۔ ان کے مال و اسباب میں تصرف نہ کرے اور اس جیسی شرائط۔

لما فی المشکوۃ من عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (متفق علیہ) و فی مرقات المفاتیح ج ۷ ص ۲۱۱ قال القاضی المراد بالشروط ههنا المهر لانه المشروط فی مقابلة البضع وقيل جصح ما تستحقه المرأة بمقتضى الزوجية من المهر والنفقة وحسن المعاشرة فان الزوج التزمها بالمقد فكأنها شرطت فيه وقيل كل ما شرط الزوج ترضيا للمرأة في النكاح مالم يكن محظورا قال النووي رحمه الله قال الشافعي اكثر العلماء صلی ان هذا محمول علی شرط لا



ینافی مقتضی النکاح و یکون من مقاصده کاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق صلیها و کسوتها و سکنها و من جانب المرأة ان لا تخرج من بیتہ الا باذنه و لا تصوم تطوعا بغير اذنه و لا تاذن ضمیرہ فی بیتہ الا باذنه و لا تتصرف فی متاعہ الا برضاه و نحو ذالک و فی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ - (ج ۲ ص ۸۰) فالشروط التي یقتضیها العقد کان یشرط خلولها من الموانع الشرعیة فلو قال لها تزوجتک علی ان لا تكونی زوجة للغير او علی ان لا تكونی فی صدته او علی ان لا یمارک او نحو ذالک مما یتوقف علیہ صحة العقد فانه صحیح نافذ بطبیعته و کذا اذا اشترطت علیہ ان یکون کفوالخ -

(۲۱) نکاح کے وقت کس فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، ایسی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا، بلکہ نکاح بدستور منعقد ہو جائے گا۔ ایسی شرط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شرط لغو ہوگی اور اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔

کما قاضی خان (ج ۱ ص ۳۳۱) رجل تزوج امرأة علی الف درهم علی ان لا ترثه و لا یرثها جاز النکاح و یتوارثان ولیس لها الا الف درهم کان مهر مثلها اقل من ذلک او اکثر الخ و فی فتاویٰ مالگیری (ج ۱ ص ۳۹) رجل تزوج امرأة بالف علی ان لا ینفق صلیها و مهر مثلها مائة کان لها الالف و النفقة کذا فی فتاویٰ قاضی خان و فی مرقات المفاتیح (ج ۲ ص ۲۱۱) و اما شرط یمخالف مقتضاه کشرط ان لا یقسم لها و لا یتسرى صلیها و لا ینفق و لا یسافر بها و نحو ذالک فلا یجب الوفاء به بل یکون لغوا و یصح النکاح بمهر المثل الخ و فی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ (ج ۲ ص ۸۰) و اما الشروط التي لا یقتضیها العقد کان یقول لها تزوجتک علی ان احلک لمطلقة ثلاثا او یقول لها تزوجتک علی ان یکون امرک بیدک او علی ان تطلقى نفسک متى اردت و نحو ذالک - فان مثل هذه الشروط تلغو و لا یعمل بها و یصح العقد الخ (۳۱) عقد نکاح کے وقت کوئی فریق اگر ایسی شرط لگائے جو عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر



کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، البتہ یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے، بلکہ ایک وعدہ کے درجہ میں ہے جس کو پورا کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے، کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے۔

کما فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۷۸۵، وقال ان ما شرط الزوج من طلاق المرأة و ترک الخروج من البلد لا يلزمه في الحكم لان ذلك وحد وحد لها فلا يكلف به الخ وفيه في ج ۲ ص ۷۷۷، والنكاح لا تبطله الشروط الفاسدة بخلاف البيع والفرق ان الفساد في باب البيع لمكان الربا والربا لا يتحقق في النكاح فيبطل الشرط ويبقى النكاح صحيحا الخ وفي العناية على الهداية ج ۲ ص ۲۵۸ "تحت قوله واذا تزوجها على الف على ان لا يخرجها من البلدة" قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج امرأة على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة و طلاق الضرة فاسد لان فيه المنع من الامر المشروع الخ. وفي الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۵۲، الخلف في الوعد حرام كذا في اضحية الذخيرة الخ۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلان فلان شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو یہ شرعا جائز ہے، اور اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہو تو شرط بے کار ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، نکاح کے وقت اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرے تو بعد میں اس تفویض طلاق کو ختم کرنے کا اختیار ان کو نہ رہے گا۔

کما فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۲۹، و ان ابتداء المرأة فقالت زوجت نفسي منك على اني طالق او على ان يكون الامر بيدي اطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح و يقع الطلاق و يكون الامر بيدها الخ. و في فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲، و ان خافت المرأة ان لا يطلقها المحلل فقالت زوجتك نفسي على ان امرى بيدي اطلق نفسي كلما اردت فقيل جاز النكاح و صار الامر بيدها كذا في التبيين الخ. و في كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۳۲۸، و يختلف كل من التوكيل و التفويض في عدة احكام منها ان الزوج المفوض لا يملك الرجوع بعد التفويض الخ. و في رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۵ "تحت قوله

فلم یصح رجومه " تفریح ملی کونہ لیس توکیلا فان الوکالة ضمیر لازمة فلو کان توکیلا لصح  
مز لها قال فی البحر من جامع الفصولین تفویض العلق الیها قبل هو وکالة یملک مز لها و  
الاصح انه لا یملک الخ۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

(۱) عقد نکاح سے پہلے اگر شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں تو اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت موجود ہو، مثلاً یہ شرط طے کی جاوے اور زوج کی طرف سے لکھا جاوے کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ میں اگر نکاح کروں تو ان کو فلاں فلاں شکلوں میں اپنے اوپر طلاق بائن کرنے کا حق ہوگا تو ایسی صورت میں اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، اور اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوئے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا، کیونکہ عقد نکاح سے پہلے زوج کو طلاق کی ملکیت نہیں ہوتی اور ملکیت سے پہلے تفویض نہیں ہو سکتی۔

کما فی الدر المختار (ج ۲ ص ۲۸۲) و شرطه الملك الخ۔ او الاضافة الیه الخ۔ کان نکحت امرأة او ان نکحتک فانت طالق و کذا کل امرأة الخ و فی رد المختار تحت قوله او الاضافة الیه) بان یكون معلقا بالملك کما مثل و کقوله ان صرت زوجة لی او بسبب الملك کما لنکاح ای التزوج الخ او تحت قوله او ان نکحتک) لا فرق بین کونها اجنبیة ممتدة کما فی البحر (قوله و کذا کل امرأة) ای اذا قال کل امرأة تزوجها طالق الخ۔

(۲) عقد نکاح کے وقت اگر شرائط کا ذکر کیا جائے اور مشروط ایجاب ہووے اور وہ عورت کی طرف سے ہووے تو قبول مطلق ہو یا مشروط یعنی شوہر چاہے یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، اور چاہے یوں کہے کہ میں نے شرائط کے ساتھ قبول کیا، دونوں صورتوں میں شرط معتبر ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔ عورت کی طرف سے شرط تفویض کو ذکر نہ کرتے ہوئے اگر مطلق ایجاب ہووے اور شوہر کی طرف سے شرط تفویض کو اضافہ کرتے ہوئے مشروط قبول ہووے تو بھی تفویض صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہووے اور وہ ایجاب کے وقت شرط لگائے اور عورت اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو شرعا اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ ابتداءً اگر زوج کی طرف سے ہووے تو تفویض نکاح کے تمام ہونے کے پہلے ہوگا اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ شوہر اس وقت طلاق کا مالک ہی نہیں

ہے لیکن ابتداء اگر عورت کی طرف سے ہووے تو تفویض نکاح کے بعد ہوگا اور زوج عورت کے مشروط ایجاب کے بعد جب قبول کرتا ہے تو زوج کے قبلت کئے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، چونکہ جواب مافی السوال کے اعادہ کا متضمن ہوتا ہے، پس تفویض بعد النکاح ہوگا لہذا عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا،

لما فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۲۷۹ رجل تزوج امرأة علی انها طالق او علی ان امرها فی الطلاق بیدها۔ ذکر محمد فی الجامع انه یجوز النکاح و المطلاق باطل و لا یكون الامر بیدها و ذکر فی الفتاویٰ من الحسن بن زیاد۔ اذا تزوج امرأة علی انها طالق الی عشرة ایام او علی ان یتكون الامر بیدها بعد عشرة ایام ان النکاح جائز و المطلاق باطل و لا تملك امرها و قال الفقیه ابو اللیث هذا اذا بدا الزوج فقال تزوجتک علی انک طالق و ان ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی انی طالق او علی ان یتكون الامر بیدها اطلق نفسی كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح و یقع الطلاق و یتكون الامر بیدها لان البدأة اذا كانت من الزوج کان الطلاق و التفویض قبل النکاح فلا یصح۔ اما اذا كانت البدأة من قبل المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبیلت و الجواب یتضمن اعادة ما فی السوال صار کانه قال قبلت علی انک طالق او علی ان یتكون الامر بیدها فیصیر مفوضا بعد النکاح الخ۔ و فی کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۱۸۱ اذا اشترط الرجل المطلاق للمرأة کان قال لها تزوجتک علی ان تطلقی نفسک کان الشرط فاسدا بخلاف ما اذا اشترطت ہی ان یتكون الطلاق بیدها فان الشرط یتكون صحیحا و یعمل به الخ۔ و فی رد المحتار ج ۷ ص ۳۷۹ ذکر الشارح فی آخر باب الامر بالید نکحها علی ان امرها بیدها صح الخ۔ لکن ذکر فی البحر هناك ان هذا لو ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی علی ان امری بیدها اطلق نفسی كلما ارید او علی انی طالق فقال قبلت وقع الطلاق و صار الامر بیدها اما لو بدأ لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها الخ

۱۳۱ عقد نکاح کے بعد ما بین طرفین اگر کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو وہ معتبر ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کے معتبر ہونے کی راہ میں کوئی مانع نہیں۔

شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں رکھا ہے تفویض کے تسبیح میں یہ اختیار عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس سے مصلح شرع کے ضلح ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ عورت اکثر ناقص العقل ہے اور ان



میں صبر کا مادہ بھی مرد کی نسبت سے کم ہے، اس لئے ان کی طرف سے طلاق کے بیجا استعمال کا احتمال غالب ہے۔ اس لئے مصلح شرع کی حفاظت کے لئے تعویض میں ایسی کوئی قید بڑھانا مناسب ہے جس سے طلاق کے بیجا استعمال کا پید باب ہو سکے اور وہ جانہین کے لئے مفید بھی ہو سکے، مثلاً تراضی طرفین سے مناسب سمجھ کر چند اشخاص کے نام متعین کر دیا جائے پھر شرائط کو ذکر کرتے ہوئے زوج یہ لکھے کہ مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف اگر ان کی طرف سے ہووے اور اس خلاف شرط ہونے کو مذکورہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص تسلیم کریں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، مزید احتیاط کے لئے یہ قیہ بھی بڑھائی جاسکتی ہے کہ وہ دونوں شخص درپیش حالات میں عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب بھی قرار دیں۔ ایسی قید لگانے سے تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص کے تسلیم کرنے اور مناسب سمجھنے کے علاوہ عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہ آنے گا۔ یہاں مناسب یہ ہے کہ شرائط نامہ میں کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر کے لکھ دئے جائیں کیونکہ دو چار کا نام لکھنے میں ممکن ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کوئی بھی موجود نہ رہے اور زیادہ آدمیوں میں یہ احتمال بعید ہے، 'کما صرحہ فی حاشیة الحیلۃ الناجزۃ'۔ ہندوستان کے جن علاقوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہاں یہ قید بڑھائی جاوے کہ شوہر کی طرف سے خلاف شرط ہونا اگر قاضی شرعی تسلیم کریں اور درپیش حالات میں قاضی شرعی عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب قرار دیں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

کما فی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج ۲ ص ۳۷۸، امالو کان الطلاق بید المرأة فانہا لا قبالی بایقامہ مند سورۃ الغضب اذ لیس امامہا من التکالیف ما یحول بینہا و بین ایقاع الطلاق بل ربما زینت لہا سورۃ الغضب ایقاع الطلاق الخ۔ ان المرأة مہما اوتیت من حکمۃ فانہا سریعۃ التاثر بمنہبیتہا فلیس لہا من الجلد و العیر مثل ما للرجال فلو کان الطلاق بیدہا فانہا تستعملہ اسواً استعمال الخ و فی فتح القدر ج ۳ ص ۱۷۲ و امامہا سنۃ فمئنا ثبوت التعلس بہ من المکارہ الدینیۃ و الدنیویۃ و منہا جعلہ بید الرجال دون النساء لاختصاصہن بنقصان العقل و ضلۃ الهوی و من ذالک ساء اختیارہن الخ۔

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے، ہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست قرار پاتی ہیں اور ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے،



اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلی صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مسمی کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری شرط پائے جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ اقل مسمی سے کم نہ ہوگا اور اگر مسمی سے زیادہ نہ ہوگا اور اس مسئلہ کی نظیر وہ صورت بھی ہوگی کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار تو ایسی صورت میں بھی صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، امام صاحب کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر طلاق دی تو مہر مسمی کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی کے اقل سے کم نہ ہو اور اگر مسمی سے مستجاوز نہ ہو۔

اب کسی مسئلہ میں اگر امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہووے تو امام صاحب کے قول کی ترجیح ہوتی ہے۔ یہ بات باطل صحیح ہے کہ طلاق کے غلط استعمال سے خاص طور پر ایک ساتھ تین طلاق دینے سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی متاثر ہوتے ہیں، لہذا طلاق دینے کے لیے غیر مشروع اقدام کو روکنے کی ضرورت ہے، لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مہر کی مقدار زیادہ یا کم کرنے سے طلاق کے غیر مشروع اقدام میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اس لئے احقر کے خیال میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کرتے ہوئے صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں نکلتی۔

کما فی العالمگیری ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۸ لو تزوج امرأة علی الف ان لم یکن له امرأة و علی الفین ان كانت له امرأة او تزوجها علی الف ان لم یخرجها من بلدھا و علی الفین ان اخرجها منها او تزوجها علی الف ان كانت مولاة و علی الفین ان كانت حریبة و ما اشبه ذالک فلا شک ان التکاح جائز و اما العہر فالشرط الاول جائز بلا خلاف فان وقع الوفاء به قلھا ما سمی علی ذالک الشرط و ان لم یقع الوفاء به قلھا مہر مثلھا لا ینقص من الاقل و لا یزاد علی الاکثر و هذا قول ابی حنیفة رحمہ اللہ۔ و قال ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ۔ الشرطان جائزان کذا فی البدائع الخ۔ و فی المناہج علی شرح الہدایة ج ۲ ص ۲۵۸ و لہما ان ذکر کل واحد من الشرطین مفید فیصحان جمیعا و لابی حنیفة رحمہ اللہ ان الشرط الاول قد صح لعدم الجهالة فیہ فیتملق المقدم بہ ثم لم یصح الشرط الثانی لان الجهالة نشأت منه و لم یفسد النکاح و منولب بالفرق بین هذه المسئلة و بین ما اذا تزوجها علی الفین ان كانت جمیلة و علی الف ان كانت قبیحة حیث یصح فیہا الشرطان جمیعا بالاتفاق و المسئلة فی فتاویٰ الولو الجوی

وضیره و اجیب بان فی الاولی وجدت المخاطرة فی التسمية الثانية لانها لا تدرى بن الزوج  
 یخرجها او لا! و فی المسئلة الثانية لا مخاطرة لان المرأة اما جمیلة فی نفس الامر و اما  
 قبیحة خیر ان الزوج لا یمرفها و جهلها بصفتها لا یوجب المخاطرة فیصح الشرطان جمیعا  
 الخ - و فی الدر المختار (ج ۱ ص ۲۷) ان ما اتفق علیه اصحابنا فی الروایات العاهرة یفتی به  
 قسما و اختلف فیما اختلفوا فيه و الاصح كما فی السراجیة و ضیرها انه یفتی بقول الامام  
 علی الاطلاق ثم یقول الثانی ثم یقول الثالث الخ. و فی رد المحتار تحت قوله و الاصح كما فی  
 السراجیة ( اقول صبارتها ثم الفتوى علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة فی جانب و  
 صاحباه فی جانب فالفتی بالخیار و الاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهد الخ.

(۷۱) اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے  
 ہونے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے  
 ہونے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں بھی صاحبین کے  
 قول کی بناء پر دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی، لیکن امام ابو حنیفہ کے قول کی بناء پر اگر اس عورت کے  
 عقد نکاح میں ہوتے ہونے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو شرط معتبر اور لازم العمل ہوگی اور اگر کسی  
 دوسری عورت سے نکاح کیا تو شرط معتبر نہ ہوگی بلکہ مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ اقل مسمی سے کم نہ ہو اور اکثر سے  
 زائد نہ ہو، اور حسب قواعد فقہیہ امام صاحب کے قول کو ترجیح ہوگی " و الادلة مذکورة فی المسئلة  
 السابقة.

(۷۲) عورت اگر کسی ملازمت میں لگی ہوئی ہووے، یا ملازمت حاصل کرنے کے لئے جد و جہد میں لگی ہوئی  
 ہووے اور نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے  
 گا، یا اگر آ رہے انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے  
 والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو یہ شرط ایک وعدہ کے خلاف درجہ میں ہوگی کیونکہ یہ شرط شرائط مباحہ  
 کے قبیل سے ہے شرط قبول کرنے کی وجہ ہے وہ واجب الایفاء ہے کیونکہ وعدہ کے کرنا حرام ہے البتہ کسی مانع شدید  
 سے کوئی شخص ایفاء عہد نہ کر سکے تو اس میں گناہ نہیں ہے۔ البتہ عورت اگر ملازمت کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا  
 نہ کر سکے یا ملازمت کی وجہ سے حدود شرعیہ کو تجاوز کرنا پڑے تو ایسی صورت میں شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی  
 ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شوہر اگر عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے  
 حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، ایسا ہی عورت جس نئی ملازمت سے وابستہ ہونا چاہتی ہے اس سے حدود شرعیہ سے

تجاوز کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شوہر انہیں ایسی نئی ملازمت سے وابستہ ہونے سے روکتا ہے، تو عورت کے لئے اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

كما في الكوكب الدرى تحت قوله باب في الشرط عند صدقة النكاح ان احق الشروط ان يوفى بها (ظاهره ان الشروط يوفى بها مالم يقع منافية لعقد الزوجية فاما اذا شرط ما ينافيه كما اذا شرط لها ان لا يخرجها من بيتها فهذا ينافى صدقة الزواج الخ - و الحاصل ان الشروط ثلاثة اصناف ما يوجب الزواج من غير اشتراط كالنفقة لها و السكنى فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط و ما ينافى كتاب الله و نص رسول فهذا لا يجوز العمل بها و ان اشترط و ما ليس من القسمين فهي مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا الخ - و في الدر المختار ج ۵ ص ۲۳۵) و ينظر من الاجنبية و لو كافرة مجتبي الى وجهها و كفيها للضرورة قيل و القدم و الذراع اذا آجرت نفسها للخبز - تاتار خانية - و في رد المحتار تحت قوله اذا آجرت نفسها للخبز) اي و نحوه من الطبخ و غسل الثياب قال الاتقانى و من ابى يوسف انه يباح النخر الى ساعدها و مرفقها للحاجة الى ابدنها اذا آجرت نفسها للطبخ و الخبز الخ - و في الدر المختار ج ۵ ص ۲۲) وله في نكاح ظاهر فسخها مطلقا شأنه اجارتها او لا و في رد المحتار ج ۵ ص ۲۵) اي سواء كانت الاجارة تشين الزوج اي تعيبه بان كان وجيها بين الناس او لا لما ان له <sup>أن</sup> يمنعها من الخروج و ان يمنع الحبيب الدخول عليها و لان الارضاع و السهر بالليل يضعفها و يذهب جمالها فكان له المنع كما يمنعها من الصيام تطوعا - زيلعى - فقط هذا ما حضر لى

والله اعلم



## اشتر اطاقی النکاح

مفتی عزیز الرحمان فتحپوریؒ

حضرات فقہاء کرام نے نکاح کی یہ تعریف کی ہے کہ نکاح ایک ایسے عقد کا نام ہے جو ملک متو کا فائدہ دے یعنی مرد کے لئے اس عورت سے استمتاع جائز ہو جائے جس کے ساتھ نکاح سے کوئی (شرعی) مانع نہ ہو۔ اس موقع پر صاحب درمختار کے الفاظ یہ ہیں "هو مند الفقہاء مقعد لغير ملك المتمة او حل استمتاع الرجال من امراة لم يمنع من نکاح مانع شرعی" اور نکاح کے لئے شریعت نے کچھ شرائط مقرر کئے ہیں جن کی پابندی بہر صورت لازم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک یہی شرط کہ جس عورت سے نکاح کیا جا رہا ہے وہ محرمات میں سے نہ ہو نہ ہی دوسرا کوئی شرعی مانع پایا جاتا ہو۔ عقد نکاح کے لئے بھی شرائط و ارکان ہیں یعنی گواہوں کا ہونا اور ایجاب و قبول ان تمام کا لحاظ کرتے ہوئے جب عقد نکاح کیا جائے تو نکاح لازم ہو جاتا ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ اب تک جو محض اجنبی تھے، اب ان کے لئے قانونی طور پر ایک دوسرے سے استمتاع جائز ہو گیا لیکر، مقصود محض استمتاع کے جواز میں منحصر نہیں ہے بلکہ نکاح کے مستقل شرعی مصلح ہیں، بیسے عفت و عصمت کا تحفظ اور بہ کرداری سے حفاظت، بھائے نسل انسانی وغیرہ، پھر چونکہ نکاح کے بعد کی زندگی زوجین کے لئے دائمی رفاقت کا تقاضا کرتی ہے اور سماجی و شرعی ہر اعتبار سے وہ ایک جان دو قالب ہو کر زندگی گزارنا شروع کرتے ہیں، اس لئے شریعت نے ایک کے دوسرے پر جو حقوق دیئے ہیں اور ہر ایک کی جو ذمے داریاں ہیں ان کی تفصیل بھی بتادی ہے۔ شریعت

نے جس کی جو ذمے داریاں متعین کر دی ہیں ان کی پابندی بہر صورت ضروری ہے ، اسی طرح ایک پر دوسرے کے جو شرعی حقوق ہیں ان میں کوئی کمی بھی نہیں کی جاسکتی ، اس تمسید کی روشنی میں عقد نکاح کے وقت جو شرائط عائد کئے جائیں ان کے متعلق بدیسی طور پر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ (۱) ایسے شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں بلکہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو بصورت شرط ذکر کر دیا گیا ہے اس سے صورتحال میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی ، لہذا ایسی شرائط اگر ذکر بھی کر دی جائیں تو کوئی سوال پیدا نہ ہوگا ، شرائط کی دوسری قسم (۲) یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو ایسی شرط قابل قبول نہیں ہوا کرتی ۔ حضرات فقہاء نے مسئلہ خلع میں اس صورت میں جب کہ عورت نفقہ عدت اور سکنی کے عوض خلع حاصل کر لے یہ تصریح کی ہے کہ سکنی چونکہ حق شرع ہے اس لئے وہ ساقط نہ ہوگا ۔ لا السکنی لانها حق الشرع (در مختار) اس سے بطور اصول یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ شرائط جو حق شرعی یا حق ثابت بالشرع پر اثر انداز ہوں نکاح کے وقت کوئی بھی فریق انہیں عائد کرے ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۔ چنانچہ اگر اس طرح اس شرط پر کیا جائے کہ شوہر کے ذمہ میں کوئی مہر لازم نہ ہوگا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی عورت مہر مثل پائے گی ۔ در مختار میں ہے

و کذا يجب مهر المثل فیما اذا لم یسم مہرا او نفی ان و طئ الزوج او مات الخ و فی

شرحہ (قولہ او نص) بان تزوجها علی ان لا مہر لہا (شامی ج ۲ ص ۲۶)

اس سے سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ ایسی شرط انعقاد نکاح میں قطعاً اثر انداز نہ ہوں گی یعنی نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن یہ شرائط باطل قرار پائیں گے ۔

۱۳۱ تیسری قسم یعنی ایسی مشروط جو ۱۱ اور ۱۲ میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتیں بلکہ ان کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا ، بیشتر ان کی حیثیت ایک وعدے کی ہے ان شرائط کی کئی قسمیں کی جاسکتی ہیں ، مثلاً یہ مشروط یا تو عورت کے لئے مفید ہوں گی یا شوہر کے لئے ، کسی اجنبی کے لئے مفید ہوگی یا کسی کے حق میں مضر ہوں گی ، پھر یہ تمام شرائط یا تو نفس عقد سے حاصل ہوں گی یا زوج (یا زوجہ) کے فعل پر متوقف ہوں گی ۔

وحاصل المسئلة علی وجوه لان الشرط اما نافع لہا او لاجنبی او ضار فکل اما حاصل

بمجرد النکاح او متوقف علی فعل الزوج الخ ۔

ان کے ساتھ مہر کا ذکر بھی ہو مثلاً ایک ہزار پر نکاح اس شرط کے ساتھ کہ شوہر اسے دوسرے شہر لے

جانے گا ( نکحہا بالف صلی ان لا یخرجہا من البلد او لا یشزوج علیہا ) اس صورت کا ذکر کرتے ہوئے مزید تفصیل کے ساتھ علامہ شامی نے بحر کے حوالے سے جلد دو سو اٹھاسی ( ۲۸۸ ) اقسام نقل کی ہیں " فہی مانتان و ثمانیۃ و ثمانون ہذا خلاصۃ ما فی البحر " اقسام میں جو خلاف شرع ہوں گی وہ تو بالکل باطل ہوں گی باقی کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، اگر کسی کو ان سے ضرر نہیں پہنچتا اور شوہر انہیں پورا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن یہ شرائط پوری نہ کی جائیں تو بھی نکاح پر اثر انداز نہ ہوں گی ( بشرطیکہ انہیں طلاق سے مشروط نہ کیا گیا ہو ) البتہ اگر نفس عقد میں انہیں مہر کے ساتھ ملحوق کیا گیا ہے تو عورت مہر مثل کی حقدار قرار دی جائے گی تاہم شرائط کی یہ جملہ اقسام نفس عقد پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوں گی، نکاح بہر حال صحیح مانا جائے گا۔

( ج ) شرعا طلاق کا حق شوہر کو ہے بموجب حدیث نبوی " الطلاق لمن اخذ الساق " شریعت نے عورتوں کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے انہیں یہ حق نہیں دیا جو لوگ انسانی مزاجوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے عورتوں اور مردوں کی ذہنی اور مزاجی کیفیات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بخوبی واضح ہے کہ اگر طلاق کا حق عورت کو دیا گیا ہوتا تو معاشرہ میں آج طلاق کا جو تناسب ہے یہ بیسیوں گنا زیادہ ہوتا۔ لہذا شرع اسلامی نے عورت کو یہ حق اسی لئے نہیں دیا تا کہ مصلح نکاح کے فوت ہونے کا اندیشہ قوی تر نہ ہو جائے، تاہم شوہر کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ شوہر کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کر لے پھر عورت کا یہ اختیار عارضی بھی ہو سکتا ہے اور دائمی بھی۔ فقہاء نے اسے تقویض طلاق، امر بالید اور مشیت بالطلاق وغیرہ عنوانات کے تحت بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ اختیار جو شوہر عورت کو دیتا ہے عقد نکاح میں بھی مشروط ہو سکتا ہے، اور بعد میں بھی جب شوہر چاہے یہ حق اسے تقویض کر سکتا ہے۔ فساد زمانہ کے مد نظر اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے یا کاہن نامہ تحریر ہو تو اس میں احتیاط کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا جانا ضروری ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں تقویض طلاق بوقت نکاح کے عنوان سے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مناسب مشورے بھی دئے ہیں تا کہ نکاح کے مصلح بھی فوت نہ ہونے پائیں اور ضرورت بھی پوری ہو جائے، اس موقع پر سب سے پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تقویض طلاق کے سلسلے کی تحریر جسے الحیلۃ الناجزۃ میں کاہن نامہ کا عنوان دیا گیا ہے اس کے تحریر کئے جانے کی تین صورتیں ہیں ( ۱ ) کاہن نامہ نکاح سے پہلے لکھوا لیا جائے ( ۲ ) عین وقت عقد میں زبان سے کہلوا لیا جائے ( ۳ ) نکاح کے بعد تحریر کیا جائے۔ پہلی صورت میں یعنی کاہن نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے ( اور ایجاب و قبول میں بطور شرط اس کا زبانی کوئی تسکیر نہ ہو ) اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو۔ مثلاً یہ کہ اگر میں فلان بنت فلان سے نکاح کرو اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ پڑا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکورہ کو یہ



اختیار حاصل ہوگا۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہو تو بموجب حدیث نبوی طلاق قبل الملك یہ اقرار نامہ ہے کہ محض ہوگا، " كما في التنوير فلما قوله لا جنبية ان زومت زيدا فانك طالق " دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی پہلے عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ اگر تم نے یہ کیا یا یہ نہ کیا تو اپنے معاملہ کا اختیار مجھے، یا مسماة فلاں کو ہوگا۔ اس کے جواب میں شوہر یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، یہ صورت اختیار کرنے کے بعد حسب شرط عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر ایجاب مرد کی جانب سے بغیر کسی شرط کے ہو اور لڑکی یا اس کے ولی یا وکیل نے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگا دی تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور یہ شرط لغو ہوگی (بحوالہ شامی ج ۲ ص ۹۶) حضرت تھانوی نے فقیہ ابو للیث کے حوالے سے ان دونوں صورتوں کا فرق بھی بیان فرما دیا ہے، اہل علم المیلۃ الناجزة میں پوری تفصیل دیکھ سکتے ہیں۔ تیسری صورت یہ تھی کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جائے یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ مصائب کے وقت خلاصہ کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری ہی صورت اختیار کرنا ہے، اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کے مغالط میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی کاہن نامہ لکھوایا جائے۔ مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے۔ اگر اس طرح عقد نکاح کے وقت یہ شرط عائد کر دی گئی اور شوہر نے اسے تسلیم کر لیا تو شرعاً یہ شرط معتبر ہوگی اور شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا، البتہ نوعیت اس اختیار کی الفاظ شرط کے مطابق ہوگی۔ تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا المیلۃ الناجزة میں، بحوالہ درمختار مستقول ہے کہ:

ولا يملك الزوج الرجوع منه اى من التفويض بانوامه الثلاثة لما فيه معنى التعليق قال

الشامى قوله الثلاثة اى التحير و الامر باليد و المشيئة اه

عورتوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرے سے خالی نہیں ہے، اس لئے تفویض میں مناسب قیود کا اضافہ بھی کر دینا چاہئے جس سے یہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ عورت یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو، یا مسماة فلاں کو اس شرط پر نکاح میں دے دیا کہ جس وقت تم سے کوئی شدید تکلیف پونچے، یا فلاں فلاں شرائط کی خلاف ورزی ہو جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دس آدمی تسلیم کر لیں تو اس کے بعد مسماة کو ہر وقت یہ اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بانن دے کر نکاح سے علیحدگی اختیار کر لے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس رات حاصل ہوگا جب نامزد کردہ افراد میں سے کم از کم دو

آدمی یہ تسلیم کر لیں کہ شرط کی خلاف ورزی ہوتی ہے، عورت کو اس کے باوجود جلد بازی نہ کرنی چاہئے کہ پہلے سنت کے موافق استخارہ کر لے اور اپنے خیر خواہوں سے ضروری مشورہ بھی کرے۔

اس تعلق میں اگر یہ الفاظ استعمال کئے گئے کہ شرط کی خلاف ورزی تسلیم کر لے جانے کی صورت میں عورت اگر چاہے تو خود پر طلاق واقع کر کے نکاح سے علمدگی اختیار کر لے تو یہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ مقید ہو جائے گی، جس میں شرط واقع ہوتی ہے، اس کے بعد عورت کو یہ اختیار نہ رہے گا، اسی طرح اگر یہ کہا گیا کہ عورت جب کبھی چاہے تو خود پر طلاق واقع کر لے، اس صورت میں ہمیشہ کے لئے اسے یہ اختیار حاصل ہو جائے گا اور مصلحت نکاح کے پیش نظر تو اختیار کو اتنا وسیع کر دینا مناسب ہے نہ ہی اتنا محدود کر دینا۔ مفید مطلب یہ ہے کہ صرف مجلس شرط کے ساتھ خاص ہو کر رہ جائے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو، لیکن اس مجلس کے ساتھ مقید نہ ہو، مثلاً ایک ماہ تک کی مدت ذکر کر دی جائے تاکہ عورت اس مدت میں مشورے اور غور و فکر وغیرہ کر کے صحیح فیصلہ کر سکے۔ سوال کی یہ شق کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور نہ دی تو دس ہزار ہوگا۔ اس کی نظیر وہی مسئلہ ہے جس کا حوالہ سوالنامے میں درج ہے فقہاء کے الفاظ میں یہ "تسمية المهر على تقدير و ضميرها على تقدير" کی صورت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پوری کی تو عورت کو اقل مسمیٰ ملے گا لیکن شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں اسے مہر مثل دیا جائے گا مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مہر مثل اکثر رقم سے بھی زیادہ ہے تو اکثر مسمیٰ سے زیادہ نہ ملے گا اور اگر اقل سے بھی کم ہے تو عورت اقل مسمیٰ بہر حال پائے گی، پیش کردہ مثال میں اس کی تطبیق یوں کی کہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی تو عورت کو دس ہزار مہر ملے گا لیکن اگر طلاق دیدی تو بجائے بیس ہزار کے وہ مہر مثل کی حدتار ہوگی، مہر مثل کی مقدار میں یہاں تین احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ بھی بیس ہزار یا اس سے کم مگر دس سے زیادہ یا دس ہزار ہو، ان صورتوں میں جو بھی مہر مثل ہے عورت اس کی حدتار ہوگی۔ لیکن مہر مثل دس ہزار سے کم ہے تو اس صورت میں دس ہزار جس پر دونوں متفق ہیں وہ دلا یا جائے گا اور اگر بیس ہزار سے زیادہ ہو تو چونکہ عورت بیس پر راضی ہے، اس لئے بیس ہزار ہی دلائیں گے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہیں تاہم قدیم فقہاء نے اس قول کو فتویٰ کے لئے راجح نہیں سمجھا، لیکن موجودہ حالات میں اگر ضرورت متقاضی ہو تو اہل علم اتفاق رائے کہ بعد اس کو اختیار کر لیں اس کی بھی اصولی گنجائش ہے، یہی حکم دوسری عورت سے نکاح والی صورت کا بھی ہے یہ تمام تفصیلات اس میں بھی جاری ہو سکتی ہیں۔ علامہ شامی نے اس کے بعد ہی بالغین علیٰ انہا جمیلة و بالف علیٰ انہا قبیحة کی تردید کو علی قول الامام بھی درست بتایا ہے۔ ثقلۃ الجہالۃ اس سے معلوم ہوا کہ قول امام کی بنیاد تردید نہیں ہے اور اگر ایسی کوئی خاص وجہ نہ پائی

جائے تو تردید کی صورت میں بھی ذکر کردہ مہر کے بھی خلاف ہوگا اور یہ تفسیر احکام بتسغیر الزمان کے  
بہیل سے ہوگا۔

سوال (۳۱) یعنی نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا، شوہر  
اگر اس شرط کو قبول بھی کر لے تو اس کی حیثیت ایک وعدے کی ہوگی اور آئندہ حالات کے مطابق اسے بہر صورت  
یہ حق حاصل ہوگا کہ جب چاہے عورت کو ملازمت وغیرہ سے روک دے اور جب شوہر روک دے تو عورت پر  
اس حکم کی تعمیل بھی لازم ہوگی، ورنہ وہ حق نفقہ سے بعض صورتوں میں بر بنائے نشوز محروم قرار دی جاسکتی ہے۔



## اشترائط فی النکاح

مولانا ابوالحسن علی صاحبؒ

شرائط کے سلسلہ میں اس حدیث شریف سے بنیادی رہنمائی ملتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کل صلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما او حرم حلالا و المسلمون مند شروطنہم الا شرمنا احل حراما او حرم حلالا۔“

”مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی مصالحت جائز ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو، اور مسلمانوں کو اپنی مانی ہوئی شرطوں پر قائم رہنا چاہئے بجز ان شرائط کے جن کے ذریعہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔“ (معارف القرآن ج ۲، ص ۵۲۲۔ فتح القدیر ج ۳، ص ۳۵۱)

فتح القدیر میں ایک روایت شرائط نکاح کے سلسلہ میں بھی ہے: **احق الشروط ان توفوا به ما** (فتح القدیر ج ۳، ص ۳۵۰)

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عقد و شرط جس سے شریعت نے نہیں روکا یا بالفاظ دیگر کسی حلال کی حرمت یا حرام کی حلت ثابت نہ ہوتی ہو وہ جائز ہے، اور ان کا ایفاء ضروری ہے۔ اور اگر وہ شرط حرام کردہ اشیا کو شامل ہو (چاہے اس کی حرمت کتاب اللہ کی نص خاص یا عام سے ہو یا سنت رسول سے ہو) وہ شرط منہی عنہ ہوگی، اور اس کا ارتکاب حرام ہوگا۔

معاوضہ مالیہ کے اعتبار سے شروط تین اقسام پر ہیں (۱) صحیح شرط، وہ شرط بھی صحیح ہے اور عقد بھی صحیح ہے، یہ وہ شرائط ہیں کہ عقد خود ان کا تقاضا کرے، یا عقد کے مناسب ہو یا اس سلسلہ میں شرعی حکم وارد ہو یا عرف جاری ہو۔ (معتبر شرائط کے ساتھ)

(۲) شرط فاسد، وہ شرط بھی فاسد ہے اور عقد بھی فاسد، یہ وہ شرائط ہیں، جس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہو یا ان کے علاوہ کسی مستحق کا نفع ہو۔ اور وہ ماقبل کی شرط کے مطابق نہ ہو۔

(۳) وہ شرط جو خود تو باطل ہو لیکن عقد صحیح ہو جاتا ہو۔ یہ وہ شروط ہیں جس میں اہل استحقاق کے علاوہ کا نفع ہو۔ یہ حکم معاوضات مالیہ کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اول شرط و عقد دونوں صحیح ہیں (۲) ثانی عقد بھی فاسد اور شرط بھی فاسد ہے (۳) شرط باطل اور عقد صحیح ہوگا۔ یہ وہ شروط ہیں۔ جو صلب عقد (عقد سے مقارن) میں ہوں۔

### معاوضات غیر مالیہ

نکاح، خلع وغیرہ میں فاسد شرط سے فساد کا اثر نہیں ہوتا اور فاسد شرط اس کو باطل نہیں کرتی۔ بلکہ شرط باطل اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔

شرط جائز وہ شرط کہ عقد بھی اس کا تقاضا کرے اور صراحت نہ کرے تو بھی وہ واجب ہوتی ہو جیسے ثمن کی ادائیگی پر بیع مشتری کے سپرد کرنے کی شرط اور عورت کا شوہر پر اپنے نفقہ کی ذمہ داری اور مہر کی ادائیگی کی شرط لگانا (الالتزامات فی الشرع الاسلامی ص ۲۰۹-۲۱۱)

سوال میں مذکور اول شرط اسی شرط جائز کی قبیل سے ہے۔ لہذا ان شروط کی وجہ سے عقد میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا۔ شرط ثانی و ثالث قاعدہ کے اعتبار سے فساد کو متضمن ہونے کی وجہ سے فاسد وغیر معتبر ہیں۔ لیکن تعلق و تفویض طلاق کی شرط فقہائے کرام نے احادیث شریفہ کی روشنی میں معتبر اور صحیح قرار دی ہے، لہذا یہ شرطیں تفویض اور تعلق کی شرطوں کے ساتھ معتبر ہوں گی۔ اسی طرح مہر کی شرطیں جن کا ذکر بعد والے سوال میں ہے کہ وہ بھی (کچھ شرائط کے ساتھ) معتبر ہے۔ اس کے علاوہ خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب میں سے کسی کے واسطے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ نکاح جائز اور شرط باطل ہے۔ اسی طرح اگر خوبصورتی یا بکارت یا ثیابت یا پاؤں کی سدرستی یا شہری ہونا یا اپنے باپ کی پسندیدگی کی شرط لگانی تو نکاح جائز اور شرط ثابت ہوگی۔

البتہ کفو ہونا، عنین اور خصی کا اختیار بلا شرط حاصل ہوتا ہے۔ (اصین الہدایۃ ج ۲ ص ۱۲) نیز

شرائط اور صلح کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ عورت اگر اپنے بعض حقوق کا مطالبہ نہ کرنے پر صلح کر لے تو یہ صلح عورت کے ان حقوق کو قطعی طور پر ختم کر دے گی جو بوقت صلح شوہر کے ذمہ عائد ہو چکے ہیں، جیسے دین مہر کہ وہ صلح سے پہلے واجب الاداء ہو چکا ہے، لہذا اس کے معاف کرنے پر وہ ساقط ہو جائے گا۔ عورت کو بعد میں مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ لیکن جو حقوق ایسے ہیں کہ بوقت صلح ان کی ادائیگی شوہر پر واجب ہی نہ تھی، مثلاً آئندہ زمانے کا نان و نفقہ یا حق شب پاشی جس کا وجود آئندہ زمانے میں ہوگا، ان کے ترک پر اگر صلح ہوگئی تو عورت کا حق ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوگا، بلکہ جب اس کا دل چاہے گا اپنے حق کو وصول کر لے گی، (معارف

القرآن ج ۲ ص ۱۵۲۵۔ و تفسیر ماجدی ج ۲ ص ۱۷۹)

عقد نکاح کے وقت عورت کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق طلب کرنا۔ اور شوہر کا اس کو تسلیم کرنا، عورت کو اختیار دیتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے تنویض طلاق کے عنوان سے اس کی مختلف شکلیں اور جزئیات تحریر فرمائی ہیں۔ صاحب ہدایہ اور شرح ہدایہ نے تنویض طلاق کے اختیار پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے، نصب الرایہ میں صاحب ہدایہ کے قول روی ان الصحابة اجمعوا علی ان المخیرة لها الخیار مادامت فی مجلسها پر گنگو فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

قلت فیہ من ابن مسعود و جابر و عمرو و عثمان و عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ فحدیث ابن مسعود رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ اخیرنا معمر بن ابن نجیم بن مجاہد ان ابن مسعود قال اذا ملکها امرها فتفرقا قبل ان تقضى بشئ فلا امر لها انکھی

ومن طریق عبد الرزاق رواہ الطبرانی فی مجمعہ قال البیہقی فیہ انقطاع بین مجاہد و ابن مسعود۔

حضرت جابر کی روایت بھی عبد الرزاق نے روایت لی ہے۔

حدیث عمرو و عثمان کو ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے اپنے اپنے مصنف میں نقل کیا ہے، حدیث عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا۔ اس میں حجاج ابن ارطاة ضعیف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسی طرح مجاہد، جابر ابن زید، شعبی، نخعی، عطاء اور طاؤس سے تخریج کی ہے۔ (نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ

ملخصاً ۳۳۹-۳۳۰ ج ۲)

سوال نامہ میں مذکورہ تینوں شکلیں جائز ہیں (۱) چاہے عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوں (۲) چاہے عقد کے وقت ہوں (۳) چاہے عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر ہو۔



شکل اول : اور اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں طلاق کی اضافت ملک کی طرف ہو۔ اگر اضافت الی النکاح نہیں ہوتی تو شرائط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور یہ شرائط نامہ لغو ثابت ہو کر صرف وعدہ کی حیثیت رکھے گا۔ جس کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ دیکھئے قدوری ۱۷۲۔ **الالتزامات فی الشرع الاسلامی**

۱۲-۳

شکل ثانی : عقد نکاح کے وقت ہی زبانی یا تحریری شرائط مذکور ہوں۔ تو اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ عورت کی جانب سے ایجاب ہو۔ (عورت یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو بابت فلان کو آپ کے نکاح میں (مذکورہ شرائط کے ساتھ) دیا اور مذکورہ شرائط میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی کی شکل میں مجھے اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا کسی وقت اپنے آپ کو طلاق باتن دے کر نکاح سے الگ کر سکوں۔ اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کر لیا، تو پھر عورت کو شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تمویض طلاق کی شرط لگائیں تو نکاح بلا شرط کے صحیح ہو جائے گا۔ اور شرط لغو ہو جائے گی، فتاویٰ قاضی خان میں ہے :

رجل تزوج امرأة على انها طالق او صلى ان امرها في المطلق بيدها ذكر محمد في الجامع انه يجوز النكاح والطلاق باطل ولا يكون الامر بيدها۔

فقیر ابو للیث فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب کہ ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور یہ کہا ہو "تزوجتك على انك طالق" اور اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو اور وہ یہ کہے "زوجت نفسي منك على اني طالق او صلى ان يكون الامر بيدي اطلق نفسي كلما شئت" اور شوہر نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہے، اور طلاق واقع ہوگی اور امر عورت کے اختیار میں ہوگا۔

کیوں کہ جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوتی تو طلاق و تمویض نکاح سے پہلے ہوتی، لہذا یہ صحیح نہیں ہوتی۔ اور جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو تمویض نکاح کے بعد ہوتی۔ کیوں کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد "قبلت" کہا یا اس طرح کہا قبلت على انك طالق او صلى ان يكون الامر بيديك تو نکاح کے بعد تمویض کرنے والا ہوا، کیوں کہ جواب سوال میں مذکور مضمون کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے :

او الجواب يتضمن اعادة ما في السؤال، وكذا المولى اذا زوج امته من صيده الخ، فتاویٰ

قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۷۹، شامی میں در مختار کی عبارت نکحها على ان امرها بيدها صحیح پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتداء

کرتے ہوئے زوجت منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق کے اور شوہر "قبلت" کے اور اگر شوہر اجدا کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور نہ عورت کو اختیار ہوگا۔ كما فی البحر من الخلاصة و البزازية شامی ۲- ۵۷۲ اور ۲- ۲۹۹ کے تحت قول صاحب در المختار قال زوجنی ابنتک علی ان امرها بیدک لم یکن الامر لانه تفویض قبل النکاح و فی ۲- ۲۲۲ تحت قول الدر لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده و کذا فی الہندیة ۱- ۲۷۳ عورت کی طرف سے ایجاب کے ساتھ شرط تفویض ذکر کرنا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

شکل ثالث: عقد نکاح کے بعد شوہر سے شرائط طے ہوں، یہ بھی درست ہے۔ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے مطلقاً اس کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینا خطرے سے خالی نہیں، لہذا مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگائی جائے جس میں وہ خطرہ باقی نہ رہے۔ مثلاً نکاح کے وقت عورت یا اس کے وکیل کی جانب سے یہ شرط لگائی جائے کہ جب تمہاری طرف سے عورت کو شدید تکلیف پہنچے جس کو قلیل قلیل آٹھ دس سنجیدہ آدمی تسلیم کر لیں اور وہ طلاق کو مناسب بھی سمجھیں تو اس وقت یہ معاملہ عورت یا وکیل کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علمدگی اختیار کر لے، اس صورت میں عورت کو طلاق کا اختیار اس وقت ہوگا جب کہ مذکورہ اشخاص تکلیف شدیدہ کو تسلیم کر لیں، اس کے بعد بھی عورت کو چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، کیونکہ جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام لے، غصہ کے وقت فوری اقدام نہ کرے، بلکہ کچھ مدت تک غور و فکر کرے اور اپنے خاندان کے بڑوں سے مشورہ کرے، سنت کے مطابق استفسارہ کرے اور بہتر فیصلہ کی دعا کرتی رہے، اس طرح احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں یہ بھی لکھوائے کہ خلاف شرط تسلیم ہو جانے کے بعد عورت کو ایک ماہ تک اختیار نہ ہوگا، پھر کسی وقت چاہے یعنی ایک ماہ کے بعد اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے علمدگی کا اختیار ہوگا۔ اور جب کبھی کسی شرط کے خلاف ہو تو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار و شرائط حاصل نہیں ہوں گے۔ مذکورہ شرط میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرے ورنہ اسی مجلس کے ساتھ مقید ہو جائے گی، مجلس کے اختتام کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح لفظ جب کبھی چاہے بھی شرط میں استعمال نہ کرے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے (اعادہ نکاح کے بعد بھی) عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ جب تک تین طلاق مکمل نہ ہو جاوے، لہذا ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے نہ تو تفویض مقید یا مجلس ہو جاوے اور نہ اتنی وسعت ہو جائے کہ عورت کو تین طلاق واقع کرنے کا اختیار مل جاوے۔ بہتر یہ ہے کہ شرائط نامہ علماء کرام کے پاس لکھوایا جائے یا ان



سے تصحیح کر لی جاوے۔ اسی طرح قانون داں یا سرکاری وکیل کو بھی بتایا جاوے کہ قانونی پیچیدگی نہ ہو۔

شوہر کو تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے عورت کو اختیار دینے سے پہلے مرد کو غور و فکر اور اہل علم و فہم سے مشورہ کر لینا ضروری ہے تاکہ بعد میں پریشانی نہ ہو۔ عالمگیری میں ہے:

ولیس للزوج ان يرجع فی ذلک ولا ینہاما صما جمل الیہا ولا یفسخ (۱۱۱-۳۸۷ نیز دیکھئے

در مختار ۲۰۲، البحر الرائق ۳۰۳، ۱۳۲۲)

جواب (۷) مہر کی شرطیں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے طلاق کی اور عدم طلاق کی صورت میں مہر کی کمی زیادتی کی شرط لگانے کے سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں بہت کچھ مسائل مذکور ہیں، جس میں امام صاحب، صاحبین اور امام زفر کے مختلف اقوال اور دلائل ہیں، اس کو کتاب الاجارہ کے ایک مسئلہ پر قیاس کیا ہے جس میں موجر مستاجر سے یہ کہے کہ اگر تو آج یہ کپڑا سنیے تو ایک درہم ملے گا اور اگر کل سینے تو آدھا درہم ملے گا، تو امام صاحب کے نزدیک آج کی شرط کے مطابق آج ایک درہم اور کل آدھا نہیں، بلکہ اجر مثل دیا جائے گا جو آدھے درہم سے کم نہ ہو اور ایک سے زیادہ نہ ہو، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح، امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہوں گی۔ اولانکاح کے مسئلہ کو ذکر کرنا مناسب ہے۔ ابن ہمام نے صاحب حدایہ کا قول:

وانما تزوجها علی الف ان لا ینخرجها من البلدة او علی ان لا یتزوج علیها اخری فان وفی بالشرط فلها المسمی وان تزوج علیها اخری او اخرجها فلها مہر مثلها۔ ولو تزوجها علی الف ان اقام و علی الغین ان اخرجها فان اقام بها فلها الف و ان اخرجها فلها مہر المثل لا یزاد علی الغین ولا ینقص من الف اھدایۃ اولین ص ۳۲۹ نقل کر کے اس کی دو صورتیں نکالی ہیں۔

(۱) عورت کے لئے مہر مقرر کیا جاوے اور اس کے ساتھ ایسی شرطیں لگائیں جس میں عورت کا فائدہ ہو، جیسے اس کو شہر سے نہ نکالے یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے یا اس کی سوکن کو بطلاق دیے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ ایک تقدیر پر اتنا مہر اور دوسری تقدیر پر اتنا مہر ہو، ولو تزوجها علی الف ان اقام بها و علی الغین ان اخرجها ص ۳۲۹ اھدایۃ اولین، اول شکل کا حکم کتاب میں ظاہر ہے کہ اگر شوہر شرط پر عمل کرے تو عورت کے لئے مہر مسمی ہوگا اور عدم ایفاء شرط کی شکل میں اس کو مہر مثل ملے گا۔ اگر مہر مثل مسمی کے بقدر یا اس سے کم ہو تو اب دوسری کسی چیز کی مستحق نہیں ہوگی۔



دوسری شکل کا حکم یہ ہے کہ اول صورت پر عمل کیا تو عورت کو ہزار لے گا اور اگر صورت ثانیہ پر عمل کیا تو عورت کو مہر مثل لے گا، جو دو ہزار سے زیادہ اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔ فان اقام بها فلها الف۔ و ان اخرجها فلها مہر المثل لا یزاد علی الالفین و لا ینقص من الالف و هذا سند ابی حنیفۃ۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں۔ شرط کے مطابق مہر لازم ہوگا۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں، لہذا عورت کو مہر مثل لے گا، جو ہزار سے کم نہ ہو اور ہزار سے زیادہ نہ ہو۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اولیٰ تسمیہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے، بلکہ وہ بلا شرط ہے، بخلاف دوسرے تسمیہ کے کہ وہ معلق ہے، پس جب اس کی شرط پائی گئی اس طرح کہ شوہر نے اس کو شہر سے نکالا تو عورت کے لئے مسمیٰ ثابت ہوا اور وہ اول مسمیٰ ثابت تھا، کیونکہ تجزیہ کلام شرطیہ کلام کے وجود کو ختم نہیں کرتا، پس جب معلق اپنے شرط کے وجود سے پایا گیا تو دو تسمیے جمع ہو گئے، لہذا مہر مثل واجب ہوگا جہالت کی وجہ سے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں معلق ہیں، لہذا ہر تقدیر پر مسمیٰ واحد کے علاوہ نہیں پایا گیا

امام زفر فرماتے ہیں کہ اس جگہ شرطیہ کلام ہے ہی نہیں، بلکہ تجزیہ کلام ہے اور مال کا ذکر تو ترغیب کے لئے ہے نہ کہ شرط کے لئے، پس دو تسمیے جمع ہو کر جہالت کی وجہ سے فاسد ہو گئے۔ فتح القدیر ۳-۳۵۷۔ البحر الرائق ۳-۱۷۳ اجارہ کی عبارت یہ ہے کہ ان خمسہ الیوم فلک درہم و ان خمسہ عدا فلک نصف درہم۔

امام زفر کی دلیل سنانی ایک چیز ہے اور اس کے مقابلے میں دو عوض بطور بدل کے ہو گئے، لہذا مجہول ہو گئی۔ آج کا دن مجلس کے لئے اور کل کا آرام و راحت کے لئے ذکر کیا ہے، آج کے دن آج کا اور کل کا بھی آج سے ہی ثابت ہوگا۔ لہذا دو تسمیے کی دو الگ نوع ہو گئیں۔ دو تسمیے کا اجتماع نہیں ہوا۔

امام صاحب کے نزدیک کل کی تعلق آج کی میعاد نہیں۔ ورنہ عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وقت اور کام دونوں جمع ہوتے ہیں۔ وقت کے لحاظ سے اجر خاص اور کام کے لحاظ سے اجر مشترک لامحالہ میعاد مقصود نہیں ہے تو آج کی شرط میں دو تسمیے جمع نہیں ہوئے، بلکہ کل کے روز میں جمع ہوئے تو آج کی شرط صحیح اور کل کی شرط فاسد ہوئی، مگر کام کی ہجرت اجرت مثل دی جائے گی، عین الہدایہ ج ۳ ص ۷۲۱

تلامذہ کا سانی فرماتے ہیں:

ولا ہی حنیفۃ انه اجتمع فی الیوم الثانی بدان متفاوتان فی القدر۔ لان البدل المذكور

فی الیوم الاول جعل مشروعا فی الیوم الثانی بدلیل انه لو لم یذکر الیوم الثانی بدلا آخر و صل

فی الیوم الثانی یتحقق المسمى فی الاول فلو لم يجعل المذكور من البدل فی الیوم الاول  
مشروطا فی الثانی لما استحق المسمى و اذا اجتمع بدلان فی الیوم الثانی صار مكانه قال فی  
الیوم الثانی فلک درهم او نصف درهم - فكان الاجر مجهولا فوجب فساد العقد - ابن سماع کی نوادر  
میں دوسری ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے اس میں امام صاحب نے دوسرے دن اجر مثل فرمایا - لیکن مزید یہ  
عبارت ہے - لا یزاد علی نصف درهم قدری نے اس روایت کو ہی الصحیحۃ فرمایا - بدافع الصنائع ۲ -

۱۸۶-۱۸۷

عنا یہ اور فتح القدر میں بھی امام صاحب کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے ، اس کا حاصل بدائع ہی کی طرح سے ہے ، امام  
زفر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے :

ولنا انه سمي فی الیوم الاول عملا معلوما و بدلا معلوما و فساد الشرط الثانی لا یؤثر فی  
الشرط الاول كمن عقد اجارة صحیحة و اجارة فاسدة - اما الیوم الثانی فوجه قول ابی  
یوسف و محمد علی نحو ما ذکرنا فی الیوم الاول انه سمي فی الیوم الثانی عملا معلوما و  
بدلا معلوما كما فی الاول فلا معنى لفساد العقد فيه كما لا یفسد فی الیوم الاول صلیة مع فتح  
القدير ج ۷ ص ۲۰۹-۲۱۰

فریقین کے دلائل پر نظر کرتے ہیں تو قوت میں دونوں کے دلائل قوی ہیں ، لیکن مسئلہ فساد و عدم فساد کا ہے ،  
اس لحاظ سے تو امام صاحب کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے ، دوسری طرف لوگوں کی ضرورت و حاجت اور سد ذرائع کے  
طور پر صاحبین کے قول میں آسانی ہے ، علامہ شامی رسم المفتی میں امام صاحب و صاحبین کے اختلاف کی وضاحت  
کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقیل بالتحییر فی فتواہ ان خالف الامام صاحباه وقیل من دلیله اقوی رجح و ذا المفت

ذی اجتہاد الاصح

اگر صاحبین امام صاحب کے مخالف ہیں اور دلیل و جواب میں بھی اتفاق ہے تو حضرت عبد اللہ بن مبارک  
کے قول کے مطابق امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور حاوی میں اس قول کو تصحیح والاقرار دیا ہے کہ قوت  
دلیل کا اعتبار ہوگا (مفتی مجتہد کے لئے) آگے نین اقوال ذکر کرتے ہیں - الاول

اتباع قول الامام بلا تحییر الثانی التحییر مطلقا الثالث وهو الاصح التفصیل بین

المجتہد و ضیرو و بہ جزم قاضی خان -

آگے ایک اور قول نقل کرتے ہیں۔

لا يرجح قول صاحبيه او احدهما على قوله الا بموجب وهو اما لضعف دليل الامام و اما  
للضرورة و التعامل كتر جميع قولهما في المضارعة و المعاملات و اما لان خلافهما له بسبب  
اختلاف المصرو الزمان (ص ۲۰ رسم المفتى)۔

البتہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے میں احتیاط کی ضرورت ہے، جیسے کہ علامہ شامی ابن ہمام کے متعلق ذکر  
کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لكن هو اهل للنظر في الدليل من ليس باهل للنظر فيه فعليه الافتاء بقول الامام الهيت سے  
مراد یہ ہے کہ اقوال ائمہ کے درمیان تمیز کرنے والا اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت والا ہو۔

آخر میں فیصلہ کن بات بیان کرتے ہیں اور جب ہم دلائل میں تمیز نہیں کر سکتے اور مشلح کے رتبے تک پہنچنے  
تو ضروری ہے کہ سلف کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے جس قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، اس کو مان لیں۔

و انظر الى ما قدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدين لم ينتقدوا حتى نظروا في  
المختلف و رجحوا و صححوا الى ان قال فعلينا اتباع الراجح و العمل به كما لو افتوا في حياتهم  
(رسم المفتى ص ۲۳)

شرح ہدایہ میں سے تمام نے فریقین کی دلیل کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے بھی دونوں میں سے کسی  
قول کو قطعی طور پر راجح نہیں قرار دیا، ابن ہمام کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں صاحبین کے  
دلائل بھی وسیع ہیں، اگرچہ صراحت انھوں نے بھی کسی کے قول کو راجح نہیں قرار دیا ہے۔

قدوری کی شرح اللباب میں اجارہ والا مسئلہ ذکر کر کے لکھا ہے:

قال في التصحيح و استمدوا قول الامام في الخلافات المذكورة المحبوبي و النسفي و  
صدر الشريعة و ابو الفضل۔

البتہ نکاح والے مسئلہ میں وہ بھی ساکت ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ علم و بصیرت والے فقہائے کرام شوریٰ  
طریقہ سے مسئلہ کے مالہا و ماصلیہا فریقین کے دلائل اور صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے کی صورت میں  
متوقع مضرات سے قطعی طور پر بچایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس پر غور کر کے اور ضرورت کا تحقق ہو رہا ہے یا نہیں؟  
اس پر غور کر کے فیصلہ کر لیں۔

سوال (۳) سرکاری ملازمت میں اکثر عورتوں کو اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور انجام دینے ہوتے



ہیں، اس لئے یہ شروط فاسدہ میں سے شمار ہونگی، جن کا ایفاء لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی ایسی ملازمت مل جائے جس میں اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور سے اجتناب ممکن ہو اور شوہر نے اسی ملازمت کی شرط قبول کر لی ہو تو پھر شوہر پر اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

لیکن ایسی ملازمت شاذ و نادر ہی ہوگی جس میں غیر مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی شروط سے اجتناب ہی کیا جائے ایک شادی شدہ عورت کو شرعاً ملازمت کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ضروریات و اخراجات کا بوجھ شریعت نے شوہر کے ذمہ لازم کر دیا ہے۔ لہذا اگر شوہر عورت کو ملازمت سے روک دے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ منکوہ عورت کے لئے ملازمت غیر ضروری امور میں سے ہے جس کا مقصد اراش و آرائش۔ تمیل ہے نہ کہ ضرورت کی تکمیل۔ اسی لئے اس باب میں عورت کے لیے شرعاً شوہر کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اگر شوہر نے بوقت عقد شرط قبول بھی کر لیا ہو تو اس کے ذمہ اس کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ عورت کو غیر شرعی امور کے ارتکاب سے روک دے۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ۔

## اشترائط في النكاح كالمستل

مولانا انیس الرحمان قاسمی

شریعت نے معاہدات و معاملات میں شرائط کے ایفاء کو ضروری قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وفاء عہد کو ایمان والوں کی صفت قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے :

والموفون بمہدہم اذا ما ہدوا۔ (سورۃ بقرۃ۔ آیت ۱۷۷) اور جب عہد کرتے ہیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

المؤمنون علی شروطہم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا۔ (صحیح البخاری) قال الخطابی فی شرح الحدیث، شروط فی النکاح مختلفۃ فمنہا ما یحب الوفاء بہ اتفاقا و هو ما امر اللہ بہ من امساک بمعروف او تسریح باحسان۔ و علیہ حمل بعضہم هذا الحدیث و بمن قال بهذا القول الشافعی فی المشہور عنہ قال ابن حجر الحدیث منہم محمول علی الشروط التي لا تنافی مقتضی النکاح بل یكون من مقتضیاتہ و مقاصدہ کاشترائط العشرة بالمعروف و الانفاق و الکسوة و السكنی و لا یقصر فی شئی من حقہا من قسمة و نحوہا (معالم السنۃ۔ ۵۵)

مومن اپنے شرائط پر رہتا ہے الایہ کہ ایسی شرط ہو جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال۔

اس حدیث میں ایمان والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جب کسی معاہدہ و معاملہ میں کسی شرط کا التزام کرتے ہیں تو اس کی پابندی کرتے ہیں، الا یہ کہ وہ شرط ایسی ہو جس سے حلال حرام ہو جاتا ہو یا حرام حلال ہو جاتا ہو تو پھر اس کی پابندی نہیں کرنی ہے۔ اس کے علاوہ نکاح کے بارے میں فرمایا ہے:

ان احق الشروط ان توفوا بها ما استحللتم به الفروج، صحیح البخاری، تمام شرطوں میں ایفاء کے اعتبار سے اہم شرطیں وہ ہیں جن کی وجہ سے استمتاع حلال ہوتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں جو شرائط طے ہوں ان کی پابندی ضروری ہے لیکن یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اگر کسی شرط سے حکم شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا وہ اس کے مقتضی کے خلاف ہے تو ایسی شرط فاسد و غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل (۲)۔

اس لیے دونوں طرح کی احادیث کی وجہ سے فقہاء اسلام کے اس اتفاق کے باوجود کہ نکاح میں شرط کی گنجائش ہے، یہ مسئلہ اجتہادی رہا ہے کہ کس نوعیت کی شرائط صحیح ہیں اور کس طرح کی باطل ہیں۔

## شرط صحیح

شرائط تصدیق کی تین قسمیں ہیں: شرط صحیح، شرط فاسد، شرط باطل۔

شرط صحیح میں معاملہ کے ارکان و شرعی شروط و احکام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ اس کے مقتضی کے مناسب ہوتی ہے، چنانچہ شرط صحیح کے ضابطہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ۔

۱۔ عقد کرتے وقت محل عقد کے ساتھ کسی صفت کا اشتراط ہو۔

۲۔ یا ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے۔

۳۔ یا اس کے مقتضی کے مناسب ہو۔

۴۔ یا شریعت میں ہی وہ شرط مقبول ہو۔

۵۔ یا ایسی شرط ہو جس کے بارے میں لوگوں کا تعامل ہو (دیکھئے البدائع ۵-۱۷۱ مطبوعہ المجلدیہ)

## قسم اول کی مثال

شرط صحیح میں اگر محل عقد کے ساتھ کسی صفت قائم کا اشتراط نکاح میں ہو اور وہ صفت ایسی ہو جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں خلل پڑتا ہو اور ایک دوسرے کے حقوق متاثر ہوتے ہوں تو ایسی شرط کا اعتبار کیا جائے،



جیسے نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ اس کا ہونے والا شوہر جنون، جذام، جب، و عنت، برص یا ایڈز میں مبتلا نہ ہو۔ اگر مبتلا ہوگا تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

فتاویٰ تاتار خانہ میں ہے :

و كذلك لا يثبت للمرأة الخيار عند ابى حنيفة و ابى يوسف و عند محمد يثبت لها الخيار فى العيوب الخمسة اذا كان على صفة لا تطيق المقام معه.

و فى المضمرات تنظر ان كان فى العيب كالجنون الحادث و المرض و نحوهما فهو و العنة سواء فىنظر حولا و ان كان الجنون اصليا او به مرض لا يرجى بره فهو و الجنب سواء و هى بالخيار ان شاءت رضيت بالمقام معه و ان شاءت رفعت الامر الى الحاكم حتى يفرق بينهما  
(الفتاوى التاتار خانية ۵۹۹.۲)

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔ البتہ امام محمد کہتے ہیں کہ عیوب خمسہ اگر ایسے ہوں کہ ان کی موجودگی میں بیوی شوہر کے ساتھ ٹھیک سے نہیں رہ سکتی ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا۔

اور مضمرات میں ہے کہ دیکھا جائے گا اگر عیب جیسے جنون حادث ہے یا ایسا مرض ہے تو یہ اور نامردی برابر ہیں۔ اس صورت میں ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر جنون اصلی ہے یا ایسا مرض ہے جس سے شفاء کی امید نہیں ہے تو یہ اور جب یعنی مقطوع الذکر برابر ہیں، اس صورت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو قاضی کے پاس اپنا معاملہ پیش کر کے تفریق کرائے۔

لیکن ان امراض کے علاوہ اگر کسی نے اندھاپن یا بہراپن بڑھاپا یا فلج وغیرہ سے سلامت ہونے کی شرط لگائی، تو فقہاء احناف اس صورت میں "خيار" کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

قال و اذا شرط احدهما السلامة لصاحبه من العمى و الشلل و الزمانة فوجد بخلاف ذلك لا يثبت لها الخيار و كذلك لو شرط احدهما على صاحبه صفة الجمال (الفتاوى التاتار خانية ۵۹۹.۲)

مرد و عورت میں سے کسی نے یہ شرط لگائی کہ دوسرا اندھاپن یا فلج یا بڑھاپے میں مبتلا نہ ہو اور نکاح کے بعد یہ عیب پایا تو اختیار نہ ملے گا، اسی طرح اگر خوبصورتی کی شرط لگائی اور اس کے برخلاف پایا تو بھی اختیار نہ ہوگا۔

## دوسری قسم کی مثال

یعنی عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی جائے جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے اور اس سے کوئی نئی ذمہ داری فریقین پر نہیں آتی ہے، جیسے نکاح کی وجہ سے بیوی کا نفقہ سکنی و کسوتہ، اسی طرح حق زوجیت یا دو زوجگی کی صورت میں انصاف یہ سارے حقوق بیوی کو ملتے ہیں، اب اگر عورت نکاح کے عقد میں ان شرائط کا اضافہ کرتی ہے تو اس اضافہ سے نکاح پر کوئی فلفل اثر مرتب نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے کوئی نئی چیز اسے حاصل ہوگی۔

وفى الخانیة ، رجل تزوج امرأة على ان ينفق عليها فى كل شهر مائة دينار قال ابو

حنيفة النكاح جائز و لها نفقة مثلها بالمعروف (ایضاً ۲۰۲۲)

کسی مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ مرد عورت کو ہر ماہ ایک سو دینار نفقہ دے گا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور عورت کو معروف طریقہ پر نفقہ ملے گا۔

## تیسری قسم کی مثال

یعنی ایسی شرط جس کا عقد تقاضہ تو نہیں کرتا مگر اس کے مقضی کے مناسب ہے جیسے کسی عورت سے نکاح کرتے وقت مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو دو ہزار مہر ہوگا اور اگر بدصورت ہوگی تو ایک ہزار مہر ہوگا تو یہ شرط صحیح ہوگی۔ اس لئے کہ مہر مقضیٰ عقد ہے اور یہ شرط اس کے مناسب ہے خلاف نہیں ہے۔

قال اذا تزوج امرأة على الف ان كانت قبيحة و على الغين ان كانت جميلة فلها الفان و

ان كانت قبيحة فلها الف و هذا بلا خلاف الفتاوى التاتار خانیة ۱۰۲۰۲

## چوتھی قسم کی مثال

یعنی ایسی شرط عائد کی جائے جو شریعت میں مقبول ہو مگر اس کے ذکر سے مقصود و تاکید ہوتی ہے، جیسے عورت سے نکاح کی یہ شرط ہے کہ وہ کسی کے نکاح میں نہ ہو اور نہ ہی وہ عدت میں ہو، پس اگر شوہر نے عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی، کیونکہ یہ شرط خود نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری ہے یا مہر کو ایک ماہ میں ادا کرنے کی شرط لگائی تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی اور اس صورت میں بیوی کو اپنے نفس کو روکنے کا حق ہوگا۔

(بد المعتمد ۱۳۵۴ وغیرہ)

## پانچویں قسم کی مثال

عقد نکاح میں بیوی نے متعین مہر کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ عرف کے مطابق مہر ادا کرنا ہوگا اور اس کے شرکاء عرف یہ ہے کہ ایک تہائی یا دو تہائی مہر کی رقم رخصتی سے پہلے دی جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

قال (او) اخذ (قدر ما يجعل لمثلها مرفاً) به یعنی لان المعروف كالمشروط ان لم يؤجل او يجعل كله فكما شرط۔

قال الشامی قلت و المتعارف فی زماننا فی مصر و الشام تعجیل الثلثین و تاخیر الثلث  
ارد المحتار مع الدر المختار ۲-۱۲۲

## شرط فاسد

اگر فریقین نے ایسی شرط عائد کی جو:

- ۱۔ کسی امر محظور و ممنوع پر مشتمل ہے۔
- ۲۔ یا اس میں دھوکہ (غرر غیر یسیر) ہے۔
- ۳۔ یا اس کا قضا نہ تو عقد کرتا ہے اور نہ ہی مقضنا کے مناسب ہے اور نہ ہی اس کی موافقت میں شرع یا عرف ہے تو ایسی شرط فاسد ہے۔

## شرط اول کی مثال

جیسے نکاح جو حقیقت میں ایسا معاہدہ ہے جس میں ابدیت ہے پس اگر کوئی نکاح موقت کرے جیسے مرد یہ کہے کہ: اتزوجك مشرة ایام۔

اور عورت قبول کرے تو یہ نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ اس نے دس دن کی قید لگا کر نکاح کی ابدیت کو ختم کر دیا ہے۔

و اما الثانی فهو ان يقول اتزوجك مشرة ایام و نحو ذلك و انه فاسد عند اصحابنا

الثلاثة و قال زفر النکاح جائز و هو مؤبد و الشرط باطل البدائع ۳-۱۲۲۔

یا اس شرط پر شادی کی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا تو شرط باطل ہو جائے گی۔

رجل تزوج امرأة علی الف علی ان لا ترثه و لا يرثها جاز النکاح و يتوارثان وليس لها



الف درهم كان مهر مثلها اقل من ذلك او اكثر الفتاوى التاتار خانية ۲-۳-۷۰۲

## شرط دوم کی مثال

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور ایجاب کو کسی شخص کے تسلیم و رضا پر موقوف کیا، جیسے یہ کہا میں نے تم سے نکاح کیا اگر فلاں شخص راضی ہو جائے اور وہ شخص وہاں موجود نہیں ہے تو نکاح جائز نہ ہوگا اس۔ کہ ایجاب میں غرر و مخاطرت ہے۔

اذا قال لامرأة قد تزوجتك بالف درهم ان رضی فلان اليوم فان كان فلان حاضرا فقال رضیت جاز النکاح استحسنانا و ان كان غیر حاضر لم یجز ... جمل الايجاب مخاطرة  
(الفتاوى التاتار خانية ۲-۵۹۹-)

## شرط باطل

فقہاء احناف شرائط شرعیہ میں سے ان شرائط کو جو صلب عقد میں داخل ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی کو باطل سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے بیع میں بدلین میں سے کوئی ایک خمر و خنزیر ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے اسی طرح نکاح میں یہ شرط ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک دوکرے کے لئے محرم موبد نہ ہو، اس لئے اگر کسی نے محرم خاتون سے نکاح کر لیا تو نکاح باطل ہو جائے گا (رد المحتار ۳/۱۳۲)

## فاسد و باطل کے درمیان فرق

فاسد اور باطل کے درمیان احکام و آثار کے ترتب میں فرق ہوتا ہے، اگر عقد باطل ہوتا ہے تو اس کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔

الظاهر ان المراد بالبطل ما وجوده كعدمه لذا لا يثبت النسب و لا العدة في نكاح المحارم ايضا (ايضا)

جب کہ نکاح فاسد میں مجامعت سے مہر مثل بھی واجب ہوتا ہے، عدت بھی واجب ہوتی ہے اور نسب بھی ثابت ہوتا ہے۔

قال في تنوير الابصار و يجب مهر المثل في نكاح فاسد بالوطوء ... لا بغيره ... و

تجب العدة بعد الوطوء من وقت التفريق ويثبت النسب (حواله سابق ۱۳۱۳ تا ۱۳۲۲)۔

فقہاء احناف میں بعض حضرات نے نکاح کے باب میں باطل اور فاسد کے درمیان کسی فرق کے ہونے سے انکار کیا ہے، لیکن قول صحیح یہ ہے کہ عدت کے درمیان فرق ہے۔

رد المحتار میں ہے :

قوله فلا صدة في باطل فيه انه لا فرق بين الفاسد و الباطل في النكاح بخلاف البيع كما في نكاح الفتح و المنظومة المحببة لكن في البحر من المجتبي كل نكاح اختلف العلماء في جوازه كالنكاح بلا شهود فالدخول فيه موجب للعدة اما نكاح منكوحه الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة ان علم انها لغير لانه لم يقل احد بجواز فلم ينمقد اسلا فعلى هذا يفرق بين فاسده و باطله في العدة و لهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية و غيرها. (رد المحتار ۳، ۵۱۷)

### نکاح فاسد اور شرط فاسد کے درمیان فرق

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ نکاح کی صحت کے لئے شریعت نے جو شرائط مقرر کی ہیں ان کو "شرائط شرعیہ" کہتے ہیں۔ اگر ان شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہیں پائی جائے تو نکاح فاسد ہو جائے گا، جیسے نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے اگر کوئی بغیر گواہ نکاح کرے تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔

نکاح فاسد کی تعریف کرتے ہوئے صاحب در مختار لکھتے ہیں :

وهو الذى فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود الدر المختار مع رد المحتار ۳، ۱۳۱

اس کے برخلاف اگر کسی نے عقد نکاح میں جب کہ شرائط صحت پائی جاتی ہوں ایسی شرط لگائی جو فاسد ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہو جائے گی، جیسے کوئی خاتون اس شرط پر نکاح کرے کہ شوہر اس سے جماع نہ کرے گا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوگی، اس پر عمل ضروری نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں :

بخلاف مالمو شرط شرطاً فاسداً كما لو تزوجته ملى ان لا يطأها يصح النكاح و يفسد

الشرط. (رد المحتار ۳، ۱۳۱)

اور بنایہ میں شرط فاسد کی مثالوں کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

و الثاني ما يبطل فيه الشرط ويصح النكاح مثل ان يشترط ان لا يكون لها مهر او لا ينفق عليها و ان لا يطاها او يعزل عنها او لا يكون صندا في الجمعة الا يوما او ليلة او شرط لها النهار دون الليل او شرط عليها ان تنفق عليه او تقطعه شيئا من مالها فهذه الشروط كلها باطلة لانها تنافي مقتضى العقد و النكاح صحيح في الصور كلها لانه لا يبطل بالشروط الفاسدة (البنية على شرح الهداية ۲۷۵.۲)

اس سے واضح ہو گیا کہ عقد نکاح میں کسی فریق کا ایسی شرط عائد کرنا جس کا مقصد نکاح سے ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے یہ شرط کہ شوہر عورت کا نفقہ نہ دے گا یا اس سے تعلق زوجیت قائم نہ کرے گا یا عزل کرے گا، یا یہ کہ اس کے پاس صرف دن کو رہے گا، یا ہفتہ میں ایک دن رہے گا، یا یہ کہ بیوی اسے کوئی چیز دے گی، یہ تمام شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں اس لئے ان پر عمل ضروری نہیں ہوگا، ان کی حیثیت عقد میں شرط باطل کی ہے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے ان کے نزدیک عورت کی طرف سے عقد نکاح میں اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے کہ اس کی موجودگی میں اگر شوہر دوسری عورت سے شادی کرے گا، یا اسے شر سے کہیں اور لے جائے گا، تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، اور اگر دوسری شادی نہیں کرے گا، یا دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ اس صورت میں شرط پوری کرنے پر عورت دو ہزار مہر نہیں پائے گی، مہر مثل پائے گی جو نہ ایک ہزار سے کم ہوگا اور نہ دو ہزار سے زائد ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسی شرط جائز ہے۔

بنایہ میں ہے :

ولو تزجها على الف ان اقام بها يعنى في بلدها و على الفين ان اخرجها يعنى من بلدها فان اقام قلها الف و ان اخرجها قلها مبر مثلها لا يزاها على الفين و لا ينقص من الالف و هذا الحكم مند ابى حنيفة و قال الشرطان جائزان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الا لكان ان اخرجها من بلدها (ايضا ۲۷۶.۲)

موجودہ حالات میں جب کہ عورتوں پر مختلف قسم کے ازدواجی زکوٰۃ کی میں مظالم ہو رہے ہیں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے۔

## عورت کی طرف سے ملازمت میں رہنے کی شرط

موجودہ دور کے معاشرتی و اقتصادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ پیش آ رہا ہے کہ مختلف ممالک میں مسلمان عورتیں حصول تعلیم کے بعد ملازمتوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی رہتی ہیں، ایسی



عورتیں اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو عقد نکاح میں مرد قبول بھی کر لیتا ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ہندی شوہر کے لئے ضروری ہوگی یا نہیں اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی یا نہیں؟

ہماری رائے میں یہ شرط بھی شرط فاسدہ میں داخل ہے اس لئے یہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے اس سے شوہر کے حق احتباس زوجہ کو نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء، احناف نے ایسی عورتوں کے لئے جو دایہ یا مردہ عورتوں کو غسل دینے کا کام کرتی ہیں اور یہ فرض کفایہ بھی ہے، بغیر شوہر کی اجازت کے اس کام کے لئے گھر سے نکلنے کو منع کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں۔

لہ ان یمنع امراتہ العزل و لا تتطوع للصلوة و الصوم بمرافق الزوج کذا فی الظہیریۃ و ینبغی عدم تخصیص العزل بل لہ ان یمنعہا من الاصل کلہا المقتضیۃ للكسب لانہا مستغنیۃ منہ لو وجوب کفایتہا علیہ (البحر الرائق ۱۲۹۳)

ان للزوج ان یمنع القابلۃ و الغاسلۃ من الخروج لان فی الخروج اضراراً بہ و ہی محبوسۃ لحقہ و حقہ مقدم علی فرض الکفایۃ بخلاف الحج الفرض لان حقہ لا یقدم علی الفرض المعین (ایضاً ۱۹۵۳)

## عورت کا عقد نکاح میں حق طلاق کی شرط لگانا

شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔

یا ایہا النبی ادا طلقتم النساء فطلقوهن لمدتھن۔ (سورۃ الطلاق ۱) نیز سورہ بقرہ آیت ۲۳۷۔

۲۳۶ میں طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے، اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تعویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے۔

## اشترائط فی النکاح

مولانا محمد ثناء الہدی قاسمی

حائلی زندگی کے آغاز کے لئے نکاح، مرد عورت کے درمیان ایک ایسا عقد ہے، جس سے دو اجنبی نفوس میں مودت و محبت کا ایک نیا باب کھلتا ہے، اور وہ اس طرح یک جان دو قالب ہو جاتے ہیں کہ ایک کی خوشی دوسرے کو مسرور و شادماں اور ایک کا رنج دوسرے کو رنجیدہ اور پریشان کر دیتا ہے، عام طور سے یہ قربت ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے ہی پیدا ہو جاتی ہے اور دونوں اعتماد کی فضا میں سانس لینے لگتے ہیں۔ نکاح کے بعد یہ انقلاب ایسا عظیم اور متحیر کن ہوتا ہے کہ عقل انسانی اور شعور کی پہونچ وہاں تک نہیں ہو پاتی کہ یک بیک وہ کون سی قوت اور کیسا کنکشن ہے جو دل کی دنیا کو جوڑ دیتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی بعض خارجی حالات اور شیطان کی کارستانیوں کی وجہ سے اس درجہ قربت اور اعتماد پیدا نہیں ہو پاتا جو نکاح کا لازمہ ہے، بلکہ نکاح کے قبل ہی فریقین شکوک و شبہات اور بے اعتمادی کے شکار ہوتے ہیں، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد حائلی زندگی پر بھی اس کے مہیب سائے پڑیں گے ایسے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نکاح کو کچھ شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تاکہ مخالف حالات پیدا ہونے کی صورت میں "امساک بالمعروف" ناممکن ہو تو "تسریع بالاحسان" عمل میں آجائے اور ایک دوسرے کے استحصال سے بچا جاسکے۔

شرط صحیح

یہ شرائط عام طور سے دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم ان شرائط کی ہے جو عقد نکاح کے متقاضی ہونے

مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے یا عرف کے جاری ہونے کی وجہ سے لگانے گئے ہوں، فقہاء کی اصطلاح میں اسے شرط صحیح کہتے ہیں۔

” مذهب الحنفیۃ الشرط الصحیح هو الذی یقتضیہ المقدم بان یکون موجبہ حکما من احکام العقد او یؤکد مقتضی المقدم او ورد بہ الشرع او جرى بہ صرف “ (احکام الاسرة فی الاسلام ص ۱۵) ... ” والشرط خیر الصحیح، مالیس واحداً من تلك الانواع وان کان فیہ مصلحة لا یحد العاقدین “ (ص ۱۵۵) جیسے :

۱۔ زوجہ کا شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ برداشت کرے گا، مہر دے گا، حسن سلوک سے پیش آئے گا، اس کے حقوق میں کمی نہیں کرے گا، دوسری بیوی کی طرح اس کی باری مقرر کرے گا، یا شوہر کا شرط لگانا کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی، اس کی نافرمانی نہیں کرے گی، نفلی روزے اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی، کسی کو اس کی اجازت کے بغیر گھر میں آنے نہ دے گی، اس کے سامان میں بغیر اس کی مرضی کے تصرف نہیں کرے گی وغیرہ۔

۲۔ یا یہ شرط لگانا کہ مہر اور نفقہ کے کفیل شوہر کے والدین ہوں گے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کا شرط لگانا کہ عائلی زندگی کے دشوار گزار ہونے کی صورت میں اسے طلاق کا حق ہوگا، یا عورت کا تفویض طلاق یا امر بالید کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا۔

۴۔ یا عورت کا شرط لگانا کہ دخول سے قبل نصف مہر ادا کر دینا ہوگا، جب اس علاقہ کا رواج بھی ایسا ہو۔ یہ ساری صورتیں علی الترتیب عقد نکاح کے مقتضی ہونے، مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے اور عرف کے قبیل کی ہیں، اس لیے یہ شرائط صحیح ہیں اور ان کا ایفاء ضروری ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

” و اوفوا بالعہد ان العہد کان مسنولاً “ (بنی اسرائیل ۳۴) اور عہد (مشروع) کو پورا کرو (الیسے) عہد کی باز پرس ہوگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

” وہ شرائط جن کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ہے جن پر تم نے نکاح کیا ہو “

علامہ نووی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں :

قال الشافعی و اکثر العلماء ان هذا محمول علی شرط لا تنافی مقتضی النکاح بل تکون



من مقتضياته و مقاصده، شرح المسلم للنووی ج ۱ ص ۲۵۵،

ایک دوسری حدیث میں ہے

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به الفروج (بخاری ج ۳ ص ۲۷۷)

فتح الباری میں ہے۔

قال الخطابی، الشروط فی النکاح مختلفة فمنها ما يجب الوفا اتفاقا وهو ما امر الله

به من امساک بمعروف او تسریح باحسان و صلیه حمل بعضهم هذا الحدیث، (فتح الباری)

خطابی کہتے ہیں نکاح کی مختلف شرطیں ہیں، ان میں سے جن کا ایفا بالاتفاق ضروری ہے وہ ایسی شرطیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی "امساک بالمعروف" اور "تسریح بالاحسان" اور اسی پر بعضوں نے اس حدیث کو محمول کیا ہے

### شرط فاسد

دوسری قسم ان شرائط کی ہے جو نہ تو عقد نکاح سے میل کھاتے ہیں اور نہ ہی شرع و عرف اس کی اجازت دیتے ہیں، ایسے شرائط کا مقصد بالعموم نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز یا متعاقدین میں سے کسی فریق پر ایسی پابندی لگانا یا ایسے حق کا حصول ہوتا ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، وہ مہر ادا نہیں کرے گا، مرنے کی صورت میں بیوی وارث نہیں ہوگی، یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا وغیرہ۔ اس قبیل کے شرائط فاسد ہیں، اس لیے لغو قرار پائیں گے ان کا ایفاء ضروری نہیں ہوگا اور نہ ہی عدم ایفاء کی صورت میں کوئی اثر عقد نکاح پر پڑے گا۔ ترمذی میں ہے :

"روی من علی بن طالب انه قال شرط الله قبل شرطها كانه راي للزوج ان يخرجها وان كانت اشترمت صلي زوجها ان لا يخرجها و ذهب بعض اهل العلم الى هذا و هو قول سفيان

الثوري و بعض اهل الكوفة (ترمذی، باب ما جاء في الشرط مند حقة النكاح)

حضرت علی بن ابی طالب نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے اس کی شرط سے پہلے شرط لگادی، گویا اس نے زوج کے لئے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ اسے باہر لے جائے گا، اگرچہ اس نے شوہر پر شرط لگائی ہو کہ وہ اسے باہر نہیں لے جائے گا۔ بعض اہل علم کی یہی رائے ہے اور یہی قول سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے :

” و اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يقسم لها و لا يتسرى صليها و لا ينفق صليها و لا يسافر بها - نحو ذلك فلا يجب الوفاء به بل يلغوا الشرط و يصح النكاح بمهر المثل لقوله صلى الله عليه وسلم كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل “ (مسلم ج ۱ ص ۱۲۵۵)

ایسی شرط جو نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو جیسے یہ شرط کہ اس کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا، اس سے ہم بستر نہیں ہوگا، اس کو نفقہ نہیں دے گا اور اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کی شرط کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شرط لغو ہو جائے گی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں باطل ہے۔

در مختار میں ہے :

” ولكن لا يبطل النكاح بالشرط و انما يبطل الشرط و انه يعني لو تقدم مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط “ (در مختار صلی ہامش رد المحتار کتاب النکاح - فصل فی المحرمات ج ۲ ص ۲۵)

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوگا، شرط باطل ہوگی یعنی اگر کسی نے شرط فاسد کے ساتھ عقد کیا تو نکاح باطل نہیں ہوگا، شرط باطل ہو جائے گی۔

شامی میں ہے :

” بخلاف ما لو شرط فاسدا كما لو تزوجته صلي ان لا يطأ فانه يصح النكاح و يفسد الشرط - (شامی ج ۲ ص ۱۳۵۰) بخلاف اس صورت کے جب شرط فاسد لگا دے، مثلاً اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کا شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوگی۔

حاکمگیری میں ہے :

” ولا يثبت في النكاح خيار الروية و العيب و الشرط (الى قوله) حتى انه اذا فعل ذلك فالنكاح جائز و الشرط باطل - (حاکمگیری ج ۱ ص ۱۲۵۵)

نکاح میں خيار رويت، عيب اور شرط ثابت نہیں ہوتا، اسی لیے اگر ایسا کر لیا تو نکاح جائز ہے اور شرط باطل۔

” احکام الاسرة فی الاسلام “ میں ہے :

” وحکم هذا الشرط انه يلغو وحده ولا اثر في العقد بل يبقى العقد معه صحيحا لان

القاعدة المقررة عندهم ان الزواج لا يبطل بالشروط الفاسدة “ (احكام الاسرة في الاسلام،

محمد مصطفى شبلي ص ۱۵۵)

اس قسم کے شرائط کا حکم یہ ہے کہ صرف شرط لغو ہوتی ہے اور عقد پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ عقد ان شرائط کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے، اس لیے کہ فقہاء کا اصول ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

الاحکام الشرعیہ میں ہے :

” واما ان كان الشرط المقترون بالعقد فاسدا فلا يتقيد العقد به ولا يلزم الوفاء به باتفاق

الفقهاء... و مذهب الحنفية في ذلك ان الشرط الفاسد مهما كان لا يوجب فساد العقد و انها

يلغى الشرط وحده و يبقى العقد صحيحا تترتب صيلا احكامه و آثاره “ (الاحكام الشرعية

للاحوال الشخصية، زكي الدين شعبان ص ۱۱۰)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ عقد نکاح شرط فاسد سے مشروط ہو تو عقد اس سے مقید نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا ایفا ضروری ہوگا اور اس باب میں حنفی مذہب یہ ہے کہ شرط فاسد جہاں کہیں بھی ہو، اس سے فساد عقد لازم نہیں آتا، صرف شرط باطل ہوتی ہے، عقد باقی رہتا اور اس پر عقد کے احکام و اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تقریر ترمذی میں حضرت شیخ السنند کا ارشاد ہے :

” فعند الشافعي اذا لم يعمل بعد النكاح حسب شرطه يظهر الخلل في النكاح و عندنا لا

يضر في النكاح وهو قائم على حاله كما هو مذهب علي رضي الله عنه “ (تقریر ترمذی باب

ما جاء في النكاح بالشرط)

حضرت شافعی کے نزدیک اگر نکاح کے بعد شرط کے مطابق عمل نہیں کیا گیا تو نکاح میں خلل واقع ہوگا،

ہمارے نزدیک نکاح میں اثر نہیں ہوگا اور وہ علی حال قائم رہے گا، جیسا کہ حضرت علی کا مذہب ہے۔

## دیگر مذاہب پر ایک نظر

یہ ساری تفصیل احناف کے مذہب کے مطابق ہے۔ امام شافعی کا اختلاف بھی اوپر مذکور ہو رہا ہے، مالکیہ اور

حنابلہ، تو ان کے نزدیک تھوڑا فرق ہے، مالکیہ شرط صحیح کی دو قسم مکروہ اور غیر مکروہ کرتے ہیں، غیر مکروہ وہ شرائط

ہیں جو عقد کے موجبات میں ہوں جیسے مرد کا شرط لگانا کہ عورت اس کی اطاعت کرے گی، بغیر اجازت گھر سے



باہر نہیں جائے گی وغیرہ اور شرط صحیح مکروہ وہ ہے جو عقد کے مقتضی کے منافی نہ ہو، مثلاً عورت کا شرط لگانا کہ دوسری شادی نہیں کرے گا، فر میں نہیں لے جائے گا وغیرہ، اس کے علاوہ جو شرائط ہیں، وہ ان کے یہاں بھی فاسد ہیں۔

حنا بلہ کے یہاں نکاح ہے، متعلق شرائط کی دو ہی قسمیں ہیں، شرط صحیح اور غیر صحیح، غیر صحیح پر وہ شرط فاسد اور باطل کا اطلاق کرتے ہیں، ان کے یہاں شرط صحیح کے لیے ضروری ہے کہ عقد کے مقاصد کی تکمیل میں مغل نہ ہو، شرع میں ممانعت نہ آئی ہو اور متعاقبین میں سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہو، اور شرط غیر صحیح وہ ہے جو مقتضائے عقد کے منافی یا شریعت میں جس کی ممانعت آتی ہو۔

اس طرح یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ تمام امر ان شرائط کی صحت پر متفق ہیں جو مقتضائے عقد ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ وہ شرائط جو عقد کے مقاصد کی تکمیل میں مغل، مقتضائے عقد کے منافی اور نص کے خلاف ہوں، فاسد ہیں، البتہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جو شرائط مقتضائے عقد نہ ہوں اور وہ مقاصد زواج کے خلاف بھی نہ ہوں، جیسے عورت کا شرط لگانا کہ مرد دوسری شادی نہیں کرے گا یا اس کے وطن سے باہر نہیں لے جائے گا وغیرہ۔ اس صورت میں حنا بلہ اسے شرط صحیح قرار دے کر اس کا ایفاء لازم سمجھتے ہیں، اور مالکیہ کے یہاں چونکہ یہ شرط صحیح مکروہ ہے اس لئے ایفاء واجب تو نہیں البتہ مستحب ہے۔ ان حضرات کی تائید حضرت عمر کے اس قول سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جب مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو وطن سے باہر نہیں لے جائے گا تو اب عورت کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو نہیں لے جاسکتا۔

” اذا تزوج الرجل امرأة و شرط لها ان لا يخرجها من مسرھا فلیس له ان يخرجها  
 اترمذی باب ما جاء فی الشرط مند عقدة النکاح ج ۱ ص ۱۱۳ امام ترمذی نے یہی مذہب امام شافعی  
 اسحاق اور امام احمد کا بیان کیا ہے اور ابن تیمیہ نے حضرت عمرو بن العاص قاضی شریح اور امام اوزاعی سے یہی  
 نقل کیا ہے۔ معاصر بزرگوں میں مفتی عبد الرحیم صاحب لاچپوری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:  
 ” ہاں! شرط قبول کرنے کے باوجود عورت کو راضی کر کے بلا سکتا ہے؟ جبر نہیں کر سکتا، لڑکی جاننا چاہے تو  
 خط و کتابت اور خرچ بند کر کے اس کو پریشان کرنا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ کتاب النکاح ص ۱۲۹)

## نکاح پر شرط فاسد کے اثرات

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، احناف کے یہاں شرط فاسد سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور صحیح یا فاسد کے عدم ایفاء،

سے عورت کو فسخ کا اختیار نہیں حاصل ہوتا ہے، کیونکہ عدم ایفاء سے زیادہ سے زیادہ شرط کی رضا فوت ہوتی ہے جو عقد نکاح میں مؤثر نہیں، احکام الاسرة میں ہے :

” فان لم يوف به من التزمه لا يثبت الخيول لشارطه في فسخ العقد لان فوت هذا الشرط و ان كان مفوتاً لرضاء شارطه بالعقد الا انه لا يؤثر في العقد لان الرضاء عندهم ليس شرطاً في صحة العقد لتصحيحهم زواج المكره وليس له رضا هكذا احكام الاسرة في الاسلام ص ۱۵۵

اگر نہیں پورا کیا جس کو لازم قرار دیا تھا تو شرط کے لئے فسخ عقد کا اختیار ثابت نہیں ہوگا اس لیے کہ اس شرط کا فوت ہونا اگرچہ شرط کے رضا کو فوت کر دیتا ہے، لیکن یہ عقد میں مؤثر نہیں ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک صحت عقد کے لئے رضامندی شرط نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مکہ کے نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس کی رضامندی نہیں ہوتی ہے۔

بعض اہل علم نے احناف کے مذہب کو ان احادیث کے مخالف قرار دیا ہے، جس میں شرائط اور وعدہ کے ایفاء پر زور دیا گیا ہے، اس سلسلے میں گنگو پلے گزر چکی ہے کہ حدیث کی مراد کیا ہے، اس سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اگر کسی نے وعدہ وفا نہیں کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا، باطل ہوگا، یا عورت کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا، تقریر ترمذی میں ہے :

” ولكن اذا لم يوف به فهل يضر نكاحه ام لا فلا بحث منه في الحديث بل الحديث ساكت

منه“ (تقریر ترمذی۔ شیخ الہند باب ما جاء فی النکاح بالشرط)

لیکن اگر اس شرط کو پورا نہ کرے تو اس سے نکاح کو ضرر پہنچے گا یا نہیں، تو اس حدیث میں اس سے کوئی بحث نہیں ہے، بلکہ خاموش ہے۔

امام مالک کے یہاں شرط فاسد سے نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور اگر دخول کی نوبت نہیں آتی ہے تو فسخ کرنا ضروری ہے، دخول کے بعد عقد باقی رہے گا، شرط باطل ہوگی اور مہر مسمیٰ کی جگہ مہر مثل واجب ہوگا، الاحکام الشرعیہ میں ہے :

” و مذهب المالكية في ذلك هو بطلان العقد بالشرط الفاسد و وجوب فسخه ما دام

الرجل لم يدخل بالمرأة و اذا دخل بها محضى العقد و الغى الشرط و بطل المسمى و وجب

للمرأة مهر المثل“ (الاحکام الشرعیة للاحوال الشخصیة ص ۱۱۰)

اس سلسلے میں مالکیہ کا مذہب شرط فاسد سے عقد کے بطلان کا ہے، اور جب تک مرد اس عورت سے دخول نہ کرے نکاح کا فسخ واجب ہے، اگر دخول کر لیا تو عقد نافذ ہو جائے گا اور شرط لغو ہو جائے گی، مسی باطل ہو کر عورت کو مہر مثل ملے گا۔

### تعلیق طلاق کی شرط

اشتراط فی النکاح میں ایک اہم بحث تعلیق طلاق اور تمویض طلاق کی ہے۔ احتاف کے یہاں دونوں شرطیں معتبر اور صحیح ہیں، لہذا اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ”کل امرأة یتزوج بہا تکون حلالقا“ تو طلاق واقع ہو جائے گی، شرط باطل نہیں ہوگی، البتہ اس قسم کے شرائط سے اسلام کے تعدد ازواج کی خلاف ورزی ہوگی، اس لیے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، فتاویٰ رشیدیہ میں اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ ”یہ نکاح شرعاً صحیح اور معتبر ہے، اس تعلیق سے نکاح میں فساد نہیں آتا اور یہ تعلیق بھی شرعاً معتبر ہے، اگر اس شرط پر نکاح کیا تو خاوند کے دوسرے نکاح کرنے سے اس پر طلاق پڑ جائے گی۔ مگر چونکہ اصل مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط اقامت عدل بین الازواج و تحمل نان و نفقہ چار تک زوجات درست ہیں اس لیے ایسی شرط رائج کرنا، ہرگز اصول شریعت کے سزاوار و مطابق نہیں۔“

قال اللہ تعالیٰ۔ ”الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما انفقوا من اموالہم“ وقال مزاسمہ ”فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و رباع“

اقل درجات امر اباحت ہے، پس اس میں اشتراط مذکور کو رواج و شائع کرنا، بے شک اس اباحت کی مخالفت اور حکمت شرعیہ تعدد ازواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بسبب بعض ضرورت کے نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہوتی ہے، حالانکہ نکاح ثانی سنت ہے اور بشرط عدم خشیتہ میل و اقامت عدل و امن از جور موجب نفع ہے، اور نیز مقتضائے شریعت ”تزوجوا الولود الودود فانی مکاتر بکم الامم“ پر عمل ان وجہ سے بوجہ ان اشتراط کے موقوف کرنے میں سنی مناسب ہے (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۳۸۵)

انہیں وجہ سے امام شافعی کے نزدیک یہ شرط غیر لازم ہے، امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، البتہ ان کے یہاں نکاح ثانی کی صورت میں معاملہ عورت کے اختیار میں چلا جاتا ہے، چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے اور چاہے تو علمدگی اختیار کرے، امام ابن تیمیہ نے اسے عدل الاقوال قرار دیا ہے۔

”و الثالث وهو اصل الاقوال انه لا یقع به الطلاق و لا حنق لکن لامراتہ ما شرط لہا فان

شئت ان تقیم معہ و ان شئت ان تفارقه وهذا اوسط الاقوال (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۷)



اور تیسرا قول جو تمام اقوال میں زیادہ قرین انصاف ہے، یہ ہے کہ اس سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق، لیکن عورت کے لئے وہی ہے جو اس نے شرط لگائی تھی، اس لئے وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے چاہے تو جدائی اختیار کرے یہ متوسط قول ہے۔

### تفویض طلاق کی شرط

یہی حکم تفویض طلاق کا بھی ہے، عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر نے اسے قبول کر لیا تو طلاق کا حق عورت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ حضرت تھانوی نے الحیلۃ الناجزۃ میں لکھا ہے۔

”نکاح مذکور میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرائی گئی ہیں، اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اسی صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر حقیقت میں یہ نکاح معلق نہیں، بلکہ نکاح مجز ہے جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے، نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو، جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا، اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کر لیا، اگر میرا باپ راضی ہو، تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جاوے، بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہو جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے ”الحیلۃ الناجزۃ۔ ص ۱۷۷“

تفویض طلاق کی یہ شرط اگر نکاح سے پہلے لگائی گئی تو اس میں اضافت الی النکاح ضروری ہے اور فریقین کے اتفاق کے بعد عین عقد نکاح میں اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ نیت متعددہ مقارنہ کی طرح ہی ہوا کرتی ہے، البتہ پہلے اتفاق ہو گیا تھا لیکن ابھی ایجاب و قبول نہیں ہوا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا، ایسی صورت میں عین عقد نکاح کے وقت بھی شرائط کا ذکر کرنا ضروری ہوگا، اور اگر معاملات شرائط پہلے سے طے نہیں تھے اور عین عقد نکاح کے وقت شرائط لگائے جا رہے ہیں تو ضروری ہے کہ ایجاب عورت، اس کے وکیل یا ولی کی جانب سے مع شرط ہو اور مرد اسے قبول کر لے، اگر معاملہ اس کے برعکس بائیں طور طے ہوا کہ مرد نے ایجاب بلا شرط کیا اور عورت یا اس کے ولی نے شرائط کے ساتھ قبول کیا تو یہ شرط لغو ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

شامی میں ہے :

نفسی کلما ارید او صلی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر  
الامر بیدها کما فی البحر من الخلاصة و البزازیة اشامی ج ۲ ص ۱۷۹

نکاح مقید اس صورت میں صحیح ہے، جب عورت ایجاب کرے اور کہے کہ میں نے اپنا نکاح تجھ سے اس  
شرط پر کیا کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں یا مطلقہ ہو جاؤں اور شوہر نے  
قبول کر لیا، لیکن اگر شوہر نے ایجاب کیا، تو وہ نہ مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اسے اختیار حاصل ہوگا، جیسا کہ بحر میں خلاصہ  
اور بزازیہ سے نقل کیا ہے۔

فقہ ابو اللیث دونوں صورتوں میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

” لان البدأة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفویض قبل النکاح فلا یصح اما اذا كانت  
من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت و الجواب  
یتضمن اعادة ما فی السؤال صار کانه قال قبلت صلی انک طالق او صلی ان یكون الامر بیدک  
فیصیر مقوضا بعد النکاح ” (اشامی کتاب الطلاق ج ۲ ص ۱۷۹)

اس لئے کہ ابتدا جب زوج کی طرف سے ہوگی تو طلاق و تفویض نکاح سے قبل ہوگی، اس لئے (یہ صورت)  
صحیح نہیں ہوگی، لیکن اگر ابتدا عورت کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی اس لئے کہ جب شوہر نے  
عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب اعادہ سوال کو متضمن ہوتا ہے تو گویا اس نے یہ کہا کہ میں نے اس  
شرط پر قبول کیا کہ تو مطلقہ ہو جائے، یا اختیار تیرے ہاتھ میں رہے، تو یہ تفویض بعد النکاح ہوگی جو صحیح ہے۔

البتہ اگر عورت کے مطلق ایجاب کے بعد شوہر نے مشروط قبول کیا تو نکاح مشروط بتسفیوض طلاق ہوگا  
لیکن اس صورت میں مرد کے اختیار میں ہوگا، چاہے تو شرط لگا کر قبول کرے یا مطلق قبول کر کے نکاح منعقد  
کر لے۔ عقد نکاح کے بعد بھی طرفین کی مرضی سے اس قسم کے شرط پر اتفاق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت  
شرط کے بجائے معاہدہ کی ہوگی، پھر طلاق کا حق چونکہ مرد کو حاصل ہے، اس لیے یہ شوہر کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ  
وہ اس قسم کا کوئی معاہدہ بیوی سے کرے یا نہ کرے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنی چاہیے کہ طلاق اصلاً مرد کا حق ہے اور شریعت نے انتہائی حکمت و  
مصلحت کے تحت یہ حق اسے دیا ہے۔ اس لئے تفویض طلاق کی شرط اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اس سے گریز  
افضل ہے۔ اعتماد کی فضا بحال کرنے کے لئے اگر اس شرط کا لگانا ضروری ہو تو بھی اس کی حوصلہ افزائی کسی درجہ  
میں نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ خدشہ ہے کہ عورتیں اپنی مخصوص افتاد طبع، جذباتیت، جلد بازی اور نقصان عقل کی

وجہ سے اس حق کا زیادہ غلط استعمال کریں گی، ایسے میں عورت پریشانی اور پشیمانی میں تو بہتا ہوگی، سماج پر بھی اس کے مضر اثرات پڑیں گے۔ ان خدشات کے پیش نظر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ مرد درج ذیل قیود کا بھی اضافہ کر دے۔

۱۔ عورت اپنے اس حق کا استعمال غصہ و جذبات کی حالت میں نہیں کر سکے گی۔

۲۔ یہ حق اس طہر میں استعمال کرے گی جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔

۳۔ صرف ایک طلاق باتن کی مجاز ہوگی۔

۴۔ یہ حق اعزاء و اقرباء سے مشورہ کے بغیر استعمال نہیں کرے گی۔

۵۔ حق کے استعمال کے پہلے شوہر کو مہر سے بری کر دے گی۔ بحر الرائق میں ہے۔

”وقال لها امر ثلاث تطليقات بيدك ان ابرأتني من مهرك االى قوله ان قدمت الابرأ“

وقع وان لم تبرئه من المهر لا يقع لان التوكيل كان بشرط الابرأ بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹

شوہر نے کہا کہ تین طلاق کا اختیار تجھ کو ہے، بشرطیکہ تو مجھے اپنے مہر سے بری کر دے۔ اگر اس نے پہلے بری کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس کو مہر سے بری نہیں کیا تو واقع نہیں ہوگی، کیونکہ توکیل ابراہ کی شرط سے مشروط ہے۔

## تفویض کے بعد رجوع

اگر شوہر تفویض کے بعد عورت کو اس حق کے استعمال سے روکنا چاہے یا رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہوگا، عالمگیری میں ہے۔

”وليس للزوج ان يرجع في ذالك ولا ينهها عما جعل اليها ولا يفسخ كذافي الجوهره“

(عالمگیری ج ۲ ص ۷۵) شوہر کو اس سلسلے میں رجوع کا یا جو کچھ تفویض کیا ہے، اس سے روکنے اور فسخ کا اختیار نہیں ہے۔

در مختار میں ہے :

”ولا يملك الزوج الرجوع منه اي ان التفويض بانواعه الثلثة لما فيه من معنى التعليق“

اشامی انواع ثلاثہ میں اختیار مشتملہ۔ امر بالید کی تفویض کے بعد معنی تعلق کی وجہ سے شوہر رجوع



کا مالک نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے :

”وان قال طلقى نفسك فليس له ان يرجع منه لان فيه معنى اليمين لانه تعليق الطلاق بتطليقها واليمين تصرف لازم“ اہدایۃ ج ۲ ص ۳۶۱۔ اگر ”طلقى نفسك“ کہا تو اس سے رجوع کا حق اسے نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں یمین کا معنی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ عورت کے طلاق دینے پر طلاق کی تعلیق ہے اور یمین تصرف لازم ہے۔

ہدایہ میں ہے :

”ولو قال لها انت طالق اذا شئت او اذا ماشئت او متى ماشئت فردت الامر لم يكن ردا ولا يقصر على المجلس (ايضا ج ۲ ص ۳۶۳ اور اگر بیوی سے کہا ”انت طالق اذا شئت“ یا ”اذا ما شئت“ یا ”متى شئت“ پھر اس نے معاملہ واپس لے لیا تو یہ رد نہیں ہوگا اور نہ ہی مجلس تک محدود رہے گا۔

### مہر مشروط سے متعلق مسائل

اشتراط فی النکاح کی ایک شکل یہ ہے کہ مہر مشروط مقرر کیا جائے۔ مثلاً عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے پائے کہ اگر مرد کے پاس دوسری منکوحہ ہو تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار مہر ہوگا، یا یہ کہے کہ آبائی وطن میں رکھا تو ایک ہزار اور باہر لے گیا تو دو ہزار، یا اس عورت کے رہتے نکاح کسی اور عورت سے کیا تو مہر تیس ہزار ورنہ پندرہ ہزار، یا یہ طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیا تو مہر بیس ہزار ورنہ دس ہزار ہوگا، ان تمام صورتوں میں نکاح جائز ہے، فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے۔

”اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امرأة وعلى ألفين ان كانت له امرأة او على الف ان لم يخرجها من البلدة وعلى ألفين ان أخرجها فالنكاح جائز“ (فتاویٰ تاتار خانیہ ج ۳ ص ۱۰۱)

اگر اس طرح نکاح کیا کہ اگر اس کی دوسری بیوی نہ ہو تو مہر ایک ہزار اور اگر دوسری بیوی ہو تو مہر دو ہزار، یا کہا کہ اگر اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر لے جائے گا تو دو ہزار، ان صورتوں میں نکاح جائز ہے۔

ہدایۃ المجتہد میں ہے :

” و اختلفوا في الرجل ينكح المرأة على ان الصداق الف ان لم يكن له زوجة و ان كانت له زوجة فالصداق الفان۔ فقال الجمهور بجوازه “ ابدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۷۲، فقہاء کی اس آدمی کے بارے میں، مختلف آراء ہیں، جس نے کسی عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر پہلے سے اس کی بیوی نہ ہو تو مہر ایک ہزار اور اگر بیوی ہو تو مرد دو ہزار، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں۔

البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ایسی شرطوں میں واجب کیا ہوگا؟ امام زفر مطلقاً مہر مثل کے قائل ہیں اور وہ دونوں شرطوں کو لغو اور فاسد قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلی شرط درست ہے اور شرط کے پائے جانے پر مہر مسمی واجب ہوگا، اور خلاف ورزی کی صورت میں مہر مثل جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہیں ہوگا، صاحبین کی رائے ہے کہ دونوں شرطیں واجب العمل ہیں اور بہر صورت مہر مسمی ہی واجب ہوگا اور امام شافعی اور ابو ثور کے نزدیک ہر حال میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر طلاق قبل الدخول کی نوبت آئی تو ابو ثور کے نزدیک صرف متعہ دینا ہوگا، ہدایہ میں ہے :

” ولو تزوجها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فلها مهر المثل لا يزداد على الفين و لا ينقص على الف و هذا عند ابى حنيفة و قال الشرطان جميعا جائزان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها و قال زفر الشرطان جميعا فاسدان و يكون لها مهر مثلها لا ينقص من الف و لا يزداد على الفين “ اهدایۃ ج ۲ ص ۱۳۰۹، اگر ایک ہزار پر نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ رہے گا اور دو ہزار پر اگر اس کو باہر لے جائے گا، ایسے میں اگر اسے باہر لے گیا تو مہر مثل لے گا جو دو ہزار سے زیادہ اور ایک ہزار سے کم نہ ہوگا، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، چنانچہ اگر اس کے ساتھ قیام کرے گا تو ایک ہزار اور باہر لے گیا تو دو ہزار لے گا، امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور اس کو مہر مثل لے گا جو ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہوگا۔

بدایۃ المجتہد میں ہے :

” و اختلفوا في الواجب في ذلك فقال قوم الشرط جائز و لها من الصداق بحسب ما اشترط و قالت طائفة ولها مهر المثل۔ وهو قول الشافعي و به قال ابو ثور۔ الا انه قال ان مطلقها قبل الدخول لم يكن لها الا المتعة “ ابدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۷۲، اور اس صورت میں مہر واجب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شرط جائز ہے اور اس کو شرط کے مطابق مہر لے گا،

اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا۔ یہ قول امام شافعی اور ابو ثور کا ہے، البتہ ابو ثور کہتے ہیں کہ اگر دخول سے قبل طلاق دیدے تو اس کو صرف متو ملے گا۔

صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

” فان وفى بالشرط فلها المسمى لانه صلح مهرا و قد تم رضاها به و ان تزوج صليها اخرى و اخرجها فلها مهر مثلها لانه مسمى مالها فيه نفع فمعد فواته ينعدم رضاها بالالف فيكمل مهر مثلها “ ابدایۃ ج ۲ ص ۲۰۹ اگر شرط پوری کر دی تو اس کو مقررہ مہر ملے گا، اس لیے کہ اس میں مہربنی کی صلاحیت ہے اور اس پر اس کی رضامندی تام ہے اور اگر اس کے ساتھ دوسرا نکاح کر لیا اور اسے باہر لے گیا تو اسے مہر مثل ملے گا، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز متعین کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے اور اس کے فوت ہونے کی صورت میں اس کی رضامندی فوت ہو جائے گی، پس اسے مکمل مہر مثل ملے گا۔

یہ اس مسئلہ کی فقہی تفصیلات تھیں، جہاں تک فتویٰ اور عمل کی بات ہے تو آج کے حالات میں جب طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کثرت سے ہونے لگا ہے، صاحبین کے مذہب پر فتویٰ اور عمل احوط اور انسب معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مہر مشروط میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

### ملازمت سے متعلق شرائط

چونکہ کسب معاش عام حالات میں عورت کے فرائض میں نہیں ہے۔ اسلام نے اس کے نفقہ لی ذمہ داری شوہر پر ڈال کر اسے تدبیر منزل کے لئے خاص کر دیا ہے، اس لئے اس قسم کے شرائط اسلامی مزاج کے خلاف اور شرط فاسد ہیں (جس کا حکم پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے) اس لئے نکاح صحیح ہوگا، شرط لغو ہوگی اور شوہر کو شرط قبول کرنے کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دینے یا نئی ملازمت سے روکنے کا اختیار باقی رہے گا اور اس سلسلے میں شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

هذا ما عندي و الله تعالى اعلم و علمه اتم و احکم



## نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کے شرعی احکام

مفتی محمد زید \*

بخاری شریف کی روایت ہے احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (صمدۃ القاری

کتاب الشروط ج ۱۱ ص ۲۷۱)

اور مسلم شریف کی روایت ہے ان احق الشروط ان یوفی بها ما استحللتم به الفروج (مسلم

شریف کتاب النکاح ص ۱۲۵)

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ "شرطوں میں پوری کرنے کے اعتبار سے زیادہ لائق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

الفاظ کے فرق کے ساتھ اس مضمون کی اور بھی روایات وارد ہوئی ہیں (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵) حافظ ابن حجر فتح الباری میں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فتح اللہم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

المراد فی الحدیث الشروط الجائزۃ لا المنہی منها ... لان الشروط الفاسدة لا یحل

الوفاء بها (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵۔ فتح الملہم ج ۲ ص ۱۴۱)

"یعنی حدیث پاک میں جن شرائط کے پورا کرنے کا حکم آیا ہے ان سے جائز شرطیں مراد ہیں، ممنوع

شرطیں مراد نہیں۔ کیونکہ فاسد شرطوں کا پورا کرنا درست نہیں۔

امام نووی شرح مسلم میں اور ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

قال الشافعی و اکثر العلماء ان هذا محمول علی شروط لا تنافی مقتضی النکاح بل  
تکون من مقتضیاتہ و مقاصدہ کاشتراط کسوتها و سکنها بالمعروف... و اما شرط یخالف  
مقتضاه کشرط ان لا یقسم لها و لا ینفق علیها و لا یسافر بها و نحو ذالک فلا یجب الوفاء به بل  
یلغو الشرط و یصح النکاح بمهر المثل لقوله صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب  
اللہ فهو باطل و قال احمد و جماعة یجب الوفاء بالشرط مطلقا الخ اشرح مسلم للنووی ج ۱  
ص ۲۵۵۔ مرقاة باب اعلان النکاح ج ۲ ص ۲۱۱

حضرت امام شافعی اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان شرائط پر محمول ہے جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف نہ ہوں بلکہ اس کے مقاصد و تقاضوں کے موافق ہوں، مثلاً کسوت و سکن کی شرط۔ رہ گئی وہ شرطیں جو عقد کے تقاضے کے خلاف ہوں مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو نفقہ نہ دے گا، اس کے لئے باری مقرر نہ کرے گا، اس کے ساتھ کبھی سفر نہ کرے گا، اور ان جیسی شرطیں تو ان کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ شرط نیکو اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل“ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے۔ اور امام احمد اور ایک جماعت کا رجحان اس حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ مطلقاً ہر قسم کی شرطوں کا پورا کرنا واجب ہے۔

## شرطوں کی تین قسمیں

شرح حدیث نے نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کی تین قسمیں فرمائیں ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اوجز المسائلک شرح مؤطا

امام مالک میں تحریر فرمایا ہے۔

قال الخطابی الشروط فی النکاح مختلفة فمعناها ما یجب الوفاء به اتفاقا وهو ما امر اللہ  
من امساک بمعروف او تسریح باحسان و ملیه حمل بضمنہ الحدیث ”احق ما اوفیتم“ و  
منها ما لا یوفی به اتفاقا کسوال ملاقا اختها۔ و منها ما اختلف فیہ کاشتراط ان لا یتزوج  
علیها او لا ینقلها من منزلها الی منزله فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۵۔ اوجز المسائلک شرح مؤطا

”خطابی فرماتے ہیں کہ نکاح میں جو شرطیں مقرر کی جاتی ہیں، وہ مختلف قسم کی ہیں، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے اور وہ ایسی شرطیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، مثلاً بیوی کو بھلائی کے ساتھ رکھنا، حسن سلوک کرنا، چھوڑنے کی نوبت آئے تو احسان کے ساتھ چھوڑنا۔ بعض علماء نے اس حدیث کا مصداق بھی اسی قسم کی شرطوں کو قرار دیا ہے۔ اور بعض قسمیں وہ ہیں جن کا بالاتفاق پورا کرنا درست نہیں، مثلاً اپنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط، اور بعض شرطیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا۔ یا اس کو اس کے گھر سے نہ لے جائے گا۔

ابن قدامہ نے بھی المغنی میں نکاح میں عائد کردہ شرطوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں، لیکن وہ اس سے کچھ مختلف ہیں، فرماتے ہیں۔

### شرطیں تین قسم کی ہیں

(۱) ایک تو وہ جن کا پورا کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں امام احمد کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کا بھی حق ہوگا (ابن تیمیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں **متى لم يوف بهذه الشروط فلها فسخ النكاح** کتاب النساء لابن تیمیہ ص ۷۳۰ اور وہ اس قسم کی شرطیں ہوتی ہیں جن کا نفع خود عورت کو ہوتا ہے، مثلاً یہ شرط کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا اس کو اس کے گھر سے نہ نکالے گا۔

(۲) دوسری شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف اور حقوق زوجیت کے منافی ہوں، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو مہر یا نفقہ نہ دے گا یا عورت کا شرط لگانا کہ شوہر اس سے جماع نہ کرے گا۔ ایسی شرطیں باطل ہوتی ہیں اور نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) تیسری وہ شرطیں جو بالکل باطل ہیں، جن سے نکاح بھی منع نہیں ہوتا۔ مثلاً نکاح متعہ، نکاح موقت

”قال الموفق ان الشروط تنقسم اقساماً ثلاثة احدها ما يلزم الوفاء به وهو ما يمود اليه نفقه و فاندته مثل ان يشترط لها ان لا يخرجها من بلدها او من وادها... اتسم الثانی ما يبطل الشرط و يصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها - او لا ينفق عليها او تشتترط عليه ان لا يحدّها... فهذه الشروط كلها باطلّة في نفسها لانها تنافي مقتضى العقد - القسم الثالث ما يبطل النكاح من اصله مثل ان يشترط تاقیت النكاح الخ المغنی ج ۲ ص ۲۵۰-۲۵۱ بیروت



## پہلی قسم کا حکم اور جائز شرطیں

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ نکاح میں لگائی ہوئی شرطوں کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی یعنی ایسی شرطیں جو عقد نکاح کے تقاضے کے مطابق یا اس کے حقوق میں داخل ہوں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو نفقہ دینا لازم ہوگا یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے ساتھ رہنا ہوگا یہ شرط بالاتفاق درست بلکہ ضروری اور واجب العمل ہے۔ اس میں مزید دلائل کی بھی حاجت نہیں اور حافظ ابن حجر علامہ عینی کی تصریح کے مطابق محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک "حدیث" "احق الشروط بالوفاء شروط النکاح" یعنی پورا کرنے کے اعتبار سے زیادہ لائق اعتبار نکاح کی شرطیں ہیں یعنی نکاح کی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے "محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس حدیث میں اسی قسم کی شرطیں مراد ہیں جو عقد نکاح کے مطابق اور حقوق نکاح میں داخل ہوں و ملیہ حمل بضمنہم ہذا الحدیث "احق ما اوفیتم" (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵۔

صمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۲۵ کتاب النکاح

## دوسری قسم کا حکم اور ناجائز شرطیں

دوسری قسم یعنی نکاح میں ذکر کردہ ایسی شرطیں (۱) جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں (۲) یا حقوق زوجیت کے منافی ہوں (۳) یا شرعاً منہی عن ہوں، ایسی شرطیں لگانا جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں اور نہ ہی ان کا پورا کرنا ضروری ہے اور اس قسم کی شرط لگانے سے نکاح کی صحت میں کوئی فرق نہ پڑے گا مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو سکنی کا استحقاق نہ ہوگا، یا عورت کا یہ شرط مقرر کرنا کہ شوہر کو اس سے جماع کا حق نہ ہوگا، یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے۔

یہ ساری شرطیں فاسد، باطل، شرعاً منہی عن ہیں۔ پہلی مثال مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی ہے۔ دوسری مثال حقوق زوجیت کے منافی ہونے کی ہے۔ تیسری مثال شرعاً منہی عن ہونے کی ہے قال العینی کذلک لا یجوز و انہا لا یوفی بہ، الشروط التي تنافی موجب العقد کاشترائط ان یطلقها او لا ینفق

علیہا، صمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۲۱۔ کتاب الشروط

وفی الصنایۃ شرح ہدایۃ اذا تزوج امرأۃ علی ان یطلق فلانۃ فالنکاح صحیح " و ان

کان شرط مطلق الضرۃ فاسدۃ صنایۃ شرح ہدایۃ علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۱

یہ ساری شرطیں لغو اور باطل اس وجہ سے ہیں کہ کتاب اللہ کے موافق نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل یعنی ہر ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے" حافظ ابن حجر فتح الباری میں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فتح الملکم شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اجمعوا على انها لو اشترطت عليه ان لا يطأها لم يجب الوفاء بذلك الشرط ... و الوطء و الاسكان و غيرهما من حقوق الزوج اذا اشترط عليه اسقاط شئ منها كان شرطا لیس فی کتاب اللہ فیبطل افتح الباری ج ۹ ص ۱۷۵ فتح الملکم ج ۲ ص ۱۲۱۔ وقد اقبل الشارع كل شرط لیس فی کتاب اللہ اعمدة القاری ج ۱۶ ص ۱۳۵

امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت نے شوہر سے اگر یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ اس سے وطی نہ کرے گا اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں۔ وطی کرنا اور عورت کو سکنی دینا اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق زوجیت جب ان کے ساقط کرنے کی شرط مقرر کی جائے گی تو یہ ایسی شرط ہوگی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، لہذا باطل ہوگی۔ شارع نے ہر ایسی شرط کو باطل قرار دیا ہے جو کتاب اللہ میں نہ ہو۔

لیکن امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مقتضائے عقد کے خلاف بھی جو شرائط باہمی رضامندی سے طے ہو جائیں، حدیث کے عموم کی وجہ سے وہ بھی واجب الایفاء اور واجب العمل ہیں، امام نووی ملا علی قاری نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وقال احمد و جماعة يجب الوفاء بالشرط مطلقا لحديث ان احق الشروط الخ اشرح مسلم للنووی ج ۳۵۵۔ مرقاة ۷۱۱ ج ۷ حتی کہ مقتضائے عقد کے خلاف مقررہ شرطوں کے پورا نہ ہونے کی صورت میں عورت کو فسخ النکاح کا بھی حق ہوگا۔ ابن تیمیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے قال ابن تیمیة متى لم يوف بهذه الشروط فتزوج وتسرى فلها فسخ النكاح (کتاب النساء، لابن تیمیة ص ۲۷۹)

اور ابن قدامہ نے بھی السنن میں اس کی تصریح فرمائی ہے مثل ان يشترط لها ... ان لا يتزوج عليها فهذا يلزم الوفاء لها فان لم يفعل قلها فسخ النكاح (المغنی ج ۴ ص ۲۵۰) اور یہ مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے، اسی طرح ابو الخطاب کے نزدیک سابقہ بیوی (سوکن) کو طلاق دینے کی شرط بھی واجب العمل ہو جاتی ہے، حالانکہ جمہور کے نزدیک شرعا منہی عن ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے۔ فان شرطت عليه ان يطلق ضررتها لم يصح الشرط لنهيہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشترط المرأة طلاق اختها وقال ابو الخطاب هو شرط لازم لا ينافي العقد ولها فيه فائدة فاشبهه لو شرطت عليه ان لا يتزوجها

الغرض جمہور علماء بلکہ حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق متفق علیہ مسئلہ یہی ہے کہ معتضائے عقد کے خلاف جو شرطیں مقرر کی جائیں یا ایسی شرطیں جو حقوق زوجیت کے منافی ہوں وہ لغو اور باطل ہیں۔ اور نکاح کی صحت پر ان شرائط کا کوئی اثر نہ ہوگا یعنی شرط باطل اور نکاح درست ہوگا۔ واللہ اعلم

### تیسری قسم کا حکم اور مباح شرطیں:

حافظ ابن حجر اور امام خطابی کے بیان کے مطابق نکاح میں عائد کردہ شرطوں کی تیسری قسم مختلف فیہ ہے۔ یعنی ایسی شرطیں جو نہ تو عقد نکاح کے تقاضوں کے مطابق ہوں اور نہ ہی معتضائے عقد کے خلاف، حقوق زوجیت کے منافی ہوں اور وہ ہیں مباح شرطیں مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کے گھر سے اس کو نہ لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا یہ مباح شرطیں ہیں۔

اس کے حکم میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ شارح بخاری علامہ عینی عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں۔

و اختلف العلماء فی الرجل یتزوج المرأة و یشرط لها ان لا ینخرج من دارها ولا یتزوج علیها او نحو ذلك من الشروط المباحة علی قولین احدهما انه یلزمه الوفاء بذلك ذکر صبد الرزاق و ابن صبد المنذر من صبر بن الخطاب ان رجلا شرط لزوجه ان لا ینخرجها فقال صبر لها شرطها و قال عمرو بن العاص اری ان یقی لها شرطها و روی من مثلها من طاؤس و جابر بن زید و هو قول الاوزامی و احمد و اسحاق و استحسنه بعض المتأخرین والثانی ان یؤمر الزوج بتقوی الله و الوفاء بالشروط و لا یحکم علیه بذلك حکما فان ابی الا الخروج لها کان احق الناس باهلہ۔ الیہ ذهب طائفة و الشعبي و سعید بن المسيب و النخعی و ابن سیرین و هو قول مالک و ابی حنیفة و اللیث و الثوری و الشافعی عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۳۵

”اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ عورت کو اس کے گھر سے نہ لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا یا اور اس جیسی مباح شرطیں، اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس قسم کی مباح شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ عبد الرزاق ابن منذر نے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ ایک مرد نے بیوی سے نکاح میں یہ شرط مقرر کی تھی کہ اس کے گھر سے اس کو نہ نکالے گا حضرت عمر نے فرمایا عورت کو اس شرط کے مطالبہ کا حق ہے۔ عمرو بن حاص فرماتے ہیں کہ میری رائے ہے کہ عورت کی شرط کو پورا کیا جائے گا۔ طاؤس جابر بن زید“



اوزاعی، احمد، اسحاق سے بھی اسی طرح منقول ہے اور بعض متاخرین نے اس کو پسند و اختیار فرمایا ہے۔  
اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ تقویٰ کی رو سے تو شوہر کو اس قسم کی مباح شرطوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن قضاء کے طور پر اس کو حکم نہ دیا جائے گا، اگر شوہر عورت کو لے ہی جانا چاہتا ہے تو اپنے اہل کا وہ زیادہ حقدار ہے یعنی لے جاسکتا ہے، عطاء، شعبی، سعید بن المسیب، نخعی ابن سیرین کی یہی رائے ہے۔ اور امام مالک، شافعی اور ابو حنیفہ ریش اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔

## شرعی دلائل کا مقتضی

مذکورہ بالا تصریح کے مطابق علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مباح شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اس شرط کے ساتھ نکاح ہونے کی صورت میں کہ "عورت کو اس کے گھر سے نہ نکالا جائے گا، آپ نے اس شرط کا اعتبار کیا اور شوہر پر اس کو لازمی قرار دیا"

لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اور یہی مسلک امام مالک، امام شافعی کا بھی ہے کہ اس قسم کی مباح شرطیں شوہر پر واجب الایفاء نہیں۔ البتہ چونکہ ہر شرط وعدہ کو متضمن ہوتی ہے اور شرط بھی ایک وعدہ ہے اور ایفاء وعدہ کا حکم دیا گیا ہے، لہذا دیانتاً شوہر پر لازم ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ حتی الامکان اپنی شرط پر قائم رہے لقولہ تعالیٰ و اوفوا بالعہد لہ لیکن قاضی شرعی و جوبی طور پر اس کو حکم نہیں دے سکتا، اگر شوہر کسی وجہ سے اس شرط کے خلاف بھی کرتا ہے تو شرعاً اس کو اس کا حق بھی ہے۔ گو بلا ضرورت ایسا کرنے میں وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا لقولہ تعالیٰ ان العہد کماں مسؤلاً لیکن اس کی وجہ سے عورت کو اپنی شرط پر قائم رہنے اور شوہر کی بات نہ ماننے کا حق نہیں۔ یہ مسلک ہے امام صاحب کا جس کا حاصل یہ ہے کہ قضاء تو مباح شرطوں کا پورا کرنا ضروری نہیں، البتہ دیانتاً واجب ہے اور جن ضرورتوں کی بناء پر وعدہ خلافی جائز ہو جاتی ہے اگر اس ضرورت کی بناء پر شوہر وعدہ خلافی کرتا ہے تو پھر دیانتاً بھی اجازت ہوگی۔

امام صاحب کے مسلک کی واضح دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو سند جمید کے ساتھ حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

روی ابن وہب باسناد جمید... ان رجلاً تزوج امرأة فشرط لها ان لا يخرجها من دارها

فارتفعوا الي صمد فوضع الشرط وقال المرأة مع زوجها امتح البلوى ج ۹ ص ۲۵ صمد القاری ج

ابن وہب نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور شرط یہ مقرر کی کہ اس کے گھر سے اس کو نہ لکالے گا، مسئلہ حضرت عمر کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے شرط کو تو برطرف فرمایا اور فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہے گی۔

علامہ عینی نے ابو عبیدہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چونکہ روایات مختلف قسم کی منقول ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شرط کا حق ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شرط کا حق نہیں ہے اور حضرت عمر سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، اس لئے بعد کے لوگوں میں یعنی تابعین میں بھی اختلاف ہو گیا، بعض نے قول اول کو اختیار کیا اور بعض نے ثانی کو۔

ازاد ابو عبیدہ و لم يلزمها الشرط و من ملى مثله - قال ابو عبیدة تضادت الرواية من

صمر رضی اللہ عنہ و اختلف فيه التابعون و من بعدهم .... (معدۃ القاری ج ۱۲ ص ۳۳۵)

تطبیق کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ دیانا واجب دیا جائے اور قضا واجب نہ کہا جائے اور اسی کے مطابق مختلف روایات کو محمول کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بھی مباح شرط کو شوہر کے ذمہ لازم اور واجب الایفا قرار نہیں دیا، البتہ وعدہ ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت کرنے کو بہتر فرمایا ہے۔  
موظا مالک میں ہے۔

” مالک انه بلغه ان سعيد بن المسيب سئل عن امرأة تشتري ملى زوجها انه لا يخرج بها من بلدها فقال سعيد بن المسيب يخرج بها ان شاء قال مالك و الامر صندنا انه اذا شرط الرجل للمرأة و ان كان ذلك الشرط مند مقدة النكاح ان لا يحج صليک ان ذلك ليس بشئى “.

امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی کہ سعید بن المسيب سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس نے شوہر سے شرط مقرر کر رکھی تھی کہ اس کے گھر سے اس کو نہ لے جائے گا، آپ نے فرمایا شوہر چاہے تو لے جاسکتا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی مسئلہ ایسا ہی ہے، شوہر نے اگر یہ شرط لگادی کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا اگرچہ یہ شرط نفس عقد میں شامل ہو تب بھی یہ شرط ایسی ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے یعنی اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اور امام مالک فرماتے ہیں کہ کسی عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کو مسجد جانے سے نہ روکے گا تو

مناسب یہی ہے کہ شرط کو پورا کر دے (بشرطیکہ کوئی مفید نہ ہو) لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا جائے گا، اوجز المسالك شرح مؤطا مالک ج ۲ ص ۱۳۲۱، قاضی باجی فرماتے ہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ حکماً تو شوہر پر لازم نہیں لیکن ایفاء وعدہ ہونے کی حیثیت سے شوہر کو اس کا حکم دیا جائے گا۔ و معنی ذالک انه لا يلزمه بالحکم و اما علی الوفاء من الشروط فانه مامور به، ایضاً اوجز شرح مؤطا ج ۲ ص ۱۳۲۱، ابن حبیب نے امام مالک سے اس قسم کی شرطوں کی بابت نقل فرمایا ہے کہ ایسی مباح شرطوں کا پورا کرنا مستحب ہے، شوہر پر لازم و واجب نہیں۔

قال ابن حبيب وقد استحب مالک و غيره من اهل العلم ان لها بما شرط و ان ذلک خير

لازم للزوج اوجز ج ۲ ص ۱۳۲۱

(۳) تیسری روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے اور عبد الرزاق نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کی خدمت میں ایک شخص کا قضیہ پیش ہوا، جس نے عورت سے نکاح کیا اور شرط یہ مقرر کی تھی کہ وہ اپنے گھر پر پہنچے گی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شرط کا قطعاً اعتبار نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کی شرط عورت کی شرط سے پہلے ہے اور اللہ کی شرط یہ ہے اسکنوہن من حیث سکنتم جہاں تم رہو وہیں اپنی عورتوں کو رکھو۔

اخرج ابن ابی شیبہ و عبد الرزاق من صباه بن عبد اللہ قال دفع الی علی رجل تزوج امرأة و

شرط لها دارها فقال علی شرط اللہ قبل شرطها او قبل شرطه و لم ير لها شیئاً و شرط اللہ

قوله تعالیٰ اسکنوہن من حیث سکنتم اوجز شرح مؤطا ج ۲ ص ۱۳۲۲

مذکورہ بالا روایات جو حضرت عمر، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، ان سے واضح طور پر امام ابو حنیفہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔ اور امام صاحب کا قول روایات کے عین موافق ہے کہ نکاح میں ذکر کردہ مباح شرطیں شوہر پر لازم العمل نہیں، البتہ وعدہ ہونے کی حیثیت سے ان کا پورا کرنا حتی الامکان مطلوب ہے۔ یعنی قضاء واجب نہیں دینا تا واجب ہے۔

حضرت امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے گزرا۔ اور امام ترمذی کے بیان کے مطابق امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں، یعنی ان کے نزدیک شرط واجب العمل ہے، لیکن یہ نسبت صحیح نہیں۔ درست بات وہ ہے جو حافظ ابن حجر کے کلام سے معلوم ہوتی ہے کہ امام شافعی امام مالک کے ساتھ ہیں، علامہ عینی نے بھی امام شافعی کا مسلک احناف و مالکیہ کے موافق نقل فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۸ باب الشروط فی

النکاح۔ درس ترمذی مولانا تقی عثمانی ج ۳ ص ۲۱۳ عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۳۳۵)



## نکاح تمام قسم کی شرطوں سے خالی ہونا چاہئے

نکاح میں شرط مقرر کرنے سے متعلق دو قسم کے احکام ہیں۔ ایک تو شرط لگانے کے بعد کا حکم، اس کے متعلق جو تفصیلات تھیں وہ ماقبل میں مذکور ہوئیں، دوسرا حکم نفس شرط سے متعلق ہے کہ اس قسم کی مباح شرطوں کے ساتھ نکاح کو مشروط کرنا درست بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی شرط کے واجب العمل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شرط کا مقرر کرنا بھی درست تھا، نصوص میں غور کرنے اور محققین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کو تمام قسم کی شرطوں سے خالی ہونا چاہئے، نکاح بغیر کسی قید و شرط کے مطلق ہونا چاہئے، سنت متوارثہ یہی ہے اس سے عدول کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے الا یہ کہ ایسی کوئی شرط ہو جو خود مقتضائے عقد کے مطابق ہو اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کا مصداق یہی شرطیں ہیں جن کے بارے میں مقرر کردہ شرطوں کے پورا کرنے کی تاکید آتی ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵)۔

(۱) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً اس نوع کی شرطوں کو ناپسند فرمایا، طبرانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں ایک عورت کے اسی نوع کی شرط لگانے کا ذکر ہے، اس عورت نے اپنے شوہر سے شرط کر رکھی تھی کہ آپ کے بعد نکاح نہ کروں گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرمایا

اخرج الطبرانی فی الضعيف باسناد حسن من جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعده فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا لا یصلح افتح الملهم ج ۲ ص ۲۶۱۔ او جز شرح مؤطا ج ۲ ص ۳۲۲

اس سلسلہ میں امام مالک نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

انی لا کره ان ینکح علی مثل هذا احد ان لا ینخرجها من بلدها و لا یمتنعها من حج و لا صمره و لا یمتنعها من داخل یدخل علیها قال فاذا کان هكذا فهو لا یمکنها اذا

ملکا تاما و لا یمتنع البضع الا بملک تام او جز المسالك شرح مؤطا، مالک ج ۲ ص ۳۲۱

”میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اس شرط کے ساتھ کوئی نکاح کرے مثلاً یہ کہ عورت کو اس کے شہر سے نہ لے جائے گا، حج، عمرہ سے اس کو منع نہ کرے گا، جو اس کے پاس آنا چاہتا ہے اس پر پابندی نہ لگائے گا، اگر اس قسم کی شرطیں لگائی گئیں تو شوہر کو عورت پر ملک تام حاصل نہ ہوگی۔ اور ملک بضع کی اباحت ملک تام ہی کے ذریعہ

ہوتی ہے۔“

آگے یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں عرصہ سے پناہ رہا ہوں کہ شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے پر پابندی لگا دوں اور یہ کہ جس کو نکاح کرنا ہو مرد کی رضامندی اور اس کی امانت داری پر نکاح کرے اور یہ کہ اس کے متعلق اعلان لکھا جائے اور بازاروں میں اس کی منادی کرادی جائے۔“

اقال مالک و لقد اشرت منذ زمان ان انہی الناس ان یتزوجوا بالشروط و ان لا یتزوجوا الا

صلی دین الرجل و امانتہ و انہ کتب بذلک کتابا و صحیح بہ فی الاسواق اوجز شرح مؤمنان ۲

ص ۱۳۲۱

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح تو بغیر کسی شرط کے مطلق ہونا چاہئے۔ اور نکاح کو شرائط کے ساتھ مشروط کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔ اور عقل و قیاس کا بھی یہی مقصدی ہے کہ اس قسم کی مباح شرطیں لگانا مناسب نہیں، کیونکہ عورت ہر طرح سے مرد کے تابع و مغلوب ہے۔ اللہ نے مرد کو عورت کا حاکم بنایا ہے۔ سفر و حضر میں عورت شوہر کی نیت کے تابع، نفل نماز، روزہ میں مرد کی اجازت کی محتاج، مرد کے ہر جائز امر کے امتثال کا اس کو حکم ہے، پہاڑوں تک منتقل کر دینے کی بات آنے پر اس کو سر تسلیم خم کر لینے کا حکم حدیث میں آیا ہے، پھر کہاں کی یہ مباح شرطیں اور کیا فائدہ ان شرطوں سے؟ اگر شرطیں مقرر بھی کر لی جائیں اور شوہر اس کی خلاف ورزی کرے تو وعدہ خلافی کی وجہ سے وہ بھی گنہگار اور اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے عورت بھی نافرمان۔ پھر ایسی شرط لگانے سے کیا فائدہ جو دونوں کے حق میں مضر ثابت ہو سکتی ہو۔ البتہ ضرر سے بچنے کے لئے کبھی ضرورت پیش آتی ہے کہ نکاح میں تفویض یعنی عورت کو خود طلاق واقع کر لینے کی شرط مقرر کر لی جائے، اگر ضرورت دائمی ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نکاح میں تفویض یعنی عورت کو خود طلاق واقع کر لینے کی شرط لگانے کا حکم

عملاً تو شریعت نے شوہر ہی کو یہ اختیار دیا ہے کہ بوقت ضرورت اپنی بیوی کو طلاق دے، لیکن ساتھ ہی اس کی بھی اجازت دی ہے کہ خود طلاق نہ دے کر کسی دوسرے کو طلاق کا اختیار دے دے، جس میں عورت بھی داخل ہے۔ حتیٰ کہ مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق واقع کر لینے کا اختیار دیدے تو یہ بہت صحیح، عقل و نفل کے موافق ہے۔

او اذا جعل الرجل امر امراته بیدها فالحکم فیہ کالحکم فی الخیار الا ان هذا صحیح

قیاسا و استحسانا لان الزوج مالک لامرہا فانما یملکها بهذا اللفظ ما هو مملوک له فیصح

منہ و يلزم حتى لا يملك الزوج الرجوع منه (مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۲۲۱)

شمس الانرہ سرخسی نے مبسوط میں تصریح فرمائی ہے کہ مرد نے جب طلاق کو عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ قیاس و استحسان کی رو سے بالکل صحیح ہے، کیونکہ شوہر طلاق کا مالک تھا، اگر اپنے مملوک حق کا وہ کسی کو مالک بنا دے تو بالکل صحیح اور لازم ہو جائے گا حتیٰ کہ شوہر کو اس سے رجوع کا بھی حق نہ ہوگا، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۰

اور شوہر کے یہ اختیار دینے کے بعد عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جانا ایسا اتفاق مسئلہ ہے کہ صحابہ میں اس مسئلہ میں سارے لوگ متفق تھے اور متعدد صحابہ سے اس سلسلہ میں روایات منقول ہیں۔

روى ان الصحابة اجمعوا على الصغيرة لها الخيار مادامت في مجلسها قلت فيد من ابن مسعود و جابرو مصر و عثمان و عبد الله بن عمرو بن العاص (نصب الراية ج ۳ ص ۲۲۹) املأ السنن ج ۱۸ ص ۱۹۸۔ دراية ص ۲۷۷

اسی لئے ہمارے فقہاء حضرات فرماتے ہیں کہ طلاق جو اصلاً شوہر کا حق ہے اگر عورت کے حوالہ کر دے تو عورت بھی اس حق کو استعمال کر سکتی ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو تفویض کہتے ہیں۔ پھر یہ تفویض طلاق جس درجہ کی اور جن الفاظ کے ساتھ ہوگی، بحیثیت لغت ان کا لحاظ ضروری ہوگا، اگر تفویض مطلق بغیر کسی قید کے ہے تو علی الفور اختیار ہوگا اور مجلس تک محدود ہوگا۔ اور اگر تفویض معلق اور کسی قید کے ساتھ مشروط ہے تو جب بھی شرط پائی جائے گی عورت کو طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر اگر کسی ضرورت کی وجہ سے (یعنی ضرر سے بچنے کی وجہ سے) اس تفویض طلاق کو عقد نکاح کے وقت مشروط کر دیا جائے یعنی نکاح ہی اس شرط پر ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی (جس میں عورت کا ضرر ہو) تو اس کو طلاق واقع کر لینے کا حق ہوگا تو اس کی بھی گنجائش ہے، کتب فقہ و فتاویٰ میں اس کی واضح تصریحات موجود ہیں۔

(۱) در مختار میں ہے - نکحها على ان امرها بيد لها صحاح اور مختار شامی قبیل فصل المشيه من كتاب الطلاق، یعنی کسی مرد نے اس شرط کے ساتھ کسی عورت سے نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار اسی کو رہے گا تو یہ نکاح صحیح ہے۔

(۲) عالمگیری میں بھی واضح تصریح موجود ہے کہ کسی عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار مجھ کو ہے جب چاہوں گی طلاق واقع کر لوں گی، اس طرح بھی نکاح درست ہے اور اس میں کچھ تفصیل بھی ہے جو انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔



تقول المرأة للمحلل زوجت نفسي منك على ان امرى بيدي اطلق نفسي كلما اريد ثم  
يقبل الزوج فيصير الامر بيدها تطلق نفسها كلها ارادت (صالمگیری ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الحلیل)  
(۳) اکابر علماء وفتہاء نے بھی اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے ۱۰ امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۹۲۔ امداد  
المفتین فتاویٰ مفتی محمد شفیع صاحب (۱۰۲۶) الحیلۃ الناجزۃ ۱

## تفویض کے بعد شوہر کا حق رجوع باقی نہیں رہتا

شمس الانرہ سرخسی کی تصریح کے مطابق تفویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا حتیٰ لا یملک  
الزوج الرجوع منه (مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۲۲۱) عالمگیری میں ہے -

لیس للزوج ان یرجع فی ذلک و لا فیما صاعدا علیہا (صالمگیری ج ۲ ص ۱۷۵)

در مختار شامی میں ہے و لا یملک الرجوع منه ای من التفویض (در مختار شامی کتاب المطلاق

فصل فی الهشیۃ)

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تفویض کے بعد یعنی شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دینے کے بعد رجوع  
کا حق باقی نہیں رہتا، اکابر علماء وفتہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے -

## تفویض کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

### پہلی صورت اور اس کی شرط

اس کی کل تین صورتیں جائز ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط باہمی رضامندی سے طے  
ہو جائیں اور فریقین کے اس پر دستخط ہوں۔ اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و  
نسبت بھی موجود ہو مثلاً معاہدہ میں اس طرح لکھا جائے کہ - اگر میں فلانہ بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط  
مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت  
پا ہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے "

اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم

کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

لما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطه الملك ... او الاضافة كان نکحتک فانت  
مطلق . و فی العالمگیرية الفصل الثالث من کتاب الشروط ... و الثاني تعلیق التفویض  
بالشرط . الحيلة الناجزة ص ۳۱ بتسبیل۔)

## دوسری صورت اور اس کے شرائط

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب  
مطلق اور قبول مشروط ہو۔

اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط صاحب در مختار نے یہ لکھی ہے کہ اس میں ابتداء یعنی ایجاب عورت  
کی جانب سے ( جس میں شرط اور تفویض کا ذکر ہو) اور قبول مرد کی جانب سے ہونا چاہئے اگر اس کے برعکس ہو  
یعنی ایجاب مرد کی جانب سے اور قبول عورت کی جانب سے تو اگرچہ شرط اور تفویض کا ذکر کر دیں تب بھی یہ شرط  
لغو قرار پانے لگی اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہوگا۔

نکحها صلی ان امرها بیدها صح قال الشامی مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت  
نفسی منک صلی ان امری بیدی .. اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی  
البحر الشامی)

علامہ شامی نے اس کی وجہ بھی لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرد کی جانب سے ایجاب ہونے کی صورت میں  
تفویض قبل نکاح ہوگی اور یہ صحیح نہیں، شامی کتاب الطلاق تحت قوله و لا یقع طلاق المولی صلی  
امراة عبده ج ۲ ص ۲۹۹ الحيلة الناجزة ص ۳۲)

لیکن مرد کی جانب سے ایجاب اگر اس طرح ہو کہ " میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ تجھ سے  
نکاح کرنے کے بعد تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا " اور عورت نے اس کو قبول کر لیا تب بھی یہ صورت جائز ہے  
اور نکاح کے بعد عورت کو تفویض یعنی خود طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا فتاویٰ عالمگیری میں اس کی تصریح موجود  
ہے۔

حيلة اخرى ان يقول الزوج المحلل للمرأة تزوجتک صلی ان امرک بیدک بعد ما  
تزوجتک و مطلقى نفسک كلما تریدین فقالت المرأة قبلت یصیر الامر بیدها ایضا  
(عالمگیری کتاب الحیل ج ۲ ص ۳۹۲)

## تیسری صورت اور زبردستی اقرار نامہ لکھوانے کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ شوہر کی جانب سے لکھوایا جائے، جس میں عورت کو حق تفویض دیا گیا ہو۔ یہ صورت بھی بلاشبہ درست ہے۔ اور مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط بھی اس صورت میں لازم نہیں۔ حتیٰ کہ شوہر کی رضامندی بھی شرط نہیں یعنی اگر اس طرح کا اقرار نامہ جبر و اکراہ کے ساتھ شوہر سے لکھوایا گیا تب بھی عورت کو یہ حق حاصل ہو جائے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ خانہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، وہ عبارت یہ ہے۔

”لسلطان اذا اكره رجلا ليوكله بطلاق امراته فقال الرجل مخالفة الضرب و الحبس انت و كيلى فطلق الوكيل امراته فقال الرجل لم ارد بقولى انت و كيلى بالطلاق لا يصدق و تعلق امراته لان كلام الرجل جوابا لكلام السلطان و كلنى بطلاق امراتك ا خانية على هامش صالمگیری ج ۳ ص ۲۸ کتاب الوکالة“

”بادشاہ نے جب کسی شخص کو مجبور کر دیا کہ اپنی عورت کو طلاق دینے کا اس کو وکیل بنا دے، چنانچہ اس شخص نے ضرب و قید کے ڈر سے کہہ دیا کہ آپ میرے وکیل ہیں، پس وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دے دی اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے وکالت سے وکیل بالطلاق مراد نہیں لیا تو اس کی بات نہ مانی جائے گی، اور طلاق وقع ہو جائے گی کیونکہ مرد کا کلام سلطان کے اس کلام کا جواب ہے کہ مجھ کو اپنی عورت کے طلاق کا وکیل بنا دو“

اس سے معلوم ہوا کہ بالجبر بھی اگر شوہر سے یہ حق حاصل کر لیا جائے تب بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے اور طلاق وقع کر لینے کی صورت میں طلاق بھی وقع ہو جاتی ہے۔ تفویض و توکیل رسالہ کا ایک ہی حکم ہے، فقہاء نے واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ اگر طلاق دینے یا اس کا وکیل بنانے پر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق دے دی یا وکیل بنا دیا تو بھی درست ہے۔

وان اكره على طلاق او متاق او توکیل بهما ففعل ای امتق عبده او مطلق امراته او وکل بهما فاصتق الوکیل او مطلق نفسه لان الاكراه لا ينافى الاهلية (مجمع الانهر شرح متقى الا بحر ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الاكراه) کیونکہ اس میں رضامندی شرط نہیں فاما المتق و الطلاق فلا يشترط فيهما الرضا (بحر الرائق ج ۸ ص ۷۵)

## تفویض و اختیار کی تحدید

تفویض کے بعد عورت کو یہ اختیار کب تک باقی رہے گا آیا شوہر اس اختیار کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں اور



عورت اس اختیار کو کب تک استعمال کرنے کی مجاز ہے؟ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے۔

(۱) تقویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا، جس کی تفصیل اور فقہی عبارات، ماقبل میں گذر چکیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ عورت کب تک اس اختیار کو استعمال کر سکتی ہے، اس کے لئے ان الفاظ کو دیکھنا

چاہئے جن الفاظ سے عورت کو تقویض کی گئی ہے یا جن الفاظ سے عورت نے اپنے لئے اس حق کو باقی رکھا ہے۔

اگر وہ الفاظ اور صیغے عام نہیں ہیں، مثلاً اس طرح شرط مقرر کی کہ اگر شوہر نے ایسی حرکت کی تو عورت کو اختیار ہوگا

اس صورت میں تو عورت کو صرف ایک ہی مرتبہ طلاق وقع کر کے شوہر سے علحدگی کا حق ہوگا، اور جس مجلس

میں عورت کو خلاف شرط کا علم ہو اسی مجلس تک اختیار ہوگا۔ اس وقت خاموشی یا رضا مندی ظاہر کرنے کے بعد یا

مجلس ختم ہو جانے کے بعد اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ اور اگر تقویض عام صیغوں کے ساتھ ہوتی تھی اس طرح

کہ جب جب ایسا ہو، جب بھی شوہر ایسی حرکت کرے، عورت کو طلاق وقع کر لینے کا اختیار ہوگا، ایسی صورت میں

عورت کا اختیار ایک مرتبہ کے ساتھ یا اس مجلس تک محدود نہ ہوگا، بلکہ خلاف شرط جب بھی کوئی امر پایا جائے گا،

عورت کو طلاق وقع کر لینے کا اختیار ہوگا۔ کتب فقہ شامی، بحر وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

## احتیاطی تدابیر

لیکن اس کے باوجود عورت چونکہ ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے

خالی نہیں، اس لئے مناسب ہے کہ ضرر سے حفاظت کے لئے تقویض تو کی جائے، لیکن اس میں مناسب قیدیں

بھی لگادی جائیں تاکہ عورت اس کا غلط استعمال نہ کر سکے، اور وہ یہ کہ مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس

کا وکیل یا ولی یا خود عورت یا قاضی نکاح خواں، اس طرح کہے کہ میں نے مسماة... فلانة بنت فلان کو تمہارے نکاح

میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے شدید تکلیف پہنچے گی، یا عورت کو حق تلفی اور ظلم کی حکایت

ہوگی، جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب کہیں تو اس کے

بعد ہر وقت معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن وقع کر کے نکاح سے علحدگی اختیار کر لے

اور اس جگہ مناسب ہے کہ اختیار عورت کو اس وقت ہوگا جب کہ یہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی

تسلیم کر لیں کہ واقعی عورت شدید تکلیف میں ہے۔ مرد ظالم ہے اور طلاق مناسب ہے اور اس کے بعد بھی عورت

کو چاہئے کہ استخارہ، مشورہ، اور دعاء اور انجام کو سوچنے کے بعد انشراح کے ساتھ اس حق کو استعمال کرے ورنہ کبھی

بعد میں افسوس کرنا پڑتا ہے۔ الحيلة الناجزة مختصرا ص ۱۲۵

## تعلیق و تردید کے ساتھ مہر متعین کرنے کا شرعی حکم

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کا عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ اگر عورت کو اس کے شہر سے نہ لے جائے گا تو ایک ہزار مہر اور اگر اس کے شہر سے لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا۔ اس طرح مہر مقرر کرنے کی صورت میں نکاح تو بہر حال درست ہوگا، البتہ امام صاحب کے نزدیک مہر کی بابت پہلی شرط معتبر اور دوسری شرط فاسد ہے یعنی اگر شوہر اپنی شرط پر قائم رہا تو ایک ہزار مہر ہوگا ورنہ دوسری صورت میں شرط کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مہر مثل لازم ہوگا۔

لیکن صاحبین کے نزدیک دونوں ہی شرطیں جائز ہیں یعنی اگر شرط کے خلاف کیا تو دو ہزار مہر لازم ہوگا۔ عام طور پر فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امرأة و صلى الغين ان كانت له امرأة او صلى الف ان لم يخرجها من البلدة و صلى الغين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر في المهر الشرط الاول ان و في به فلها المسمى على ذلك الشرط و ان لم يف فلها مهر المثل لا ينقص من الاقل و لا يزداد على الاكثر۔ و قال ابو يوسف و محمد الشرطان جائزان (فتاوى تاتار خانية ج ۳ ص ۱۰۱۔ صالمگیری ج ۱ ص ۲۰۷۔ بدائع ج ۲ ص ۲۸۲۔ بحر ج ۳ ص ۱۵۹ مبسوط ج ۵ ص ۱۹۰)

## امام صاحب کے مسلک کی توضیح اور غلط فہمی کا ازالہ

مشہور تو یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلے کیا گیا ہو وہی تسمیہ صحیح ہے اور دوسری شق کا مقرر کردہ مہر معتبر نہیں بلکہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن یہاں پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شق اول کا تسمیہ کیوں معتبر اور شق ثانی کا غیر معتبر ہوتا ہے، خواہ اول ہو یا ثانی اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ محقق ابن ہمام فتح القدر میں امام صاحب کے مسلک کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وجه قول ابی حنیفة انه لا خطر فی التسمیة الاولى بل هی منجزة بخلاف الثانية فہی مطلقۃ (فتح القدير ج ۳ ص ۱۲۳)

”امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تسمیہ میں یعنی شق اول میں جو مہر مقرر ہوا ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ منجز ہے اس لئے یہ معتبر ہے، بخلاف شق ثانی کے کہ وہ معلق ہے اس لئے غیر معتبر ہے“

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مہر جو تعلق کے ساتھ مقرر ہو وہ صحیح نہیں اور جو تجبیز کی صورت میں ہو وہ صحیح ہے خواہ اول ہو یا ثانی۔

فقیر النفس ابن نجیم بحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں۔

”تسمیہ اولیٰ کی صحت کا مدار صرف اس پر ہے کہ وہ مجزہ ہے معلق نہیں، اور یہ صرف اسی صورت میں منطبق ہوتا ہے جبکہ شوہر نے یہ کہا کہ اگر عورت کے شہر میں مقیم رہا تو ایک ہزار، لیکن اس صورت میں جب کہ شوہر نے کہا کہ اگر منکوحہ کی سوکن کو طلاق دیدے تو ایک ہزار اور اگر طلاق نہ دے تو دو ہزار مہر پر نکاح ہوگا، اس صورت میں حکم مختلف ہوگا یعنی پہلی صورت کا تسمیہ فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا، کیونکہ اس صورت میں طلاق نہ دینا یہ تجبیز ہے۔ لہذا پہلا تسمیہ فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا“

اصلم ان قولهم هنا بصحة التسمية الاولى فقط بناء على انها منجزة ... الى قوله و اما على نحو الف ان مطلق ضررتها و على الفين ان لم يطلق فعلى العكس لان المنجز الآن صدم الطلاق فينبغي فساد الاولى و صحة الثانية (بحر الرائق ج ۳ ص ۱۶۲) اس تفصیل کے پیش نظر علی الاطلاق یہ کہنا درست نہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلے ہو وہ صحیح اور دوسرا فاسد ہوگا بلکہ درست یہ ہے کہ جو تسمیہ بصورت تجبیز ہو وہ درست ہوگا اور جو بصورت تعلق ہو وہ درست نہ ہوگا۔

## صورت مسئولہ کا حکم

لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بیوی کو وہ طلاق دے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہوگا۔ اس صورت میں چونکہ پہلی مہر معلق ہے اور دوسری صورت میں مجزہ ہے اس لئے پہلا مہر درست نہ ہوگا اور دوسرا صحیح ہوگا ”فافہم و تدبر“ یہ مسلک امام صاحب کا ہے۔ امام صاحب کے مسلک کے مطابق اگر کوئی صورت مفید مطلب ہو سکتی ہو تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

## صاحبین کا مسلک

البتہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور دونوں صورتوں میں مہر کا تسمیہ درست ہے۔ لیکن ہمارے تمام فقہاء نے اس مسئلہ میں امام صاحب کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ کتب فقہ کی ترتیب بیان سے واضح ہے۔ نیز دلائل کے اعتبار سے بھی امام صاحب کے مسلک کو قوی تر قرار دیا ہے اور صاحبین کے مسلک کو مرجوح



قرار دیا ہے۔ اس لئے اصحاب ترجیح کی ترجیح یا دلائل کی قوت کے پیش نظر تو صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی اجازت نہیں، البتہ ضرورت کی وجہ سے جب ضعیف قول نیز دیگر مذاہب پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے تو صاحبین کے مسلک پر بدرجہ اولیٰ ہونا چاہئے، لیکن وہ ضرورت واقعی ضرورت بھی ہو، اس کی بناء صحیح ہو، اور وہ ضرورت صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے سے پوری بھی ہوتی ہو، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

### صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا مسئلہ کا حل نہیں

ضرورت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود اور خلاف عقل و نفل ہے، کیونکہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے، اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کر دوتا کہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کر سکے شرعاً بھی مردود ہے اور عقلاً بھی۔ کیونکہ شریعت نے خود بعض حالات میں طلاق کو تجویز کیا ہے۔ حقوق کی ادائیگی نہ کر سکنے کی صورت میں شوہر کو طلاق دینے ہی کا شرعی حکم ہے، لہذا بالقصد ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے کہ طلاق کا دروازہ ہی گویا بند کر دیا جائے یہ درست نہیں، کیونکہ یہ تو تفسیر مشروع کے مرادف ہے، اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تب بھی یہ تدبیر غیر مفید بلکہ مضر ہے، کیونکہ بسا اوقات طلاق لینے کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے اور مہر کی زیادتی کی وجہ سے شوہر طلاق نہیں دیتا، اور ظلم پر ظلم کرتا رہتا ہے، نیز اس طرح مہر کی کثرت عموماً شوہروں کے طلاق دینے سے مانع بھی نہیں بنتی۔ طلاق دینے پر جب آمادہ ہوتے ہیں تو مہر کی قلت و کثرت کا ان کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

الغرض طلاق نہ دینے کے خطرہ سے مہر کی زیادتی کا تصور ہی سرے سے غلط ہے، کیونکہ بسا اوقات یا ہی نباہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق دینا ہی شوہر ہیوی دونوں کے حق میں مفید ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت تھانوی کی ایک تحریر بھی ملاحظہ ہو۔

### حضرت تھانوی کی رائے

بعض عقلمند مہر کی زیادتی میں یہ منسلحت سمجھتے ہیں کہ چھوڑ نہ سکے گا۔ اگر مہر کم ہو تو شوہر پر کوئی بار نہیں پڑتا۔ اور اس کو امر سے کوئی مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کر لے اور مہر کی کثرت میں ذرا رکاوٹ رہتی ہے، یہ عذر بالکل لغو ہے جن کو چھوڑنا ہوتا ہے وہ چھوڑ ہی دیتے ہیں خواہ کچھ بھی ہو، دوسرے نہ چھوڑ سکتا ہر جگہ تو

مصلحت نہیں ہے (کیونکہ) جو لوگ مہر کے مطالبہ کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں یعنی تطلق کی جگہ تعلق عمل میں لاتے ہیں کہ نکاح سے نہیں نکلتے مگر حقوق بھی ادا نہیں کرتے ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو اس کو کوئی چیز کسی امر سے نہیں روک سکتی۔ اصلاح انقلاب

للتکھانوی ج ۱ ص ۱۳۵۔ اسلامی شادی ص ۱۷۶۔ مطبوعہ پاکستان

## حضرت گنگوہی کا فتویٰ

حضرت گنگوہی اس شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو کہ "اگر یہ مرد دوسرا نکاح کرے گا تو اس دوسری عورت کو طلاق" اس شرط کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ اصل مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط (استطاعت) چار تک زوجات درست ہیں اس لئے ایسی شرط راجح کرنا ہرگز اصول شریعت کے سزاوار و مطابق نہیں۔ فانكحوا ما طاب لكم الآية (نص صریح ہے جس کا اقل درجہ اباحت ہے پس اس میں اشتراط مذکورہ کو رواج و شائع کرنا بیشک اس اباحت کی مخالفت اور حکمت شرعیہ تعدد ازواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بعض ضرورت کے سبب نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہو جاتی ہے، لہذا اس قسم کی شرطوں کے موقوف کرنے کی سعی مناسب ہے۔ اور جس مسلمان حاکم کی ریاست میں اس کا شیوع ہو اس کو چاہئے کہ اس کے ختم کرنے کی کوشش کرے" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۸۲)

جس طریقہ سے شریعت نے ہر مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے نکاح ثانی و ثالث کو مباح قرار دیا ہے اور اس کے خلاف کی شرط لگانا، اس کی سعی کرنا، امر اباحت کی مخالفت نیز تفسیر مشروع اور اصول شرع کے خلاف ہے، اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ جب شریعت نے شوہر کو ضرورت کے وقت طلاق دینے کی اجازت دی ہے اور طلاق و نسا ایک امر مباح ہے، (صروح بہ فی البحر و الفتح) اس کے خلاف ایسی کوئی تدبیر اختیار کرنا (جیسا کہ صاحبین کا مسلک اختیار کر کے قصد کیا جا رہا ہے) کہ شوہر طلاق کا اقدام نہ کر سکے یہ تدبیر و سعی بھی امر مباح کی مخالفت، تفسیر مشروع اور اصول شرع و مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ اس کا رواج و نسا بھی قعطا درست نہ ہوگا۔ اور یہ تاویل بے سود ہے کہ سعی و تدبیر اس طلاق کی بندش ہے جو ناجائز اور غیر مشروع ہو، کیونکہ اس تدبیر کے بعد مشروع صورتوں میں بھی طلاق دینے میں رکاوٹ ہوگی۔

اور صاحبین کا جو مسلک ہے وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ صاحبین نے دونوں شرطوں کو جائز قرار دیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس طرح مہر مقرر کرنے کی صورت میں دونوں شقوں میں حسب شرط مہر مسمیٰ

ہی لازم ہوگا، مہر مثل کسی صورت میں لازم نہ ہوگا۔ یہی مقصود ہے اس مسئلہ کا، باقی یہ ہے کہ اس طرح کی شرط لگانا یا اس طرح مہر مقرر کرنا کہ طلاق دے گا تو اتنا مہر ورنہ اتنا اس طرح شرط مقرر کرنے کا فی نفسہ حکم کیا ہے، یہاں پر اس سے کوئی تعرض نہیں، اس کا شرعی حکم وہی ہے جو باقبل میں مذکور ہوا۔

الغرض چونکہ جس بنیاد پر صاحبین کے مسلک کو اختیار کیا جا رہا ہے وہ بنیاد عقلاً و فقلاً مردود ہے، لہذا صورت مستورہ میں صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم  
مناسب حیلہ اور مفید تدبیر

لیکن اگر کسی کے نزدیک اس کی واقعی ضرورت و افادیت مسلم ہو تو اس کے لئے ایک حیلہ ہے جس کو ہمارے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے۔ عالمگیری میں بھی منقول ہے وہ یہ کہ عورت شوہر سے اس طرح نکاح کرے کہ میں اتنے مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کرتی ہوں (اور اس شرط کو ذکر کر دے جو اس کو منظور ہے) مثلاً یہ کہ مجھ کو طلاق نہ دے یا میرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اور اگر اس شرط کے خلاف کیا تو بجائے مہر مسمی کے مہر مثل لازم ہوگا اور مہر مثل کی تعیین بھی کر دے کہ مہر مثل اتنا ہوگا (جو شوہر پر ثقیل ہوگا) اور شوہر اس کا اقرار بھی کر لے، اس صورت کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ خلاف شرط ہونے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا اور چونکہ وہ کثیر مقدار میں ہوگا لہذا شوہر اس شرط کے خلاف کی جرات نہ کر سکے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہ حیلہ موجود ہے۔

رجل اراد ان يتزوج امرأة فخافت المرأة ان يخرجها من تلك البلدة او خافت ان يتزوج  
صليها فارادت التوثيق منه بغير يمين فالحيطة ان تزوجه نفسها على مهر مسمى على ان لا  
يخرجها من البلدة و ان اخرجها من البلدة فلها تمام مهر مثلها و يقر الزوج ان مهر مثل  
نساء كذا وكذا بشئ اكثر من هذا مما يشق على الزوج... عالمگیری كتاب الحيل ج ۶ ص

۱۳۹۲

ضرورت کے وقت ضرورت کی حد تک اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن ایسے امور کا رواج دینا شریعت کی مراد کے خلاف بلکہ تغیر مشروع کے مرادف ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بیوی کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط پر نکاح کرنا

(۱) فقہاء و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ نکاح میں عائد کردہ وہ شرطیں جو مقتضائے عقد کے خلاف، حقوق زوجیت کے منافی، یا کسی غیر مشروع امر پر مشتمل ہوں ایسی شرطیں، باطل اور ان کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ بعض



صورتوں میں جائز نہیں۔ اس قسم کی تصریحات ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہیں، صینی شرح بخاری ج ۱۱

ص ۲۲۱۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵

(۲) اور عقد نکاح کے تقاضے اور اس کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ شوہر کو بیوی پر ملک تام حاصل ہو جہاں شوہر رہے عورت کو ساتھ رکھے۔ ایسی کوئی شرط لگانا جس سے ملک تام حاصل نہ ہو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف اور حقوق زوجیت کے منافی ہے۔

## عقد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم

مولانا نور الحق رحمانی

شرائط کا مسئلہ عقود و معاملات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ دونوں کے سلسلے میں فقہاء کے اقوال یکساں ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ عقود اور شرائط میں اصل حرمت اور ممانعت ہے، عقود اور شرائط کی صرف وہ صورتیں جائز ہیں جن کی حلت و اباحت کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہیں۔ باقی وہ عقود و شروط جن کی حرمت منصوص ہے، یا جن کے بارے میں نصوص خاموش ہیں وہ تمام از روئے شرع حرام ہیں، اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ عقود و شرائط میں اصل اباحت اور حلت ہے، الا یہ کہ حرمت و بطلان پر کوئی شرعی دلیل قائم ہو جائے۔ تیسرا مسلک ان دونوں امتیازوں کے بیچ میں ہے۔

### اہل ظاہر کا مسلک

اصحاب ظاہر چونکہ نصوص کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں، نہ وہ احکام کی علتوں سے بحث کرتے ہیں نہ قیاس کا ان کے نزدیک اعتبار ہے، اس بنا پر ان کے نزدیک عقود و معاملات اور شرائط کی صرف وہ صورتیں جائز قرار پائیں گی جن کی اباحت منصوص ہے، لہذا اگر صلب عقد میں کسی ایسی شرط کا تذکرہ کیا گیا جس کا ذکر کتاب و سنت میں نہیں ہے تو عقد باطل قرار پائے گا۔ وہ صرف ان سات شرائط کو صحیح اور لازم قرار دیتے ہیں جن کا ذکر کتاب و سنت

کے نصوص میں وارد ہے (۱) یعنی خرید و فروخت میں رہن کی شرط (۲) خرید و فروخت میں اگر ثمن زر حقیقی سونا اور چاندی ہو تو ثمن کی ادائیگی کو ایک مقررہ مدت تک مؤخر کرنے کی شرط (۳) ثمن کو مدت کی قطعی تعیین کے بغیر محض خوشحال ہونے تک ادا کرنے کی شرط (۴) خرید و فروخت میں فریقین کا باہمی رضامندی سے بیع یا ثمن کی صفات میں سے کسی خاص صفت کی شرط لگانا (۵) خرید و فروخت میں فریقین یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے تین دنوں کے خیال کی شرط جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کو جنہیں خرید و فروخت میں نقصان ہوتا تھا خیال شرط کی تعلیم دی تھی اور فرمایا تھا: **اذا تبایعت فقل لا خلاصة ثم انک بالخیار ثلاثۃ ایام** (مسلم کتاب البیوع، ۶) کھجور کے درخت کی ٹہاں (مطلب بیجے کہ کھجور کی شاخوں میں پھول آجانے کے بعد مادہ کھجور کے خوشوں کو پھاڑ کر اس میں کھجور کے خوشوں کا پھول ڈالتے ہیں۔ ایسا کرنے سے پھل زیادہ ہوتا ہے) کے بعد اسے فروخت کرنے کی صورت میں خریدار کا یہ شرط لگانا کہ درخت کا پھل میرا ہوگا، کیونکہ حدیث میں اس کی اجازت آتی ہے۔ اگر یہ شرط نہ لگائی جائے مطلق درخت کی بیج ہو تو اصولی طور پر اس کا پھل بیع کا ہوتا ہے (۷) غلام کی بیج کی صورت میں خریدار کا یہ شرط لگانا کہ غلام کا مال میرا ہوگا، جب کہ شرط لگانے کی صورت میں فروخت شدہ غلام کا مال مالک کا قرار پاتا ہے۔

من صید اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من ابتاع نخلا بعد ان تویر فشرتها للذی باصھا الا ان یشترط المبتاع و من ابتاع عبدا فمالہ للذی باعہ الا ان یشترط المبتاع (مسلم کتاب البیوع باب من باع نخلا علیھا تمر اوسومۃ السنۃ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۷۳)

ان سات شرائط کے علاوہ اگر متعاقدین بوقت عقد کوئی اور شرط لگائیں تو شرط بھی باطل اور عقد بھی باطل ہوگا۔ ہاں اگر شرط فاسد ختم کر دی گئی تو پھر عقد صحیح ہو جائے گا (دیکھئے المحلی لابن حزم ج ۸ ص ۲۱۲-۲۲۰) اہل ظاہر کا استدلال حدیث بریرہ سے ہے جو بخاری میں کتاب العتق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: وہ فرماتی ہیں کہ بریرہ جو مکاتبہ (باندی) تھیں وہ ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ آپ مجھے خرید کر آزاد فرمادیجئے، حضرت عائشہ نے فرمایا ٹھیک ہے، تو حضرت بریرہ نے کہا کہ وہ لوگ مجھے اس شرط پر فروخت کریں گے کہ میری ولاء انھیں حاصل ہو (آزاد شدہ غلام اور باندی کے انتقال کے وقت شرعی وارث اصحاب فرائض اور عصبہ وغیرہ نہ ہو تو ان کا ترکہ آزاد کرنے والے مالک کا ہوتا ہے اس کو ولاء کہا جاتا ہے) تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ پھر تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی، یا انھیں اس کی اطلاع ہوئی تو



انہوں نے حضرت عائشہ سے دریافت فرمایا تو حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کی بات ان سے نقل کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسے خرید لے اور آزاد کر دے اور ان کے مالک جو شرط لگانا چاہیں انہیں لگانے دے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ بریرہ کے مالک نے ولاء کی شرط لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے خواہ بیچنے والے کو شرط ہی کیوں نہ لگائیں، الولاء.

لمن امتق وان اشتراطوا مائة شرط (بخاری)

اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید لو اور اس کے مالک اپنے لئے ولاء کی شرط لگائیں تو ان کی یہ شرط منظور کر لو، ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کا حق ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ کچھ لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، ہر ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے چاہے سو شرطیں کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ ہی برحق ہے اور اللہ کی شرط ہی قابل اعتماد و اعتبار ہے، اور ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے (بخاری

مکتاب المتق)

علامہ ابن حزم اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بلع کا اپنے سے ولاء کی شرط لگانا مباح تھا ممنوع نہیں تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ بریرہ کے مالک لوگ جو شرط لگانا چاہتے ہیں انہیں لگانے دو۔ یہ بات حضور جمعی فرما سکتے ہیں جبکہ یہ شرط مباح ہو کیونکہ آپ نے کسی امر باطل کو مباح قرار دے سکتے ہیں اور نہ کسی کو دھوکہ دے سکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس شرط کو منسوخ فرمایا کیونکہ آنحضرت نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرط باطل ہے اور بطور قاعدہ کلیہ کے فرمایا کہ ماکان من شرط لیس فی مکتاب اللہ فہو باطل (اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث میں منصوص شرائط کے علاوہ ہر شرط باطل ہے، اور قرآن کریم کی وہ آیات اور احادیث جن میں تکمیل شرط اور ایفائے عہد پر زور دیا گیا ہے ان کے بارے میں علامہ ابن حزم یہ فرماتے ہیں کہ ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں، کیونکہ قرآن نے معاصی اور اللہ تعالیٰ کی ممنوع کردہ چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کوئی ایسا معاہدہ کرے جو از روئے شرع حرام ہے تو اس کا پورا کرنا حرام ہے، اور حدیث بخاری سے معلوم ہوا کہ جو شرط کتاب اللہ میں مذکور نہیں وہ باطل ہے اور باطل حرام ہے لہذا اگر کسی شرط حرام پر معاہدہ ہو جائے تو اس کا پورا کرنا جائز نہ ہوگا، وہ معاملہ ہی باطل قرار پائے گا۔

لیکن علامہ ابن حزم کا اسکا من شرط لیس فی کتاب اللہ فیہ باطل) جو شرط کتاب اللہ میں مذکور نہیں وہ باطل ہے اسے یہ استدلال کرنا کہ کتاب و سنت کے نصوص جن شرائط کے ذکر سے خاموش ہیں اس حدیث کی رو سے وہ سب باطل ہیں، صحیح نہیں، کیونکہ اسی حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کتاب اللہ میں جو شرط مذکور نہیں اس سے مراد باطل کا اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو "ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ" قرار دیا اور ظاہر ہے کہ باطل کا اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا شرط باطل ہے کیونکہ ولاء شرعاً آزاد کرنے والے کا حق ہے نہ کہ باطل کا اور شرط باطل غیر معتبر ہوتی ہے، اسی بنا پر آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم بریرہ کو فرید کر آزاد کر دو۔ وہ لوگ اپنے لئے ولاء کی شرط لگائیں تو لگانے دو (اس کا شرعاً اعتبار نہیں) ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے۔ الولاء لمن استق پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہونے والی شرط سے وہ شرط مراد ہے جس سے شریعت لے سح کیا ہے نہ کہ وہ شرط جس سے کتاب اللہ خاموش ہے۔ اسی پر آپ نے نکیر فرمائی اور ایسی شرطیں لگانے سے منع فرمایا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ولاء کی شرط لگانا مباح تھا، صحیح نہیں۔ حدیث کا یہ نکتہ کہ خذیہ و اشتد علی الولاء فانہا الولاء۔ لمن استق اس کی صریح طور پر تردید کر رہا ہے، اور اس سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا شرط باطل ہے، وہ لغو قرار پائے گا اور عقد بیع پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

اہل ظاہر کے اس قول کی رو سے عقود و شرائط کا دائرہ بالکل تنگ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ قول اسلامی شریعت کی وسعت و سماحت، یسر و سہولت، کمال و جامعیت، اس کی نرمی اور لچک اور ہر دور کا ساتھ دینے اور لوگوں کی مشکلات و مسائل کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت سے میل نہیں کھاتا، انسانی زندگی تغیر پذیر ہے۔ زمانہ کی ترقیات اور نئی ایجادات کے نتیجے میں لوگوں کی ضروریات میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اور لوگوں کے درمیان تعامل کی نئی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر اہل ظاہر کے قول پر عمل کیا جائے تو عقود و معاملات کی ان تمام صورتوں کو باطل قرار دینا ہوگا جن کا اس وقت رواج ہے اور جن کی انسانوں کو ضرورت ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ دین سے دور ہوں گے اور شریعت کی طرف سے ان کا اعتماد مجروح ہوگا اور وہ یہ سمجھیں گے کہ اس دین میں زمانہ کی ترقیات کا ساتھ دینے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کمال اور ابدیت کی شان ہے، اور یہ انسانوں کی جملہ ضروریات و مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت سے بھرپور ہے۔

اسی طرح شریعت نے جو عقود و معاملات میں شرط کا اعتبار کیا ہے اس کے پیچھے یہ حکمت کار فرما ہے کہ کبھی انسان کا کوئی خاص نشانہ اور مقصد ہوتا ہے، اس کی کوئی مصلحت اور منفعت ہوتی ہے اور غیر مشروط عقد کی صورت

میں اس کا حصول ممکن نہیں ہوتا، اور بوقت عقد، شرط کے ذریعہ انسان اپنے اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے اب اگر ان تمام شرائط کو باطل اور غیر معتبر قرار دیا جائے جن کا ذکر شرعی نصوص میں موجود نہیں تو لوگوں کو حرج اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کسی امر میں خاموشی بھی بر بنائے رحمت ہے اس لئے علی الاطلاق ایسے تمام امور کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

## حنا بلہ کا مسلک

اس کے برخلاف حنا بلہ اور علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا مسلک ہے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ عبادات میں تو اصل بطلان ہے یہاں تک کہ اس کے مامور بہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم ہو جائے، اور عقود و معاملات عائد ہوتی ہیں۔ یا اس کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کے رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا یہ کہ شوہر اسے ملازمت کرنے دے گا یا لگی ہوئی ملازمت کو نہیں چھڑائے گا، یا گھر سے باہر کوئی پیشہ اختیار کرنے کی اجازت دے گا وغیرہ یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی تعلیم یافتہ ہو، خوبصورت ہو، یا باکرہ ہو یا ان عیوب سے پاک ہو جن کی بنیاد پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، مثلاً بیوی اندھی نہ ہو، کافی نہ ہو، گونگی بہری لنگڑی لولی نہ ہو وغیرہ۔ یہ تمام شرائط ان کے نزدیک صحیح اور لازم الایفاء ہیں، اور شرط فوت ہونے کی صورت میں شرط لگانے والے فریق کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شرط شریعت کی طرف سے ممنوع نہیں ہے نہ نکاح کے اصل مقصود کے خلاف ہے تو وہ شرعاً جائز ہے، اور جب شرط کی حیثیت سے اسے قبول کر لیا گیا تو اس کی پابندی کا تو خاص طور پر تاکید حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شرائط کے سلسلے میں اصل صحت اور اباحت ہے الا یہ کہ اس کے بطلان اور حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم ہو جائے، **اصلام الموقنین ج ۱ ص ۳۸۶**

اس قول کی رو سے شرائط کے سلسلے میں اصل اباحت ہے لہذا ان کے نزدیک وہ تمام شرائط جائز ہیں جن کی حرمت کے سلسلے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں۔ ان کا استدلال کتاب و سنت کے ان عام نصوص سے ہے جن میں مہد و میثاق اور عقود و شروط کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے اور فدر و خیانت اور نقض عہد سے منع کیا گیا، جن کا ہم نے شروع میں تذکرہ کیا مثلاً **یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (المائدہ)** اور **"المسلمون صند شروعتهم"** وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس قول کی رو سے عقود اور شرائط کے سلسلے میں بڑا توسع اور بڑی آزادی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقد نکاح کے سلسلے میں اس کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ عاقدین کے ارادے سے متاثر ہو اور اس



کا وہ تقدس ختم ہو جانے جو شرعا سے حاصل ہے۔ حجابہ کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جو مقضائے عقد کے مطابق ہو یا مقضائے عقد کے مطابق تو نہ ہو لیکن اس میں عاقدین میں سے کسی کی منفعت ہو بشرطیکہ اس سے نکاح کے اصل مقصود میں خلل واقع نہ ہو اور نہ وہ شرعا ممنوع ہو، مثلاً عورت کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ شوہر اس کی ضروریات کی کفالت کرے گا، اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، کہ یہ چیزیں عقد نکاح ہی کی رو سے شوہر پر کارشاد ہے۔ ان احق الشروط ان توفوا بھا ما استحللتم به الفروج۔ اسی طرح وہ حضرت عمر فاروق کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کے عہد میں ایک شخص نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ بیوی کو اس کے گھر سے باہر نہ لے جائے گا پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے بیوی کو منتقل کرنا چاہا تو بیوی رضامند نہ ہوئی مقدمہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا اور آپ نے اس پر اس شرط کی پابندی کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مقاطع الحقوق عند الشروط البخاری کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح باب ۵۶

موسومة السنة

علامہ ابن قدامہ ضلی لکھتے ہیں۔

باب الشروط فی النکاح وہی قسمان صحیح مثل اشتراط زیادة فی المهر او ان لا یخرجها من دارها او بلدها او لا یتزوج علیها ولا یتسری۔ فهذا صحیح لازم ان فی بہ و الا فلها الفسخ (المصنوع ج ۳ ص ۲۳۹)

اور شرط غیر صحیح یا شرط فاسد ان کے نزدیک وہ ہے جس کے بارے میں شریعت کی طرف سے نہی وارد ہو یا جو نکاح کے اصل مقصود کے خلاف ہو یا جو مقضائے عقد کے خلاف ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ شرط باطل ہو جاتی ہے اور نکاح صحیح رہتا ہے مثلاً ایسی شرط جس کے بارے میں شریعت میں نہی وارد ہو مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ وہ اسے کوئی مہر نہیں دے گا، یا اس کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا وغیرہ، کہ یہ دونوں شرطیں قرآن کی نص کے خلاف ہیں۔ قرآن نے مہر کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا "واتوا النساء صدقاتهن نحلة" (النساء: ۲۰) عورتوں کو ان کا مہر خوشنڈی کے ساتھ دیدو، اور نفقہ کے بارے میں حکم ہے "و علی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف" (البقرة) بچے کے باپ پر بیویوں کا روزنہ اولاد کا کپڑا بھلے طریقہ پر دینا واجب ہے۔ یا یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی سے صحبت نہ کرے، یا یہ کہ انہیں اس نکاح سے کوئی اولاد نہ ہو، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو نکاح کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہے کیونکہ نکاح کا بنیادی مقصد جنسی تسکین اور حصول اولاد ہے۔ اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ یہ باطل ہو جائے گی اور

نکاح کی صحت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

القسم الثانی . ما يبطل الشرط و يصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها و ان لا ينفق عليها و ان اصدقها رجع . عليها . ان تشترط ان لا يمتأها او يعزل عنها او يقسم لها اقل من قسم صاحبها او اكثر فهذه الشروط كلها باطله في نفسها لانها تنافي مقتضى العقد ولانه تتضمن اسقاط حق تجب بالمقد قبل انعقاده فلم يصح كماله واستقط الشفيع شفيعه قبل البيع .

فاما العقد في نفسه فيصح المضي ح ۶ ص ۱۵۵۰

(۱) دوسری وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح ہی کو باطل کر دیتی ہیں، مثلاً ہر وہ شرط جس سے نکاح موقت قرار پاتا ہو اور وہ نکاح متعہ ہے، یا متعین وقت میں طلاق دینے کی شرط یا کسی شرط پر نکاح کو معلق کرنا مثلاً لڑکی کا ولی کے کہ میں نے اس لڑکی کا نکاح تم سے کر دیا بشرطیکہ اس کی ماں راضی ہو یا فلاں شخص راضی ہو یا نکاح میں خیار کی شرطیں عاقدین کے لئے یا کسی اور کے لئے، اسی طرح نکاح شغار جس میں بیوی کا مرد دوسری عورت کی شادی قرار پاتی ہے۔ یہ تمام شرطیں خود باطل ہیں اور نکاح کو بھی باطل کر دیتی ہیں۔ (دیکھئے المفضی ح ۵ ص ۵۵۱)

### جمہور فقہاء کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف

احاف، شوافع اور مالکیہ کا مسلک عقود و شروط کے سلسلے میں قدرے اعتدال پر مبنی ہے، نہ اس میں اہل ظاہر کی طرح حد سے زیادہ تنگی ہے نہ حنابلہ کی طرح حد سے زیادہ توسع۔ اس سلسلے میں اصل تو ان کے یہاں حنظل و ممانعت ہی ہے اور اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے، انہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بیع و شرط (المستدرک للحاکم) لیکن وہ اس سے ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو مقتضائے عقد کے مطابق ہوں یا مقتضائے عقد کو مؤکد کرنے والی ہوں، یا جن کے بارے میں کوئی نص وارد ہو یا جن کا عرف میں رواج ہو۔ یہ ائمہ چونکہ احکام کی غلطوں سے بحث کرتے ہیں اور قیاس اور عرف کے اصول پر ان کا عمل ہے اس لئے وہ نہی کی علت و قوع نزاع کو قرار دے کر ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جن سے نص خاموش ہے اور عرف کی بنیاد پر نزاع کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ درمختار کتاب البیوع میں شرط صحیح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

فیصح البیع بشرط یقتضیہ العقد کشرط الملک للمشتري ... او لا یقتضیہ لکن یلائمه

کشرط رهن معلوم و کفیل حاضر ... او جری العرف به کبیع نعل ... علی ان یحدوه البائع او

بشرکہ الدر المختار ج ۵ ص ۸۶-۸۷

الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما  
او فیه نفع المبیع هو من اهل الاستحقاق للمنفع بان یکون آدمیا ... ولم یجر العرف به ولم یرد  
الشرع بجوازه . اما لو جرى العرف به کبیح نمل مع شرط تشریکه او ورد الشرع به کنخیار شرط  
فلا فساد (حوالہ سابق ص ۸۲-۸۵)

مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں احناف کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ ہر وہ شرط جو مقضائے  
عقد کے مطابق ہو، یا مقضائے عقد کو مؤکد کرنے والی ہو، یا جس کے بارے میں کوئی شرعی نص وارد ہو یا جس کا  
عرف و رواج ہو، وہ شرط صحیح ہے۔ اور جو شرط ان چاروں قسموں کے سوا ہو یعنی جو نہ مقضائے عقد کے مطابق ہو نہ  
مقضائے عقد کو ثابت کرنے والی ہو نہ اس کے سلسلے میں کوئی نص شرعی ہو نہ عرف میں اس کا رواج ہو وہ  
شرط فاسد ہے۔

مقضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ کہ خود عقد نکاح کے نتیجہ میں جو احکام فریقین پر عائد ہوتے ہیں  
بوقت نکاح اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا جائے، مثلاً بیوی کی طرف سے مہر اور نفقہ کی شرط یا مناسب رہائش کی  
شرط یا حسن معاشرت کی شرط یا شوہر کی طرف سے یہ شرط کہ بیوی اس کی اطاعت کرے گی، اس کے گھریبا کی دیکھ  
ریکھ کرے گی، اس کے حکم کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی، اور نافرمانی کی صورت میں شوہر کو اس کی تادیب کا  
حق ہوگا کہ یہ تمام چیزیں خود عقد نکاح کے احکام کے طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اور مقضائے عقد کے مناسب اور ان کو مؤکد کرنے والی شرطیں، مثلاً عورت کی طرف سے مہر اور نفقہ کے  
لئے کسی کو ضامن اور کفیل مقرر کرنے کی شرط کہ مہر و نفقہ کا وجوب تو عقد نکاح کی بنیاد پر ہوتا ہے، لیکن کفالت کی  
شرط سے ان کا حصول آسان اور مؤکد ہو جائے گا۔ یا مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ وہ اسے اپنے گھر والوں سے  
علمدہ کرہ میں رکھے گا۔

اور کسی ایسی چیز کی شرط لگانا جس کی شریعت میں دلیل موجود ہو اور جو شرعی لحاظ سے مباح ہو، مثلاً شوہر کا یہ  
شرط لگانا کہ اگر زوجین کے درمیان ازدواجی تعلقات خوشگوار نہ رہے تو اسے طلاق کا حق ہوگا، یا بیوی کا یہ شرط لگانا  
کہ فلاں فلاں صورت میں اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، کہ یہ دونوں نہ مقضائے عقد کے مطابق  
ہیں نہ اس کے مقضیٰ کو مؤکد کرنے والی ہیں لیکن شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے کہ ازدواجی تعلقات کے  
خراب ہونے کی صورت میں شریعت نے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع اور فسخ نکاح کے ذریعہ رہائی حاصل کرنے



کا حق دیا ہے۔

اور کوئی ایسی شرط لگانا جس کا عرف میں رواج اور لوگوں میں تعامل ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ صرف نصف مہر فوری طور پر ادا کر دے گا اور باقی مہر مؤجل ہوگا، یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ نصف مہر فوری طور پر وصول کرے گی، جب کہ اس علاقے میں ایسا ہی رواج ہو۔

یہ تمام شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہیں، لیکن اگر ان کا التزام کرنے والے فریق نے ان کی خلاف ورزی کی تو شرط لگانے والے فریق کو شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق چارہ جوئی کا حق تو حاصل ہوگا لیکن فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے محض ایجاب و قبول کا صادر ہونا ضروری ہے۔ فریقین کی رضامندی ضروری نہیں ہے، اس بنا پر ان کے نزدیک مکہ کا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے حالانکہ مکہ کی رضامندی تو ابتدا ہی نہیں ہے اور جب نکاح رضا مندی کے بغیر ابتدا ہی منعقد ہو جاتا ہے تو بھلا بدرجہ اولیٰ منعقد ہوگا۔ احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے، جس میں نکاح، طلاق اور عتاق کے ہزل اور مذاق کو بھی سنجیدگی پر محمول کیا گیا ہے

اَثَلَاتُ جَدِّهِمْ جَدُّوْهُمْ هَزْلٌ لِّهِنَّ جَدُّ۔ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ اِمْتِنَانٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ج ۵ ص ۲۸۲

باب الخلع و الطلاق

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک شرط صحیح کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔

## شرط فاسد اور اس کا حکم

شرط فاسد وہ ہے جو مقتضائے عقد کے منافی اور احکام شرع کی رو سے ناجائز ہو، لیکن اس میں فریقین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو اور شریعت میں اس کے جواز کی کوئی دلیل وارد نہ ہو اور نہ لوگوں کے درمیان اس کا تعامل ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کو مہر نہ دے گا، یا اس کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، یا یہ کہ بیوی ہی گھر کے اخراجات کی کفالت کرے گی یا دونوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں یہ شرط لگانا کہ مرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ اسے اپنی دوسری بیویوں پر نان و نفقہ اور باری کی تقسیم میں فوقیت دے گا، یا یہ کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے جہاں چاہے گی جائے گی، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا۔ یا اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، یا ملازمت کرنے دے گا وغیرہ۔

اور اس نوعیت کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ وہ باطل ہو جائیں گی اور عقد نکاح پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا

بلکہ عقد صحیح رہے گا۔ جمہور فقہاء کا مسلک اس سلسلے میں یہی ہے۔ اور اس کی دلیل حدیث بریرہ ہے جو پہلے گزر چکی اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا، **اخذیہا و اشتراطی الولاء فان الولاء لمن استق ابنخاری کتاب الشروط**۔

حضرت بریرہ کے مالکوں نے انھیں حضرت عائشہ کے ہاتھ فروخت کرتے وقت ان کی ولاء کی شرط اپنے لئے لگائی تھی جو شرط فاسد تھی، حضرت عائشہ نے آنحضرت کے حکم کے مطابق ان کی یہ شرط قبول فرمائی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو باطل اور بیع کو نافذ قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ عقد شرط سے فاسد نہیں ہوتا۔

شرط کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں مذکورہ بالا مسلک احناف کا ہے، اور تقریباً یہی مسلک شوافع اور مالکیہ یعنی جمہور فقہاء کا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ شرط صحیح کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں (۱) شرط صحیح غیر مکروہ

(۲) شرط صحیح مکروہ۔ اس دوسری قسم میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا وغیرہ۔ اور ان شرائط کی تکمیل کو وہ مستحب قرار دیتے ہیں، لازم قرار نہیں دیتے اور جمہور ہی کی طرف شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں دیتے، اس طرح نتیجہ کے لحاظ سے وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

اور شرط صحیح غیر مکروہ میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً مرد کا یہ شرط لگانا کہ عورت ان عیوب سے پاک ہو جن کی بناء پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، مثلاً ہاتھ پیر اور قوت سماعت و بصارت کا صحیح سالم ہونا، یا عورت کا تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہونا وغیرہ، اور شرط کے فوت ہونے کی صورت میں وہ فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور جمہور ائمہ کے نقطہ نظر میں فرق یہ ہے کہ امام احمد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطوں میں اصل صحت کو قرار دیتے ہیں جب تک کہ کوئی شرعی دلیل اس کے بطلان اور فساد پر قائم نہ ہو جائے، اور جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اصل شرط میں عدم الزام ہے جب تک کہ الزام کو ثابت کرنے والی کوئی شرعی دلیل (نص یا قیاس یا عرف) نہ پائی جائے، تو گویا محل اختلاف وہ شرائط ہیں جن کی صحت یا عدم صحت کے سلسلے میں کوئی خاص دلیل نہیں۔ امام احمد انھیں صحیح قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہاء انہیں لغو قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوالنامہ میں مذکور تینوں قسموں کی شرائط کا حکم درج ذیل ہوگا:

(۱) بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کے ذریعہ کسی فریق پر

کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں فریقین پر عائد ہوتی ہیں انہیں کا شرائط کی صورت میں ذکر کیا جانا، مقتضائے عقد کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے وہ بالاتفاق ائمہ شرائط صحیحہ اور لازم الایفاء ہیں، لیکن ان کا یہ ذکر کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہے۔ اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا، بلکہ ازدواجی حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف جس کارروائی اور چارہ جوئی کا حق دیا ہے شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق انہیں اس کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) بوقت نکاح شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو یا اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ کسی حق کو ساقط کرنا اور حکم شرعی کو بدلنا ہو مقتضائے عقد اور احکام شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالاتفاق شرائط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے باطل قرار پائیں گی، لیکن نکاح کی صحت کے لئے مانع نہیں بنیں گی۔ اگر شوہر نے نان و نفقہ کی نفی کی ہے تو بھی نان و نفقہ واجب ہوگا اور مہر کی نفی کی ہے تو دخول یا موت کے بعد مہر مشل واجب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہوگئی تو مہر واجب ہوگا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لا جناح علیکم ان مطلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضۃ و متوهن البقرة ۵-۲۳۶)

وان تزوجها ولم یسم لها مہرا او تزوجها صلی ان لا مہر لہا فلہا مہر ملثھا ان دخل بها او

مات صنها (الہدایۃ باب المہر ج ۲ ص ۱۳۲۲)

(۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ احناف اور شوافع کے نزدیک شروط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، کیونکہ ان میں شوہر کے ان حقوق کو ساقط کرنا ہے جنہیں شریعت نے اسے عطا کیا، اور اسے ایک امر مشروع سے روکنا ہے کیونکہ شریعت نے مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیوں کی اجازت دی ہے افانکحو ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع (النساء، ۳) اسی طرح بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حق دیا ہے، اسکنوہن من حیث سکنتن من وجدکم (الطلاق، ۶) نکاح کے مصالح میں جنسی تسکین اور گھر کی تنظیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ان مقاصد کا حصول پوری طرح جب ہی ممکن ہے جب کہ بیوی شوہر کے ساتھ ہو ورنہ نکاح کے یہ مقاصد متاثر ہوں گے، اس لئے بیوی کی طرف سے ایسی شرطوں کا عائد کیا جانا شرط فاسدہ ہے، اس لئے شوہر پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی، البتہ ان کے ذکر سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد صحیح رہے گا اور شرط فاسدہ ہو جائے گی۔



امام مالک کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیحہ مکروہہ میں داخل ہیں کیونکہ وہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں، نہ ان کے ذریعہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کو ساقط کرنا لازم آتا ہے بلکہ یہ شوہر کا حق ہے اور شوہر کو اپنے حق سے دست بردار ہونے کا اختیار ہے۔ لیکن چونکہ ان کی وجہ سے شوہر پر تنگی لازم آتی ہے اس لئے وہ مکروہہ ہیں۔ اس طرح کی شرط کا حکم ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائیں گی، لیکن شرط قبول کرنے والے فریق پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہوا یہ شرطیں شرائط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں، چونکہ ان میں عورت کی منفعت ہے اور یہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں ہیں، اس لئے شوہر پر ان کی تعمیل واجب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو از روئے شرع ممنوع ہے اور جس سے دوسرے کو ضرر لاحق ہوتا ہے، مثلاً بیوی کی طرف سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط، تو باتفاق ائمہ یہ شرط فاسد ہے لہذا یہ لغو ہو جائے گی اور بلا ضرورت طلاق ونا علی حالہ حرام رہے گا۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح میں شرائط کو بسور ائمہ کے مسلک کے تابع رکھا جائے تاکہ عقد نکاح اعتبار سے محفوظ رہ سکے، اور لوگ ازدواجی زندگی کو اپنی خواہشات کے تابع نہ بنائیں۔ اگر اس سلسلے میں امام احمد کے مسلک کو اختیار کیا جائے جس میں بے حد توسع ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ نکاح عاقدین کے تابع ہو جائے اور اس کا تقدس ختم ہو جائے جو شریعت نے اسے عطا کیا ہے۔ اور اس کی حیثیت بھی یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں انجام پانے والے شہری نکاح کی سی ہو جائے، جو وقتی جذبات و خواہشات کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اور عارضی غصہ کی بنیاد پر ختم ہو جاتا ہے۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو فقہ حنفی کی رو سے یہ شرط صحیح قرار پائے گی۔ اور اس کی وجہ سے عورت کو مذکورہ صورتوں میں طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کے لئے بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی سہولت رکھی ہے، شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے اس حق کو براہ راست استعمال کر سکتا ہے، اور بیوی خلع اور فسخ کے ذریعہ یعنی شوہر اور قاضی کے واسطے سے، نیز شریعت نے جس طرح شوہر کو بطور خود طلاق کے استعمال کا حق دیا ہے اسی طرح اس حق کو دوسرے کے سپرد کرنے، اور طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل بنانے کا حق بھی دیا ہے۔ لہذا اگر شوہر بوقت نکاح بیوی کو یہ

اختیار تقویض کردے، یا بیوی کی طرف سے عائد کردہ شرط کی بنیاد پر کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اس کی یہ شرط قبول کر لے تو اس کی بنیاد پر بیوی کو حسب تصریح مخصوص حالات میں یا مطلقاً اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا، اور اگر بعد میں چل کر شوہر اس تقویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ درمختار میں ہے نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح الدر المختار ج ۳ ص ۳۷۹، علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

اقوله صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او على انی طالق فقال الزوج قبلت - اما بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدھا كما فی البحر من الخلاصة البزازیة حاشیة رد المحتار على الدر ج ۳ ص ۳۷۹، نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین سے ہو جائیں۔ اس صورت میں بیوی کی طرف حق طلاق کے منتقل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں اس بات کی صراحت کر دے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورتوں میں اسے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اگر شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت نہ کی گئی تو پھر اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) اور اگر عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے تو بھی صحیح ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو، مثلاً عورت یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں مجھے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا اور اس کے جواب میں مرد کہے میں نے قبول کیا تو یہ تقویض صحیح ہوگی، اور شرائط نامہ کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اور اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو اور مرد قبول میں شرط تقویض کا اضافہ کر دے تب بھی تقویض درست ہوگی۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو تو معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا، اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو شرط کا اضافہ کرے یا نہ کرے۔ بالفرض اگر اس نے شرط تقویض کا اضافہ نہ کیا تو پھر عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

(۳) اگر عقد نکاح کے بعد ماہین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے جس کی رو سے مخصوص صورتوں میں، یا مطلقاً طلاق کا اختیار بیوی کی طرف منتقل ہوتا ہو اور اس پر فریقین کے دستخط ہو جائیں تو بھی یہ تقویض درست ہوگی، اور حسب شرائط بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

یہ حکم تو فتویٰ اور مسئلہ کی رو سے ہوا، لیکن جہاں تک مصلحت اور احتیاط کی بات ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تعویض طلاق کی اس صورت کو رواج نہ دیا جائے، کیونکہ اس سے مصلح شرع اور مقاصد نکاح کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ صنف نازک کی زود رنجی، سریع الانفعالی اور ناقصت اندیشی ایک مسلہ حقیقت ہے جس کی طرف حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر شریعت نے اسے براہ راست طلاق کے استعمال کا حق نہیں دیا ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ جہالت اور ناخواندگی کا شکار ہے، دین سے دوری اور احکام شرع سے ناواقفیت عام ہے، شراب اور نشہ خوری کا بھی کسی درجے میں رواج ہے، لوگوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کا کوئی مؤثر اور قابل ذکر نظام نہیں۔ جس کی بنا پر بہت سے مرد حق طلاق کا بیجا استعمال کرتے ہیں۔ اور اشتعال اور جذبات میں آکر ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے ڈالتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اور بہت سی مسلم خواتین، اور ان کے معصوم بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں اگر بوقت نکاح شرط کے ذریعہ طلاق کا حق عورت کو تعویض کیا جائے اور اس نوعیت کا مشروط نکاح سماج میں رواج پذیر ہو جائے تو حالات زیادہ سنگین ہو جائیں گے، اور طلاق کے واقعات میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے مشروط نکاح کو ہرگز رواج نہ دیا جائے ورنہ مصلح نکاح بری طرح متاثر ہوں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الحیلۃ الناجزۃ" میں تعویض طلاق بوقت نکاح کی جو تجویز پیش فرمائی ہے وہ ہندوستان کے سابقہ حالات کے پیش نظر تھی جب کہ ہندوستان میں انگریز سامراج کے تسلط کے بعد کہیں بھی اسلامی دارالقضاء اور مسلم قاضی کا نظام نہیں تھا اور مسلم خواتین کو بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم اور بے رخی سے پیش آتا ہے، نہ نان و نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، کبھی بال بچوں سے بے فکر ہو کر پردیس چلا جاتا ہے اور لاپتہ ہو جاتا ہے، کبھی نامرد نکلتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح چچا وغیرہ نامناسب جگہ کر دیتے ہیں اور لڑکی ناپسند کرتی ہے، بعض دفعہ مرد کو جنون کا مرض ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو اس قسم کی سب پریشانیوں کا علاج سہل تھا۔ مگر اب جب کہ قاضی شرع موجود نہیں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۳۰

ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اب یہ صورت حال نہیں ہے، بہار و اڑیسہ میں تقریباً پچھتر سالوں سے امارت شرعیہ قائم ہے اور اس کے تحت دارالقضاء کا مضبوط نظام چل رہا ہے۔ ان دونوں صوبوں کے تمام اہم اور مرکزی



مقامات میں دارالقضاء قائم ہے جس کی وجہ سے مسلم خواتین کو ایسی ضرورت کی بنیاد پر فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہو جاتی ہے، بہار و اڑیسہ کے علاوہ دہلی، بنگال، آسام، آندھرا پردیش اور کمرناٹک وغیرہ میں شرعی دارالقضاء قائم ہیں۔ جس کی وجہ سے اب عورتوں کو فسخ نکاح کے لئے پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ ضرورت ہے کہ اس نظام کو مزید وسعت دی جائے اور مسلمانوں کے ہر مرکزی شہر اور مقام میں دارالقضاء قائم کیا جائے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے مؤثر، قابل اعتماد اور ہر مسلک اور جماعت کی نمائندہ تنظیم ہے اس کے ذمہ داروں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اپنے سابقہ اجلاس منعقدہ جے پور راجستھان میں تمام اہم اور مرکزی مقامات میں دارالقضاء کے قیام کی تجویز منظور کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اور بورڈ کے ساتھ اس سلسلے میں تعاون کیا جائے، تاکہ یہ مبارک کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکے اور مسلمانوں کے عائلی معاملات و مقدمات شرعی دارالقضاء اور اسلامی شریعت کی روشنی میں فیصلہ کئے جائیں۔ اور ہر علاقہ کی مسلم خواتین کو بوقت ضرورت فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ تجویز ہندوستان کے گذشتہ حالات کے پیش نظر تھی، لیکن اب جب کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں نظام قضاء اور قاضی شرعی کا وجود ہے تو ان پریشانیوں کا علاج سہل ہے، اس لئے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ بوقت نکاح بذریعہ شرط عورتوں کو طلاق کا حق تفویض کر کے طلاق کے واقعات میں اضافہ کیا جائے، اور مصلح شرع کے ضلوع ہونے اور مقاصد نکاح کے فوت ہونے کا خطرہ مول لیا جائے۔

اور اگر کسی جگہ کے مخصوص حالات اور متوقع خطرات کی بنیاد کچھ نجی معاملات اور استثنائی کیسز میں اس طرح کی ضرورت محسوس ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ اس کے خاندان کے کسی سنجیدہ اور قابل اعتماد فرد یا افراد کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ غور و فکر کے بعد اور مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا استعمال کریں۔ یا پھر اس صورت پر عمل کیا جائے جو حضرت تھانوی نے اس سلسلے میں ضروری مشورہ کے تحت ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ شرط کے ساتھ تراضی طرفین سے کم از کم دس آدمی کے نام متعین کر دئے جائیں کہ ان میں سے کم از کم دو آدمی طلاق کی ضرورت کو تسلیم کر لیں تو عورت کو طلاق بان ووقع کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ لیکن اس صورت کو عام نہ کیا جائے ورنہ مصلح شرع فوت ہوں گے۔

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک چونکہ نکاح سے قبل تعلق طلاق، یا تفویض طلاق صحیح نہیں خواہ اس کی اضافت اور نسبت نکاح ہی کی طرف کیوں نہ ہو، اس لئے مذکورہ تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں جبکہ نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں یا عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے،

ان دونوں صورتوں میں تفویض طلاق صحیح نہ ہوگی، ہاں اگر عقد نکاح کے بعد باہمی رضا مندی سے طرفین کے ماہین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو یہ تفویض صحیح ہوگی۔

طلاق کے بیجا استعمال کو روکنے کے لئے اگر سوالنامہ میں مذکورہ صورت پر عمل کیا جائے اور عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار، تاکہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، اس طرح مہر طے کرنا عاجز کے خیال میں جائز اور معتبر ہوگا۔ جیسا کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھنے کی صورت میں مہر ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا جائے، تو صاحبین کے نزدیک دونوں تسمیے صحیح قرار پاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد پر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں سمجھنے گا کیونکہ دوسرا تسمیہ باطل قرار پائے گا، البتہ صاحبین کے قول کی رو سے دونوں تسمیے صحیح ہوں گے۔ اور ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ بیجا طلاق کی روک تھام کے لئے یہ صورت کوئی زیادہ مؤثر تو نظر نہیں آتی، کیونکہ جاہل لوگ خصہ اور جذبات میں آکر جس طرح طلاق دیتے ہیں اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے طلاق دینے سے باز رہیں گے۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ صورت کسی درجے میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے میں مؤثر ثابت ہو۔ جب کہ اس میں اس کا بھی خطرہ ہے کہ طلاق مشکل ہو جائے۔ اور لوگ مہر کے خطرے سے بچنے کے لئے واقعی ضرورت کی بنیاد پر بھی طلاق کے استعمال سے باز رہیں، اور عورت کا لعلقہ ہو کر رہ جائے۔ دوسرے یہ کہ مہر کی زیادتی شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث ”ان اضعف النکاح برکتہ ایسره مؤنۃ مشکوٰۃ من حاشیۃ کتاب النکاح ج ۲ ص ۲۶۸“ وغیرہ سے پتہ چلتا ہے، بہر حال مہر مقرر کرنے میں اگر منفعت اور مصلحت کا پہلو ہے تو دوسری طرف مضرت اور مفسدہ کا پہلو بھی ہے۔ فیصلہ میں ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے جو نسا پہلو غالب ہوگا حکم اسی کے تابع ہوگا۔

### جواب سوال ۱۷۱

مہر طے کرنے کی یہ صورت کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، مذکورہ بالا اصول اور تفصیلات کی روشنی میں درست معلوم

ہوتی ہے۔ اس لئے صاحبین کے قول کی بنیاد پر دونوں شرطوں کو معتبر اور لازم العمل ہونا چاہئے۔

### بوقت نکاح عورت کی جانب سے ملازمت اختیار کرنے کی شرط

جواب سوال (۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، احناف اور شوافع کے نزدیک شرط فاسد ہے۔ جیسا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے اور آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، کیونکہ بیوی محبوس بحق زوج ہے، نکاح کے نتیجہ میں شریعت نے اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے اوقات کو شوہر، خاندان اور گھر کے مصلح کے لئے فارغ رکھے۔ اور اسی کے عوض میں شریعت نے اس کا نفقہ شوہر پر واجب کیا ہے، تاکہ وہ کسب معاش کی فکر سے آزاد اور اس کی گرانبار اور جاں گسل ذمہ داری سے فارغ ہو کر یکسوئی سے اپنی ازدواجی زندگی کے فرائض ادا کرے، کیونکہ فقہ کا مشورہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کے کام میں مصروف ہو اس کا نفقہ اس غیر پر واجب ہوتا ہے اسی بنا پر قاضی، مفتی، صدقات کی وصولی پر مامور عاملین اور حکومت کے ملازمین کا نفقہ بیت المال اور حکومت پر واجب ہوتا ہے۔

لان النفقة جزاء الاحتباس وکل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه

اصلہ القاضی و العامل فی الصدقات الهدایة باب النفقة ج ۲ ص ۱

اور ملازمت یا کسی ایسے پیشہ کو اختیار کرنے سے جس کے لئے اسے گھر سے باہر جانا پڑے تو شوہر کا حق متاثر ہوگا، اس لئے اسے اس سے روکنے کا حق ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر بیوی کو ہر ایسے کام سے روک سکتا ہے جس سے اس کا حق احتباس متاثر ہوتا ہو، یا اسے کوئی ضرر پہنچتا ہو، یا جس کے لئے عورت کو گھر سے باہر جانا پڑتا ہو، علامہ شامی لکھتے ہیں۔

و الذی ینبغی تحریرہ ان یکون له منها من کل عمل یودی الی تنقیص حقه او ضرره او

الی خروجها من بیتہ حاشیة رد المحتار علی الدر ج ۲ ص ۱۰۳

اس میں صرف اس قدر استثناء ہے کہ اگر وہ لڑکیوں کو اور عورتوں کو باہر جا کر دینی تعلیم دیتی ہے، نماز روزہ، وضو غسل اور طہارت وغیرہ کے ضروری مسائل بتلاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معقول ذریعہ ان کی تعلیم کا نہیں ہے۔ یا خود ان مسائل کو سمجھنے کے لئے اسے باہر جانا پڑتا ہے۔ اور گھر میں رہ کر دینی علم اور مسائل کی جانکاری کی کوئی معقول صورت نہیں ہے۔ یا کوئی ایسا شرعی مسئلہ پیش آگیا ہے جو شوہر خود سے یا کسی اور سے پوچھ



کر نہیں بتا سکتا تو ایسی صورت میں وہ باہر جاسکتی ہے اور شوہر کو اسے روکنا نہیں چاہئے، صاحب در مختار لکھتے ہیں:

وفى البحر، له منعها من المنزل وكل عمل ولو تبرعاً لا جنبى ولو قابلية او مفصلة لتقدم  
حقه على فرض الكفاية . و من مجلس العلم الا لنزالة و امتنع زوجها من سوالها الدر  
المختار مع حاشية رد المحتار ج ۳ ص ۷۰۳

ہاں گھر میں رہ کر سلائی کڑبائی، بنائی، دستکاری، کتابت، مضمون نگاری، تصنیف و تالیف اور عورتوں اور بچوں کی تعلیم وغیرہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر گھر میں وہ اس نوعیت کے کام کاج میں مصروف نہ ہو تو شیطانی وسوسوں کا شکار ہونے اور پڑوسیوں اور اجنبی لوگوں کے ساتھ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اما العمل الذى لا منور له فيه فلا وجه لمنعها منه خصوصاً فى حال ضيبته من بيته . فان  
ترك العمل بلا عمل فى بيته يودى الى وساوس النفس و الشيطان . او الاشتغال بما لا يعنى مع  
الاجانب و الجيران حاشية رد المحتار ج ۳ ص ۷۰۳

خلاصہ یہ کہ عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے، اس لئے لغو قرار پائے گی اور اگر شوہر بوقت نکاح اس شرط کو قبول بھی کر لے تب بھی اس پر اس کی پابندی لازم نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے بعد بیوی کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ تعمیل نہ کرنے کی صورت میں نافرمان شمار ہوگی اور نشوز کی بنیاد پر اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط شرط صحیح مکروہ ہے، اس لئے وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائے گی، لیکن شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی لازم نہ ہوگی، اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ اس میں عورت کی منفعت ہے اور مرد کو اپنے حق سے دستبردار ہونے کا حق ہے، اس لئے یہ شرط صحیح ہے لہذا شوہر پر اس کی پابندی لازم ہوگی، اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

## مشروط نکاح کے چند بنیادی احکام

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی ✽

الجواب (۱) ایسی ذمہ داری جو عقد نکاح کی وجہ سے شریعت طاہرہ نے کسی فریق پر عائد کی ہے، اگر اسی کو عقد نکاح کے وقت شرط کی صورت میں ذکر کر دیا گیا۔ مثلاً بیوی نے شوہر پر نفقہ دینے کی شرط لگادی، تو اس سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، البتہ ایسی شرط لگانا بے سود ہے۔ کیونکہ شریعت نے نکاح کے تیسبہ میں جو حقوق شوہر کے ذمے لازم کر دئے ہیں، عقد نکاح میں وہ مشروط ہوں یا نہ ہو، بہر صورت شوہر پر ان کی ادائیگی لازم ہوگی۔ نکاح صحیح کے بعد عورت کی جانب سے تسلیم نفس ہوجائے، تو شوہر پر عورت کا نفقہ واجب ہوجاتا ہے۔ عقد نکاح کے وقت اس کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے۔

(۱) النفقة تجب للزوجة بنكاح صحيح متى زوجها لانها جزاء الاحتباس وكل محبوس

طنفمة خيرہ يلزمہ نفقته (ج ۲ ص ۲۹۹)

نکاح صحیح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے، کیونکہ نفقہ عورت کو اپنے قابو میں رکھنے کا بدلہ ہے۔ اور جو بھی غیر کی منفعت کے لئے اس کے قابو میں ہو۔ تو قابو حاصل کرنے والے پر محبوس کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

عورت بیمار ہو جب بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

مبوط میں ہے:

(۲) و نفقة المرأة و اجبة و ان مرضت من قبل انها مسلمة نفسها الى الزوج في بيته و لا  
فعل منها في المرض لتصير به مفوتة مع انه لم يفوت ما هو المقصود من الاستئناس و ضيره و  
لا معتبر بمقصود الجماع في حق النفقة (۵ ص ۱۹۲)

عورت کا نفقہ واجب ہے اگرچہ وہ پہلے سے مریض ہو کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں سپرد کر رہی  
ہے اور بیمار ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ اسے شوہر کے حق کو ضائع کرنے والی کہا جائے اس کے باوجود  
انیت حاصل کرنے اور اس کے علاوہ دیگر مقاصد ختم نہیں ہوتے۔ اور حق نفقہ میں مقصد جماع کا کوئی اعتبار نہیں۔  
اسی طرح عقد نکاح سے شوہر پر مہر لازم ہوجاتا ہے۔ خواہ بیوی عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اس کا مہر  
شوہر کے ذمہ ہوگا، خواہ نہ لگائے۔ اگر دس درہم یا دس درہم سے کم مقرر ہوا ہے تو دس درہم واجب ہوگا اور اگر  
دس سے زیادہ مقرر کیا ہے تو مقرر کردہ واجب ہوگا، در مختار میں ہے۔

و تجب العشرة ان سماها و دونها و يجب الاكثر منها ان سسى الاكثر منها و يتأكد مند  
و طى و خلوة صحت او موت احدھما ج ۲ ص ۸۰۸ در مختار

دس درہم یا اس سے کم مہر مقرر کیا تو دس درہم واجب ہوگا۔ اور اگر دس سے زیادہ مقرر کیا تو دس سے زیادہ،  
اور وطی یا خلوت صحیحہ یا کسی ایک کی موت سے مہر مؤکد ہوتا ہے۔

بلکہ اگر مہر کا ذکر نہ بھی ہوا جب بھی واجب ہوگا۔ اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔  
ہدایہ میں ہے :

وان تزوجها ولم یسم مہرا فلها مہر مثلها اهدایة ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب النکاح  
اگر عورت سے شادی کی اور مہر مقرر نہ ہوا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ شرعی اعتبار سے اس قسم کی شرط لگانا ایک کار عبث ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲۔ الف) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس سے کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو،  
شرط فاسد ہے، لیکن اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی  
اور متعلقہ فریق پر اس شرط کی پابندی ضروری نہیں اس کے ذمے شرط لگانے کی صورت میں جو ذمہ داری شرعاً عائد  
تھی وہ اب بھی باقی رہے گی، مثلاً شوہر اگر عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے  
ذمے نہ ہوگا۔ اس شرط کی وجہ سے شوہر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اپنی صورت و وجوب میں نان  
و نفقہ واجب ہوگا۔ گو کہ عورت اپنے اس حق کو ساقط کرنے اور اعلیٰ بری الذمہ ہونے پر راضی ہوجائے۔ فقہاء



عظام نے اس کی ایک اہم وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ سورت وجوب سے قبل اسقاط وجوب کی ہوگی جو صحیح نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

”المرأة اذا برأت الزوج من النفقة بان قالت انت بری من نفقتی ابدًا ما كنت امرأتک فان لم يفرض القاضی لها النفقة فالبرأة باطله وان كان فرض لها القاضی کل شهر مشرة دراهم یصح الابرأ من النفقة الشهر الاول و لم یصح من نفقة ما سوا ذالک الشهر“  
(صالمگیری ج ۲ ص ۱۲۶)

عورت اگر اپنے شوہر کو نفقہ سے بری الذمہ کر دے۔ مثلاً یہ کہے کہ تو میرے نفقہ سے اس وقت تک بری ہے جب تک میں تیری زوجیت میں ہوں۔ تو اگر قاضی نے عورت کا نفقہ متعین نہیں کیا ہے تو یہ برأت باطل ہے اور اگر قاضی نے عورت کے لئے ہر ماہ مثلاً دس درہم نفقہ مقرر کر دیا ہے تو پہلے مہینہ سے برأت درست ہوگی بقیہ مہینوں سے برأت درست نہ ہوگی۔

بدائع الصنائع میں علامہ کا سانی حنفی وضاحت فرماتے ہیں:

”ولو ابرأته مما تقبل من النفقة المفروضة لم یصح الابرأ لانها تقبب شیئا فشیئا ملی حسب حدوث الزمان فکان الابرأ منها اسقاط الواجب قبل الوجوب وقبل وجود سبب الوجوب ایضا وهو حق الحبس لانه لا یتجدد بتجدد الزمان فلم یصح“ ج ۲ ص ۲۹ بدائع الصنائع

اگر عورت شوہر کو ذمہ میں لازم ہونے والے نفقہ سے بری کر دے تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ نفقہ تجدد زمان کے اعتبار سے تھوڑا لازم ہوتا رہتا ہے۔ تو اس نفقہ سے بری کرنا۔ وجوب سے قبل نیز سبب وجوب (یعنی حق حبس) کے موجود ہونے سے قبل واجب کو ساقط کرنا ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حق حبس تجدد زمان سے متجدد نہیں ہوتا۔

عقود میں ان جیسی شرطوں کی طرف حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

ما بال اقوام یشرطون بشروط لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب

اللہ فهو رد وان کانت مائتہ شرط۔ شرط اللہ احق و اوثق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳۔ ب) عقد نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو نہ تو نکاح سے عائد ہونے والی شرعی ذمہ داریوں کے دائرے میں آتی ہو۔ اور نہ ہی کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو۔ بلکہ اس شرط کے نتیجے میں

زوجین ہی میں سے کسی کو ایسا حق ملتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہیں ملتا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرعا اس کا پورا کرنا متعلقہ فریق پر لازم نہیں۔ یہ محض ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا بہتر، مگر شرعا اس پر جبر نہیں اور نہ ہی عقد نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانے سے اس کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ شرط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ خود شرطیں باطل و کالعدم ہو جاتی ہیں۔

در مختار میں ہے :

” لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط و انه يعني لو عقد مع شرط فاسد

لم يبطل النكاح “ (ج ۲ ص ۳۷۰)

شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ عقد ہو تو نکاح باطل نہ ہوگا۔

لہذا اگر (مثلاً) عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ تو اس طرح کی شرط محض ایک وعدہ ہے، جو شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں، وہ پورا کر دے تو ٹھیک ورنہ اس پر شرعا یہ جبر نہیں کیا جاسکتا کہ تم اسے پورا کرو۔ بدائع الصنائع میں ہے :

” ان شرط الزوج من مطلق المرأة و ترک الخروج من البلاد لا يلزمه في الحكم لان ذلك

و صد و مدللها ولا يكلف به “ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰)

اگر شوہر (عقد نکاح) میں سابقہ بیوی کو طلاق دینے اور عورت کو شہر کے باہر نہ لے جانے کی شرط لگا دے تو حکم شرعی یہ ہے کہ شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جو عورت سے کیا گیا ہے تو اس کو پورا کرنے کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔

بیوی کو اپنے پاس رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرعی بھی، ارشاد ہے ” و اسکنوہن من حیث سکنتن “ شوہر کے یہ وعدہ کرنے سے کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ شوہر کا یہ حق ختم نہیں ہو جاتا۔ شوہر اس حق کو خود ساقط بھی نہیں کر سکتا اس لئے یہ معاہدہ بے کار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ (ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت شرط لگا دے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو یہ شرط عند الشرع قابل

قبول ہے۔ اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

”قالت المرأة تزوجتك على ان يكون الامر بيدي اطلق نفسي كلما شئت۔ فقال الزوج

قبلت جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الامر بيدها“ (عالمگیری ج ۲ ص ۲ کتاب النكاح)

عورت نے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ جب میں چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں گی۔ شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح درست ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی، اور عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے کو طلاق دے۔

شوہر نے جب اپنی بیوی کو بوقت نکاح طلاق کا حق تفویض کر دیا۔ تو اب وہ اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کر سکتا۔ جن عمومی صورتوں کے ساتھ یا خصوصی صورتوں میں حق طلاق تفویض کیا گیا ہے شوہر اس سے گریز نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اس حق کو ختم کر سکتا ہے۔

جوہرہ نیرہ میں ہے :

ان قال لها اطلقى نفسك فليس له ان يرجع منه “ (جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۰۶) اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کر سکتا۔

اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے دے تو شوہر کو اس قول سے رجوع کا حق نہ ہوگا۔ لیکن اس طرح کی شرطوں سے مصلح شرع کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ عورت اپنی عقل کی کمی اور سرعت غضب کے باعث جب چاہے گی اپنے اوپر طلاق دے ڈالے گی جس سے ازدواجی زندگی ایک بڑا خطرہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے اگر شوہر اپنی عورت کو طلاق کا حق تفویض کرتا ہے تو مزید احتیاط کے لئے مندرجہ ذیل قیدیں بڑھائے۔ تاکہ حتی الوسع فتنوں کا سد باب ہو۔ اور پریشانیوں سے محفوظ رہے۔ (۱) شوہر تفویض طلاق میں وقت مقرر کر دے۔ (۲) تفویض طلاق میں لفظ کنایہ استعمال کرے۔ مثلاً تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تجھے اختیار ہے۔ اور طلاق کی نیت نہ کرے۔ (۳) یا شوہر یہ لفظ کہے کہ تو اپنے کو طلاق دیدے۔ یا تجھے اپنی طلاق کا اختیار ہے اور اس سے طلاق رجعی کی نیت کرے واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق نہ دینے کے ساتھ مشروط مہر

الجواب۔ عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا



مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے۔ تو یہ مہر طے کرنا جائز اور معتبر تو ہے لیکن مہر مسمی صرف ایک صورت میں لازم ہوگا۔ وہ صورت ہے کہ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کو مہر مسمی دینا ہوگا اور اگر اس نے طلاق دی تو مہر مثل واجب ہوگا۔ جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہوگا۔ یہ امام اعظم کا مذہب ہے۔

صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں، جب کہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ اس کی تائید فقہ کے ان جزئیات سے ہوتی ہے۔

اذا تزوجها مولى لمن لم تكن له امرأة و مولى الغيب ان كانت له امرأة او مولى الف ان لم

يخرجها من البلدة الخ

عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر ہوگی تو دو ہزار۔ یا اس شرط پر شادی کی کہ اگر شوہر عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا۔ تو مہر ایک ہزار۔ اور اگر نکالے گا تو مہر دو ہزار، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور مہر میں اعتبار پہلی شرط کا ہے۔ اگر شوہر نے اسے پوری کر دی تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا جو نہ تو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم کی جائے گی اور نہ ہی مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز ہوگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں درست ہیں اور ہدایہ میں ہے کہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ اور عورت کو بہر صورت مہر مثل طے گا۔ جو نہ تو ایک ہزار سے کم ہوگا۔ اور نہ ہی دو ہزار سے زائد۔ اگر عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اگر وہ بد صورت ہوگی تو مہر ایک ہزار۔ اور اگر خوبصورت ہوگی تو دو ہزار، تو اگر عورت خوبصورت ہو تو اسے دو ہزار طے گا۔ اور اگر بد صورت ہو تو ایک ہزار اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ عورت کو شہر سے باہر نکالنے نہ نکالنے والے مسئلے میں مخاطرت (خطرہ میں ڈالنا) دوسرے تسمیہ میں ہے۔ کیونکہ عورت کو یہ علم نہیں کہ شوہر اس کو نکالے گا یا نہ نکالے گا اور خوبصورت و بد صورت والے مسئلے میں مخاطرت بالکلیہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ عورت ایک ہی صفت پر ہوگی ہاں شوہر کو اس کی معرفت حاصل نہیں۔ تو اس کی جہالت باعث خطر نہیں

افتاوی تاتارخانیۃ ج ۳ ص ۱۰۱-۱۰۲ کتاب النکاح

فتح القدر میں ہے :

اقوله و اذا تزوجها الخ للمسئلة صورتان الاولى ان يسمي لها مهر او يشترط لها مهر

فيه نفع كان لا يخرجها من البلد الخ

مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے۔ اور اس کے لئے عقد نکاح میں ایسی شرط لگانی جائے جس میں عورت کا نفع ہو۔ مثلاً یہ کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا۔ یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرے شادی نہ کرے گا۔ یا مردت کرنے میں تکلف سے کام نہ لے گا یا اس کے سوکن کو طلاق دے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے ایک تقدیر پر ایک مہر مقرر کیا جائے۔ اور دوسری تقدیر پر دوسرا مہر۔ پہلی صورت کا حکم تو کتاب ہدایہ سے ظاہر ہے، یعنی اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔ ورنہ تو مہر مثل ملے گا تو اگر اس کا مہر مثل مسمی کے برابر ہو یا اس سے کم تو عورت دوسری چیز کی مستحق نہ ہوگی۔ اور دوسری صورت، مثلاً اس نے عورت سے شادی کی کہ اگر اسے اس کے شہر ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار۔ یا مردت میں تکلف نہ کرے گا یا اس کی سوتن کو طلاق دے دے گا، یا اس شرط پر کہ عورت آزاد کردہ ہو یا عجمی ہو یا شیب ہو اور دو ہزار تک اس کے مخالف شکل میں ہے۔ کہ اگر شوہر نے پہلی شرط کو پورا کر دیا یا عورت عجمی ہے یا اس کے مثل، تو عورت کو ایک ہزار ملے گا۔ ورنہ مہر مثل جو دو ہزار سے زائد نہ ہوگا۔ اور ایک ہزار سے کم نہیں۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا ہے (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۲۳)

### مسئلہ دائرہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا

جب تک قول امام کے ترک پر کوئی ضرورت داعیہ نہ ہو، مفتی پر مطلقاً قول امام پر فتویٰ دینا واجب ہے۔ قاضی پر عموماً قول امام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے۔

البحر الرائق میں ہے :

يجب علينا الافتاء بقول الامام وان افتى المشائخ بخلافه

امام اعظم کے قول پر فتویٰ دینا ہم پر واجب ہے گو کہ مشائخ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ در مختار کتاب القضا میں ہے :

ياخذ القاضي كالمفتي بقول ابي حنيفة صلى الاملاق ثم بقول ابي يوسف ثم بقول

محمد ثم بقول زفر والحسن ابن زياد وهو الاصح

قاضی، مفتی کی طرح مطلقاً قول امام کے مطابق فیصلہ کرے گا، پھر امام ابو یوسف کے قول کے مطابق، پھر امام محمد کے قول کے مطابق، پھر امام زفر کے قول کے مطابق اور حسن ابن زیاد کے قول کے مطابق، یہی صحیح ترین قول

پھر جب کہ مسئلہ دائرہ میں علماء معتسین و معتسین نے قول امام ہی پر جزم و اعتماد فرمایا بلکہ متون میں امام اعظم ہی کا مذہب بیان فرمایا گیا۔ شروع میں جہاں قول صاحبین ذکر کیا گیا ہے۔ وہیں دلائل سے امام اعظم ہی کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ قول امام مرجس معتد، محقق و متع ہے۔ جب تک اسباب سے (ضرورت، دفع حرج، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، عرف، کسی فساد منظون، بظن غالب یا موجودہ کا ازالہ) میں سے کوئی سبب محقق نہ ہو جائے۔ رہا طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتویٰ و عمل تو یہ ہے بنیاد ہے :

اولا۔ حالات زمانہ سے باخبر ہر شخص جانتا ہے کہ طلاق کے واقعات کے قلت یا کثرت کے ساتھ رونما ہونے کا مدار مہر کی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے علاقہ کٹیہار و پورنیہ میں مہر کی مقدار خاصی ہوتی ہے۔ متوسط طبقے والوں کے یہاں بھی مہر کی مقدار لاکھ سے عموماً کم نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ طلاق کے واقعات ہی رونما نہ ہوں یا تو یکا دکا، لیکن واقعات شاہد ہیں کہ مہر کی قلت و کثرت کا جملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ ایک مجلس میں تین طلاق بلکہ دس دس سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

ثانیا۔ شوہر اگر ایسی شرط کو پوری کرتا ہے جس میں عورت کا نفع ہے تو اسے مہر مسمیٰ کا ملنا امر ثلاثہ کا منقطع مسئلہ ہے۔ رہی دوسری صورت کہ وہ شرط پوری نہ کرے تو امام اعظم کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہر مسمیٰ سے مجاوزہ ہو۔ ایسی صورت حال میں اگر مہر کی مالیت پر غور کیا جائے تو باعتبار مالیت دونوں مکاتب فکر کبھی تو ایک ہوں گے۔ مثلاً مہر مسمیٰ دو ہزار ہو اور مہر مثل ڈھائی ہزار تو امام اعظم کے نزدیک بھی دو ہی ہزار واجب ہوگا۔ البتہ اس صورت میں تفاوت ہوگا جب مہر مثل مہر مسمیٰ سے کم ہو۔ لیکن عام طور پر مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔ بہر حال دوسری صورت میں تسمیہ کی صحت طلاق کے قلیل الوقوع ہونے کا مدار نہیں۔ لہذا قول امام سے عدول بھی جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب ۱۲۱۔ صورت مذکورہ میں اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر مسمیٰ (پندرہ ہزار) واجب ہوگا۔ اور اگر دوسرے سے نکاح کر لیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔

در مختار میں ہے :

نكحها بثلث علی ان لا یخرجها من البیت او لا یتزوج علیها او نکحها علی الفان اقام  
بها و علی الفین ان اخرجها فان وفی بما شرطه فی الصورة الاولى و اقام بها فی الثانية



أقلها الألف) لرضاها به (و لا) يوف ولم يقسم (فمهر المثل) لقوت رضاها بفوات النفع (و لكن

(لا يزاها) المهر في المسئلة الأخيرة على الفين و لا ينقص من الف لا تفاهما على ذلك

اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے شر سے باہر نہ لے جائے گا۔ یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا تو مہر ایک ہزار، یا اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو دو ہزار۔ پہلی صورت میں اگر شرط پوری کر دی اور دوسری صورت میں عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھا تو عورت کو ایک ہزار مہر دینا ہوگا۔ کیونکہ عورت اس سے راضی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

### ملازمت کی شرط

الجواب :- عورت کی جائز ملازمت کے تعلق سے شوہر کی مذکورہ بالا شرط محض ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اچھا مگر واجب نہیں۔ اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی لازم ہے، عورت کو اپنے گھر میں رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرع بھی۔ جسے شوہر خود بھی ساقط نہیں کر سکتا۔ کما مر۔ لہذا اس شرط کو منظور کرنے کے باوجود اگر شوہر عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## نکاح میں شرائط مقرر کرنے کا شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی

اسلام کی نگاہ میں رشتہ نکاح مرد و عورت کے مابین انجام پانے والا قابل احترام معاہدہ ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کی عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ عقد نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک ساتھ محبت و مودت اور الفت و تعلق اور باہمی اعتماد و سکون کی فضاء میں زندگی گزارتے ہیں۔ اسلام نے عقد نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت کے باہمی تعلق اور ملاپ کو اللہ تعالیٰ کی - نشانیوں - میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ بیوی کو شوہر کے لئے چین و سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نکاح کے بعد میاں بیوی جائز طریقہ پر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں، دونوں کے ملاپ سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے، جو نسل انسانی کی بقاء کا واحد ذریعہ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں نکاح کا مقصد محض حصول لذت، خواہشات نفسانی کی تکمیل نہیں ہے، بلکہ اس کا سب سے بڑا مقصد میاں بیوی کی عصمت و پاکدامنی ہے۔ قرآن کریم میں "محسنین خیر مسافحین" سے نکاح کے مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسلام عقد نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ رشتہ محض واقعی نہ ہو۔

اسلام میں معاہدہ اور ایفاء عہد کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن میں ایفاء عہد کو مومن کا "وصف خصوصی" قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔

اے ایمان والو، عہد پورا کرو۔

نکاح میں ایسی شرطیں لگانا، جن سے رشتہ نکاح میں پائیداری اور استحکام پیدا ہو۔ مقصد نکاح کے عین مطابق ہے اور ایسی شرطوں کی تکمیل کا حکم خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت

ہے کہ:

- تمہارے لئے ان شرائط کی تکمیل زیادہ ضروری ہے جن کے ذریعہ تم عورتوں کی عصمتوں کو اپنے لئے حلال کرتے ہو۔

عقد نکاح میں میاں بیوی کی طرف سے ایسی شرطیں لگانا جن کے لگانے کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کو نفع اور فائدہ پہنچتا ہو۔ اور یہ شرائط عقد سے پہلے یا ایجاب و قبول سے متصل ہوں، (عقد نکاح کی تکمیل کے بعد مقرر کی جانے والی شرطوں کا اعتبار نہیں ہے) تو اس سلسلہ میں ائمہ مذاہب کے یہاں حسب ذیل تفصیلات ملتی ہیں۔

## ۱۔ فقہ حنفی میں شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

فقہاء احناف کے اقوال اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے شرائط کی حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں:

۱۔ نکاح میں میاں بیوی کا ایسی شرائط پر اتفاق کر لینا جو شریعت اسلامی کی رو سے صحیح اور درست ہوں۔  
مقتضائے عقد کے مناسب اور احکام شریعت کے منافی نہ ہوں، ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں ان کو پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً نکاح کے وقت بیوی کا اپنے شوہر پر یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اپنے گھر والوں سے علیحدہ رہائشی مکان دے، جس میں وہ اپنے سامانوں کو محفوظ رکھ سکے، اور خود رہ سکے، یا یہ کہ شوہر کسی طویل سفر میں اپنی رفاقت پر مجھے میرے گھر والوں کی اجازت کے بغیر مجبور نہیں کرے گا اور یا یہ کہ اپنا نکاح مہر مثل پر کرے گی۔ ان تمام صورتوں میں شرائط کی تکمیل درست ہوگی۔

۲۔ ایسی شرائط مقرر کرنا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری اور حق عائد نہیں ہوتا ہو، بلکہ خود عقد نکاح سے جو حق اور ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو۔ اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو۔ مثلاً عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ یا مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرائط کی تکمیل شریعت اسلامی کا مقصد و منشاء ہے۔ شرائط کے ذریعہ اس میں پائیداری اور استحکام پیدا کر دیا گیا ہے۔ ایسی شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ فاسد شرطیں مقرر کرنا درست نہیں ہیں۔ فاسد سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے میل نہ کھاتی ہوں یا شریعت اسلامی ان کی اجازت نہ دیتی ہو۔

ایسی شرائط کا حکم یہ ہے کہ اشراط کی صورت میں صرف شرائط باطل ہوں گی، عقد نکاح اپنی جگہ پر درست



اور صحیح رہے گا، جیسے عورت کا اپنی ہونے والی سوکن کے طلاق دینے کی شرط لگانا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵۔  
اللبوط للسرخسی ج ۵ ص ۹۱-۹۰۔ بدائع الصنائع ج ۲ ص ۸۷-۸۲)

## ۲۔ شرائط کے سلسلہ میں مالکیہ کا مسلک

مالکیہ کے نزدیک شرائط مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ شرائط صحیحہ مقرر کرنا۔ ۲۔ شرائط فاسدہ مقرر کرنا۔

۱۔ شرائط صحیحہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

الف۔ مکروہ ب۔ غیر مکروہ

۱۔ شرائط صحیحہ غیر مکروہ سے مراد وہ شرائط ہیں جو مقضائے عقد سے مناسبت اور میل رکھتی ہوں۔ جیسے بیوی کو اس کا نان و نفقہ دینے کی شرط۔ یا یہ شرط لگانا کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ بیوی اس کے گھر سے اس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی، یا شوہر کی جانب سے یہ شرط لگانا کہ عورت کا ان عیوب سے بھی پاک ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعہ فسح نکاح جائز نہیں ہوتا ہے جیسے اندھا پن، گونگا پن، بہرا پن وغیرہ۔

۲۔ شرائط صحیحہ مکروہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان شرائط کا مقصد صرف شوہر پر تنگی کرنا ہوتا ہے۔ جیسے بیوی کو اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط۔ یا بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر نہ جانے کی شرط یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط۔

۳۔ شرائط فاسدہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقضائے عقد اور مقصد عقد کے مخالف اور منافی ہوں، جیسے ایک بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے اور اس کی سوکن کے درمیان قسم (باری) مقرر نہیں کرے گا یا نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہونے کے بجائے اس کے شوہر کے باپ یا ولی کے ذمہ واجب ہوگا (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۸۔ مواہب الجلیل من ادلۃ الخلیل لاحمد بن احمد المختار

ج ۲ ص ۱۲۳)

## ۳۔ شرائط کے باب میں شافعیہ کی رائے

شافعیہ کے نزدیک شرائط کی دو قسمیں ہیں

۱۔ شرائط صحیحہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں۔ جیسے عورت کی جانب سے شوہر ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔ یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے شہر سے نہیں ہٹائے گا۔ اس قسم کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں نکاح شرعاً درست ہو جائے گا، اور شرط شرعاً فاسد اور لغو قرار پائے گی، البتہ اگر عقد نکاح میں کسی فریق کی طرف سے ایسی شرط لگانی جائے جو نکاح کے مقصد اصلی کو فوت کرنے والی ہو تو پھر اس صورت میں نکاح ہی درست نہیں ہوگا۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرے گا، یا یہ کہ شوہر سال بھر میں صرف ایک بار بیوی سے صحبت کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا۔ وغیرہ وغیرہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب زاد المحتاج بشرح المنہاج میں ہے :

”نکاح میں خیار کی شرط لگانے سے نکاح ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور مہر کی صورت میں خیار کی شرط لگانے سے صحیح مسلک کے مطابق ہر درست نہیں ہوگا، البتہ نکاح صحیح قرار پائے گا۔“

اور اگر وہ شرطیں مقتضائے عقد کے مخالف ہوں اور نکاح کے مقصود اصلی میں خلل ڈالنے والی نہ ہوں، جیسے یہ شرط لگانا کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ یا یہ کہ عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، تو ان تمام صورتوں میں مہر کی درستگی کے ساتھ نکاح بھی درست قرار پائے گا، صرف شرط فاسد قرار پائیں گی۔ اور اگر وہ شرط مقصود میں بھی خلل ڈالنے والی ہو، جیسے یہ شرط لگانا کہ عورت سے اس کا شوہر ہمبستری نہیں کرے گا یا یہ کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا تو اس صورت میں نکاح باطل قرار پائے گا، اذہ

المحتاج بشرح المنہاج ج ۳ ص ۲۸۸۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۲

## ۲۔ حنابلہ کے نزدیک شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

حنابلہ کے نزدیک شرائط کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ شرائط صحیحہ ان سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں، یا وہ شرطیں جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں، مگر ان شرائط کے لگانے میں زوجین میں سے کسی کا فائدہ ہو۔ اور شریعت اسلامی نے اس قسم کی شرطوں کے لگانے سے ممانعت نہ کی ہو، اور نہ وہ شرطیں مقصد نکاح میں خلل ڈالنے والی ہوں، جیسے بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ اور اخراجات ادا کرے گا۔ یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور

حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ یا یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں اس کا شوہر دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا اس کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے میکہ اور شہر سے نہیں نکالے گا، اور نہ اسے اپنے ساتھ طویل سفر کرنے پر مجبور کرے گا۔ یا مرد کا عورت کے بارے میں یہ شرط لگانا کہ وہ صاحب حسن و جمال ہو، تعلیم یافتہ ہو۔ یا یہ شرط لگانا کہ ان عیوب سے پاک ہو جن کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جیسے اندھاپن، گولگانہ، بہراپن وغیرہ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ۔

ان احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۲۲)

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

”المسلمون على شروطهم (سبل السلام ج ۳ ص ۵۹)

۲۔ شرائط فاسدہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں۔ جیسے مرد کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ عورت مستحق مہر نہیں ہوگی یا یہ شرط لگانا کہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ صحبت نہیں کرے گا۔ یا عزل کرے گا۔ یا اس کے لئے اس کی سوکن سے زیادہ یا کم باری مقرر کرے گا، یا یہ کہ عورت اپنا خرچ خود ہی برداشت کرے گی، یا عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے گا۔ اس قسم کی تمام شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح رہے گا۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ شرطیں ہیں جو نکاح کے بطلان کا تقاضا کرتی ہیں، جیسے نکاح مؤقت، متعہ، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو مقررہ وقت پر طلاق دیدے گا، اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرطیں بھی باطل ہوں گی، اور ان کی وجہ سے نکاح بھی باطل قرار پائے گا۔

سوال نامہ کا جواب

ایسی شرائط جن کے ذریعہ نکاح کے فریقین میں سے کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا یہ کہ شوہر اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ ایسی شرائط کے معتبر ہونے کے بارے میں حضرات امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد بن ادریس، شافعی اور امام احمد



بن حنبل کا اتفاق ہے۔ ایسی شرائط کا ایفاء فریقین پر واجب ہے۔ علامہ صدیق بن حسن قنوجی نے اپنی کتاب "الروضۃ الندیۃ" میں لکھا ہے :

"ویجب علی الزوج الوفاء بشرط المرأة لحديث عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " احق الشروط ان يوفى به ما استحللتم به الفروج وهو من الصحيحين و صبرهما قلت وهو قول اكثر اهل العلم " (الروضۃ الندیۃ ج ۳۱-۳۰)

۷۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔ تو ایسی شرطوں کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں فاسد ہیں۔ البتہ فقہ حنفی کی رو سے ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں صرف شرائط فاسد ہوں گی اور نکاح اپنی جگہ صحیح اور درست رہے گا۔ مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک بھی شرط فاسد ہوگی اور نکاح اپنی جگہ پر درست رہے گا۔ فقہ شافعی میں یہ تفصیل ہے۔

"شرائط فاسدہ سے مراد وہ شرطیں ہیں، جن کا شریعت اسلامی نے حکم نہیں دیا اور وہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا یہ کہ اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔ اس قسم کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور شرط فاسد قرار پائے گی۔ البتہ اگر ایسی شرط لگانی جائے جو نکاح کے مقصد اصلی کو فوت کرنے والی ہو تو پھر ایسی شرط لگانے کی صورت میں نکاح ہی درست نہیں ہوگا جیسے یہ شرط لگانا کہ شوہر ہمبستری نہیں کرے گا۔ یا یہ کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہمبستری کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا، ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں حضرت امام شافعی کے نزدیک نکاح ہی درست نہیں ہوگا۔ فقہ شافعی کی معروف کتاب "زاد المحتاج بشرح المحتاج" میں ہے :

"وان خالف ولم ينحل لمقصوده الا صلى كشرط ان لا يتزوج عليها او لا نفقة لها صح النكاح وفسد الشروط و المهر صح و ان اخل كان لا يبطأ او يطلق بطل النكاح ا زاد المحتاج بشرح الصنهاج ج ۳ ص ۱۲۸۸ اور معنی المحتاج میں ہے :

"وان اخل الشرط بمقصود النكاح الا صلى فان شرط ان لا يطأها الزوج اصلا وان لا يطأها الامرة واحده متلا في السنة او ان لا يطأها الا ليلا فقط او نهارا او ان يطلقها ولو بعد الوطى بطل النكاح لانه يناهى بمقصود العقد فابطله" (معنى المحتاج ج ۳ ص ۲۲۸-۲۲۷)

صاحب بذل الجہود نے شرائط فاسدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

” الصلح الذی یحرم الحلال کمصالحة الزوجة للزوج علی ان لا یطلقها او لا یتزوج علیها او لا یثبت مند ضررتها و الذی یحلل الحرام کان یصالحه علی و علی امة لا یحل له و طوفا  
بذل الجہود ج ۱۵ ص ۲۲۷

۳۔ تیسری قسم کی شرط لگانا جن کے تیسبج میں کسی فریق کو نیسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے میکہ میں ہی رکھے گا یا اسے اس کے شر سے نہیں نکالے گا۔ ایسی شرائط کے بارے میں فقہاء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ایسی شرطوں کے لگانے سے نفس نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نکاح درست رہے گا۔ البتہ ایسی شرائط واجب الایفاء ہوں گی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف بہت قدیم ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ صرف وہ شرطیں معتبر ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں اور مخالف شرع نہ ہوں یہ حضرات ایسی شرطوں کو مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں مانتے ہیں۔ اگر ایسی شرطیں مقرر کی گئیں تو شوہر پر ان شرطوں کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔ مواہب الجلیل میں حضرت امام مالک کی یہ رائے نقل کی گئی ہے

” فان الذی ارى منه مافی الہوطا من مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب سئل من المرأة تشتراط علی زوجها انه لا یخرج بها من بلدها قال سعید یخرج بها ان شاء قال مالک۔  
قال امر یسندنا انه اشتراط الرجل للمرأة و انه کان ذالک الشرط مند مقدمة النکاح ان لا انکح علیک و لا اتسری ان ذالک لیس بشئی الا ان یکون فی ذالک یمین بطلاق او متاقہ فیجب علیہ و یلزمہ “ (مواہب الجلیل من ادلة خلیل لا حمد بن احمد ج ۳ ص ۲۳)

زاد المحتاج میں ہے:

” وان خالف و لم یحل بمقصوده الاصلی کشرط ان لا یتزوج علیها او لا نفقة لها صح  
النکاح و فسد الشرط و المهور صح ازاد المحتاج بشرح المنہاج ج ۳ ص ۲۸۸

ان ائمہ حضرات نے اپنے مسلک پر درج ذیل احادیث رسول سے استدلال کیا ہے۔

” کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط “

”المسلمون مل شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا“

ان حضرات کے استدلال کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط لگا کر ایسی چیزوں کو حرام قرار دے دیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور مباح قرار دیا ہے، جیسے مرد کے لئے دوسری بیوی کرنا، بیوی کے ساتھ سفر کرنا، بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا وغیرہ۔ شرط کے ذریعہ مباح کو حرام کر لیا جاتا ہے، اس لئے ایسی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں فقہ حنبلی میں کافی توسع پائی جاتی ہے۔ ایسی شرط لگانے کی صورت میں حسابہ کے نزدیک مطلقاً شوہر پر اس شرط کا ایفاء واجب اور لازم ہوگا، اور شرط کے عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ:

”ما يلزم الوفاء به وهو ما يعود اليها نفعه وفائدته مثل ان يشترط لها ان لا يخرجها من

دارها. فهذا يلزم الوفاء فان لم يفعل فلها فسخ النكاح المفضى لابن قدامة ج ۷ ص ۱۷۱

المتنع من ہے :

هي قسمان صحيح مثل اشتراط زيادة في المهر او نقد معين او ان لا يخرجها من دارها

او بلدها. او لا يتزوج عليها ولا يتسرى فهذا صحيح لازم ان وفي به و الا فلها الفسخ المتنع ج

ص ۲۹-۲۲

فقہانے ایسی شرطوں کے واجب الایفاء ہونے پر قرآن کریم کی ان آیات اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے استدلال کیا ہے جن میں اہل ایمان کو ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عہد شکنی سے منع کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اشتراط فی النکاح کے سلسلہ میں موجودہ دور کے مسائل کو حل کرنے کے لئے فقہ حنبلی سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا۔

واضح رہے کہ صرف وہ شرطیں معتبر ہوں گی جو بوقت نکاح عقد نکاح میں ذکر کی جائیں یا عقد نکاح سے پہلے فریقین کے باہمی مشورہ سے طے ہو جائیں۔ نکاح ہو جانے کے بعد لکھے گئے شرائط نامہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تفویض طلاق کا حکم :

قرآن کریم میں طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔ اور طلاق دینے والا ”مرد کو کہا گیا ہے اور مرد ہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ“ **بيده مقدة النكاح** ”شریعت اسلامی کی رو سے طلاق کا حق شوہر کو حاصل ہے۔ البتہ شوہر اپنے اس حق کو کسی اجنبی شخص کی طرف بھی منتقل کر سکتا ہے۔ جس کو فقہ کی اصطلاح میں ”توکیل“ کہا جاتا



ہے۔ اور خود اپنی بیوی کو بھی یہ حق طلاق منقل کر سکتا ہے۔ جس کو فقہ و شریعت کی اصطلاح میں "تفویض طلاق" کہا جاتا ہے۔ تفویض قبل النکاح بھی ہو سکتی ہے۔ اور نکاح کے بعد بھی ماہیت قبل النکاح تفویض کی صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی جانب ہو مثلاً یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

توکیل اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ شوہر جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کر کے اس سے حق طلاق کو واپس لے سکتا ہے۔ البتہ عورت کو حق طلاق دے دینے کے بعد شوہر کو اسے واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک عورت کو موجودہ درور میں علی الاطلاق "حق طلاق" دینا مفاسد سے خالی نہیں ہے۔ عورت اس کا بے جا اور غلط استعمال کرنے لگے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مشروط طور پر حق طلاق دیا جائے اور شرائط کے تحقق اور عدم تحقق کی نسبت مقامی دارالقضاء یا اہل علم و فقہ کا فیصلہ معتبر مانا جائے۔ مثلاً کابین نامہ میں شوہر کی طرف سے یہ عبارت لکھی جائے کہ:

"اگر میں نے اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کئے۔ یا میری طرف سے فلاں فلاں۔۔۔ شرطوں کی خلاف ورزی ہوئی۔ اور شرائط کی خلاف ورزی کا تحقق عند القضاء یا عند العلماء ہو جائے تو میری بیوی بنت زید کو ایک طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔"

## دو طرح کا مہر مقرر کرنا

طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے کے لئے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر مثلاً ۲۰ ہزار ہوگا اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا۔ یا مثلاً یہ کہ شوہر نے دوسرا نکاح کیا تو عورت کا مہر ۲۵ ہزار ہوگا، اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو عورت کا مہر ۱۵ ہزار ہوگا۔ اس طرح مہر کی تعلق میں حضرت امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے صاحبین کے نزدیک مہر مسمی لازم ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر مثل۔ اس کی نظیر فقہ میں یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر اس طرح طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں نکالے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں حضرات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہوتی ہیں اور ہر دو صورتوں میں متعین کیا ہوا مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ

دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ درست قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ، مہر مثل، لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے مجاوزہ ہو۔

اس سلسلہ میں ضرورت و حاجت کی بنیاد پر صاحبین کی رائے کو اختیار کیا جاسکتا ہے، اور سوالنامہ میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق مہر کی دو مقدار ملے کر نادرست قرار پائے گا۔

## عورت کے لئے نکاح میں ملازمت کی شرط لگانا

اسلام نے عورتوں پر مالی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے، اور اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت و پرورش کے لئے اسے کمانے کا مکلف نہیں بنایا ہے۔ اسلام نے گھر کی تمام ذمہ داریاں مرد کے ذمہ کی ہیں۔ اور اندرون خانہ کی ذمہ داریاں، بچوں کی پرورش، شوہر کے مال کی نگہداشت اور گھر کے ماحول کو سنوارنے کی ذمہ داری عورت پر ڈالی ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے " وقرن فی بیوتکن " اسی طرح مردوں کے بارے میں کہا گیا کہ " الرجال قوامون علی النساء، بما فضل اللہ بفضلہم علی بعض و بما أنفقوا من أموالہم " اگر عورت بھی کسب میں مشغول ہو جائے تو شوہر کا حق احتیاس جس کی بنیاد پر عورت کا نفقہ شوہر پر واجب کیا گیا ہے، متاثر ہوگا۔ اور ہر وہ کام جس کی انجام دہی کے لئے عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر جانا پڑے، اور عورت کے باہر کے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے شوہر کا حق متاثر ہوتا ہو یا اسے ضرر لاحق ہوتا ہو تو شوہر کو ایسے کام سے اپنی بیوی کو روکنے کا حق حاصل ہوگا۔

حاشیہ رد المحتار میں ہے :

" والذی ینبغی تحریرہ ان یکون لہ منہا من کل عمل یودی الی تنقیص حقہ او ضررہ او

الی خروجہا من بیتہ اما الذی لا ضرر لہ فیہ فلا وجہ لمنہا منہ خصوصاً فی حال ضیبتہ من

بیتہ الخ حاشیۃ رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۴

اس سلسلہ میں راقم المروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگا دی گئی تو شرط فاسد قرار پائے گی اور نکاح درست قرار پائے گا اور شوہر پر اس شرط کا ایفاء لازم نہیں ہوگا، جب چاہے وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ البتہ بعض مخصوص حالات میں جب کہ شوہر کاہل اور نکما ہو، کماتا ہو، اور عورت کو مالی پریشانی لاحق ہو تو ایسی صورت میں فقہ حنبلی کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

## مشروط نکاح

مولانا ولی اللہ قاسمی

”شرط“ (بلكون الرأء) کا معنی کسی چیز کو لازم اور ضروری قرار دینا ہے، جمع شروط ہے، شرطیہ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے، جمع شرائط ہے اللسان العرب ج ۷ ص ۳۷۹۔ القاموس المحیط ۱۸۲۹ شرط کی اصطلاحی تعریف بھی قریب قریب یہی ہے۔  
علامہ حموی تحریر کرتے ہیں:

الشرط هو التزام امر لم يوجد في امر قد وجد بصيغة مخصوصة (ضمن صيغ البصائر ج

۱ ص ۲۷۵)

شیخ زرقا لکھتے ہیں:

فالشرط او الشریطة هو كل امر ربط به غیره صدمالا وجودا وهو خارج عن ماهيته ای

ان عدم الشرط يستلزم الامر المشروط له۔ اما وجود الشرط فلا يلزم وجود المشروط

(المدخل ج ۱ ص ۳۰۳۔۳)

شرط یا شرائط وہ معاملہ ہے جس کے ساتھ باعتبار عدم کسی دوسرے معاملہ کو مربوط کر دیا گیا ہو نہ کہ باعتبار وجود اور وہ اس کی ماہیت سے خارج ہو، یعنی جس بات کے لئے شرط عائد کی گئی ہے اس کے پائے جانے کے لئے شرط کا پایا جانا ضروری ہے، البتہ شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا پایا جانا ضروری نہیں۔



غرضیکہ شرط کی وجہ سے دوسرے فریق پر کچھ ایسی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں جو اس پر واجب اور ضروری نہ تھیں۔ تاہم شریعت نے اس سلسلہ میں فریقین کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ معاملہ کو جس طرح سے چاہیں طے کر لیں، بلکہ معاملہ کی روح اور مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیز دونوں کی فطرت و صلاحیت کے پیش نظر ایک گونہ پابندی لگادی ہے، تاکہ کمزور فریق کا استحصال نہ ہو سکے اور اس کی مجبوری سے بے جا فائدہ اٹھانے پر بند لگایا جاسکے، اس اعتبار سے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ فرائض و ذمہ داریاں جو خود عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہو رہی تھیں انہیں کو شرط کی شکل میں ذکر کر دیا جائے، مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر رکھ رکھاؤ اور برتاؤ میں اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے گا، اس قسم کی شرطیں بہ اتفاق معتبر ہیں۔ اگر بصورت شرط نہ بھی ذکر کیا جاتا جب بھی ضروری ہوتا، ہاں شرط لگانے کی وجہ سے مزید مالکیت پیدا ہو جائے گی۔

خطابی لکھتے ہیں:

فمنہا ما یجب الوفاء بہ اتفاقاً و هو ما امر اللہ بہ من امساک بمعروف او تسریح باحسان

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۷۲)

بعض شرائط وہ ہیں جنہیں بہ اتفاق پورا کرنا ضروری ہے، یہ وہ ہیں جن کے بحالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، مثلاً دستور کے مطابق نباہ کرنا یا بخیر خوبی تعلق ازدواجی ختم کر لینا۔

۲۔ وہ شرائط جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، بالاتفاق ناقابل عمل ہیں، مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر نفقہ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

فتح الملک میں ہے:

او یشرط ان لا مہر لہا او لا نفقۃ لہا فہذہ الشرط کلہا باطلۃ اتفاقاً فتح الملک المصنوع

ج ۳ ص ۱۳۲

یا شرط لگادے کہ عورت کے لئے مہر یا نفقہ نہیں ہے تو یہ تمام شرطیں بہ اتفاق باطل ہیں۔

مگر کیا اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف ہے، احناف کا نقطہ نظریہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، گو شرط کو عقد کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کے باوجود یکجائی ہو جائے تو عقد نکاح صحیح اور شرط باطل ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے، کچھ فاسد شرطوں کی وجہ سے وہ نکاح کو

بھی فاسد قرار دیتے ہیں اور بعض فاسد شرطوں کے باوجود نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (الفقہ الاسلامی ج ۷

ص ۱۵۳)

۳۔ وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں قسموں میں شامل نہیں، بلکہ مباح اور جائز ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ایک فریق پر ایسی پابندی عائد ہو جاتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً عورت یہ شرط لگا دے کہ شوہر اس کو لے کر سفر میں نہیں جائے گا، اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس کو اپنے والدین ہی کے گھر میں رہنے دے گا، سسرال جانے پر مجبور نہیں کرے گا وغیرہ۔۔۔ اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ کشمیری رقم طراز ہیں۔

والشروط التي لا تنافي النكاح جائزة و توفى ديانة لا تلزم قضاء العرف الشذی مع

الترمذی ج ۱ ص ۲۱۲)

جو شرطیں نکاح کے منافی نہ ہوں جائز ہیں۔ دیانتاً اس کو پورا کیا جائے گا، لیکن بطور قضاء لازم نہیں، شوافع میں ابو عبید کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں:

والذی ناخذ به انا ناصرہ بالوفاء بشرطه من غیر ان یحکم علیہ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۳)

ہمارا عمل اس پر ہے کہ شرط کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں، لیکن (بصورت دیگر) ہم اس کے خلاف فیصلہ نہیں کریں گے۔

علامہ عینی نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

والثانی ان یؤمر الزوج بتقوی اللہ و الوفاء بالشروط ولا یحکم بذالک حکماً، وهو قول مالک و

ابی حنیفۃ و الشافعی (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۲۰)

دوسری رائے یہ ہے کہ شوہر کو اللہ سے ڈرنے اور شرط کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا جائے، لیکن اس پر فیصلہ کو مسلط نہ کیا جائے۔ یہی امام مالک، ابو حنیفہ اور شافعی کا مسلک ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قول کی نسبت امام مالک و شافعی کی طرف درست نہیں۔ نووی نے امام شافعی کا یہ

قول نقل کیا ہے کہ شرط لغو ہے اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہے (شرح نووی علی مسلم ج ۱

ص ۲۵۵) امام مالک کہتے ہیں کہ یہ شرط کراہت سے خالی نہیں، اس کی تعمیل صرف مستحب ہے (الفقہ

الاسلامی ج ۷ ص ۱۶۰)

بہر کیف یہ تینوں حضرات اس پر متفق ہیں کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل

نہیں ہوگا، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابو الزناد، لیث، اور سفیان ثوری کی یہی رائے اور مسلک ہے، اس کے بالمقابل حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ شرط کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، عدم تعمیل کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھی یہ رائے منسوب ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی، امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی خیال اور مذہب ہے (دیکھئے مصنف صبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳-۲۲۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۱-۱۹۹۔ فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۳۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۲۰۔ المغنی ج ۷ ص ۷۱-۷۲۔ فقہ السنہ ج ۲ ص ۸۲-۱۸۱۔ و بعض المالکیۃ سارو امسارہم۔ امام احمد بن حنبل ص ۳۲۶ لابی زہرۃ، حال کے محققین علماء اور فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں میں استاذ ابو زہرہ، شیخ مسطفی زرقا، وہب زحیلی اسی خیال کے حامی و مؤید ہیں (دیکھئے امام احمد بن حنبل - ۳۵۱۔ المدخل ج ۱ ص ۲۸۶۔ الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۱۶۰)

## فریق اول کے دلائل

جو حضرات شرط کو لازم اور ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی وجہ سے فسخ کا حق نہیں دیتے، وہ درج ذیل احادیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المسلمون علی شروطہم الاشرطاً اصل حراما و حرم حلالا رواہ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔

و الترمذی و قال حسن صحیح

مسلمان شرائط کے مطابق عمل کریں گے مگر وہ شرط جو کسی حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کر دے۔

طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ شرط لگانے کی وجہ سے ایک حلال چیز، یعنی دوسری شادی، یا ساتھ میں سفر وغیرہ حرام ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی شرط حدیث کی رو سے ناقابل وفاق ہے۔

۲۔ ایک ایسے ہی شرط کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما بال رجال

یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل وان کان

صائتہ شرط قضاء اللہ احق و شرط اللہ اوثق رواہ البخاری۔ کتاب المتق



”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو، وہ باطل ہے گو وہ سو شرطیں ہوں، اللہ کے فیصلے کا حق زیادہ ہے اور اللہ کی شرط زیادہ قابل اعتماد ہے۔“

معلوم ہوا کہ جو شرطیں اللہ کی کتاب اور اس کے مقتضی کے مطابق نہیں، وہ باطل ہیں، مذکورہ شرائط بھی اسی قبیل کی ہیں، کیونکہ قرآن نے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، جب کہ شرط سے شوہر کو پابند ہونا پڑتا ہے۔

۳۔ حضرت علی سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے عقد کے وقت اپنے میکے میں رہنے کی شرط لگادی تھی تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو وہاں سے لے جانے کا حق حاصل ہے، کیونکہ اللہ کی شرط عورت کی شرط پر مقدم ہے۔ شرط اللہ قبل شرطها، دیکھئے مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۳۶۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۰۱ المحلی ج ۹ ص ۱۲۵ ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

۴۔ چونکہ شرط عقد کی مصلحت اور تقاضا کے موافق و مطابق نہیں، اس لئے لازم وفاق نہیں۔

۵۔ ابن وہب ”بہ سند جید“ روایت کرتے ہیں کہ عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی تھی کہ وہ میکے میں ہی رہے گی، بعد میں شوہر نے وہاں سے لے جانا چاہا۔ مقدمہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا، آپ نے شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور فیصلہ کیا کہ عورت شوہر کے ساتھ رہے گی، وہ جہاں لے جانا چاہتا ہے، لے جاسکتا ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۲)

۶۔ حدیث ”ان احق الشروط ان یوفی بها ما استحللتم بها الفروج“ میں شرط سے مراد مہر ہے، یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے خود لازم اور ضروری ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قاضی خاں لکھتے ہیں:

المراد بالشروط هنا المهر لانه المشروط في مقابلة البضع - وقيل جميع ما تستحقه المرأة بمقتضى الزوجية من المهر والنفقة و حسن المعاشرة فان الزوج التزمها بالعقد فكانها شرطت فيه (مرقات ج ۳ ص ۲۲۱)

”شرط“ سے مراد یہاں مہر ہے، اس ”بضع“ کے مقابلہ میں وہی مشروط ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جس کی بیوی ہونے کی بنیاد پر عورت حقدار ہے، یعنی مہر، نفقہ اور حسن معاشرت، کیونکہ شوہر نے عقد کی وجہ سے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے گویا عورت نے عقد میں اس کی شرط لگادی ہے۔

## دوسرے فریق کے دلائل

جو حضرات شرط کی تکمیل کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور عدم تکمیل کی صورت میں عورت کو فسح نکاح کا حق دیتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں۔

يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود (سورة مائدة - ۱)

آیت میں "عقود" سے مراد عہد اور وعدے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریر، ابو عبیدہ اور دیگر لوگوں سے آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شرط بھی ایک عہد اور وعدہ ہی ہے۔ چنانچہ جصاص رازی لکھتے ہیں:

وكذلك كل شرط شرطه انسان على نفسه في شئ في المستقبل فهو عقد (احكام

القرآن ج ۳ ص ۲۸۳)

اور ایسے ہی ہر وہ شرط جو انسان کسی چیز میں اپنے اوپر لگائے وہ "عقد" ہے۔ آگے اس آیت کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ انسان جو شرط قبول کرے، اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، انھیں کے الفاظ ہیں۔

وهو في ايجاب الوفاء بجميع ما يشرط الانسان على نفسه ما لم تقم دلالة تخصصه

(حوالہ سابق ج ۳ ص ۲۸۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام شرطوں کو، جو انسان اپنے اوپر لگائے، پورا کرنا واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔

واوفوا بالعهد ان العهد كان مسؤولا (الاسراء، ۳۲)

اور عہد کو پورا کرو کہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

یہ عہد عام ہے کہ اللہ سے کیا گیا ہو یا بندے سے، گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

الا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا و لم يظاهروا عليكم احدا فاتموا

اليهم مهدهم الى مدتهم ان الله يحب المتقين (التوبة، ۷)

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہے، اور انہوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی دوسرے کی مدد نہیں کی تو معین مدت تک اس معاہدہ کی پابندی کرو، واقعی اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، جس میں وفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے، اور بدعہدی پر وعید سنائی گئی ہے، شرط بھی ایک طرح سے عہد ہی ہے، لہذا اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

۲۔ حدیث میں بدعہدی نفاق کی علامت بتلائی گئی ہے، بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عہد کرنے کی مذمت بیان فرمائی، سخت قسم کی وعیدوں سے خبردار کیا ہے۔

۳۔ نکاح کے معاملہ میں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمایا کہ:

**احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری و مسلم و ضیہ)**

پابندی کے لائق سب سے زیادہ وہی شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ دیگر شرطوں کی بہ نسبت عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرط زیادہ لائق وفاء ہے۔

۴۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

**الناس على شروطهم ما وافقت الحق**

لوگ اپنی شرطوں پر ہیں جب تک کہ وہ حق کے مطابق ہوں۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، جن میں بعض راوی ضعیف بھی ہیں۔ مگر مختلف سندوں کی وجہ سے تقویت پیدا ہو جاتی ہے، نیز اسی معنی میں دیگر صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرائط شریعت کے منشاء و مقصد کے خلاف نہ ہوں، وہ جائز ہیں، لوگوں کو اس کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فیصلہ فرمایا کہ شوہر کے لئے شرط کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ عورت کو فسخ کا حق حاصل ہوگا، شوہر نے اعتراض کیا کہ پھر مردوں کے حق طلاق کا کیا حاصل؟

”اذا تطليقنا“ حضرت عمر نے جواب میں یہ قانونی جملہ ارشاد فرمایا ”مقاطع الحقوق عند الشروط“

۶۔ قرآن پاک سے یہ نہایت ہے کہ معاملات میں اصل بنیاد ”رضا“ ہے، لہذا جس شرط پر فریقین راضی ہوں، اور عقد کے مقصد و مقضی کے منافی نہ ہوں، نیز اس کی وجہ سے شریعت کے متعین کردہ حدود نہ ٹوٹے ہوں تو وہ جائز اور لازم الایفاء ہے۔

۷۔ معاملات میں اصل ”اباحت“ ہے، اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے، صرف ظاہریہ ”حزب“ کے قائل ہیں (دیکھئے مبداء الرضا فی العقود - ۱۱۸۶) اس اعتبار سے بھی وہ شرطیں جن سے شارع نے منع نہ کیا ہو جائز ہوں گی۔



۸ - عبادات میں اصل "حظر" ہے کہ صرف وہی چیزیں لازم و ضروری ہوں گی جسے شریعت نے فرض و واجب قرار دیا ہے۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو فرض و واجب قرار دینا درست اور صحیح نہیں، لیکن اس کے باوجود عبادات میں "نقد" کی شکل میں شرط لگانے کی اجازت دی گئی ہے کہ جو چیز ذمہ میں واجب نہ ہو اسے واجب کرے۔ جب عبادات جس میں اصل حظر ہے، میں شرط کی اجازت ہے اور اس کو پورا کرنا لازم و ضروری ہے تو معاملات جس میں اصل اباحت ہے۔ میں بدرجہ اولیٰ اس کی تکمیل لازم و ضروری ہوگی۔

۹ - یہ شرطیں ایسی ہیں جس میں عورت کا فائدہ ہے اور مقصد نکاح کے منافی بھی نہیں، لہذا جس طرح سے زیادتی مہر کی شرط لازم ہے، اسی طرح سے یہ شرائط بھی ضروری اور لازم ہیں۔ (یہ تمام تفصیلات فتاویٰ کبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹ و مابعدہ لابن تیمیہ - اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۰۶ - المغنی ج ۱ ص ۷۲ - ۷۱ سے ماخوذ ہیں)

### دلائل کا ایک جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ فریق اول کی طرف سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں، ان میں حضرت علی کے اثر کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے، حدیث "المسلمون علی شروطهم الا شرطاً احل حراماً او حرم حلالاً" کو ہی لے لیجئے، یقینی طور پر شرط کی وجہ سے حلال چیز حرام نہیں ہوتی، بلکہ اس کا کرنا اب بھی جائز ہے۔ اس شرط کے خلاف کرنے کے لئے ابھی بھی دروازہ کھلا ہوا ہے، البتہ اس کا کرنا لازم اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف کرنے کی وجہ سے عقد کو ختم کر دینے کا حق ملتا ہے، کسی مباح کو لازم و ضروری قرار دے لینا اور ہے اور اس کو حرام کر لینا اور، ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ ابن قدامہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلنا لا یحرم الحلال و انما یثبت للمرأة خیار الفسخ (المغنی ج ۱ ص ۱۷۱)

ہم کہتے ہیں کہ شرط کی وجہ سے کوئی حلال حرام نہیں ہوتا، ہاں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ملتا ہے۔

فقہ حنبلی کی کتابوں میں صراحت ہے کہ شوہر کے لئے شرط کے مطابق عمل کرنا صرف سنت ہے، جن لوگوں نے واجب و لازم لکھا ہے تو وہ اس معنی کر رہے کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہوگا، چنانچہ "اقناع" میں ہے۔

فہذا صحیح لازم للزوج بمعنى ثبوت الخیار لها بعد ما و لا یجب الوفاء به بل یسن

تو یہ شرط صحیح ہے اور شوہر کے لیے لازم ہے بایں معنی کہ شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا اور شرط کو پورا کرنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

وہ گئی دوسری حدیث تو وہ بھی مفید مطلب نہیں، اس لئے کہ ”كل شرط ليس في كتاب الله“ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو قواعد شریعت اور اس کے مقاصد کے خلاف ہوں، علماء محققین نے حدیث کی یہی تشریح کی ہے۔

چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وقال القرطبي ليس في كتاب الله اي ليس مشروفا فيه تاصيلا و لا تفصيلا .. و منها ما اصل اصله كدلالة الكتاب على اصلية السنة و الاجماع و القياس فيض القدير ج ۵ ص ۲۲ للمناوي - رقم الحديث .. ۲۳۱۳

قرطبی نے کہا کہ لیس فی کتاب اللہ (اللہ کی کتاب میں نہ ہو) سے مراد وہ شرطیں ہیں جو باعتبار اصل اور نہ باعتبار مشروع ہو اور ان میں کچھ وہ ہیں جو اصل کی اصل ہیں، مثلاً کتاب اللہ کی دلالت سنت، اجماع، اور قیاس کے اصل ہونے پر۔

مذکورہ حدیث جس پس منظر میں کہی گئی ہے، وہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتی ہے کہ حضرت بریرہ ایک باندی تھیں، حضرت عائشہ نے چاہا کہ انہیں ان کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیں، وہ بیچنے پر راضی تو ہو گئے، لیکن شرط لگادی کہ ”حق ولا“ انہی کو ملے گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو آپ نے اس شرط کو لغو قرار دیا، کیونکہ یہ شرط مقصد شریعت کے خلاف ہے۔ ”حق ولا“ سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ غلاموں کی آزادی کی طرف راغب ہوں، اگر فروخت کے باوجود بھی یہ حق ملتا رہے تو مقصد ہی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں کی توجہ آزادی سے ہٹ کر فروختگی پر مبذول ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں دوہرے فائدہ کا امکان ہے۔ غلام کی قیمت تو ملے گی ہی شرط لگا کر، حق ولا کو بھی محفوظ کر لیں گے۔ اور انسان اپنے مفاد کا حریص ہوا کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ شرط جو مقصد شریعت اور اس کے تقاضا سے مقصاد ہو، وہ نادرست ہے۔ رہے وہ شرائط جن کی وجہ سے مقصد شریعت متاثر نہیں ہوتا، صحیح اور درست ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مقصد عقد کے مطابق نہیں، تو یہ بھی محل نظر ہے کیونکہ جس سے کسی ایک فریق کی مصلحت وابستہ ہو، لازمی طور سے وہ مقصد عقد کے منافی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ مصلحت عقد کے مطابق ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مذکورہ شرائط میں ہے۔ آخر عقد کی وجہ سے ہر فریق پر کچھ ذمہ داریاں تو عائد ہوتی ہیں، اس کی آزادیوں پر کچھ

پابندی لگتی ہی ہے تو اگر وہ مزید اپنی خوشی سے کچھ پابندیاں عائد کر لیتا ہے تو وہ مقصد عقد کے خلاف کیسے ہے ؟  
 حدیث ” ان احق الشروط “ کی یہ توجیہ کرنا کہ اس سے مراد مہر یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں ظاہر حدیث اور اس کے سیاق و سباق کے خلاف ہے ، چنانچہ ابن دقیق العید شافعی فرماتے ہیں :  
 تلك الامور لا توثر الشروط في ايجابها فلا تشتد الحاجة الي تعليق الحكم باشتراطها و  
 سياق الحديث يقتضي خلاف ذلك لان لفظ احق الشروط يقتضي ان يكون بعض الشروط  
 يقتضي الوفاء بها و بعضها اشد اقتضاء و الشروط هي مقتضى العقد مستوية في وجوب  
 الوفاء بها افتح الباری ج ۹ ص ۲۷۲

ان حقوق کے واجب ہونے میں شرطیں مؤثر نہیں ہیں ، لہذا کسی حکم کو شرط لگا کر ان پر معلق کرنے کی ضرورت نہیں ، اور  
 حدیث کے سیاق سے بھی اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ ” احق الشروط “ کا تقاضا ہے کہ بعض شرطیں وفاق کی  
 مقتضی ہیں اور بعض زیادہ ، اور وہ شرطیں جو عقد کے مقتضی میں شامل ہوں ، وہ وجوب وفاق میں برابر ہیں ۔  
 دوسرے فریق کی طرف سے پیش کردہ دلائل میں بھی صحابہ کرام کے اقوال کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے ،  
 نیز حضرت عمر سے منقول روایتوں میں تضاد ہے ، دونوں صحیح ہیں ، ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا  
 مشکل ہے ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ، عبد اللہ بن مسعود ، ابن عباس اور حضرت معاویہ سے مروی اقوال  
 صحیح اور صریح ہیں ۔ بقیہ جو دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفاق عہد لازمی اور ضروری  
 ہے ، یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی وجہ سے عقد کو فسخ اور ختم بھی کیا جاسکتا ہے ۔ اس لئے اس سلسلہ میں احناف کے  
 نقطہ نظر کی جو ترجمانی علامہ عینی و کشمیری نے کی ہے ، وہی قرآن و حدیث سے زیادہ قریب ہے ، تاہم موجودہ دور جو  
 اخلاقی بگاڑ اور فساد سے عبارت ہے ، لوگوں کی نگاہوں میں وفاق عہد کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ، جائز و ناجائز کی  
 کوئی پرواہ نہیں ، ضرورت ہے کہ امام احمد بن حنبل کی رائے کو جو بہت سے صحابہ کرام کا مذہب و مسلک ہے ،  
 اختیار کر لیا جائے یا عورتوں ” تفویض “ کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے کہ وہ عقد کے وقت یہ کہیں کہ اگر  
 شوہر اس شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو انہیں اس رشتہ کو ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔

### تفویض طلاق

اللہ نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے ، تاہم اگر وہ چاہے تو اس حق کو بیوی کے سپرد کر سکتا ہے جسے اصطلاح  
 میں تفویض کہتے ہیں ، الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۲۱۲ ” تفویض “ کی مختلف صورتیں ہیں ، کبھی  
 وقت شرط وغیرہ کی کوئی تحدید نہیں ہوتی ، مطلقاً کہ دیا جاتا ہے کہ امریک بیعدی معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے ۔ اس



صورت میں عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار صرف مجلس تک باقی رہے گا۔ مجلس کے بدل جانے سے یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ کہہ دے کہ "معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے" امرک بیدک متی شنت او اذا شنت اس صورت میں پوری زندگی عورت کو یہ اختیار حاصل رہے گا، تا آنکہ وہ خود ہی اس اختیار کو ختم کر دے۔ اگر اختیار کے لئے کوئی مدت متعین کر دیتا ہے، مثلاً "آج کے دن تجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہے" تو مکمل ایک دن تک یہ اختیار برقرار رہے گا۔ اگر مشروط تفویض ہو، مثلاً "فلاں آگیا تو تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے" تو اس کی بھی وہی صورتیں اور احکام ہیں جو مذکور ہوئیں (یہ تفصیل بدائع ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۳ سے ماخوذ ہے)

### الفاظ تفویض

"تفویض" میں استعمال کئے جانے والے الفاظ تین طرح کے ہیں، جن کے احکام باہم مختلف ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱ - "معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" (امرک بیدک)

۲ - اپنے آپ کو اختیار کر لے (اختاری نفسک)

۳ - تجھے طلاق اگر تو چاہے (انت طالق ان شنت)

پہلے دونوں الفاظ کے ذریعہ سے طلاق پڑنے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر ان الفاظ کے نکلنے سے طلاق کی نیت کرے یا کوئی قرینہ موجود ہو، کیونکہ طلاق کے لئے یہ کنائی الفاظ ہیں، جن میں نیت یا قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں میں باہم فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے میں اگر شوہر ایک طلاق کی نیت کرتا ہے تو ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا، اگر تین کی نیت کرتا ہے تو تین کا، لیکن دوسرے میں تین کی نیت درست نہیں، نیز دوسرے میں شوہر کے الفاظ میں یا عورت کے جواب میں "نفس" یا "طلاق" کا تذکرہ ضروری ہے، مثلاً شوہر کہتا ہے "اختیار کر لے" (اختاری) بیوی جواب میں کہتی ہے (اختوت نفسی) میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا اگر لفظ "اختیاری" شوہر دو مرتبہ کہہ دے یا دونوں میں سے کوئی لفظ "اختیار" کا استعمال کرے تو بھی کافی ہے۔

تیسری صورت میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہاں صراحتاً طلاق کا لفظ ہے۔ نیز اگر صرف ایک طلاق کا تذکرہ ہو تو اس سے واقع ہونے والی طلاق رجعی ہوگی، جب کہ پہلی دونوں صورتوں میں طلاق بائن (دیکھئے

## تفویض کب درست ہے؟

”تفویض“ عقد کے وقت بھی درست ہے اور عقد کے بعد بھی، لیکن عقد کے وقت تفویض کے درس ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر اسے قبول کر لے، مثلاً مرد ”ایجاب“ کرتا ہے عورت جواب میں کہتی ہے کہ میں اس شرط پر قبول کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں رہے گا اور مرد اس کو مان لیتا ہے، اگر مرد ایجاب بائیں طور کرتا ہے کہ میں تم سے شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تمہارے ہاتھ میں رہے گا اور عورت قبول کر لیتی ہے، تو یہ درست نہیں، علامہ ابن عابدین شامی دونوں کے فرق کی وضاحت فقہ ابو اللیث کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اما لو بدأ الزوج لا تعلق و لا يصير الامر بيدها بين الفقيه ابو الليث الفرق بين الصورتين فقال لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت و الجواب يتضمن اعادة مافى السؤال صار كانه قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح ارد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ محبوبہ ایم سعید کمپنی۔ پاکستان

اگر شوہر اسراہ کرتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں ہوگا، فقہ ابو اللیث ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہیں کہ ابتداء جب شوہر کی طرف سے ہو تو یہ طلاق اور تفویض نکاح سے پہلے ہے، لہذا درست نہیں، اور جب ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہے، اس لئے کہ جب مرد نے عورت کے کلام کے بعد کہا قبلت (میں نے قبول کیا) اور جواب میں سوال ملحوظ ہوا کرتا ہے تو گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تمہ پر طلاق ہو، یا اس پر کہ معاملہ تیرے اختیار میں ہو، تو یہ معلہ نکاح کے بعد عورت کے اختیار میں ہوگا۔

اگر عقد سے پہلے ہی تفویض کی شرط طے ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ شوہر ابھی اس کا مالک ہی نہیں ہوا ہے تو جس چیز کا خود مالک نہیں دوسرے کو کیسے مالک بنا سکتا ہے؟ البتہ اگر ”تفویض“ اس طرح ہو کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اپنے طلاق کی مختار ہوگی تو یہ درست ہے۔ کیونکہ یہ تفویض طلاق ہی کی طرح ہے جس طرح نکاح سے پہلے ”طلاق اضافی“ درست ہے۔ ایسے ہی ”تفویض اضافی“ بھی درست ہے۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوا لیا جائے، چاہے عین وقت عقد زبان سے لکھوا لیا جائے، چاہے بعد میں لکھوا لیا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ایک شرط ہے، پہلی صورت یہ کہ کاہن نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لیے یہ شرط ہے اس میں نکاح کی طرف اضاافت اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماة مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر اور کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضاافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بیکار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو "الحيلة الناجزة۔ ۱۷۱"

### مشروط تقویض

عورتوں کی قسم و ذہانت، عقلمندی و ہوشمندی نیز فطری جلد بازی کے پیش نظر مناسب ہے کہ مطلق تقویض نہ کی جائے بلکہ احتیاطاً کچھ قیود و شرائط کا لگا دینا بہتر ہے۔ اسی فطری کمزوری کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "تخیر" کے موقع پر حضرت عائشہ سے فرمایا، عائشہ: فیصلہ میں جلد بازی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کے بغیر کوئی اقدام نہ کرنا، ایک موقع پر ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاشی تنگی کی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ ہمارے نان نفقہ میں کچھ توسیع سے کام لیا جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا النبی قل لا زواجکم ان کنتمن ترون الحیاة الدنیا و زینتها فتعالین استمکن و اسر حکھن سراجا جمیلا۔ اس آیت میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ موجودہ حالت یعنی معاشی عشرت و تنگی کے ساتھ آپ کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں اس کو تخیر کہا جاتا ہے (دیکھئے معارف القرآن ج ۷ ص ۱۲۷) لہذا تقویض کے ساتھ احتیاط کے لئے مزید کچھ شرطیں بڑھانی جاسکتی ہیں، مثلاً یہ کہ طلاق کا اختیار اسی وقت ہوگا جب کہ عورت کے والدین بھی اسی پر راضی ہوں وغیرہ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تقویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں خطرہ نہ رہے۔ مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہہ کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماة بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی، جس کو فلاں



فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں۔ تو اس کے بعد ہر معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علاحدگی اختیار کر لی جائے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدید ہے

احیلة ناجزة۔ ۲۲

### کیا شرط کے ساتھ تفویض نکاح مشروط نکاح ہے؟

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بشرط تفویض نکاح مشروط نکاح ہے۔ حالانکہ مشروط نکاح میں احناف کے نقطہ نظر کے مطابق شرط لازم نہیں بلکہ شرط فاسد ہے اور اس وجہ سے عقد فسخ نہیں ہوگا، جب کہ تفویض کے شرط کے ساتھ نکاح میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ملتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سبامی کی دور رس نگاہوں نے اسے محسوس کیا اور انہوں نے وضاحت کی کہ بشرط تفویض نکاح مشروط نکاح نہیں مان کے الفاظ میں:

وہم یخرجونہ لا صلی انہ من قبیل الشرط حتی یکون فاسدا صلی قاصد تہم بل صلی ان  
الزوج قد ملکھا حقاً یملکہ بعد العقد متی یشاء، فله ان یجعل بتملیکھا هذا الحق مند العقد ولیس  
فی هذا ما ینافی قواعد العامة (المرآة بین الفقہ و القانون)

وہ لوگ اس کی تخریج اس طور پر کرتے ہیں کہ یہ شرط کے قبیل سے نہیں ہے کہ ان کے قاعدہ اور اصول کے مطابق فاسد ہو، بلکہ شوہر نے ایک حق کا عورت کو مالک بنا دیا، جسے وہ نکاح کے بعد چاہے مالک بنا سکتا ہے۔ لہذا اسے جائز ہے کہ عورت کو اس حق کا مالک عقد کے وقت بنا دے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قواعد عامہ کے منافی ہو۔

مشروط مہر

طلاق اس لئے مشروع ہے کہ زندگی کی راہ میں اگر کبھی باہم مل کر چلنا دشوار ہو جائے اور اس ناگزیر حالت کو انگیز کرنا مشکل ہو جائے تو اس ناخوشگوار زندگی سے بہتر ہے کہ طلاق کے ذریعہ علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اگر "امساک بمعروف" پر عمل آوری متیز ہو جائے تو "تسریح باحسان" کی ڈگر اپنالی جائے، گویا کہ طلاق ایک "آخری راستہ" ہے، اس لئے اسے حدیث میں "ابغض المباحات" کہا گیا ہے، مگر آج صورت حال یہ ہے کہ اسے بچے کا کھلونا سمجھ لیا گیا ہے۔ جب تک جی چاہے کھیلتا بھہ طبیعت میں ذرا سی کبیدگی پیدا ہوتی تو ڈر کر پھینک دے، غلطی گو مرد کی ہو مگر سزا تو بہر صورت عورت کو ملتی ہے، خاص کر ہندوستان کے پس منظر میں جہاں طلاق شدہ عورت کی شادی ایک مسئلہ ہے۔ لہذا طلاق کے اس بے جا استعمال کو روکنے کے لیے شرعی حدود

میں رہ کر جو بھی تدبیر اختیار کی جائے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ عقد کے وقت شرط لگا دی جائے کہ اگر شوہر طلاق دے گا تو مہر مثلاً بیس ہزار ہے اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہے۔ ایسی صورت میں طلاق دینے کی صورت میں امام ابو حنیفہ کے نقطہ نظر کے مطابق مہر مثل ہے۔ اور امام ابو یوسف و محمد کی رائے کے مطابق معین کردہ مہر یعنی بیس ہزار لازم ہے۔

چنانچہ سرخسی رقم طراز ہیں:

ولو تزوجها على الف درهم ان لم تكن له امرأة و على الفى درهم ان كانت له امرأة و على الف درهم ان لم يخرجها من الكوفة و على الفين ان اخرجها .. فمند ابى حنيفة المذكور او لا صحيح فى الوجهين و الثانى فاسد حتى اذا اطلقها قبل الدخول بها فلها نصف المذكور او لا و ان دخل بها فان وفى بالشرط فلها الالف و ان لم يوف لها بالشرط فلها مہر مثلها لا يجاوز بها الفى درهم .. و مند ابى يوسف و محمد الشرمان جائزان على ما اشترطنا العيسوط ج ۵

ص ۱۰۹

اگر کوئی نکاح اس طور پر کرے کہ اس کی کوئی بیوی نہ ہو تو ایک ہزار درہم ہے، اور اگر ہو تو دو ہزار یا اگر "کوڈ" سے نہ جائے تو ایک ہزار اور بصورت دیگر دو ہزار۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پہلے طلاق دے تو جس مہر کا تذکرہ کیا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرا فاسد ہے یہاں تک اگر یکجائی سے پہلے طلاق دیدے تو جس مہر کا تذکرہ پہلے ہوا ہے اس کا آدھا مہر ادا کرے، اور اگر یکجائی ہو جائے اور شرط کو بھی پورا کر دے تو ایک ہزار مہر ہے، اور اگر شرط کے مطابق عمل نہ کرے تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہے بایں طور کہ اس کی مقدار دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔ اور ابو یوسف و محمد کے نزدیک دونوں شرطیں معاہدہ کے مطابق جائز ہیں۔

گرچہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے امام ابو یوسف و محمد سے مختلف ہے۔ لیکن دلیل کے اعتبار سے صاحبین کی رائے قوی ہے۔ نیز حالات کا تقاضا بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف نے امام ابو یوسف و محمد ہی کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔

محمی الدین عبدالمہدی لکھتے ہیں:

تزوجتك بمائة ان طلقت امرأتى فلانة و بمائتين ان لم اطلقها ففى هذه الحالة خلاف

بین علماء المذهب۔ فذهب ابو یوسف و محمد الی ان تصح التسمیان و یصح الشرطان۔ و عمل  
بکل شرط سند تحقیقہ و هو المختار فی المذهب (الاحوال الشخصیة۔ ۱۵۵)

اگر میں نے اپنی فلان بیوی کو طلاق دے دی تو تجھ سے سو درہم پر نکاح کرتا ہوں اور اگر طلاق نہ دی تو دو سو درہم پر اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے امام ابو یوسف اور محمد کا مسلک یہ ہے کہ دونوں طرح کی تعیین اور دونوں شرطیں صحیح ہیں اور ہر شرط پر اس کے تحقق کے وقت عمل کیا جائے گا۔ یہی مذہب مختار ہے۔

طلاق ہی کی طرح دوسری شادی کا مسئلہ ہے کہ اگر عقد میں یہ شرط لگادی جائے کہ اگر مرد نے اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی تو مہر بیس ہزار ہوگا بصورت دیگر دس ہزار۔ تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف و محمد کے مسلک کے مطابق دونوں شرطیں معتبر ہوں گی اور دونوں صورتوں میں متعین کردہ مہر لازم آئے گا۔

واضح رہے کہ ان دونوں مسئلوں میں امام ابو یوسف و محمد کی رائے پر فتویٰ دیتے وقت کچھ شرائط کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جس مقصد کے تحت اسلام نے طلاق یا تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے، شرط کی وجہ سے مرد بالکل بند ہو کر رہ جائے گا اور ناگزیر ضرورت کے وقت بھی رقم ادا نہ کرنے کی پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے طلاق نہ دے سکے، زندگی بالکل تلخ اور اجیرن بن کر رہ جائے، طرح طرح کی غرابیاں اور بگاڑ پیدا ہوں جس کو ختم کرنے کے لئے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے۔

### ملازمت پیشہ عورت

”مشروط نکاح“ کے ذیل میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مباح شرطوں کے بارے میں امام شافعی کا نغظ نظریہ ہے کہ شرط لازم نہیں، احتاف کے نزدیک یہ ایک وعدہ ہے، دیا تا اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو نباہے، اس کے مطابق عمل کرے، اگر شوہر ایسا نہیں کرتا تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے عورت کو فسح نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ کاسانی رقم طراز ہیں:

وقال ان ما شرط الزوج من طلاق المرأة و ترک الخروج من البلدة لا یلزمه فی الحکم لان

ذالک و صد و صد لها فلا یكلف به (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵)

شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے گا یا اس عورت کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو یہ قضاء لازم نہیں، اس لئے کہ یہ ایک وعدہ ہے جو شوہر نے اس سے کیا ہے، لہذا اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔



آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اس سے منع نہیں کرے گا، اور اس شرط کو شوہر قبول کر لیتا ہے اس کے باوجود اسے روکنے کا حق ہے، اور عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اگر عورت شوہر کی رضامندی کے بغیر ملازمت پر لگی رہی تو "ناشزہ" سمجھی جائے گی اور نفقہ کی مقدار نہیں ہوگی (دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلہ ج ۷ ص ۷۹۷ کتاب النفقہ اچنانچہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں۔

و اذا اسلمت نفسها بالنهار دون الليل و صلی صكسه لا تستحق النفقة لان التسليم ناقص قلت و بهذا عرف جواب واقعة فی زماننا بانہ اذا تزوج من المحترفات التي تكون صامة النهار فی الكار خاتمة و الليل مع الزوج لان نفقة لها البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۰

اگر عورت صرف دن میں شوہر کے ساتھ رہے اور رات میں رفاقت نہ ہو یا اس کے برعکس، تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اس لیے کہ سپردگی ناقص ہے، اس سے ہمارے دور کے اس مسئلہ کا حل بھی نکل آیا جب کہ شادی کسی پیشہ سے متعلق عورت کے ساتھ ہو جو دن اکبر کارخانہ میں گزارتی ہے اور رات شوہر کے ساتھ بسر کرتی ہے، اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

امام احمد کے مسلک کے مطابق شوہر کے لئے شرط کی تعمیل ضروری ہے، اسے روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں، اگر سلسلہ ملازمت کو ختم کرنے پر مجبور کرتا ہے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور بلا اجازت ملازمت کرتے ہوئے بھی "ناشزہ" نہیں سمجھی جائی گی، اور نان و نفقہ کی مستحق ہوگی، وہیہ زحیلی ان کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وصحح الحنابلة ايضا هذا الشرط و اوجبوا الوفاء به فلا يكون للزوج ان يمنع المرأة من

العمل ولو منعها لا تكون ناشزة الفقہ الاسلامی ج ۷ ص ۷۹۷

حابلہ نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا اور اس شرط پر وفا کو لازم گردانا، لہذا شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو کام کرنے سے روک دے اور اگر روک لگا دے تو وہ "نافرمان" نہیں سمجھی جائے گی۔

## اشتراط فی النکاح

قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا اختر امام عادلؒ

نکاح انسانی زندگی کا اہم ترین رشتہ ہے، اس کے تقدس و عظمت پر قرآن و حدیث کے بے شمار نصوص موجود ہیں، نکاح کے ذریعہ دو اجنبی شخص ایک دوسرے سے حد درجہ قریب اور دو نامانوس دل باہم انتہائی مانوس ہو جاتے ہیں، اس طرح نکاح زندگی کی وہ منزل ہے جہاں سے مرد و عورت کی رفاقت کا دور شروع ہوتا ہے، یہیں سے انسان باہمی محبت و اعتماد کا سلیقہ سیکھتا ہے، اس بقائے باہم کے تحفظ دوام کے لئے اسلام نے بہت سے ایسے حدود و قیود مقرر کر دیے ہیں، جن سے ایک مکمل اور خواہگار زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ الگ سے کچھ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حالات کی ناسازگاری یا معاشرتی فساد کی بنا پر کچھ طبیعتوں میں منفی رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے بسا اوقات نکاح جیسا محبوب و مرغوب رشتہ بھی محفوظ نہیں رہ پاتا، یہی وہ موقع ہے جب مرد و عورت کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے نکاح میں رنج و متداول حدود و شرائط کے علاوہ اپنے طور پر الگ سے کچھ شرطیں لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کو اصطلاحی طور پر "اشتراط فی النکاح" کہا جاتا ہے۔

یہ کوئی آج کا نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں اس طرح کے مسائل پیش آتے رہے ہیں۔ اور علماء و فقہاء حالات کے لحاظ سے جواب دیتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہ کی بنیادی اور مستند کتابوں میں سے بہت کم ایسی کتابیں ہوں گی جن میں یہ مسئلہ مذکور نہ ہو، بعض کتابوں میں تو باقاعدہ باب اور فصل کے تحت اس مسئلہ کو بیان

کیا گیا ہے جس سے اس موضوع کی اہمیت و عمومیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

## موضوع سے متعلق قرآن و حدیث کے نصوص

اس موضوع پر فقہی گفتگو کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک عمومی انداز کی نظر اس مسئلہ پر ڈال لیں۔

قرآن و حدیث میں ایفاء عہد اور تکمیل شرائط پر بست زور دیا گیا ہے، خواہ وہ معاہدہ نکاح کے سلسلے میں کیا گیا ہو، یا کسی اور معاملہ میں، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مانندہ۔ ۱) اے ایمان والو! معاہدات پورے کرو۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔

” وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصَلِّحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

صَلِيم“ (بقرہ۔ ۲۲۳)

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم بھلائی نہ کرو اور پرہیزگاری نہ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کرو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

احادیث میں یہ مسئلہ کچھ اور وضاحت سے آیا ہے، جس میں حق و ناحق اور جائز و ناجائز کی تفصیل موجود ہے۔

ایک روایت ہے کہ:

آیة المنافق ثلاث .. اذا واعد اخلف، الحدیث۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافق کی پہچان تین چیزیں ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، ایک دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له رواہ البیہقی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵)

اس شخص کا ایمان مکمل نہیں جس کو امانت کا خیال نہیں، اور اس شخص کا دین مکمل نہیں جس کو عہد کا پاس و لحاظ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا رواه الترمذی مشکوٰۃ ص

۱۲۵۲

مسلمانوں کو اپنی شرطوں پر قائم رہنا ضروری ہے الایہ کہ شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔ بخاری و مسلم میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

وكل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل ان كان مائة شرط (مشکوٰۃ ص ۲۲۹)

ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ لگادی گئی ہوں۔

یہ تمام احادیث تو عمومی شرائط کے متعلق ہیں، بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو مسئلہ زیر بحث سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ محدثین نے کتاب النکاح یا کتاب الشروط میں ان احادیث کو مستقل باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے کتاب النکاح میں دو باب قائم کئے ہیں۔

(۱) ایک ہے۔ "باب الشروط فی النکاح" اور اس کے تحت یہ روایت ذکر کی ہے۔

احق ما اوفيتم من الشروط ان توفوا ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف ج ۲ ص

۱۷۷۳)

سب سے زیادہ مستحق ایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو، (یعنی جو شرطیں بوقت نکاح طے کرتے ہو)

(۲) دوسرا باب قائم کیا ہے "باب الشروط التي لا تحل فی النکاح" (یعنی وہ شرطیں جو نکاح کے وقت لگانا

جائز نہیں) اس کے تحت ترجمہ الباب میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا یہ اثر نقل کیا ہے۔ لا تشترط المرأة طلاق اختها، یعنی عورت بوقت نکاح اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے۔

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے یہ مسند روایت نقل کی ہے۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يحل لامرأة ان تسال طلاق اختها لتستفرغ

صحفتها فانما لها ما قدر لها (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۷۷۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ

کرے تاکہ اس کا پیالہ اپنے لئے فارغ کر لے، حالانکہ اس کو اتنا ہی ملے گا جو اس کے لئے خدا کی طرف سے ملے

ہو چکا ہے۔ (پھر ایسی لا حاصل کوشش سے فائدہ ہے؟)

امام بخاری نے کتاب الشروط میں بھی ان دونوں روایتوں کو اسی مفہوم و مطلب کے دو جداگانہ بابوں کے تحت ذکر کیا ہے۔ ایک باب ہے "باب الشروط فی المہر عند مقدة النکاح" اور اس کے تحت پہلی روایت نقل کی ہے۔ اور دوسرا باب قائم کیا ہے "باب ما لا يجوز من الشروط فی النکاح" اور اس کے تحت دوسری روایت ذکر کی ہے (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۶)

ان روایات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح جو شرائط مقرر کی جاتی ہیں وہ سب کی سب قابل اعتبار نہیں ہوتیں، بلکہ صرف ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازم ہوگی جو شریعت کے موافق اور مقتضائے عقد کے مطابق ہوں، جو شرطیں شریعت یا مقتضائے عقد کے خلاف ہوں وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ ان کی تکمیل کسی پر لازم نہیں بلکہ بعض شکلوں میں تو ان کی تکمیل جائز بھی نہیں۔ بخاری کے مشہور شارح علامہ قسطلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

و المراد شروط لا تنافی مقتضى عقد النکاح بل تكون من مقاصده كشروط العشرة بالمعروف و ان لا يقصر شئ من حقوقها اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يتسرى عليها و لا يسافر بها فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط و يصح النکاح بمهر المثل ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی ج ۲ ص ۱۲۳-ج ۲ ص ۱۲۲

یعنی اس سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہوں، بلکہ مقاصد نکاح میں شامل ہوں۔ مثلاً حسن سلوک کی شرط یا کسی قسم کی حق تلفی نہ کرنے کی شرط وغیرہ، اور جو شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی باندی سے صحبت نہیں کرے گا، یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا وغیرہ۔ تو ایسی شرطیں پوری کرنا واجب نہیں، بلکہ یہ لغو ہیں۔ البتہ نکاح صحیح ہے اور شوہر کو مہر مسمیٰ کے بجائے مہر مثل دینا ہوگا۔

## "اشترائط فی النکاح" فقہاء کے یہاں

جب یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں آیا، تو اس نے مستقل شکل اختیار کر لی، فقہاء نے اس پر تفصیلی بحثیں کیں، اور اس کی مختلف قسموں کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے مذاہب پر ایک نظر ڈال لیں۔ تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ فقہاء نے اس مسئلہ کو کتنی اہمیت دی ہے؟ اور مختلف مکاتب فکر کے فقہاء نے کس کس نقطہ نظر سے اس پر غور کیا ہے؟

نکاح کے وقت جو شرطیں لگائی جاتی ہیں حابہ کے نزدیک بنیادی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں

(۱) شروط صحیحہ (۲) شروط فاسدہ، پھر شروط فاسدہ کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) وہ شروط فاسدہ جو عقد نکاح کو فاسد کر دیتی ہیں (۲) دوسرے وہ شروط فاسدہ جو نکاح کو فاسد نہیں کرتیں بلکہ خود ہی باطل ہو جاتی ہیں۔

(۱) شروط صحیحہ سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق نہ ہوں تو مخالف بھی نہ ہوں، اور ان سے فریقین میں سے کسی فریق کا جائز مفاد وابستہ ہو، مثلاً بوقت نکاح عورت شرط لگائے کہ اس کے رہتے ہوئے شوہر دوسری شادی نہ کرے گا۔ یا اس کے آبائی مکان یا وطن سے نکال کر کہیں دوسری جگہ نہ لے جائے گا، یا اس کے اپنے اہل خانہ ان سے میل جول پر پابندی نہ لگائے گا، یا مہر مقررہ کے علاوہ مزید کچھ رقم ادا کرے گا وغیرہ۔ حابہ کے نزدیک ان شرطوں کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کا معاہدہ درست ہے۔ اور معاہدہ قبول کر لینے کے بعد شوہر پر اس کی تکمیل واجب ہے۔ اگر شوہر اس سے راد فرار اختیار کرے تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، اور اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں جب بھی عورت چاہے فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

اسی طرح شوہر شرط لگائے کہ عورت باکرہ یا خوبصورت ہونی چاہئے، اور نکاح کے بعد معاملہ برعکس ہو تو شوہر کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۱۸۷)

علامہ ابن قدامہ صنبلی نے اس خیال کو بہت سے صحابہ اور تابعین کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مثلاً صحابہ حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت سعد ابن وقاص، حضرت معاویہ، حضرت عمرو ابن العاص، اور تابعین میں حضرت شریح، عمر ابن عبدالعزیز، جابر ابن زید، طاؤس، امام اوزاعی، اور اسحاق وغیرہ، اور بہت سے لوگوں کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، مثلاً زہری، قتادہ، ہشام ابن عروہ، امام مالک، لیث، ثوری، امام شافعی، ابن المنذر، اور امام ابو حنیفہ۔ ان میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ان شرطوں کی عدم تکمیل کی صورت میں مہر مسمی فاسد ہوگا، نکاح فاسد نہ ہوگا، اور نہ فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، ان دو حضرات کے علاوہ بقیہ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ شرطیں ہی سرے سے فاسد ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں (المعنی ج ۷ ص ۱۳۲۸)

(۲) شرائط فاسدہ کی دوسری قسم جو عقد نکاح کو ہی فاسد کر دیتی ہے، اس میں عموماً وہ شرطیں آتی ہیں جو توقیت نکاح یا شغار کا مفہوم پیدا کرتی ہوں، مثلاً شرط لگانا کہ یہ نکاح صرف ایک ماہ کے لئے ہے۔ یا ایک ماہ کے بعد عورت خود طلاق لے لے گی، یا کسی غیر یقینی شرط پر نکاح کو معلق کیا جائے، مثلاً ماں باپ، یا کسی اجنبی کی رضا مندی پر اس کو موقوف کر دیا جائے، اور یہ لوگ مجلس عقد میں حاضر نہ ہوں، یا بضع ہی کو طرفین سے مہر مقرر



کیا جائے، جس کو اصطلاح میں نکاح شغار کہا جاتا ہے، ان تمام شکلوں میں یہ شرطیں بھی باطل ہیں اور نکاح بھی،

(الفقه علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۷، المغنی ج ۷ ص ۲۵۱)

(۳) تیسری قسم ان شرائط فاسدہ کی ہیں جو بجائے خود تو باطل ہیں، مگر نکاح کی صحت پر ان سے کوئی اثر نہیں پڑتا اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقضائے نکاح کے منافی ہوں، مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا، یا نفقہ نہیں دیا جائے گا، یا یہ شرط کہ شوہر عورت سے وطی نہ کرے گا، یا عزل کرے گا، یا نوبت کے اندر دوسری سوکنوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ امتیازی سلوک برتے گا، یا یہ کہ عورت یا مرد کو شرط خیار دیا جائے، یا عورت شرط لگائے کہ گرمی کی چھٹیاں گزارنے کے لئے اس کو تقریبی مقامات پر پہنچانا ہوگا وغیرہ۔ یہ تمام وہ شرطیں ہیں جو مقصد نکاح کے خلاف ہیں، اس لئے یہ فاسد ہیں، ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازم نہیں، البتہ نکاح صحیح رہے گا، اس لئے کہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو عقد کے خلاف خارجی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے ذکر یا عدم ذکر یا معمول و معلوم ہونے سے نکاح کی داخلی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

واضح رہے کہ خواہ یہ شرطیں عین بوقت نکاح مقرر ہوتی ہوں، یا عقد سے پہلے، حابلاً کے نزدیک دونوں

شکلوں کا حکم برابر ہے (الفقه علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۷-۸۸)

### شافعیہ:

فقہاء شافعیہ نے آئندہ زندگی سے متعلق شرطوں کی دو قسمیں کی ہیں۔

۱۔ شرط فاسدہ۔ ۲۔ شرط صحیحہ۔

(۱) شرط فاسدہ سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو صحت نکاح کے لئے مانع ہوں، ان سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی عورت نے بوقت نکاح شرط لگائی کہ اس سے شوہر بالکلے وطی نہ کرے گا تو نکاح فاسد ہے۔ البتہ یہی شرط اگر خود شوہر لگائے تو نکاح درست ہے، کیونکہ وطی شوہر کا حق ہے، اس لئے وہ اپنا حق ساقط کر سکتا ہے۔ یا اس کی دوسری مثال، مرد نے شرط لگائی کہ عورت معتمہ یا کسی دوسرے شخص کی حاملہ ہونی چاہئے، تو یہ شرط فاسد ہے جو نکاح کو بھی فاسد کر دیتی ہے۔

(۲) شرط صحیحہ سے مراد عورت یا مرد میں کسی ایسے وصف کی شرط لگانا جو صحت نکاح کے لئے مانع نہ

ہو، جیسے عورت کے لئے حسن و جمال، یا باکرہ یا گندمی رنگ ہونے کی شرط لگانا، صحت نکاح کے لئے مانع نہیں ہے، اس لئے ایسی شرطیں لگانا درست ہے۔ اور معاہدہ کے بعد ان کی رعایت کرنا ضروری ہے، ورنہ فریق ثانی کو

اختیار ہوگا کہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

لیکن یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ بوقت نکاح شرطیں لگائی گئی ہوں، اگر عقد کے بعد اس طرح کی کوئی شرط لگائی جائے تو اس کا اعتبار نہیں، ان پر عمل کرنا بحیثیت عاقد نکاح ضروری نہیں، الفقہ صلی

المذاہب الاربعۃ ج ۲ ص ۱۸۹

### مالکیہ :

وہ شرائط جن پر نکاح تو معلق نہ ہو البتہ بوقت عقد وہ کسی فریق پر عائد کی جائیں، تا کہ دوسرا فریق اپنے مفاد کا تحفظ کر سکے، اس میں دو طرح کی شرطیں آتی ہیں۔

۱۔ کچھ شرطیں ایسی ہیں جو نکاح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ۲۔ اور کچھ جو اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جو شرطیں نکاح پر اثر انداز ہوتی ہیں، اثر اندازی کی نوعیت کے لحاظ سے ان کی بھی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ مرد عورت میں سے کسی ایک کو یا دونوں ہی کو یا کسی تیسرے غیر متعلق شخص کو دو تین دن کے لئے نکاح کے معاملہ میں اختیار شرط دیا جائے، تو یہ صحیح نہیں، اور دخول سے قبل عقد فسخ کرنا ضروری ہے، لیکن دخول کے بعد فسخ نہیں کیا جائے گا، اور عورت کو مہر مسمیٰ ملے گا، مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

البتہ مالکیہ کے یہاں مفتی بہ قول کے مطابق خیار مجلس کی شرط لگانے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کا ولی شوہر سے کہے کہ فلاں وقت مقرر تک مہر حوالہ کر دو ورنہ رشتہ نکاح قائم نہیں رہے گا، اور شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کر لیا، تو اس صورت میں اگر وقت مقررہ تک شوہر مہر دین پیش نہ کر سکا تو خواہ دخول ہو گیا ہو یا نہ ہو، دونوں شکلوں میں نکاح فسخ کر دیا جائے گا، اور اگر وقت پر پیش کر دے تو دخول سے پہلے پہلے تو یہ عقد شرط فاسد کی بنا پر قابل فسخ ہے۔ لیکن دخول کے بعد فسخ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۳۔ ایک شکل یہ ہے کہ بالکل مقتضائے عقد کے خلاف شرطیں لگائی جائیں، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ نکاح کے بعد عورت کی سوکنوں کے درمیان انصاف کا معاملہ نہیں کروں گا، یا یہ کہ اس کے پاس ایک شب بھی نہیں گزاروں گا، یا صرف دن گزارنے کی شرط لگائے، یا وراثت یا نفقہ سے محروم کرنے کی شرط لگائے، یہ تمام شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں، اور دخول سے پہلے پہلے عقد قابل فسخ ہے، البتہ، دخول کے بعد فسخ

نہیں کیا جائے گا، شرطیں لغو قرار پائیں گی، اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ ایسی شرطیں لگائی جائیں، جو عقد نکاح کے منافی نہ ہوں، مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، یا اس کے فلاں مقام سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا وغیرہ، ان شرطوں سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ ایسی شرطیں لگانا مکروہ ہے، لیکن اگر باہمی رضامندی سے ان میں سے کسی شرط پر اتفاق ہو جائے تو ان کو پورا کرنا مستحب ہے۔

(۴) چوتھی قسم میں وہ شرطیں آتی ہیں جو اگر بوقت نکاح طے ہو جائیں تو ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازمی ہوگی ورنہ فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، مثلاً شوہر نے عورت کے بیٹا ہونے، یا باکرہ یا خوبصورت ہونے کی شرط لگائی اور واقعہ اس کے برعکس نکلے تو اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، الفقہ علی

المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۸-۸۹

### حنفیہ :

فقہاء حنفیہ کے یہاں اس موضوع پر کافی اور وافی تفصیل ملتی ہے۔ انہوں نے بڑی دقت نظری، اور ہم گیری کے ساتھ اس پر بحثیں کی ہیں، ان کے یہاں جزئیات کی کثرت کے باوجود اصولی طور پر ان میں شدید ارتباط پایا جاتا ہے، فقہاء احناف کے نزدیک اشتراط فی النکاح کو ابتدائی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ایک اشتراط وہ ہے جس کا تعلق نکاح سے ہے (۲) اور دوسرا وہ جس کا تعلق مہر سے ہے

افتح القدیر ج ۳ ص ۷۳۷، دونوں کے لئے جداگانہ ضابطے اور احکام ہیں۔

### نکاح سے متعلق شرطیں

جو شرطیں نکاح سے متعلق ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا جائے (۲) دوسرے یہ کہ نکاح تو کسی شرط پر معلق نہ

ہو

البتہ بوقت نکاح فریقین میں سے کوئی فریق کچھ شرطیں لگائے اور باہمی رضامندی سے ان پر اتفاق ہو جائے۔ ان میں پہلی قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے ہے، جس میں خود وجود نکاح متاثر ہوتا ہے، جب کہ دوسری قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے نہیں بلکہ نکاح کے بعد والی زندگی سے ہے، یعنی نکاح ہونے کے بعد فلاں فلاں شرطوں پر کاربند ہونا ہوگا۔



قسم ثانی بوقت نکاح شرطیں لگانا، دوسری قسم کہ نکاح کسی شرط پر معلق نہ ہو، البتہ بوقت نکاح کچھ شرطیں لگانی جائیں، اس کی تین شکلیں ممکن ہیں (جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے) اور تینوں کے الگ الگ احکام ہیں۔

### شکل اول:

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یا اس کو مہر ملنا چاہئے، یا یہ کہ شوہر اس کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت صرف میری ہی بیوی رہے گی، یا یہ کہ عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا وغیرہ۔

ان تمام مسائل میں حکم بالکل ظاہر ہے کہ نکاح بھی درست ہے اور جو ذمہ داریاں میاں بیوی پر عقد نکاح کی بنا پر آتی ہیں ان کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ الفقه علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۸۵۔ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۶۱۔ شامی ج ۲ ص ۳۷۵۔ القسطلانی ج ۲ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴

### شکل ثانی:

دوسری شکل یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، یا ایسی شرط لگانا جو مقصد نکاح کے منافی ہو، جس سے شریعت کا نظام نکاح متاثر ہو سکتا ہو یا جس سے کسی فریق کا بے جا استحصال مقصود ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، یا کہ عورت کو میرے مرنے کے بعد وراثت نہیں ملے گی، اس طرح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو میری وراثت سے حصہ نہیں ملے گا، یا شوہر کو ہر ماہ سو دینار یا بیس ہزار روپے (مثلاً) کا نفقہ دینا ہوگا، جبکہ دونوں کی حیثیت اتنی نہیں، اس قسم کی شرطیں لغو ہیں، اور فریقین پر صرف وہی واجب ہے جو شریعت مظہرہ واجب کرتی ہے۔ عورت نفقہ کی مستحق ہوگی جس کی وہ لائق ہوگی، قانونی طور پر دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔ القسطلانی شرح البخاری ج ۲ ص ۱۲۳

رجل تزوج امرأة بالف صلی ان لا ینفق علیها و مہر مثلها مائة كان لها الف و النفقة

(ایک آدمی نے کسی عورت سے ہزار روپے کے مہر پر شادی کی بشرطیکہ اسے نفقہ نہیں ملے گا اور اس عورت کا مہر مثل سو (۱۰۰) روپے ہو، تو اس کو مقررہ مہر ایک ہزار روپیہ، اور نفقہ دونوں ملیں گے)

رجل تزوج امرأة علی ان ینفق علیہا فی کل شهر مائتہ دینار قال ابو حنیفۃ النکاح جائز  
ولہا نفقۃ مثلہا بالمعروف۔ رجل تزوج امرأة علی الف درہم علی ان لا ترثہ ولا یرثہا جاز  
لنکاح ویتوارثان ولیس لہا الا الف درہم <sup>کان مہر</sup> مثلہا اقل من ذلک او اکثرا فتاویٰ قاضی خاں علی  
حاشیۃ فتاویٰ مالگیری ج ۱ ص ۳۳۱ فصل فی النکاح علی الشرط

(ایک آدمی نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ ہر مہینے اس کو سو (۱۰۰) دینار نفقہ دے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح تو جائز ہے اور اس کو نفقہ مثل معروف طور پر ملے گا، اسی طرح ایک آدمی نے شادی کی ایک ہزار درہم کے عوض اس شرط پر کہ عورت اس کی اور وہ عورت کا وارث نہ ہوگا، تو نکاح جائز ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور عورت کو ایک ہزار مہر مقرر سے زیادہ نہ ملے گا، خواہ اس کا مہر مثل اس سے کم ہو یا زیادہ)

### عورت کے لئے خیار طلاق

اسی قسم میں نکاح کے بعد عورت کے لئے خیار طلاق کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ اس کی دو شکلیں ہیں (۱) ایک شکل یہ ہے کہ اس قسم کی شرط کی پیش کش مرد کی جانب سے ہو (۲) دوسرے یہ کہ شرط عورت کی طرف سے لگائی جائے، اور مرد اس کو قبول کرے۔

(۱) اگر بوقت عقد خیار طلاق کی پیشکش خود مرد کرتا ہے تو یہ درست نہیں (۲) البتہ اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور مرد اس کو قبول کرے تو درست ہے، اور عورت کو خیار طلاق حاصل ہو جائے گا، اور اگر معاہدہ تابید کے ساتھ ہو، ہو تو مرد کو یہ حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا، البناۃ ج ۲ ص ۵۰۵-۵۲۳

### ان دونوں شکلوں میں فرق کی وجہ دو ہیں۔

(۱) ایک وجہ جس کو علامہ عبدالرحمان الجزیری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں اب اگر یہ اختیار عورت کے حوالہ کر دیا جائے تو قلب موضوع لازم آئے گا، ہاں بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کو اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اس طرح کی شرطیں

لگانی پڑتی ہیں، ان حالات میں عورت اس کی پیش کش کر سکتی ہے، کیونکہ اس کو اس کی ضرورت ہے، اس وقت مرد اگر چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے، لیکن مرد خود ہی خیار طلاق کے اصول کو الٹا چاہے، جس کی اس کو خود ضرورت نہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، الفقہ علی المذاهب الاربعہ ج ۲ ص ۱۸۵

(۲) اس کی دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ اصول کے مطابق مرد عورت کو نکاح کے بعد ہی طلاق تفویض کر سکتا ہے نکاح سے قبل نہیں، تو جس شکل میں مرد از خود بوقت نکاح تفویض طلاق کی پیش کش کرے گا، تو یہ تفویض نکاح سے قبل قرار پائے گی، اس لئے کہ عقد اس وقت تمام ہوگا جب ایجاب و قبول دونوں ہو جائیں، اور اس صورت میں بوقت تفویض صرف مرد کی جانب سے ایجاب ہوا، عورت کی طرف سے قبول کا مرحلہ باقی ہے، اس لئے یہ تفویض قبل الطلاق ہوگی، جو باطل ہے، البتہ اگر عورت ایجاب نکاح کرتے ہوئے خیار طلاق کا مطالبہ کرے، اور مرد ایجاب کو قبول کرتے ہوئے اس کی فرمائش کو منظور کر لے، تو یہ تفویض طلاق کے تمام ہونے کے بعد قرار پائے گی جو قاعدہ کی رو سے درست ہے، فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۲۹۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۷۳

## نکاح میں ملازمت کی شرط

اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائیں کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے، تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کر لے۔

تو اس صورت میں مسئلہ کی دو شکلیں بن سکتی ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ جس ملازمت کی شرط لگا رہی ہے، اگر وہ ملازمت شرعی طور پر درست ہو، اور عورت حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے اس کو انجام دے سکتی ہو، اور دینے کا عہد کرے، تو مرد پر ضروری ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کا پاس رکھے اور عورت کے شرط کی تکمیل کرے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد نہیں بلکہ صحیح ہے، لیکن اگر ملازمت غیر شرعی ہو یا عورت کے لئے حدود شرعیہ کی رعایت مشکل ہو، یا وہ آزاد رہنا چاہتی ہو، تو اس شرط کو اگر مرد قبول بھی کر لے تو اس کی تکمیل واجب کیا جائز بھی نہیں۔

وإشار بما ذكره الى ان المنفعة المشروطة لها مما يباح لها الانتفاع به لانه لو شرط لها مع

المسمى ما لا يباح الانتفاع به شرما كالخمر والخنزير فان كان المسمى مشرة فصاعداً واجب



لها و بطل الحرام و لا يكمل مهر المثل لان المسلم لا ينتفع بالحرام فلا يجب عوض بغيره كذا

في ضاية البيان البحر الرائق ج ۳ ص ۱۶۰

(اس سے اس کا اشارہ ملتا ہے کہ جس منفعت کی شرط لگائی گئی ہو وہ جائز ہونی چاہئے، اگر ناجائز ہو مثلاً خمر، خنزیر کو مشروط کرے، تو مہر کی مشروع مقدار ہونے کی صورت میں صرف مہر مسمیٰ لے گا، اور حرام کا اسے حق نہ ہوگا، مہر مثل نہ لے گا، اس لئے کہ مسلمان کے لئے حرام سے انتفاع جائز نہیں، پس اس کے فوت نہ ہونے کی صورت میں الگ سے معاوضہ دینا لازم نہیں)

### قسم ثالث۔ نکاح کے وقت خارجی شرائط

تیسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم کے دائرے میں نہ آتی ہو، اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا۔ یا اس کو اپنے آبائی وطن سے باہر نکال کر نہیں لے جائے گا، یا اس طرح کی کوئی اور شرط لگانا جس کا تعلق عقد نکاح سے نہ ہو۔

صاحب البحر الرائق نے اس قسم کے تحت نوع بنوع شرائط کے لحاظ سے جو مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا بہترین اور جامع احاطہ کیا ہے، انہوں نے (۶۸۸) صورتیں فرض کی ہیں، ان کی عبارت یہ ہے۔

وقد يقال ان هذه المسئلة ملي وجوه ثلاثة لان الشرط اما ان يكون نافعا لها او لا جنبي او ضارا و كل منها اما ان يكون الوفاء حاصلًا بمجرد النكاح او متوقفاً على فعل الزوج فهي ستة و كل من الستة اما ان يكون مهر المثل اكثر من المسمى اور اقل او مساويا و كل من الثمانية عشر اما ان يكون قبل الدخول او بعده و كل من الستة و الثلاثين اما ان يباح الانتفاع بالشرط او لا و كل من الاثنتين والسبعين اما ان يشترط عليه رد شئ الىه او لا و كل من المائة و الاربعة و الاربعين اما ان يحصل الوفاء بالشرط او لا فهي مائتان و ثمانية و ثمانون فليتامل

(البحر الرائق ج ۳ ص ۱۶۱)

یعنی ابتدائی طور پر اس مسئلہ کی تین شکلیں ہیں (۱) جو شرط نکاح لے ہوتی ہے اس سے نفع عورت کو پہنچے گا (۲) یا کسی غیر متعلق شخص کو پہنچے گا (۳) یا کسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ پھر ان تینوں میں

سے ہر ایک کی دو، دو شکلیں ہیں (۱) وہ شرط عقد نکاح کے نتیجے میں بطور خود پوری کرنی ہوگی (۲) یا شوہر کے جداگانہ فعل پر موقوف ہے۔ اس طرح چھ شکلیں تیار ہوتی ہیں۔ پھر ان چھ میں سے ہر ایک کی تین تین شکلیں ہیں (۱) مقررہ مہر، مہر مثل سے زیادہ ہے (۲) یا کم ہے (۳) یا برابر ہے، اس طرح اٹھارہ شکلیں بنتی ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں۔

(۱) نکاح کے بعد دخول ہوا (۲) یا نہیں، اس طرح پچھتیس، ۱۳۶ شکلیں تیار ہو جاتی ہیں، پھر ان میں بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں (۱) شرط انتفاع شرعی طور پر جائز ہے (۲) یا نہیں، اس طرح بہتر ۱۷۲، صورتیں ہو جاتی ہیں، پھر ان میں بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں (۱) شوہر کے لئے عورت کی طرف سے کسی شئی کی واپسی مشروط ہے (۲) یا نہیں، اس طرح ایک سو چوالیس، ۱۳۲ صورتیں بنتی ہیں، پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں (۱) شوہر نے شرط پوری کی (۲) یا نہیں، اس طرح کل دو سو اٹھاسی ۶۸۸ شکلیں بن جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ساری صورتیں جائز نہیں ہو سکتی ہیں، ان کے لئے کچھ ایسے حدود و قیود اور شرائط لگانے ہوں گے، جن کی روشنی میں کسی بھی صورت کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکے، تو غور کرنے سے یہاں دو مرحلے سمجھ میں آتے ہیں (۱) ایک مرحلہ بوقت عقد شرط لگانے کا ہے (۲) دوسرا مرحلہ ان کی تکمیل و عدم تکمیل، اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجے کا ہے۔

### پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے میں کسی بھی صورت کے جواز کے لئے بنیادی طور پر یہ شرطیں لگانی جاسکتی ہیں (۱) ایسی شرطیں نہ لگانی گئی ہوں جن سے کسی کا نقصان یا حق تلفی لازم آئے، یا کسی کو مشقت سے دوچار ہونا پڑے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ ہونے والا شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے، اس طرح کی شرط لگانا بالکل گناہ ہے، حدیث پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے، تاکہ اس کا ظرف اپنے لئے خالی کر لے، اس لئے کہ ہر عورت کو وہی ملے گا جو اس کے لئے مقدر ہے“ (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۲)

اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو عورت کے آبائی مکان یا وطن سے منتقل کر کے کہیں اور نہیں لے جائے گا، اس لئے کہ اس میں شوہر پر غیر شرعی جبر ہے، اسی لئے فقہانے اس کو مشروط فاسدہ میں شمار کیا ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں۔

و النکاح لا تبطله الشروط الفاسدة كما اذا تزوجها صلی ان یطلقها و صلی ان لا ینقلها

من منزلها و نحو ذلك ابدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸

چند صفحات کے بعد یہ عبارت ہے ۔

وقال ان ما شرط الزوج من سلاق المرأة و ترک الخروج من البلد لا يلزمه فی الحكم ان

ذلك و صدلها فلا یكلف به ابدائع ج ۲ ص ۲۸۵

خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ سوکن کو طلاق دینے کی شرط ، یا آبائی مکان یا وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط ، شرط فاسدہ میں سے ہیں ۔ اس لئے اگر اس طرح کی شرطیں لگا بھی دی گئیں تو یہ محض وعدہ ہوگا ۔ عقد نکاح کی بناء پر ان کی تکمیل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ۔

(۷) دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ امر مشروط شرعی اعتبار سے ناجائز نہ ہو ، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا ، تو یہ شرعاً ناجائز ہے ، اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے جب مرد کو چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے ، تو عورت کا شرط لگا کر اس سے روکنا درست نہیں ، مفتی القدیر ج ۳ ص ۲۳۲ و الکفاۃ ج ۳ ص ۲۳۲

اگرچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اس خیال پر معقول نقد کیا ہے ۔ لیکن مہر حال حنفیہ کا نقطہ نظر یہی ہے

المضی ج ۷ ص ۲۲۹

## دوسرا مرحلہ

دوسرا مرحلہ شرائط کی تکمیل کا ہے ، اگر مذکورہ مشروط صورتوں میں سے کوئی صورت وجود میں آجائے تو کیا شوہر کو ان شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے یا نہیں ؟ اور اگر شوہر ان کی تکمیل نہ کرے تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے ؟ ان کی تعیین و تحدید کے لئے درج ذیل شرائط مقرر کئے جاسکتے ہیں ۔

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو ۔

(۲) اس شرط سے عورت کا یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار کا نفع متعلق ہو ، غیر متعلق شخص کا نہیں ۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو ۔

(۴) عورت کا مہر مثل ، مہر مقررہ سے زیادہ ہو



(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بنا پر لازم نہ ہوتا ہو، بلکہ شوہر کا جداگانہ عزم و عمل اس میں لزوم پیدا کرتا ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شئی کی واپسی مشروط نہ ہو، ماخوذ از فتاویٰ شامی ج

۲ ص ۳۷۵ و البحر ج ۳ ص ۱۶۱

اگر کسی مشروط صورت میں مذکورہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں، تو معاہدہ ہو جانے کے بعد شوہر کو مقررہ شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے۔ اگر وہ بوقت نکاح طے شدہ شرائط کی تکمیل کرے گا تو عورت کو صرف مہر مسمیٰ ملے گا، بصورت دیگر عورت کو مہر مسمیٰ لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ پورا مہر مثل شوہر کو دینا ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنے مہر مثل سے کم مقدار پر اس صورت میں راضی ہوتی تھی، جب اس کی شرطوں کی تکمیل کی جائے، تکمیل نہ ہونے کی صورت میں مہر مقررہ پر وہ راضی نہیں ہوگی، اس لئے مہر مثل دینا ہوگا جو نکاح میں اولیٰ طور پر لازم ہوتا ہے۔

مثلاً عورت نے نکاح کے وقت شرط لگائی کہ شوہر اس کے آبائی وطن سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا، یا شوہر اس کو کچھ ہدیہ تحفہ دے گا، یا مشکل کاموں کا پابند نہ کرے گا، وغیرہ۔ اور عورت کا مہر اس کے مہر مثل کے مقابلے میں کم ہے، تو شرط پوری ہونے کی شکل میں تو عورت کو مہر مقررہ ہی ملے گا، لیکن شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو مہر مثل دینا ہوگا۔

لیکن اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی کسی صورت مشروط سے مفقود ہو جائے تو، یا شوہر پر مقررہ شرائط کی تکمیل ہی ضروری نہ ہوگی یا یہ کہ تکمیل نہ ہونے کی صورت میں بھی عورت کو مہر مقررہ ہی ملے گا، مہر مثل نہیں۔ شامی کی درج ذیل عبارت سے مذکورہ بالا باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ضابطها ان یسمی لها قدر او مہر مثلها اکثر منه و یشرط منفعة لها او لا بیها او لذی  
رحم مرحم منها و کانت المنفعة مباحة الانتفاع متوقفة علی فعل الزوج لا حاصلة  
بمجرد النکاح ولم یشرط علیها رد شئی له وذلک کان تزوجها بالف علی ان لا ینخرجها من  
البلد او علی ان یكرمها او یهدی لها ہدیة ... فلو المنفعة لا جنبی ولم یوف فلیس لها الا  
المسمی لانها لیست منفعة مقصودة لاحد المتعاقدين اشامی ج ۲ ص ۳۷۵۔ کذا فی البحر

الرائق ج ۳ ص ۱۶۱

## مہرے متعلق شرطیں

فقہاء احناف کے نزدیک اشراط فی النکاح کا دوسرا بنیادی حصہ مہرے متعلق ہے جس کو فتح القدیر اور کئی کتب فقہ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

للمسئلة صورتان الاولى ان يسمى لها مهرا ويشترط لها معه مالها فيه نفع... والثانية ان يسمى لها مهرا على تقدير و آخر على تقدير آخر افتح القدير ج ۲ ص ۲۳۲. الكفاية ج ۳ ص ۱۷۳۲

یعنی مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ بوقت نکاح تعیین مہر کے ساتھ کچھ مفید شرطیں بھی لگائی جائیں (جس کے تفصیلی احکام بیان کئے گئے ہیں) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے مہر معلق مقرر کیا جائے یعنی اگر شرط پوری ہوگی تو مہر کی مقدار یہ ہوگی، اور پوری نہ ہوگی تو مقدار یہ ہوگی۔

عورت اس شرط پر شادی کرے کہ اگر ہونے والا شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا، تو مہر ایک ہزار ہوگا، ورنہ دو ہزار، یا یہ شرط کہ اگر شوہر اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہ کرے گا تو ایک ہزار مہر ہوگا ورنہ دو ہزار وغیرہ۔ ان مثالوں میں مہر کی مقدار معین نہیں ہے، بلکہ وہ موقوف ہے شرط کی تکمیل پر، اس طرح مہر کے تسمیہ میں جہالت پائی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ اس جہالت کا اثر نکاح کی صحت پر نہیں پڑے گا، البتہ مہر کا مسئلہ اس سے ضرور متاثر ہوگا، وہ اس طرح کے اس مسئلہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔

(۱) امر مشروط یقین کے ساتھ باسانی معلوم ہو سکتا ہے (۲) یا محتمل ہے۔

(۱) اگر امر مشروط یقین کے ساتھ باسانی معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً بوقت نکاح مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا، اور بدصورت ہوگی تو ایک ہزار، تو یہ مہر بھی معلق ہے، مگر خوبصورتی و بدصورتی پہلی ملاقات ہی سے یا دوسرے ذرائع سے معلوم ہو سکتی ہے، اور اس میں کوئی مشکل نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں شرط کے دونوں رخ بالاجتماع درست ہیں، یعنی اگر عورت بدصورت نکلی تو مہر

ایک ہزار پائے گی اور اگر خوبصورت نکلی تو دو ہزار پائے گی۔ فتاویٰ تاتار خانیہ ج ۳ ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳

اگرچہ کفایہ، قاضی خاں، اور کئی کتب فقہ میں نوادر ابن سماعہ کے حوالے سے امام محمد کی روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ اس صورت میں صاحبین اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے، یعنی صاحبین کے یہاں دونوں شرطیں جائز ہیں، مگر امام صاحب کے نزدیک بدصورتی کی حالت میں ایک ہزار مہر تو درست ہے، لیکن اگر عورت خوبصورت ثابت ہوئی تو دوسری شرط یعنی دو ہزار والی فاسد ہے، اور عورت کو اس کے بجائے مہر مثل لے گا، اور اس کو قیاس کیا ہے

ایک دوسرے بزنے پر وہ یہ کہ شرط لگائی کہ اگر عورت باندی ہو تو مہر ایک ہزار ہوگا ورنہ دو ہزار، تو اس شکل میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ثابت ہے، جب کہ یہاں بھی حسن و قبح کی طرح عورت بالیقین ایک ہی حالت پر ہے۔ الکفایۃ ج ۳ ص ۲۳۲۔ قاضی خان ج ۱ ص ۱۳۰

لیکن علاء ابن نجیم مصری نے سماعہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حسن و قبح کے مسئلہ کو آزادی و غلامی کے مسئلہ پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آزادی و غلامی کے بزنے میں اگرچہ عورت بالیقین ایک حالت پر ہوتی ہے، مگر اس کا پتہ لگنا اتنا آسان نہیں ہوتا، اس کے برخلاف عورت کے حسن و قبح کا پتہ چلنا بہت آسان ہے، اس بنا پر اس میں جہالت اتنی فحش نہیں ہے کہ تسمیہ مہر کو باطل قرار دیا جائے، اور اسی لئے امام صاحب بھی راجح قول کے مطابق صاحبین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔

واجاب فی البحر بان الصراة و ان كانت فی الكل علی صفة واحدة لكن الجهالة قوية فی الحریة و عدمها لانها لیست امرا مثلہندا ولذا لو وقع التنازع احتیج الی اثباتها فکان فیها مخاطرة معنی بخلاف الجمال و القبح فانہ امر مشاہد فجهالته یسیرة لزوالها بلا مشقة اشامی ج ۲ ص ۱۳۷

فما فی نوادر ابن سمامۃ من الخلاف ضعیف (البحر رائق ج ۳ ص ۱۲۲)

دونوں عبارتوں کا مضموم اوپر آچکا ہے۔

(۷) اور اگر امر مشروط یقین کے ساتھ باسانی معلوم نہ ہو سکتا ہو بلکہ محتمل ہو، مثلاً عورت کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، یا شوہر کے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط، اس کی فی الحال کیا ضمانت ہے اور نہ کوئی یقینی علم ہے، اس لئے مہر کی دو مقداروں میں سے اقل ترین مقدار (مثلاً ایک ہزار روپیہ) پر تو بہر حال فریقین متفق ہیں، اور اس حد تک خاص جہالت نہیں ہے۔ البتہ (ایک ہزار سے فاضل) زائد مقدار موقوف ہے شرط کی تکمیل پر، جس کا نہ علم ہے نہ ضمانت، اس لئے جہالت کی بنا پر فاضل مقدار کا جو تسمیہ کیا گیا ہے وہ باطل قرار پائے گا، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر شرط کی تکمیل شوہر نہ کر سکے تو مہر مسمیٰ کے بجائے اس کو مہر مثل رضا ہوگا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں مقداریں درست ہیں اور تکمیل شرط کی صورت میں ایک مقدار اور عدم تکمیل کی صورت میں دوسری مقدار واجب ہوگی، البتہ ج ۲ ص ۲۳۲، بدائع الصنائع ج ۲ ص

استدلالی اعتبار سے تو امام صاحب ہی کا قول مضبوط معلوم ہوتا ہے، مگر موجودہ حالات میں سولت یا مصلحت



کی خاطر یا بالعموم اس جہالت کے منفعی الی النزاع نہ ہونے کی بناء پر صاحبین کے قول پر بھی عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

### خلاصہ جوابات

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ان کو پورا کرنا واجب ہوگا

البحر الرائق ج ۳ ص ۱۶۱۔ شامی ج ۲ ص ۳۷۵

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری

سے گریز ہو، باطل ہے، البتہ نکاح درست رہے گا، صالگیری ج ۱ ص ۲۰۹۔ فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص

۳۳۱

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا کہ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل

ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد

ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو اس طرح کی شرطیں لگانا تو نہیں چاہئے، بدائع

الصنائع ج ۲ ص ۷۸۵، لیکن اگر لگادی جائیں تو درج ذیل شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کی تکمیل کرنی ہوگی اور عدم تکمیل کی صورت میں عورت مہر مسمی کے بجائے مہر مثل پانے کی حقدار ہوگی۔

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو۔

(۲) اس شرط سے عورت یا اس کے قریبی رشتہ دار کا نفع متعلق ہو، غیر متعلق شخص کا نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو۔

(۴) عورت کا مہر مثل اس کے مہر مقررہ سے زیادہ ہو۔

(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بناء پر لازم نہ آتا ہو بلکہ شوہر کے جداگانہ حرم و عمل پر موقوف ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شیئی کی واپسی مشروط نہ ہو (شامی ج ۲ ص ۳۷۵ و

البحر ج ۳ ص ۱۶۱)

(الف) اس کا جواب نمبر (۲) میں گزرا۔

(ب) اس کا جواب نمبر (۳) میں گزرا۔

(ج) شرط شرعاً معتبر ہے، صالگیری ج ۱ ص ۷۷۳ اور اگر شرط مؤبد طور پر لگائی گئی ہو تو شوہر کو عورت کا حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا، البناية ج ۲ ص ۵۰۵ ج - ص ۵۲۳) نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں۔

- (۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہو جائے
  - (۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط
  - (۳) عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔
- شرائط کے سلسلے میں اس قسم کی تفصیل مجھے حنفیہ کے یہاں نہیں ملی، البتہ شافعیہ اور حنبلیہ کے یہاں بعض اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً حنبلیہ کے مسلک کے ذیل میں "الفقه علی المذاهب الاربعہ" میں یہ عبارت ملتی ہے۔

وتعتبر هذه الشروط سواء كانت في صلب العقد او اتفاقاً عليها قبله (ج ۲ ص ۱۸۸)

یعنی ان شرائط کا بہر صورت اعتبار کیا جائے گا، خواہ صلب عقد میں ان پر اتفاق ہو یا عقد سے پہلے اسی طرح شافعیہ کے یہاں بعض شکلوں میں اس تعلق سے کچھ ذکر ملتا ہے، شافعیہ کے نزدیک شرائط کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ بوقت عقد ان پر اتفاق ہوا ہو۔ عقد سے خارج خواہ پہلے ہو یا بعد میں طے ہونے والی شرائط کا ان کے نزدیک اعتبار نہیں۔

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانه لا يعمل بها، الفقه علی المذاهب الاربعہ

ج ۲ ص ۱۸۹

حنفیہ کے اصول کے مطابق اگر غور کیا جائے تو شرائط کا اثر نکاح پر تو بہر حال نہیں پڑتا اب محض اس کی تکمیل کی بات رہ جاتی ہے تو حدیث پاک۔

احق ما اوفيتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف ج ۲ ص

۱۷۷۲)

پورا کرنے کے سب سے زیادہ لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے تو بہر معاہدہ اگر جائز ہو، اور قلب موضوع لازم نہ آتا ہو، تو واجب التکمیل ہے۔ لیکن وہ شرطیں جو بوقت نکاح طے کی جائیں، وہ دوسرے معاہدات و شرائط کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور ان کو پورا کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے، ورنہ انسان گنہگار ہوگا۔

نکاح کے وقت تعویض طلاق کی صورت میں قلب موضوع لازم آنے اور مصلح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ بالیقین ہے، اسی لئے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا آغاز مرد کی جانب سے ہونا جائز نہیں، اس کے علاوہ دوسری مزید احتیاطی قیدیں بھی بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلاً عورت کو خیار طلاق مؤبد طور پر نہ دیا جائے۔ بلکہ وقت مقرر کے لئے دیا جائے یا یہ کہ بعض محدود شکلوں میں دیا جائے اور اگر شوہر چاہے تو اس خیار کو اپنی مشیت کے ساتھ مشروط بھی کر سکتا ہے، تاکہ عورت اس اختیار کا بیجا استعمال نہ کر سکے وغیرہ۔

دلائل کے لحاظ سے تو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کا موقف ہی زیادہ مضبوط ہے، مگر حالات کی بنا پر اگر صاحبین کے مسلک پر فتویٰ دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت کا جواب بھی وہی ہے جو پہلی صورت میں گزرا۔

ملازمت شرعی ہو، اور عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام دے سکتی ہو، تو شوہر کو اپنے معاہدے پر عمل کرنا ہوگا، لیکن اگر ملازمت شرعی نہ ہو، یا عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام نہ دے سکتی ہو، تو یہ معاہدہ لغو ہے اس پر عمل کرنا واجب تو درکنار جائز بھی نہیں (کافی البحر ج ۳ ص ۱۶۰)



## مشروط نکاح اور اس کے احکام

مفتی اقبال احمد کانپوری

نکاح کے بعد مرد و عورت دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں، زوجین کی ملی جلی زندگی میں حق تعالیٰ نے شوہر کو منظم اور نگران قرار دیا ہے، اور عورت کو اس کا تابع اور زیر اثر، تاکہ خاندانی معاشرہ کا نظم برقرار رہے، ہر ایک حاکم بن کر طوائف الملوک کی راہ نہ اپنا سکے، اور شیرازہ بکھرنے سے محفوظ رہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الرجال قوامون على النساء، اسورة النساء، پ ۵) مرد، عورتوں پر حاکم ہیں۔

مذکورہ اصل کا تقاضا تو یہی ہے کہ عورت شوہر کے پاور میں رہے، نکاح میں شروط کا اضافہ کر کے مرد کو کمزور اور بے وزن نہ بنا دیا جائے، گویا نکاح کا شروط سے خالی ہونا ہی نکاح کی اصل روح ہے حتیٰ کہ امام اہل رحمہ اللہ علیہ نے مشروط نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور مشورہ دیا کہ ایسا نہ کریں ایسا کرنا مقاصد نکاح میں خلل انداز ہوگا۔

انسی لا کرہ ان ینکح علی مثل هذا احدان لا ینخرجها من بلدھا ولا یمنعھا من حج و لا صرۃ قال فاذا کان هكذا فهو لا یملکھا ملکا تاما و لا یمتباح البضع الا بملک تام الخ او جز شرح مؤطا امام مالک ص ۳۲۱ ج ۱۲، بیشک میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اس طور پر نکاح کرے کہ عورت کو وہ شہر سے نہ باہر لے جائے گا یا اس کو حج و عمرہ سے نہ روکے گا کیونکہ جب عورت کی یہ شرطیں ہوں گی تو عورت پر ملکیت تامہ مرد کو نہ ہوگی حالانکہ ملک بضع میں مرد کو ملکیت تامہ کے ساتھ اجازت ہوتی ہے۔

البتہ بعض مواقع میں حالات کے پیش نظر شروط مقرر کرنا معاشرہ کی ایک ضرورت بھی ہے جس کا خصوصاً اس

زمانہ میں انکار نہیں کیا جاسکتا اسی لئے شروط کے اقسام اور احکام فقہاء نے ذکر کئے ہیں تاکہ موقع پر وہ مسائل پیش نظر رہیں جس کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

قال الخطابی الشروط فی النکاح مختلفۃ فمنہا ما یجب الوفاء بہ اتفاقاً وهو ما امر اللہ من امساک بمعروف او تسریح باحسان۔

و منها ما لا یوفی بہ اتفاقاً کسوال مطلق اختہا و منها ما اختلف فیہ کاشتراط ان لا یتزوج علیہا ولا ینقلہا من منزلہا الی منزلہ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۵)

نکاح میں ذکر کی جانے والی شرطیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں ان میں سے (۱) بعض وہ ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے مثلاً ماوربہ چیزیں (شرائط میں ہوں) "امساک بالمعروف" یا بخلے طریقے سے چھوڑ دینا (۲) بعض شرائط وہ ہیں جن کو بالاتفاق نہیں پورا کیا جاسکتا مثلاً نکاح، طلاق کی شرط کے ساتھ۔ (۳) بعض شرائط میں اختلاف ہے کہ پورا کرنا واجب ہے یا نہیں، مثلاً منکود رہتے ہوئے دوسرے سے نکاح نہ کرے یا اس کو اس کے گھر سے کہیں اور اپنے گھر منتقل نہ کرے وغیرہ شرائط لگانا۔

## شرائط کا ایک عمومی حکم

نکاح میں ذکر کی جانے والی شرط کی تین قسمیں ہیں جن کا حکم علاحدہ علاحدہ ذکر کیا جاتا ہے لیکن ان تینوں کے درمیان جو مشترک حکم ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی شرط کے لگانے سے عقد نکاح میں کچھ فرق نہیں پڑتا (الایہ کہ فسح نکاح یا طلاق کے اختیار سے متعلق کوئی شرط عورت کو حاصل ہو جس کی تفصیل تقویض طلاق کے تحت آرہی ہے) کیونکہ نکاح ان معاملات میں سے ہے جس میں تعلیق و اشتراط، نکاح کے فساد و بطلان میں مؤثر نہیں ہوتے اس لئے کسی شرط کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے (خواہ وہ شرط مناسب ہو یا عقد کے لئے نامناسب ہو) شرط نکاح کے حق میں لغو قرار پاتی ہے، البتہ وہ شروط از قبیل عمود ہوتی ہیں، جہاں ایفاء وعدہ واجب ہے وہاں ان شروط کا پورا کرنا واجب ہوگا ورنہ حرام شرط ناجائز کام کے وعدہ کی طرح واجب الترتک قرار پائے گی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں نکاح اپنی تمامتر صحت کے ساتھ باقی رہے گا۔ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔ "مشروط نکاح درست ہے اگرچہ شرط پوری نہ کرے، اگرچہ شوہر کو (جائز) شرائط پوری کرنا ضروری تھا مگر پورا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں پڑتا"

و لا یشبت فی النکاح خیار الرؤیة و العیب و الشرط . حتی انه فعل ذلك فالنکاح جائز و

الشرط باطل الخ (عالمگیری ج ۱ ص ۷۵۵)

ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط (شامی ج ۲ ص ۲۹۲)

مالا یبطل بالشرط الفاسد النکاح الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۷)

نکاح میں خیار رویت، عیب و خیار شرط ثابت نہیں ہوتے حتیٰ کہ اگر کوئی خیار شرط وغیرہ لگائے تو نکاح جائز اور شرط باطل ہے (عالمگیری)

اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل رہتی ہے (شامی)

جو معاملات شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتے ان میں نکاح بھی ہے (بحر الرائق)

جیسا کہ ذکر کیا گیا نکاح میں شرط مؤثر نہیں ہوتیں، البتہ شرط کا پورا کرنا نہ کرنا یہ شرطوں کے جائز ناجائز ہونے پر مبنی ہے، موافق اور جائز شرط کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے خلاف شرع شرط کا پورا کرنا کسی بھی طرح واجب نہیں بلکہ ناجائز ہے، اس اصول کے پیش نظر تینوں قسموں کی شرط کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

## شرط کی پہلی قسم

یعنی ایسی شرائط نکاح میں ذکر کرنا جس میں کسی نئی چیز کا مطالبہ نہیں ہوتا بلکہ شرائط میں ذکر کردہ چیزیں بلا شرط بھی نکاح کے حقوق میں شامل اور شمار کی جاتی ہیں یا وہ عقد نکاح کے تعلق سے کے عین مطابق ہیں ایسی شرط بلا شبہ واجب الایفاء ہیں اور ایسی شرائط کے مذکور ہونے نہ ہونے کا اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ ان شرائط میں وہ چیزیں مذکور ہیں جو اگر مذکور نہ بھی ہوتیں تو بھی ان کے مطابق ہی تعمیل واجب تھی، گویا شرائط کا ذکر تحصیل حاصل ہے البتہ تاکید و تذکیر جیسے فوائد اس سے حاصل ہوں گے۔ ان شرائط کی خلاف ورزی سے جب کہ تفصیل سے ذکر کیا گیا نکاح میں فرق نہیں پڑتا الا یہ کہ شرائط میں فسخ نکاح کا اختیار عورت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو جس کی بحث تقویض طلاق کے تحت آرہی ہے۔

## دوسری قسم

یعنی ناجائز شرط نکاح میں ذکر کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شرائط (۱) جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں مثلاً رہائش و سکنی کا حق عورت کو نہ ہوگا، یا ایسے (۲) شرائط جو حقوق زوجیت کے خلاف ہوں مثلاً عورت



یہ شرط لگانے کہ جماع و استمتاع کا حق مرد کو نہ ہوگا یا کوئی ایسے (۳) شرائط نکاح میں عائد کرنا جو شرعاً ممنوع و منہی  
عندہ ہوں، مثلاً نکاح اس شرط پر ہو کہ مرد اس کو طلاق دے دے گا، اس قسم کی ناجائز شروط کے ساتھ جو نکاح منعقد  
ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ شرطوں کے فاسد و ناجائز ہونے سے نکاح میں تو فرق نہیں پڑتا ساتھ ہی ان شرائط پر عمل  
بھی جائز نہیں، بلکہ خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ایسے شرائط کی مخالفت ضروری ہے اس لئے اس قسم کی شروط  
لغو و کالعدم قرار دی جاتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل (متفق علیہ)

جو شرط کتاب اللہ (کے موافق) میں نہ ہو وہ باطل ہے (بخاری و مسلم)

فتح اللہ شرح مسلم میں ہے۔

وقد اجمعوا علی انہا لو اشترطت علیہ ان لا یغنا، ما لم یجب الوفاء، بذالک الشرط (ح ۶)

ص ۲۶۱

اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت نے اگر نکاح میں صحبت نہ کرنے کی شرط مرد سے طے کی تو اس شرط کا ایفاء  
واجب نہیں ہے (فتح اللہ)

لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط (شامی)

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا اور شرط باطل و لغو ہو جاتی ہے (شامی)

## شرط کی تیسری قسم

یعنی مباح شرائط جن کے ذریعہ وہ مقاصد مطلوب ہوتے ہیں جو نفس عقد سے حاصل نہیں ہوتے اور وہ  
شرائط و مقاصد خلاف شرع بھی نہیں ہیں، اسی لئے ان کو مباح شرائط سے تعبیر کیا ہے، بہر حال ایسے شرائط کا مشور  
حکم یہ ہے کہ باہنی رضا سے اگر یہ شرائط عقد نکاح کے وقت طے پا جائیں تو ان کا ایفاء واجب ہے، حدیث شریف  
میں اس قسم کے شرائط کی تکمیل کو واجب قرار دیا ہے۔ شرط نہ پورا کرنے پر اگر عورت نے فسخ کا اختیار لیا ہے  
تو اس کا استعمال کر سکتی ہے، ورنہ شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں نکاح میں فرق نہیں پڑتا، البتہ شرط کی خلاف  
ورزی کا گناہ ہوگا۔

احق الشروط بالوفاء شروط النکاح (فتح الباری ح ۹ ص ۱۷۵)

جو شرطیں ایفاء کے زیادہ لائق ہیں ان میں اولین شرائط نکاح ہیں۔

اذا تزوج الرجل امرأة و شرط لها .. ان لا يخرجها من محرمها فليس له ان يخرجها

(ترمذی ج ۱ ص ۱۳۲)

حضرت فاروق اعظم کا ارشاد ہے کہ جب مرد عورت سے نکاح کرے اور عورت کے لئے کوئی شرط لگائے۔ مثلاً اس کو اس کے شہر سے نہ نکالے گا تو اب مرد کے لئے اجازت نہیں ہے کہ عورت کو باہر لے جائے۔

المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق (الحديث) (تفسیر مظہری)

جو شرطیں حق کے موافق ہوں مسلمان ایسی شرطوں کے پابند ہوں گے۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (رواہ البخاری)

جو شرطیں زیادہ لائق و فاء ہیں، وہ ہیں جن کے ذریعہ رشتے حلال ہوتے ہیں۔

فتاویٰ دار العلوم میں بعنوان "مشروط نکاح درست ہے اگرچہ شرط پوری نہ کرے" کے تحت ہے، الجواب۔ اگرچہ شوہر کو دینا شرط کا پورا کرنا ضروری تھا مگر پورا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ

اصلم ص ۱۰۸

## شروط نکاح کا مصداق

شرائط نکاح کے ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ مشروط نکاح کا مصداق وہی نکاح ہوگا جس میں شرائط کا ذکر نفس عقد نکاح ہی میں شامل ہو اگر قبل النکاح یا بعد النکاح شرائط طے کئے گئے تو وہ نکاح کے شرائط نہ ہوں گے ان پر شرائط نکاح کا اطلاق مجازا ہوگا، حقیقتاً وہ نکاح مشروط نہ ہوگا بلکہ ان کے لئے وعدہ اور عہد کا لفظ زیادہ موزوں ہوگا، اس لئے نکاح میں اگر کوئی ایسی شرط عائد کی جائے جس کی خلاف ورزی سے عورت فسخ چاہتی ہو تو اس کی صراحت نکاح کے وقت ہی عورت کی طرف سے ہونی ضروری ہے پھر مرد کا اس کو قبول کے وقت منظور کرنا بھی ضروری ہے اور اگر نکاح کے وقت شرائط نہ ذکر ہوں بلکہ قبل النکاح شرائط طے کئے جائیں تو ان شرائط میں نکاح کی طرف نسبت ہونی ضروری ہے یعنی اس طرح طے کر لینا کہ اگر ہمارا نکاح اس سے ہو تو بعد نکاح مرد پر یہ لازم یا بعد نکاح عورت کو یہ اختیار ہوگا وغیرہ وغیرہ، اگر قبل النکاح شرائط میں نسبت الی النکاح نہ ہوتی تو وہ شرائط لغو ہوں گی، عورت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا، البتہ بعد النکاح شرائط معتبر ہوں گے۔

کفایت المغنی میں ہے۔

سوال: لڑکی والے نکاح نامہ میں نلک سے یہ شرطیں لکھواتے ہیں کہ اتسا نفقہ ماہوار دیا جائے اور مرد

عورت پر ظلم نہ کرے اور اگر اس کے خلاف ہوگا تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ مرد کو چھوڑ دے، یا اس طرح کہ اگر اس کے خلاف ہو تو عورت کو طلاق ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا طلاق نامہ کی یہ شرطیں صحیح ہیں؟ اور کیا ان کی رو سے خلاف شرط ہونے پر عورت خاوند کو چھوڑ سکتی ہے؟ یا اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا، یا عورت کو کسی شرط پر طلاق اپنے اوپر ڈال لینے کا اختیار دینا، یہ دونوں باتیں جائز اور صحیح ہیں، لیکن دونوں میں یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دینے کا ذکر ہے وہ اس تعلق و تعویض کے وقت منکوحہ ہو یا طلاق کی اضافت نکاح کی جانب ہو، مثلاً یوں کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پس یہ نکاح نامے جن میں شرط مذکورہ فی السؤال لکھی جاتی ہیں، اگر عقد نکاح سے یعنی ایجاب و قبول سے پہلے لکھے گئے تو بالکل بے کار ہیں، ان کی رو سے نہ عورت کو طلاق ڈالنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور نہ خلاف شرط ہونے کی صورت میں اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے، کیونکہ بوقت تحریر نکاح نامہ نہ وہ منکوحہ تھی نہ اضافت الی النکاح پائی گئی۔

و لا تصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيفه الى ملك الى قوله فان قال  
لاجنبيه ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق لان الحالف ليس  
بمالك وما اضافة الى الملك وسببه ولا بد من واحد منهما (هداية) والله اعلم (كفاية المفتي  
ص ۲۵۸ جلد ششم)

### عورت کی ملازمت کی شرط

نکاح میں ذکر کردہ شرط کی اقسام اور ان کی نوعیت واضح ہونے کے بعد عورت کی ملازمت کی شرط کا حکم بھی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ شریعت نے عورت پر من حیث المسلم جو شرعی پابندیاں پردہ وغیرہ کے قبیل کی عائد کی ہیں وہ باہر کی ملازمت کی صورت میں عموماً نہیں ہو سکتیں، نیز عورت پر من حیث الزوجہ جو حقوق ہیں وہ بھی ملازمت کی صورت میں عموماً بری طرح پامال ہو جاتے ہیں، مثلاً علامہ کاسانی وغیرہ نے جو نکاح کا حکم بیان کیا اس کی روشنی میں یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ ملازمت کی شرط اصل نکاح کے تقاضا کے خلاف ہے لہذا یہ شرط فاسد کی طرح ہے اگر عورت یہ شرط لگائے تو مرد اس کا پابند نہ ہوگا اور یہ شرط لغو قرار پائے گی اور نکاح بدستور باقی رہے گا۔ البتہ ملازمت اگر ایسی ہو کہ مقاصد نکاح میں واقعی خلل نہ ہو تو ملازمت کی یہ شرط جواز کے دائرہ میں آئے گی اور شوہر کے لئے واجب العمل ہوگی۔ بدائع الصنائع میں ہے۔



و منها ای حکم النکاح ملک الحبس و القید هو صیرورتها ممنومة من الخروج و البروز لقوله تعالى استكنوهن و الامر بالاسکان نهی من الخروج و البروز و لانها لو لم تكن ممنومة من الخروج و البروز لاختل السكن و النسب لان ذلك مما یریب الزوج و یحمله علی نفس النسب و للزوج ان یطالبها بالوطنی متى شاء ابدانج ج ۲ ص ۱۳۶

نکاح کا حکم مرد کا حبس و قید کا مالک ہونا ہے، یعنی عورت خروج اور باہر آنے سے رکی رہے گی، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے " استکنوهن " اسکان کے حکم کا مطلب عورت کو باہر نکلنے اور ظاہر ہونے سے روکنا ہے اور اگر عورت پر باہر نکلنے پر پابندی نہ ہو تو رہائش میں ظنل وقع ہوگا نیز نسب میں ظنل کا خطرہ ہے اس لئے کہ مرد کو شہادت ہوں گے اور نسب کے انکار پر ظنل وقع ہوگا، نیز شوہر کو عورت سے جب چاہے صحبت کے مطالبہ کا حق ہے جو عورت کے باہر رہنے سے پورا نہیں ہو سکتا۔

### نکاح میں تفویض طلاق کی شرط

اصولی طور پر طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کے حوالہ کیا ہے، اس لئے کہ عورت کی بزم طبیعت، جلد متاثر ہو جائے والا مزاج اور زود رنجی و عاجلانہ اقدام والے ذہن کی بنا پر عورت کو اگر اختیار ہوتا تو طلاق آئے دن کا کھلونا اور نکاح بازیچہ اطفال بن جاتا، نیز نکاح کے مقاصد میں ظنل وقع ہوتا اور معاشرتی زندگی جس میں ذمہ دار کی حیثیت مرد کو حاصل تھی وہ غلام بن کر رہ جاتا، ان سب امور کے پیش نظر طلاق کا اختیار اصلاً مرد کے ہاتھ دیدیا گیا ہے، عورت کو صرف غلغ و ظلم کے موقع میں قانونی چارہ جوئی کا حق دیا گیا ہے۔

لیکن اگر مرد مصلح کی بنیاد پر اپنے اس حق طلاق کا اختیار عورت کے حوالہ کر دے تو اس کی بھی اجازت ہے، اسی طرح اگر عورت نکاح اس شرط پر کرے کہ مرد طلاق کا حق اس کے سپرد کر دے تو مرد کی اجازت کے بعد عورت بھی طلاق کی مالک بن سکتی ہے۔ جب مرد طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دے تو اب مرد طلاق کا مالک نہیں رہ جاتا ہے، مرد طلاق کا اختیار زبانی طور پر بھی عورت کو دے سکتا ہے اور تحریری شکل میں ہونا بہتر ہے جیسا کہ شادی کے موقع پر قبول نامہ برتب کر کے شوہر سے اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں، طلاق کا اختیار اگر شوہر متعین مدت تک کے لئے دے تو عورت، اس متعین مدت کی پابند ہوگی، متعین مدت گزر جانے کے بعد اختیار ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی خاص حالت و موقع کے لئے اختیار سپرد کیا ہے تو اس موقع ہی تک اختیار محدود رہے

نكحها صلی ان امرها بیدها صح (در مختار)

عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ عورت کے حوالہ ہے تو صحیح ہے۔

ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک ولا ینہاها عما جعل الیہا (عالمگیری ج ۱ ص ۳۸۶)

اور شوہر کو اس دئے ہوئے اختیار سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ اس اختیار کے استعمال سے وہ عورت کو روک سکتا ہے۔

واما الموقت بشہر مثلا فلا یبطل بذالک مادام الوقت باقیہا (شامی ج ۲ ص ۷۵۲)

البتہ غیار موقت مثلا ایک مہینہ تک کا اختیار تو مہینہ اور موقت مدت تک باطل نہ ہوگا (پھر اختیار ختم ہو جائے گا)

جیسا کہ ذکر کیا گیا بعد تعویض رجوع کا حق مرد کو نہیں ہے، لیکن اگر مرد طلاق کا حق پھر اپنے ہاتھ لینا چاہے تو اس کی شکل فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ عورت کو منائے اگر وہ اپنے اختیار سے دستبردار ہو کر پھر اس کو مالک بنا دے تو مرد دوبارہ مالک بن جائے گا اسی طرح اگر مرد عورت کو کچھ مال وغیرہ دے کر یہ حق دوبارہ حاصل کر لے تو بھی حق طلاق واپس آجائے گا، لیکن اس کے لئے عورت کو مال و نالینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا گناہ بھی ہوگا، اور اس لئے مال و نالینا واجب نہیں ہے۔ تاکہ رشوت نہ لازم آئے۔

لوخیرھا ثم جعل لھا شیئا لتختارہ فاختارہ لم یقع (بحر ج ۳ ص ۳۱۱)

ولا یجب المال لانه رشوة (ایضاً)

اگر عورت کو اختیار دے دیا پھر عورت کو کچھ دیا تاکہ وہ اختیار مرد کے حوالہ کر دے چنانچہ پھر عورت نے اختیار مرد کو دیدیا تو اب عورت طلاق وقع نہیں کر سکتی البتہ مال کی ادائے کی واجب نہیں اس لئے کہ یہ رشوت ہے۔

اگر کسی ضرورت کی بنا پر مرد سے تعویض طلاق یا توکیل طلاق ناگزیر اور بعد نکاح زبردستی تعویض طلاق یا توکیل طلاق کا اختیار لیا گیا تو بھی عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا اگرچہ شوہر کی رضا نہیں ہے کیونکہ طلاق بغیر رضامندی کے بھی واقع ہو جاتی ہے۔

فاما المتق والمطلق فلا یشرط فیہا الرضا (بحر ج ۸ ص ۷۵)

بہر حال وقوع طلاق و حاق میں رضا شرط نہیں ہے

تعویض طلاق سے متعلق مسائل کا احاطہ نہ مقصود ہے نہ یہاں گنجائش، البتہ زیر بحث مسئلہ میں تعویض کی ان

صورتوں پر شرائط کی تفصیل ضروری ہے جو تقویض قبل النکاح یا بوقت نکاح یا بعد نکاح مرد کی طرف سے عورت کے لئے ہوں۔

### تقویض قبل النکاح

عقد نکاح سے پہلے ہی اگر مرد طلاق کا اختیار زبانی یا تحریری عورت کے سپرد کر دے، یا نکاح سے قبل اس طرح کے شرائط طے ہو جائیں کہ جس میں عورت کو طلاق کا مالک بنا دیا گیا ہو اور اس میں فریقین زبانی طور پر متفق ہوں یا تحریر کو مستحکم ہو جائیں تو یہ شکل اس شرط کے ساتھ درست ہوگی کہ ان شرائط یا گفتگو میں (جس میں وہ مرد طلاق کا مالک و مختار نکاح سے قبل ہی عورت کو بنا رہا ہے) نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہو اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوتی تو یہ اقرار نامہ یا معاہدہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا اضافت الی النکاح کی یہ صورت ہوگی کہ "اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو بعد نکاح، طلاق کا اختیار تمہیں کو ہوگا" یا "جب میرا تم سے نکاح ہو جائے تو بعد نکاح اگر میں ان شرائط کی خلاف ورزی کروں تو تم کو طلاق اپنے اوپر وقع کرنے کا اختیار ہوگا" اس طرح کی قید معاہدہ یا شرائط نامہ میں (قبل النکاح کی صورت میں) ہونا ضروری ہے۔

وشرطه الملك او الاضافة كان نکحتک فانت طالق اباب التعلیق در مختار

طلاق وغیرہ کے لئے شرط ملکیت نکاح، یا نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہے جیسا کہ اگر میں نکاح کروں تو

طلاق وغیرہ۔

کفایت المغنی میں ایک سوال کے جواب میں ہے :

جواب : یہ تعلق اگر قبل النکاح واقع ہوتی ہے تو لٹو ہے کیونکہ اس وقت تک منکوحہ پر اسے ملک استمتاع حاصل نہیں تھی اور اس تعلق میں اضافت الی الملك بھی نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح تعلق کی گئی ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں اور پھر کچھ ماہ تک نفقہ نہ دوں تو تجھ پر طلاق ہے تو تعلق صحیح ہو جائے گی، اسی طرح اگر بعد النکاح یہ تعلق واقع کی گئی ہو تو بعد وجود شرائط عورت پر طلاق پڑے گی، کفایت المغنی ج ۲ ص ۱۲۲۹

قال لا جنبة مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها فلی طالق ثم تزوجها فتزوج

عليها امرأة لا يقع ولو قال ان تزوجتک مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها والمسئلة

بعالها. يقع. کذا فی الوجیز. (عالمگیری)

اگر کسی نے غیر منکوحہ اجنبی عورت سے یہ کہا کہ جب تک تو میرے نکاح میں ہے پس جس عورت سے میں تم پر نکاح کروں اس کو طلاق پھر اجنبی سے نکاح ہوا اور اس پر ایک عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق نہ ہوگی، اور



اگر یہ کہا تھا اجبیہ سے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو جب تک تم نکاح میں رہو گی پس جس عورت سے میں نکاح کروں تو اس کو طلاق پھر مذکورہ صورت نکاح کی پیش آتی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

### تفویض بوقت نکاح

اگر عین ایجاب و قبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے جس کے نتیجے میں عورت کو تفویض طلاق حاصل ہو تو اس صورت میں خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو یہ تفویض و اختیار کی شکل جب ہی درست ہوگی جب کہ ان شرائط و تفویض کے مطالبہ کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو جس میں وہ شرائط تفویض کا ذکر کرے اور قبول مرد کی جانب سے ہو، اگر اس کے برعکس ہو تو درست نہیں کیونکہ مرد کی جانب سے تفویض ہوتی تو وہ قبل نکاح ہو جائے گی جو صحیح نہیں۔

نكحها صلی ان امرها بیدها صح (در مختار) قوله صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك صلی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او صلی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدها كما فی البحر من الخلاصة (در مختار مع الشامی ص ۵۲۶ " علی هامش صالمگیری ص ۳۷۹)

عورت سے نکاح اس شرط پر ہوا کہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے، البتہ قید اس میں یہ ہے کہ اس شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو پس عورت یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح تجھ سے کیا اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی اپنے کو طلاق واقع کر لوں گی پھر شوہر نے اس کو قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے، لیکن اگر شوہر نے آغاز کیا تو طلاق کا اختیار عورت کو نہ ہوگا۔

البتہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب اس طرح ہو کہ "میں نے تجھ سے نکاح اس شرط کے ساتھ کیا کہ تجھ سے نکاح کے بعد ترا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا، تو درست ہے۔"

حیلة اخرى ان يقول الزوج المحلل للمرأة تزوجتك صلی ان امرک بیدک بعد ما تزوجتک و مطلق نفسي كلما تریدین فقالت المرأة قبلت یصیر الامر بیدها. (صالمگیری کتاب البیہل ج ۲ ص ۳۹۶) (فتاویٰ خانیا ص ۳۲۰)

### احتیاطی تدبیر

تفویض طلاق کے مسئلہ میں ایک احتیاطی تدبیر یہ کرنی چاہئے کہ چونکہ عورت کے اندر قوت فیصلہ کمزور ہوتی

ہے اور زود رہی جیسی صفات غالب اس لئے قوی اندیشہ ہے کہ تعویض طلاق کے اختیار حاصل ہونے سے شوہر کو تلخ بنا کر رکھ دے یا اس کا بے موقعہ اور بلاوجہ استعمال کر بیٹھے۔ اس لئے اس کا انسداد اس طور پر کر دینا چاہئے کہ شرائط تعویض میں تعویض طلاق کا اختیار خاص حالات پیش آنے پر موقوف کر دیا جائے اور خاص حالات پیش آگئے ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ چند معتبر اشخاص کے سپرد کر دیا جائے کہ جب یہ معزز اشخاص گواہی دیدیں کہ شوہر کی طرف سے ایسی صورت حال پیش آگئی ہے جس کے لئے عورت نے طلاق کا اختیار طلب کیا تھا تو اب عورت کو ایسے حالات میں طلاق کے اختیار کے استعمال کا حق ہوگا کہ وہ فوراً فیصلہ کرے ورنہ حق طلاق ختم ہو جاتا ہے اس طرح کی قیدوں سے ازدواجی زندگی قائم و دائم رہ سکتی ہے۔

### تعلق و تردید کے ساتھ مہر کی تعیین

اگر نکاح کے وقت مہر کی دو مقداریں ذکر کی جاویں ایک کم اور ایک زیادہ اور کوئی شرط بیان کی جاوے کہ اگر یہ شرط پائی جائے گی تو زیادہ مقدار دی جائے گی ورنہ کم مقدار، تو ایسی حالت میں نکاح تو بہر حال درست ہو جائے گا البتہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک مطلقاً پہلی شرط کے پورے ہونے پر پہلی اور دوسری شرط پائے جانے پر دوسرا مہر مسمی لازم ہوگا۔

لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ مہر کی کمی بیشی کے لئے جو شرط لگائی گئی ہے وہ اگر بدیہی ہے یعنی اس میں جہالت و اختلاف نہ ہو کہ شرط کا وقوع ہو رہا ہے یا نہیں بلکہ ہر شخص دیکھتے ہی معلوم کر لے کہ شرط پائی جاتی ہے یا نہیں، تو ایسی حالت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی مہر کی دونوں شرطوں اور مقدار کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ شرط پائی جائے گی تو طے شدہ مہر کی زائد مقدار واجب ہوگی ورنہ کم مقدار واجب ہوگی جس کی مشورہ مثال یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر اس طور پر طے کرے کہ اگر تو حسین ہے تو دو ہزار روپیہ مہر دوں گا ورنہ ایک ہزار یا یہ کہا کہ اگر تو جوان ہے تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار، تو اس صورت میں اگر وہ حسین ہوگی یا جوان ہوگی تو دو ہزار اس کو ملے گا ورنہ ایک ہزار، کیونکہ حسین ہونا یا نہ ہونا یا جوان ہونا ہر شخص دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر مہر کی مقدار میں تحدید کسی ایسی شرط کے ساتھ کی ہے جو شرط بدیہی نہیں تھی اور اس میں امکان ہے کہ واقع بھی ہو سکتی ہے نہیں بھی، تو ایسی صورت میں پہلی شرط کے بموجب مہر مسمی واجب ہوگا ورنہ مہر مثل بشرطیکہ مہر مثل اس مقدار سے کم نہ ہو، اور اس مہر مسمی سے زائد نہ ہو۔ مثلاً کسی مرد نے کسی

عورت سے اس طرح نکاح کیا کہ اگر تو اپنے میکہ میں رہے گی تو ایک ہزار روپیہ مہر دوں گا اور میرے ساتھ رہے گی تو دو ہزار روپیہ، یا یہ شرط کی کہ اگر تو باکرہ ہے تو دو ہزار مہر اور باکرہ نہ ہو تو ایک ہزار تو اس صورت میں اگر شرط پائی جائے یعنی وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا باکرہ ہو، تو دو ہزار مہر اس کو ملے گا ورنہ مہر مثل، ہاں اگر مہر مثل ایک ہزار سے کم ہو تو پھر ایک ہی ہزار اس کو ملے گا، یا دو ہزار سے زیادہ ہو تو پھر وہی دو ہزار ملے گا، دو ہزار سے زائد نہ ملے گا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس تفریق کی ایک مصلحت یہ ہے کہ شرط جب بدیہی ہوگی تو اس میں کسی طرح کا جھگڑا نہیں ہو سکتا، بخلاف اس کے کہ اگر شرط بدیہی نہ ہو تو ہم دم شرط میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

مذکورہ تفصیل سے خود واضح ہے کہ طلاق نہ دینے پر ایک مہر اور طلاق دینے پر دوسرے مہر کی مقدار کا تعلق غیر بدیہی شرطوں کی طرح ہے، لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق کی صورت میں مہر مثل ہی لازم ہوگا جو مہر مسمی سے زائد نہ ہوگا، اور (پہلے) مہر مسمی سے کم نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک دونوں مقادیر درست ہیں مہر مثل کسی صورت میں نہیں ہوگا۔

سوالنامہ میں کثرت طلاق پر بند باندھنے کے لئے صاحبین کے قول کے اختیار کرنے کا جو مشورہ دیا گیا ظاہر ہے کہ مفتیان کرام کے لئے اس میں گنجائش بہر حال ہے، خروج عن المذہب کسی میں نہیں ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ مہر کی زیادتی کا مانع طلاق ہونا غیر یقینی امر ہے، عام لوگ مہر کی کمی و بیشی کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے یا پہلے ہی معاف کرا لیتے ہیں پھر طلاق دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض صورتوں میں مرد کے لئے طلاق دینی ہی ناگزیر ہوتا ہے اور اس موقع پر مرد کو حق طلاق سے روکنا لازم آئے گا کہ وہ مہر کی زیادتی سے تلخ زندگی برداشت کرے گا اور طلاق نہ دے سکے گا۔ مہر میں تھلیل مطلوب ہے مہر کی زیادتی کا رواج دینا تغیر مشروع ہے لہذا طلاق کے رواج کو کم کرنے کی مذکورہ تدبیر قباحت اور مفاسد سے خالی نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔



## مسائل اشتراط فی النکاح

مولانا اخلاق الرحمان

شریعت اسلام میں نہ بالکل ڈھیل ہے کہ جو چاہو کئے جاؤ کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی بالکل سختی کہ دم گھٹ کر مرجائے بلکہ ”عوان بین ذالک“ کی طرح اعتدال اور افراتفری سے ملاحظہ حکم نافذ ہوتا ہے۔ پھر واضح ہو کہ اس سرزمین پر جتنی چیزیں آباد ہیں ان میں فضیلت و برتری نفس ناطقہ یعنی انسان کو ہے۔ پھر انسان دو قسموں میں اور دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ رجولیت، انانیت، بالفاظ دیگر مؤنث و مذکر، پھر مذکر و مؤنث ہر ایک دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بالغ و نابالغ۔ اول سے احکام متعلق ہوتے ہیں کیونکہ یہ خطابات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان خطابات میں سے جو بالغ و عاقل انسان پر جاری ہوتے ہیں نکاح بھی ہے جو ابتداء فی المعصیت کی صورت میں فرض ہو جاتا ہے، اور اعتدال کی صورت میں سنت۔

پھر انسانی ضروریات میں بہت سی چیزیں ہیں جن میں کچھ انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود ہوتی ہیں اور کچھ چیزوں کا تعلق تن تنہا پورا نہیں ہوتا بلکہ اشتراک کو چاہتا ہے۔ ان میں ایک شعبہ نکاح کا بھی ہے۔ نکاح چونکہ نام ہے مرد و عورت کا باہم ازدواجی زندگی گزارنے پر راضی ہو جانے کا اس لیے ضرورت پڑی اس کے لئے کچھ ایسی شرطوں کے ذکر کر دینے کی جس سے باہم کبھی نزاع پیدا ہو تو باسانی اس کو سلجھایا جاسکے۔ اور شدت کی صورت اختیار نہ کرے۔

پھر واضح رہے کہ ان دونوں کے ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جو نصوص کے مخالف اور معارض نہ ہوں، لہذا وہ شرطیں جو نصوص کے معارض ہوں تو ان شرطوں کو مسترد کر دیا جائے گا۔ یا نصوص میں تو نہیں پایا جاتا ہے لیکن عرف میں ایسی شرطوں کا اعتبار کیا جاتا ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن یہ عرف بھی کسی نص کے معارض نہ ہو۔ اب ہم ذیل میں میاں بیوی کے درمیان شرائط کے صحیح ہونے نہ ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

ج۔ (۱) فریقین میں سے کسی نے اگر ایسی شرائط کا ذکر کیا جس کا تحقق عقد نکاح ہی سے ہو جاتا ہے تو اس قسم کے شرائط غیر معتبر سمجھے جائیں گے اور اس شرط سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، فضول اور غیر معتبر ہے۔ کیونکہ یہ تو عقد نکاح کے بعد ہی از خود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ "الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ" لہذا جتنی بھی ضروریات ہیں یعنی نان و نفقہ، کسوی، سکنی وغیرہ یہ سب شوہر کے ذمہ ثابت ہوں گے۔

اور قرآن کریم میں ہے "لینفق ذو سمة من سمته" کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق عورت پر خرچ کرے، اور دوسری جگہ ہے "و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف" مولود یعنی باپ پر ان کا نفقہ اور سکنی ہے معروف طریقے پر، معروف کی تفسیر پہلی آیت میں ہے۔ اور۔۔ حدیث نبوی میں ہے۔۔ "ولهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف"

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم اور ضروری ہے۔ بیوی خواہ مومن ہو کہ غیر مومن، لیکن یہ نفقہ کا ثبوت اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عورت اپنے مسرال میں اپنا نفس شوہر کے حوالہ کر دے وے تو اس وقت شوہر پر نفقہ سکنی (رہنے کے لیے گھر) اور کسوی (پہننے کے لیے کپڑے وغیرہ) واجب ہو جاتا ہے اور اس کی دلیل ارشاد باری "لینفق ذو سمة من سمته" اور "و علی المولود له رزقهن و کسوتهن" اور ارشاد نبوی جو حجت الوداع کے موقع پر فرمایا "ولهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف" ہے۔

(دوسری دلیل عقلی) اور یہ اس لیے واجب ہے کہ حقیقتاً یہ نفقہ احتباس کا عوض ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو روک لیا گیا حق مقصود کے لیے، اس محبوس کے غیر کے لئے تو محبوس کا نفقہ محبوس لہ پر لازم اور ضروری ہے "اھدایہ ۲-۲۳۷"

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زوجہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہر صورت میں لازم ہے خواہ بیوی نے شرط لگائی ہو یا نہیں، ۷۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہوگا، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔ یہ شرط لگانا کسی بھی

حال میں درست نہ ہوگا بلکہ بہر صورت نفع لازم اور ضروری ہوگا۔ جیسا کہ تفصیلی بات مع دلائل شرعیہ گزر چکی ہے مزید ان دلائل کو ذکر نالا حاصل سمجھتا ہوں،

۳۔ نکاح نہ بالکل عبادت ہے اور نہ بالکل معاملات سے ہے بلکہ من وجہ عبادت ہے کہ نکاح کو نصف ایمان کہا گیا ہے، نکاح سے عفت و عصمت اور پاک دامنی کا جوہر پیدا ہوتا ہے، وغیر ذالک اور من وجہ معاملات ہے کہ جس طرح بائع اور مشتری یعنی خریدنے والوں میں اور فروخت کرنے والوں میں بائع کے لئے بیع کی تعیین اور مشتری کے لئے ثمن کی تعیین ضروری ہے ورنہ نزاع باہمی کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور جس طرح بائع نفس ثمن پر قابض ہو سکتا ہے اور مشتری نفس بیع پر کیوں کہ عوض اسی کے بقدر جانین سے پیش کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح مرد و زن میں جو عقد نکاح عمل میں آتا ہے تو عورت صرف اپنا مال یعنی ملک بضع کا شوہر کو مالک بنا دیتی ہے اور قاعدہ مشہور ہے کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کا حق اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکادے۔ اب یہ مہر خالص اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکادے۔ لہذا اس کے لئے شوہر کے ذمہ اللہ نے مہر مقرر فرمادیا۔ اب یہ مہر خالص عورت کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ " قَدْ عَلِمْنَا مَا قَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِی اَزْوَاجِهِمْ " اور انسان کو اپنے حق کے بارے میں شرعی حدود میں رہ کر شرائط وغیرہ لگانے کا شریعت نے اختیار دیا جس سے ضرر و نقصان وغیرہ سے اپنے کو بچا سکے۔ جیسا کہ عقد بیع میں "خيار رویت" "خيار شرط" "خيار فسخ" وغیرہ کی شرط لگانا ہر دو فریق کے لئے جائز ہے۔ مگر نقصان نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے " لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام " اور نکاح بھی چونکہ من وجہ معاملات میں سے ہے، لہذا اس میں زوجین کو مہر کی مقدار کا تعیین کر کے اور کم و بیش کی صورت کی شرط لگا کر اپنے حساب سے اور اپنے فائدہ کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں فریق شرط لگا سکتے ہیں، اور ان شرطوں کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ اور ایفاء شرط ممکن حد تک ضروری ہے۔ گویا مہر وغیرہ کے تعیین میں شرط لگایا جاسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

" من عقبہ بن صامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا به ما استحلتم به الفروج " متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ج ۷ ص ۲۷۱۔ باب اعلان النکاح، قابل ایفاء شرطوں میں سب سے زیادہ ایفاء کی مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے بضع کو حلال کیا ہے (یعنی نکاح کی شرط)

صاحب لمعات شارح مشکوٰۃ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

" قوله احق الشروط اہ و المراد بہ المہر و قيل جمیع ما یشرط الرجل ترضیاً للمرأة



فی النکاح ما لم یکن محظورا و قیل جمیع ما تستحقه المرأة بمقتضی الزوجیة فکانہ شرط  
فیہ " (عاشیہ)

" احق الشروط " سے مراد ہے مہر۔ اور ایک قول یہ بھی ہے " احق الشروط " سے وہ تمام چیزیں جس کو شوہر  
عورت کو خوش کرنے کے لئے بطور شرط کے ذکر کرتا ہے اس طور پر کہ حدود شرعی سے باہر نہ ہو۔ اسی طرح اس  
بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام وہ چیزیں جس کی عورت زوجیت اور بیوی بننے کے نتیجے میں  
مستحق ہو سکتی ہے گویا یہ شرط کے درجہ میں ہے " علامہ موصوف کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے ذاتی  
حق مہر میں اپنے منفعہ کو بحال رکھنے کے لئے مہر کی تعیین میں جائز شرطیں حدود شرعیہ میں رہ کر لگا سکتی ہے۔

لیکن عدم ایفاء شروط کی صورت میں نکاح اثر انداز نہ ہوگا، لیکن مہر مشروط فوت ہو جائے گا، اور مہر مثل لازم  
ہوگا اور نکاح پر اثر انداز اس لیے نہیں ہوگا کہ اگر نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ بھی ہوا ہو یا نکاح سے قبل ہی عورت  
نے کہا مہر کی کیا ضرورت ہے ہر صورت میں نکاح ہو جائے گا گو عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل کا صرف برداشت  
کرنا پڑے گا۔  
صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

" اگر نکاح میں مہر ایک ہزار روپے متعین ہوا اور عورت نے اس مقدار کے ساتھ یہ شرط بھی ذکر کیا کہ مجھے  
اس شہریا اس جگہ سے باہر لے جانے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح میری موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کرنے کا  
حق نہ ہوگا۔ چنانچہ اب اگر شوہر اس کی شرط پر پورا اترتا ہے تو فیہا و نعم تو متعین واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اسی  
مقدار پر اس نے صلح کیا تھا اور وہ پورا پورا اترتا ہے۔ لیکن اگر ایفاء شرط میں پورا نہ اترتا کہ نہ ہی اسے اس شہر میں رکھا،  
اور نہ ہی اسے تنہا رکھا، تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ جو مقدار جس شرط کے ساتھ متعین کی تھی جس  
سے اس کا نفع وابستہ تھا وہ فوت ہونے کی صورت میں ایک ہزار پر رضاء کی شرط بھی معدوم ہو جاتی ہے، لہذا مکمل  
مہر مثل لازم ہوگا۔ اہدایۃ ۲۔ ۳۷۹۔ باب المہر)

واضح رہے کہ شرط کے ایفاء نہ کرنے کی صورت میں جو مہر مثل کو لازم قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب  
مسمی مہر مثل سے کم ہو لیکن اگر مسمی مہر مثل کے برابر یا زائد ہو تو اس صورت میں عدم ایفاء کی صورت میں شوہر  
کے ذمہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

صاحب جوہرہ رقم طراز ہیں۔

" ان لم یف لها ان کان ما سمی لها مہر مثلها او اکثر فلا شیئ لها ضیرہ الجوہرۃ النیرۃ

الف : دوسرے نمبر کی شرط لگانا شوہر کے لئے درست نہیں۔ اس لئے کہ اگر اس نے یہ شرط مذکورہ لگائی بھی ہے تو بے سود سمجھا جائے گا جیسا کہ اس بارے میں تفصیلی بات گذر چکی ہے۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔ اور اس طرح کی شرط سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ شرط ہی لغو ہے اس لئے شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

ب : یہ شرط لازم الایفاء ہے لیکن عدم ایفاء کی صورت میں مہر مسمی سے مہر مثل کی جانب انتقال ہو جائے گا۔ اگر وہ مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو ورنہ نہیں لیکن نکاح اثر انداز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ گذرا۔

ج : نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ طلاق مردوں کا حق ہے لیکن اگر مرد اپنے اس حق کو دوسری طرف منتقل کرنا چاہتا ہے اور دوسروں کے ذریعہ اس حق میں تصرف کروانا چاہتا ہے تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اگر طلاق دینے میں اپنے ماموں کو وکیل بناتا ہے تو اس کا وکیل بنانا درست ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر خود یہ تصرف بیوی کی جانب منتقل کر دیتا ہے اور بیوی کو طلاق کے واقع کرنے کے بارے میں اختیار دے دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ فقہاء حضرات نے اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل ہمیشہ کی ہیں اور کتب فقہ کا ایک باب "تفویض" خالص اسی امر کی وضاحت و بیان میں ہے۔

لہذا عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ مثلاً شوہر کسی دور ریاست کا ملازم ہے اور سال میں چند دفعہ آنا دشوار ہو، عورت کی جانب سے یہ شرط ہے کہ اگر ہر ماہ یا چار ماہ کے بعد آنا پڑے گا، ورنہ میں تیرے ہاتھ سے چلی جاؤں گی یعنی اس صورت میں مجھے طلاق لینے کا اختیار ہوگا۔ اور شوہر اس قید و شرط کو قبول اور تسلیم کر لیتا ہے تو عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو طلاق واقع کر لینے کا پورا پورا حق ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے حق کو بحال رکھنے کے یہ شرط لگائی ہے، جو شرعی حدود میں رہ کر فطری تقاضے کے مطابق ہے جس کے لئے نکاح مشروع ہوا۔ مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہ کر اگر عورت شرط و قید لگاتی ہے تو شوہر کی جانب سے اس کے تسلیم اور قبول کر لینے میں کوئی عرج نہیں، جب عرج نہیں تو عورت کو اختیار ہے کہ طلاق واقع کر لے۔ لہذا اگر غیر شرعی طور پر شرط لگاتی ہے۔ مثلاً ان دنوں وہ عورتیں جو امریکہ اور یورپ کے ماحول سے متاثر ہیں ان کے لئے ٹیلی ویژن، بلو فلم، کھلے عام بے پردگی کے ساتھ شہروں کا طواف کرنا عورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں، تو ایسی عورتیں بوقت نکاح شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ ان چیزوں کی فراہمی بھی تمہارے ذمہ لازم ہے، ورنہ میں تم سے دور ہو جاؤں گی اور شوہر بھی اپنے کو باعزت لوگوں میں زمانہ کے فیشن کے اعتبار سے شمار ہونے کے لئے ہاں میں ہاں بھر دیتا ہے

تو ایسی صورتوں میں یہ تسلیم ہی شرعا درست نہیں ہے، کیونکہ مقدمہ اول ہی درست نہیں تو مقدمہ ثانی کیوں کر درست ہوگا اور نتیجہ کی درستگی دونوں قضیے کے درست ہونے پر ہے لہذا اختیار طلاق عورت کو نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا عدم ایفاء کی صورت میں اگر خود عورت طلاق واقع کر لیتی ہے تو اس کا حاصل زور بیانی اور لب کشائی کے علاوہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

باقی یہ شرط درست اس لیے نہیں ہے کہ یہ شرط ناجائز چیزوں کی ہے اور تسلیم درست ماننے کی صورت میں تعاون علی المعصیت کو درست ماننا پڑے گا جب کہ صریح نص معصیت پر عدم تعاون کے بارے میں موجود ہے، ارشاد باری ہے "تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر" اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے - "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" جس اہر میں خالق کی نافرمانی ظاہر ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی" فرض کہ عورت نے اگر خلاف شرع شرط لگائی ہے تو اس کو مسترد کر دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ عورت کا شروط شرعیہ کو قبول کر لینا اور مان لینا یہ بھی ایک قسم کی تفویض ہی ہے، کیونکہ تفویض جس طرح یہ ہے کہ عورت کو طلاق وغیرہ کا اختیار سونپ دینا، اسی طرح تفویض یہ بھی ہے کہ عورت کے شرط کو مان کر اختیار طلاق عدم ایفاء شرط کی صورت میں سونپ دینا بھی ہے۔

## حق تفویض کی واپسی

اس بارے میں فقہاء نے دو صورتیں لکھی ہیں، ایک صورت میں حق - تفویض کی واپسی درست نہیں ہے۔ وہ صورت ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دینے کا اختیار بصورت ملک دے، یعنی یوں کہے تم کو اپنے بارے میں طلاق دینے کا اختیار دینا بمنزلہ تعلق اور یمین کے ہے، مثلاً قسم کھایا کہ اگر تم نے بغیر اجازت کے گھر سے باہر قدم رکھا تو تم کو طلاق ہے۔ اب بعد میں نادام اور شرمندہ ہوتا ہے کہ یہ تو نے کیا کیا، اب اگر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع نہیں کر سکتا اور مسئلہ اختیار، عورت کے حق کے بارے میں ہے تو اس میں بھی رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جس طرح تعلق اور یمین کی صورت میں ہے۔

مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مرد طلاق کا اختیار بیوی کو دیتا ہے، لیکن اس کے حق میں نہیں بلکہ سوتن کے حق میں کہ تو اس کو چاہے تو طلاق سونپ دیتا ہے یعنی وکیل بنا دیتا ہے۔ چونکہ وکیل کو معزول کر سکتے ہیں اس لیے اس کو دینے ہوئے اختیار کو واپس لینے کی پورے طور پر اجازت ہے۔ (دیکھئے ہدایۃ ۲-۳۸۳)



خلاصہ بحث یہ ہے کہ "تقویض" کی واپسی کی صورت ہے جو صفت توکیل کے ساتھ متصف ہے جس کا تفصیلی بیان گزرا۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتیں اور حکم

- ۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہو جائیں۔
  - ۲۔ عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔
  - ۳۔ عقد نکاح کے بعد ماہین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔
- مذکورہ تین صورتوں کا حکم ذیل میں بالترتیب ملاحظہ ہو۔
- واضح رہے کہ شق اول اور پہلی صورت میں فریقین کی جانب سے جو شرائط وغیرہ طے ہو جانے کا بیان ہے اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جانے کا ذکر کیا گیا ہے سو یہ "تعلق" ہے "تقویض" نہیں، لہذا نکاح کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور تعلق تب ہوگا جب تعلق کے طریقے کو اختیار کرے۔
- فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

نکاح سے پہلے "تقویض" طلاق نہیں ہو سکتی، لیکن اگر متعلقین اضافت کریں اس طرح کہ جب تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو اختیار طلاق لینے کا ہے یا یوں کہے کہ عقد نکاح کے اختیار طلاق لینے کا ہے۔ تو اس طرح تقویض صحیح ہے۔ (ج ۱۰ ص ۳۷)

مذکورہ عبارت سے جو بات ثابت ہو سکتی ہے ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر قبل النکاح فریقین میں شرائط اور فریقین کے سائن شرائط نامہ پر درج کئے گئے تو میرے نزدیک اس کا حکم بوقت نکاح جو شرائط طے کئے جائیں یہ اسی کے حکم میں ہے، جیسا کہ مشہور ہے کہ قرب شئی کو شئی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ سو اس صورت کے بارے میں آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ لیکن قبل النکاح جو شرائط وغیرہ ذکر کئے گئے اور عدم ایفاء کی صورت میں بعد النکاح وقوع طلاق کا اختیار ہوگا، سو یہ "تقویض" جب درست ہوگی جب تعلق و اضافت کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ ورنہ تقویض درست نہ ہوگی، لہذا عدم ایفاء شرط کی صورت میں اگر عورت بعد النکاح طلاق واقع کر لیتی ہے تو غیر معتبر سمجھا جائے گا شق اول کا حصہ تمام ہوا۔۔۔ شق ثانی "اور شق ثالث" کا حکم یہ ہے کہ اگر شرائط بمطابق شرع طے ہوئے ہیں تو اس کے مطابق عورت کے حق "تقویض" کا اعتبار کیا جائے گا دو باتوں کے ساتھ کہ شوہر نے عدم ایفاء شرط کا ارتکاب کیا ہو، اور ساتھ ہی قبول مشروط ہو ورنہ نہیں۔ دلیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اور اگر میاں نے بیوی سے یہ کہا کہ تمہارا معاملہ تمہارے سپرد ہے، لیکن آج اور کل کے بعد تو اس میں لیں داخل نہیں ہوگا اور اگر اختیار کو اس روز کے لیے مسرّد کر دیتی ہے تو اس روز کا اختیار تو ساقط ہو جائے گا لیکن کل اور غد کے بعد والے دن اختیار ساقط نہیں ہوگا“ (ہدایۃ ۲۰۷-۳۷۸)

اس عبارت کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نکاح میں آخر الذکر صورت جائز ہے اور ہر ایک فریق کو اپنے شرط کا ایفاء لازم ہے۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے اختیار کو ختم کر سکتی ہے۔

## کم و بیش مہر کی شرط

موجودہ حالات میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ علیہ کا قول را حسیح معلوم ہوتا کہ ” اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا“

” لان فی کل من الشرطین صوضا مسمی بازانہ بدلا لا یجب اعتبار کل منها تحقیقا

لموضہ قال صلیہ السلام المسلمون مند شروطہم (حاشیۃ ہدایۃ باب المہر ج ۲ ص ۳۷۹)

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بالفرض حضرات فقہاء مسائل مذکورہ صورت کو نہ بھی بیان کرتے تو موجودہ زمانہ میں طلاق کے نتیجے میں جو غرافات پائے جا رہے ہیں ان کے سد باب کے لئے ذیل کے اصول سے کام لیا جاسکتا تھا۔ اور اس اصول سے بھی انہیں مذکورہ مسائل میں خوب رہنمائی ملتی ہے۔ وہ اصول یہ ہے ” الامر اذا ضاق اتسع“

ج- ۲۔ سوال نمبر دو کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم ہوں گی۔ یعنی اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو پھر اس عورت (منکوحہ) کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں لازم ہوں گی۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے۔

” کیوں کہ ہر دو شرطوں کی ایک غرض ہے اور پھر یہ کہ ہر شرط کے عوض میں بدل ہے۔ اس اعتبار سے ہر شرط پر عمل واجب ہے تاکہ مقصود و مطلوب ثابت ہو جائے اور نبی کریم نے فرمایا کہ ” مسلمان اپنے شرطوں کے

دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کے لیے اپنا وطن چھوڑنا اور سفر میں جانا اتنا گراں نہیں گزرتا جتنا کہ عورت کے لیے شوہر کا دوسرا نکاح کرنا اور سوتن سے گھر بسانا گراں گزرتا ہے۔ تو جب عورتوں کا سفر وغیرہ میں جانے نہ جانے، وطن چھوڑنے نہ چھوڑنے کے بارے میں مہر میں کم و بیش کی شرط لگانا جائز ہوا تو مذکورہ صورت اس سے کہیں زیادہ عورت کے خیال میں اہم ہے، اور ایک حکم جب ادنیٰ کے لیے ثابت ہوتا ہے تو اعلیٰ کے لیے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔

ج - ۳ - تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر طرح کی وہ شرطیں جو شرعی قانون سے روگردانی کی دعوت دیتی ہوں، ایسی شرطوں کی عند الشرع کوئی قبولیت نہیں ہوتی۔ لہذا لغو شمار کی جائیں گی۔

البتہ اگر عورتیں اور لڑکیاں ایسی یونیورسٹی سے متعلق ملازمت سے وابستہ ہیں جہاں خالص عورتیں ہی کام کرتی ہیں یا مرد بھی کام کرتے ہوں لیکن عورتوں کا اختلاط ان سے نہ ہوتا ہو، اور یونیورسٹی یا کلبوں کا قانون بھی اسی اختلاط سے پرہیز کرنے کے لیے ضروری ہونے کا ہو۔ اسی طرح عورت کے ناشزہ بننے کا خطرہ نہ ہو، جس سے نسب و شرافت پر داغ پڑے اور عورت بھی بڑی محتاط انداز سے ملازمت کی ذمہ داری ادا کرتی ہے تو ایسی صورتوں میں شرط قبول کر لینے کے بعد شوہر کو روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ لیکن تعمیل حکم زوج بہتر ہے۔



## اشترائط فی النکاح

مولانا عبدالرشید جو نیپوری <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

مسئلہ تینوں شرطوں میں سے دوسری اور تیسری شرط ایسی ہیں جو عقد نکاح کے موافق نہیں اور پہلی شرط بعینہ مقتضاء عقد کے موافق ہے، اس لئے پہلی شرط کے سلسلہ میں کچھ تعرض نہ کریں گے، بلکہ آخر الذکر دونوں شرطیں اور مزید ایک شرط کے اضافہ کے ساتھ اپنے اس جواب کا آغاز کرتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی صلی (۵۲۱-۵۴۰ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المغنی میں اشترائط فی النکاح کی تین قسمیں بیان کیں ہیں۔

### پہلی قسم

ایسی شرائط کا ذکر کرنا جس کے عدم ایفاء کی صورت میں عورت کا نقصان ہو تو اس سلسلے میں صحابہ کرام، تابعین اور حضرات ائمہ کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں، اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا، ان شروط کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے گھر سے یا اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا یا عورت کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا تو ان شرائط کا پورا کرنا عورت کے لئے مرد پر واجب ہے، اگر ان شرائط کو نہیں پورا کیا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ یہ فتویٰ ہے حضرت عمر ابن الخطاب، سعد ابن ابی وقاص اور معاویہ ابن سفیان اور عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہم کا، ان حضرات کے نزدیک

شرائط کا ایفاء لازم ہے ، عدم ایفاء کی صورت میں نکاح فسخ ہو جائے گا۔

ان مقتدا امت کے فتویٰ کی روشنی میں تابعین کی ایک جماعت قدم بھدم چل رہی ہے مثلاً حضرت قاضی شریح ، عمر ابن عبد العزیز ، جابر ابن زید اور طاؤس اور امام اوزاعی اور اسحاق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک ہے ۔ اور اپنے اپنے دارالافتاء سے یہ ائمہ ہدیٰ یہی فتویٰ بھی دیتے تھے ۔

اور دوسرے بہت سے تابعین اور ائمہ شرط کے بطلان کے قائل ہیں ، یعنی ان شروط کو ائمہ نے باطل قرار دے دیا ہے ، جیسے حضرت امام زہری ، قتادہ ، ہشام بن عروہ ، مالک ، لیث ، امام سفیان ثوری ، سیدنا امام شافعی اور امام ابن المنذر رحمہم اللہ ، یہاں تک کہ امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں **المعنی لابن قدامہ ص ۵۲۸ ج ۷** امام المحدثین سیدنا امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ امام اوزاعی کی جماعت میں شامل ہیں اور آپ کے مایہ ناز ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی بھی انہیں حضرات کی ترجمانی کر رہے ہیں ، یہ بزرگان دین اپنے اپنے دارالافتاء سے اسی کا فتویٰ دیتے تھے یعنی یہ شروط باطل ہیں اور نکاح صحیح ہے ، مگر حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اپنے فتویٰ میں تھوڑا سا اضافہ کرتے ہیں وہ یہ کہ شرط کے عدم ایفاء کی صورت میں اگر عورت کا نقصان ہو تو مہر مثل لازم ہے ، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر کی وہ مقدار نکاح میں واجب ہوتی ہے جو اصل کے اعتبار سے مہر مثل ہے ، مگر یہ کہ تسمیہ کے درست ہونے سے مہر مثل کو مسی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک نکاح میں جو مہر واجب ہوتا ہے ، وہ مہر مسی ہوتا ہے مگر یہ کہ تسمیہ کے فساد کے وقت مہر مثل کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ محیط میں ہے ، اسی کو صاحب ملتقى البحر نے نقل کیا ہے ۔

والاصل عنده ان الموجب الاصلی فی النکاح مہر المثل و انما یصار الی المسمی عند

صحۃ تسمیۃ من کل وجہ وصندھما المسمی و انما یصار الی مہر المثل من کل وجہ کما فی

المحیط ملتقى البحر ج ۱ ص ۳۵۳

حضرات ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ اور سیدنا امام مالک اور ہمارے حضرت امام شافعی رحمہم اللہ کا ایک فتویٰ اور ان کے دلائل ملاحظہ ہوں ، وہ فرماتے ہیں کہ مہر مسی فاسد ہو جائے گا اور عقد نکاح درست رہے گا ، اور اس عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا ، **المعنی ج ۲ ص ۵۲۹** ان کا استدلال مہربی اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط (ایضاً) سے ہے یعنی ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ وہ شرطیں سو ہوں اور یہ شرائط کتاب اللہ میں نہیں ہیں ، اس لئے شریعت ان کا تقاضا نہیں کرتی ہے ۔ محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا (حوالہ سابق) یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے، اور یہ شرط حلال کو حرام کر رہی ہے اور وہ دوسری شادی کرنا اور سفر کرنا ہے جب کہ شریعت اسلامیہ کے اندر ان کاموں کے کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور یہ کہ یہ شرط نہ عقد نکاح کی مصلحت ہے اور نہ مقتضی ہے تو یہ شرط باطل ہے، جیسا کہ عورت شرط لگانے کے میں اپنے کو سپرد نہیں کروں گی۔

صاحب مجمع الانہر کے فتویٰ کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ دیکھنے چاہئے ۱- ۵۳-۱۳۵۲

صاحب رد المحتار کی بھی عبارت پیش نظر رہے، جو ان فقہاء کی پر زور انداز میں صرف تائید ہی نہیں کرتی ہے بلکہ وہ یہاں پر ایک وضاحت بھی کر رہے ہیں کہ یہاں پر دو صورتیں ہیں، پہلی شکل تو یہ کہ مہر کو ایسی شرائط کے ذکر کے ساتھ بیان کیا کہ وہ شرائط عورت کو نفع دے اور دوسری شکل یہ ہے کہ مہر کو بیان کیا مگر شرائط پوشیدہ ہیں، اب اگر شرائط کو نہیں پورا کیا شوہر نے تو مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ عورت کی خوشی اور عورت کا نفع دونوں فوت ہو گئے ہیں۔ اور یہ مہر مثل دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا، چونکہ میاں بیوی مہر کی اس مقدار پر راضی ہیں۔ (رد المحتار ۷-۲۶-۳۲۵)

## دوسری قسم

اس قسم میں ان شرائط کا بیان ہے جو عقد نکاح میں شوہر کی طرف سے لگائی جاتی ہیں ایسی شرائط سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، بلکہ خود شرائط باطل ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ مہر نہیں دے گا یا خرچ نہیں دے گا یا وطن نہیں کرے گا یا عزل کرے گا یا کہ یہ عورت کے پاس دن میں نہیں آئے گا وغیرہ، تو یہ تمام شرطیں از خود باطل ہو جائیں گی، اس لئے کہ یہ مقتضائے عقد کے منافی ہیں اور نکاح تمام صورتوں میں درست ہو جائے گا اس لئے کہ شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے۔ (البنایۃ ۲-۲۷۵)

## تیسری قسم

جس سے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے، وہ شرط توقیت مثلاً نکاح میں معینہ مدت کی شرط لگانا یا خیار حاصل ہونے کی شرط لگانا، ان شروط فاسدہ سے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے، تمام علماء کے نزدیک یہ منعقد نہیں ہوتا ہے، اس مسئلہ کے استدلال کے لئے بنیاد کی عبارت پر فقہیانہ نظر ڈالیں جو ماخوذ الغنی سے ہے (بنایۃ ۲-۲۷۵)



سوال نامہ میں عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے ۔

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے اس کو شرط کی شکل میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو مثلاً بیوی کا شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا ، نمبر ایک کا جواب دینے کی حقیقتاً کوئی ضرورت نہیں تھی مگر چند باتیں عرض ہیں ، شرائط صرف وہی مضر ہوتی ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور شریعت نے اس کو اس عقد میں داخل بھی نہ کیا ہو ، لہذا اگر عقد نکاح سے پیدا ہونے والی شرائط کو ذکر کر دیا جائے جو نئی نہ ہوں اور مقتضائے عقد کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان شرائط کا ذکر کرنا عبث ہے ۔ جیسا کہ خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ظاہر ہے ، **المسلمون علی شروطہم الا شرطاً احل حراماً او حرم حلالاً** اس حدیث پاک سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ فقہ اسلامی انہیں شرائط سے بحث کرے گی اور جواز و عدم جواز کا فتویٰ دے گی ، جن سے حلت کو حرمت میں تبدیل کر دیا جائے یا حرمت کو حلت میں تبدیل کر دیا جائے ۔

عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جس کے عقد نکاح کے ذریعہ ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار مقصود ہو تو اس سلسلے میں علامہ شامی صاحب رد المحتار کا بھی فتویٰ ملاحظہ ہو ، فرماتے ہیں شروط فاسدہ سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا ، بلکہ شروط خود فاسد ہو جاتی ہیں ، یعنی اگر عقد نکاح کیا شرط فاسد کے ساتھ تو نکاح نہیں باطل ہوگا بلکہ شرط باطل ہو جائے گی ۔ **ارد المحتار ۲-۱۷۹۵**

جس شرط سے عقد نکاح کے ذریعے پائی جانے والی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس سلسلے میں امام ابن عابدین شامی کیا فرماتے ہیں ، اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے ، فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے کہا کہ میں شادی کرتا ہوں اس شرط پر کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہوگا تو نکاح درست ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی اور مہر مثل واجب ہوگا ۔ **اقولہ مع شرط فاسد** ، **کما اذا قال تزوجتک علی ان لا یکون لک مہر فیصح النکاح و یفسد الشرط و یحب مہر المثل** (شامی ج ۲ ص ۱۷۹۵) صاحب رد المحتار کی ایک چھوٹی سی عبارت پر اور نظر ڈالتے چلیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نکاح شروط فاسدہ کی بنا پر معتبر ہے اور اس کے اندر مہر مثل واجب ہوگا ۔

**و یجب مہر المثل فی النکاح الفاسد و هو الذی فقد شرطاً من شرائط صحۃ کشفہود**

(بالوط ، فی القبول لا بغيرہ ارد المحتار ج ۲ ص ۱۳۵۰)

اسی سلسلے کی امام ابن عابدین شامی کی ایک چھوٹی سی عبارت ہے جس سے واضح انداز پر یہ فتویٰ ملتا ہے کہ شروط فاسدہ سے عقد نکاح فاسد نہیں ہوگا اور شرط فاسد خود فاسد ہو جائے گی اور بہت دور سے یہ بات واضح ہوتی

ہے کہ متعلقہ فریقین کو ان شروط فاسدہ کی پابندی ضروری نہیں ہے، اگر کوئی فریق ایسا کرتا ہے تو شریعت کی نظر میں وہ عمل کرنے والا مغضوب قرار پائے گا جو شریعت اسلامیہ کی نظر میں ایک سنگین جرم قرار دیا جائے گا۔

پہلی شکل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لہذا نئی شرطیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں تو غیر معتبر ہوں گی اور اگر مقتضائے عقد کے موافق ہوں، تو معتبر ہوں گی۔

الف۔ دوسری قسم کی شرائط سے نکاح پر کوئی اثر مرتب ہی نہیں ہوتا ہے اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور شرائط ایک نہیں بلکہ ہزار ہوں، سب باطل ہو جاتی ہیں اور عقد نکاح کے درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا ہے اور متعلقہ فریقین میں سے کسی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کی پابندی کرے، بلکہ اجتناب ضروری ہے۔

ب۔ تیسری قسم کے شرائط لازم الایفاء نہیں، ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے یعنی اگر شروط عدم مسافرت یا عدم تزوج کی ہو تو شرط فاسد ہے، اس لیے کہ اس میں امر شرعی سے تعارض ہے، اس مسئلہ کی دلیل میں سب سے پہلے صاحب بنایہ کا قول پیش کرتے ہیں جن کا تفقہ مسلم ہے اور جن کے فتاویٰ معتبر ہیں۔

وان كان شرط عدم المسافرة او عدم التزوج فهو فاسد لانه فيه المنع عن الامر المشروع  
(بناية ج ۲ ص ۲۷۲)

علامہ علاء الدین الکاسانی جن کا لقب ملک العلماء ہے، ان کے مقام اور مرتبہ پر ہم جیسے مجتہد کیا خامہ فرمائی کر سکتے ہیں، صرف اتنا عرض ہے کہ آپ کی کتاب جو بدائع الصنائع کے نام سے مشہور ہے، مسلک احناف میں سکے رائج الوقت کا مقام رکھتی ہے، مذکورہ مسئلہ کے سلسلہ میں علامہ کے اقوال ملاحظہ ہوں، زوج کا شرط لگانا عورت کے طلاق دینے کی یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں نہ لے جانے کی تو اس کو ان شرائط کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جو اس سے لیا گیا ہے، لہذا اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اس وعدہ کے پورا کرنے پر، کیونکہ ہر ایسا وعدہ جس میں امر شرعی سے تعارض ہو، اس سے اجتناب لازم ہے۔

ولابی حنیفة ان الشرط الاول وقع صحيحا بالاجماع و موجبہ رد مهر المثل ان لم يقع  
الوفاء به فكانت التسمية الاولى صحيحة فلو صح شرط الثاني لكان نافيا موجب الشرط الاول  
و التسمية الاولى بحد ما صحت لا يجوز نفى موجبها فبطل الشرط الثاني ضرورة و قال ان ما  
شرط الزوج من طلاق المرأة و ترك الخروج من البلاد لا يلزمه في الحكم لان ذلك وعد لها فلا  
يكلف و صلى هذا يخرج مطلقا تزوجها على حكمه او حكم اجنبي ان القسمية فاسدة لان

المحكوم به مجهول و جهالت اكثر من جهالة مهر المثل فيمنع صحة التسليم. ابدان الصنائع.

ج ۲ ص ۲۸۵

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے۔ فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ بھی یہی فتویٰ دے رہے ہیں۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ و صرحوا بان الاقالة كالنكاح لا يبطلها

الشرط الفاسد اشامی ج ۲ ص ۳۵۳

یعنی حضرات فقہاء نے دو ٹوک انداز میں یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ اقالہ نکاح کی طرح ہے۔ جس طرح نکاح شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے اسی طرح اقالہ بھی شرط فاسدہ کی بنا پر باطل نہیں ہوگا۔

ایک بار شرط فاسدہ کے سلسلے میں صاحب بدائع کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فتویٰ یہ ہے کہ عقد نکاح شرط فاسدہ کی بنا پر باطل نہیں ہوتا۔ بخلاف بیع کے کہ بیع اور نکاح کے درمیان ایک عظیم فرق یہ ہے کہ بیع میں فساد ربوا کا امکان ہے اور عقد نکاح میں ربوا کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔ لہذا شرط باطل ہو جائے گی اور عقد نکاح باقی رہے گا۔

و النكاح لا تبطله الشروط الفاسدة بخلاف البيع و الفرق ان الفساد في باب البيع

لا مكان الربوا و الربوا لا يتحقق في النكاح و يبطل الشرط و يبقى النكاح ابدان الصنائع ج ۲

ص ۲۷۷

فتاویٰ ہندیہ جو مسلک احناف میں بلند مقام کی حامل ہے، مذکورہ مسئلہ کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی

عبارت ملاحظہ ہو لا یشبت فی النکاح من الشرط فالنکاح جائز و الشرط باطل ا فتاویٰ ہندیہ ج ۱

ص ۲۷۳

یعنی نکاح درست ہو جائے گا اور شرط فاسدہ از خود باطل ہو جائے گی۔

تیسری قسم کی شرائط کا شرعاً حکم یہ ہے کہ یہ شرطیں بالکل لازم الایفاء نہیں۔ ان سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں امر شرعی سے صریح تصادم ہوتا ہے اور اس کے اندر شرائط کے ساتھ ایک قسم کا وعدہ ہے اور ہر ایسے وعدہ کا پورا کرنا یا کرنا جس میں امر شرعی سے تعارض ہو، بالکل جائز نہیں ہے۔

جواب نامہ بابت تفویض طلاق

(ج) یہ سوال نامہ کی ابتداء تقسیم کے اعتبار سے ہے ورنہ جواب نمبر ایک ہونا چاہئے مگر جواب اس طرز پر

پیش ہے تاکہ تقسیم میں سولت ہو۔



اگر عورت بذات خود طلاق کے وقع کرنے میں مختار ہونے کی شرط لگنے اور شوہر اس کو تسلیم بھی کر لے تو اس کو تفویض کہتے ہیں اور تفویض طلاق کے بعد شوہر کو عورت کے اختیار کو ختم کرنے کا حق بالکل حاصل نہیں رہتا، بلکہ عورت خود مختار ہو چکی ہوتی ہے، اس کے اختیار کو کسی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا، یہی فتویٰ صاحب مجمع الانہر کا ہے۔

ای تفویض زوج الطلاق لزوجه وهو تملیک لها فتوقف قبولها فی المجلس لا توکیل  
فلیس له الرجوع منده فی الاصح کما فی معادیة امجمع الانہر ج ۲ ص ۲۰۷

تفویض کے سلسلے میں پوری وضاحت مندرجہ ذیل ہے یعنی شرائط سے اختیار طلاق کی تین شکلیں ہوتی ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہیں، جواب ملاحظہ فرمائیں۔

### پہلی شکل

(۱) اقرار نامہ عقد نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں عقد نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور شرائط مندرجہ جو اس اقرار نامہ میں ہیں اس میں سے کسی کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ فی الفور یا کسی وقت اپنے اوپر ایک طلاق بائن وقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے اور اگر اس اقرار نامہ میں نکاح کی طرف اضافت الی النکاح قلم بند نہیں کی گئی تو یہ دستاویز بے کار محض ہوگی اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

پہلی شکل کی صاحب تنویر الابصار جو رد المحتار کا متن ہے، اسی کی طرف تائید کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور عالمگیری کی کتاب الشروط کی تیسری فصل میں بھی پرزور انداز میں یہی فتویٰ مستعمل ہے۔ - **دیکھئے رد المحتار ۲-۲۹۲ صالمگیری ۲-۱۷۱**

### دوسری شکل

(۲) اس میں شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اگر عورت کی جانب سے ایجاب نہ ہو بلکہ ایجاب مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں شرائط لغو ہوں گے نیز اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور شرائط طلاق شوہر کے سامنے بیان کر دئے گئے تاکہ شرائط طلاق کو سن کر شوہر کو قبول کرنے کا اختیار رہے، لہذا اگر اس صورت میں شرائط کے ذکر کرنے کے بعد مرد نے قبول کر لیا تو شوہر ان شرائط کا پابند ہوگا اور عورت کو اختیار طلاق حاصل ہو جائے گا۔

۶۔ جتنی شرائط لگانا مقصود ہو سب کو اسی مجلس میں ذکر کرے اور اگر یہ شرائط کچھ ذکر اور عدم ذکر پر مشتمل ہیں تو جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں وہی قابل تسلیم ہوں گی اور جن کا ذکر نہیں ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔  
(الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۶)

۳۔ جواب میں یعنی قبول کرنے میں مرد صراحتاً کہے کہ میں نے قبول کر لیا چاہے، صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کر لیا یا اس طرح کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کر لیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ (ایضاً)  
۴۔ اگر ایجاب شوہر کی جانب سے ہو تو اس صورت میں شرائط کا عدم ہوں گی اور نکاح بلا کسی شرط کے صحیح اور شرط بالکل بے کار ہوگی۔ (ایضاً)

۵۔ اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو لیکن شرائط کا تذکرہ نہیں کیا گیا مگر مرد نے قبول کرنے میں شرائط تمویض کا اضافہ کر دیا تب بھی تمویض صحیح ہو جائے گی اور عورت کو اختیار حاصل رہے گا۔ لیکن اس صورت میں مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے۔ مگر جب عورت نے ایجاب بلا کسی شرط کے کر لیا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل گئی اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے تو اس کے واسطے یہ شکل کافی نہیں، اگرچہ یہ صورت نادر الوقوع ہے، لیکن استیعاب صور کے لئے پیش کردی گئی ہے۔

### تیسری شکل

نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا لکھو یا جاوے، اس صورت کا بھی حکم یہ ہے کہ یہ شکل بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۳)  
اس تیسری شکل کے بارے میں چند باتیں مرض ہیں۔

۱۔ یہ شکل ایسی عورت کے لئے مفید ہے جس کے عقد نکاح میں اقرار نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا۔

(الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۳)

۲۔ جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے لئے بھی وہی کمی ہے جو ما قبل میں بیان کی

جا چکی ہے۔ (ایضاً)

۳۔ جب عقد نکاح مکمل ہو چکا تو عورت کے کسٹروں میں یا اس کے ولی وغیرہ کے اختیار میں یہ بات نہ رہی کہ شوہر کو اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

## ایک وضاحت

مصائب و آلام سے بچنے کے لئے پہلی یا دوسری صورت اختیار کرنی چاہیے، ان میں بھی سب سے آسان شکل جس میں عمومی طور پر لوگوں کے دھوکہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ شکل اول ہی ہے کہ اقرار نامہ عقد نکاح سے پہلے لکھا جائے اور اقرار نامہ کے اندر اضافت الی النکاح کی صراحت بھی کر دی جائے ورنہ اقرار نامہ لغو ہو جائے گا۔

## تقویض کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے

عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے، اس لیے طلاق جیسے اہم مسئلہ کو اس کے سپرد کر دینا خطرے سے خالی نہیں ہے لہذا تقویض کے وقت کچھ ایسی شرطیں جو مناسب ہوں لگانا درست ہے جس میں کوئی خطرہ نہ رہے جیسے یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ یا اس کا ولی یا وکیل اس طرح لکھے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے عقد میں بمعاوضہ مہر... روپے... سکہ رنج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جب کبھی بھی اس کو تمہاری جانب سے کوئی سخت تکلیف پہونچے جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بان دے کر اس نکاح سے جدا کر لے اس شکل میں عورت کو طلاق کا اختیار اسی وقت ملے گا جبکہ کم از کم دو آدمی یہ فیصلہ سنائیں کہ عورت سخت تکلیف کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے، مبادا کہیں کوئی غیر شرعی اقدام نہ کر بیٹھے، لہذا فریقین کی رضا مندی سے مجلس عقد نکاح میں دس آدمیوں کے نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں کم سے کم دو افراد ہمہ وقت مل جائیں مگر عورت کو اس کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مباح

چیزوں میں مغبوض ترین طلاق ہے نیز ارشاد فرمایا جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، لہذا اطمینان کے ساتھ ہور و فکر کر کے قدم اٹھاتے وقت تین باتوں کو ملحوظ رکھے۔

۱۔ غصہ کی حالت میں فوراً اپنے اس اختیار سے کام نہ لے بلکہ ٹھنڈے دل سے اور مستقبل کو پیش نظر رکھ کر ایک عرصہ تک خوب ہور کرے جس کی مدت کم از کم ایک ہفتہ ہو۔

۲۔ اپنے ہی خواہوں خصوصاً والدین سے مشورہ کرے۔

۳۔ سنت کے مطابق استجارہ کرے اور دعاء بھی کرے کہ پروردگار میرا دل اس کام کی نرف پھیر دے جو



میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو، ان کوششوں کے بعد جو دل میں آئے اس پر خدا کی ذات پر کامل بھروسہ کر کے قدم اٹھائے۔ (الحیلة الناجزة ص ۳۲-۳۵)

مذکورہ گذارشات کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ اس جیسی شرطیں عقد نکاح میں لگانا درست ہے کہ نہ؟ علامہ ابن جوزی اپنی سند سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہوں گے، ایسی شرطیں جو حق کے موافق ہوں یعنی شریعت کے۔ اور صحیحین کی روایت ہے کہ جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہیں اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں تو اللہ کا فیصلہ حق ہے اور اللہ کی شرط مضبوط ہے۔

لہذا صورت مسنولہ میں جو آیتیں اور احادیث پیش کی ہیں، انھیں کے پیش نظر حضرات ائمہ نے اختلاف کیا ہے، سیدنا امام زفر کا فتویٰ تو یہ ہے کہ دونوں شرطیں باطل ہو جائیں گی اور حضرت امام زفر کی تائید (اور قیاس کے مطابق فتویٰ بھی یہی ہے) حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور سفیان ثوری اور اسحاق ابن راہویہ رحمہم اللہ تمام کا یہی فتویٰ ہے، اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شرط اول جائز ہے اور شرط ثانی فاسد، لہذا شرط پائی جانے کی صورت میں ان کے نزدیک متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ صرف مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ کے مطابق ترجیح امام کے فتویٰ سے معلوم ہوتی ہے اور صاحبین کے فتویٰ پر بھی عمل ہو سکتا ہے۔ اور صاحبین کا فتویٰ یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، لہذا اس فتویٰ پر عمل کرنے سے پہلے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا فتویٰ اگر ترک کرنے پر عمومی فائدہ بھی ہو اور عوام الناس کا رجوع اہل علم و اصلاح اور دارالقضاء اور دارالافتاء کی طرف ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ امام کے قول کو خواہ مخواہ ترک کیا جائے اور بات جہاں سے چلی تھی وہیں رہ جائے اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ایک مرض کے علاج کے لیے تیز سے تیز دوا کی گئی بجائے اس مرض سے فرصت پانے کے اور امراض نے گھیر لیا تو پھر سب بے فائدہ ہوگا۔

چوں کہ یہ حضرات ائمہ باب الاجارة علی احد الشرطین پر قیاس کرتے ہیں لہذا ذیل میں اب ہم ان کے مستدلات پیش کرتے ہیں (دیکھئے ہدایہ مع البناية ۲-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸ صینی ۲-۷۷۷)

۱۔ دلائل سے واضح ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہ کی دلیل راجح ہے اس لیے کہ شرط اول کے اندر جہالت نہیں ہے تو یہ شرط عقد متعلق ہو جائے گی اور درست ہوگی اور شرط ثانی درست نہیں ہے کیوں کہ جہالت اس کے اندر ہے لہذا شرط ثانی عقد سے متعلق نہیں ہوگی اور نکاح درست ہو جائے گا کیوں کہ عقد نکاح شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ کتب فقہ اور فتاویٰ احناف کے اندر سبھی حضرات مصنفین اور مفتین نے امام اعظم کے فتویٰ کو راجح قرار دیا ہے۔

۳۔ جس فائدہ و داعیہ کی بنا پر حضرات صاحبین کے فتویٰ پر عمل لرنے کی رائے طلبوں سے ہے اس میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا ہے جیسا کہ تفصیل سے ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۴۔ راجح امام اعظم ہی کا قول ہے۔

۵۔ امام کا فتویٰ اور اس کی ترجیح پر مہر تصدیق جمہور علمائے احناف اور عام مصنفین نے لگائی ہے جیسا کہ بحر الرائق کی عبارت سے واضح ہوتا ہے عبارت ملاحظہ ہو۔

قال جمہور الشارحین الواجب فی الاجارة الفاسدة الاقل من اجر المثل ومن المسمى  
وهو فی الذخيرة وفتاویٰ قاضیخان البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰

۶۔ اگر ایسے ضابطے بنانے کا فائدہ ارباب عل و عظماء کے نزدیک تسلیم ہو جائے تو پھر صاحبین کے فتویٰ پر انشراح قلب کے ساتھ عمل کیا جائے گا کیوں کہ اہرت مثل کی روایت مختلف سندوں سے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے منقول ہے لہذا صاحبین کی روایت بھی امام سے ہی منقول مانی جائے گی۔

## الجواب الثانی

مجلس عقد نکاح میں اس طرح شرط لگائی گئی کہ اگر شوہر نے اس منکود کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

اس شکل کا جواب سب سے پہلے احناف کی مشہور کتاب ہدایہ سے پیش ہے۔

واذا تزوجها علی الف علی ان لا یخرجها من البلدة او علی ان لا یتزوج علیها اخری فان  
وفی بالشرط فلها المسمى لانه صلح مہرا وقد تم رضاها به وان تزوج علیها اخری فلها مہر  
مثلا لانه سمي مالها فيه نفع اهدایة مع بناية ج ۲ ص ۲۲۲

یعنی عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو اس عورت کا مہر، مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ اس میں عورت کا کوئی نفع نہیں ہے اور اگر شوہر نے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کے لئے وہی مہر ہوگا جس پر عورت راضی ہے یعنی مہر مثل۔

ج۔ مجلس عقد نکاح میں یہ شرط لگانا کہ ملازمت سے شوہر نہیں روکے گا۔ یہ شرط فاسد ہی نہیں بلکہ شرط



باطل ہے کیوں کہ عورت کا ملازمت اختیار کرنا دو صورت سے خالی نہیں، اول یہ کہ یہ ملازمت کسب معاش کے لئے ہوگی تو کسب معاش ہی نہیں بلکہ عورت کا نان و نفقہ، سکنی وغیرہ سب اس ہونے والے شوہر پر شریعت کی طرف سے واجب ہو رہا ہے، لہذا عورت صرف گھر کی اور اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ ملازمت اس لئے اختیار کئے ہوئے ہے کہ اپنی تعلیم سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے تو یہ بھی عورت پر لازم نہیں بلکہ اس سے بچنا ضروری ہے کیوں کہ آج کی ملازمت یہ ہے کہ عورت غیر محرم مردوں کے درمیان بیٹھ کر ان کے لئے تفریح طبع کا سامان پیدا کرے جو شرعاً حرام ہے۔

فی الحال ملازمت کرنا، آئندہ کے لئے ملازمت کی شرط لگانا، دونوں کے سلسلے میں محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں پیش ہیں جو ہماری ہدایت کے لئے یہی کافی اور وافی ہیں۔

وبطل هذه الشروط الزهري و قتادة و هشام بن صروة و مالك و ليث و ثوري و الشافعي و ابن المنذر و اصحاب الراي قال ابو حنيفة و الشافعي يفسد المهر دون العقد و لها مهر المثل و قال و هذا ليس في كتاب الله لان الشرع لا يقتضيه.

لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شرط فاسد ہے اور کتاب اللہ سے معارض ہے جس کی وجہ سے ایسی شرطوں کا لگانا ہی درست نہیں ہے۔

ملازمت چوں کہ عام طور پر بے پردہ ہوتی ہے، لہذا اس سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک قول پیش ہے۔

ومن ام سلمة قالت كنت قاصدة عند النبي صلى الله عليه وسلم انا و حفصة فاستاذن ابن ام مكتوم فقال النبي صلى الله عليه وسلم احتجبين منه رواه ابو داؤد

ج۔ ۲ اس کا جواب بھی مذکورہ بالا تحریروں میں آچکا ہے۔

ج۔ ۳ اس کا جواب بھی گزر چکا ہے، مزید یہ عرض ہے کہ اس شرط کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، جمہور علماء کے نزدیک مہر مسمی فاسد ہو جائے گا اور عقد درست رہے گا اور شوہر پر اس عورت کے لیے مہر مثل لازم ہوگا۔

ج۔ ۴ احادیث اور جمہور ائمہ کے فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جب یہ شرط لغو ہے تو شوہر پر اس کی پابندی ضروری ہی نہیں بلکہ کوئی شوہر ایسی شرط کو پورا کرے تو اس کو روک دیا جائے گا۔

ج۔ ۵ شوہر مذکورہ بالا شرط فاسد قبول کر لینے کے بعد اپنی بیوی کو سلسلہ ملازمت جو کہ ایک ناجائز فعل ہے یا نئی ملازمت کے طلب کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل صرف ضروری ہی نہیں بلکہ



## نکاح و طلاق میں مختلف شرطوں کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عزیز اختر قاسمی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>

نکاح کے متعلق یہ بات ذہن میں ہونی چاہئے کہ یہ مرد و عورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ اجنبی مرد و عورت الفت و محبت کی راہ سے تادم عمر ہم رشتہ رہنے کا عزم مصمم کرتے ہیں۔ شریعت نے اس کی کچھ حدوں اور قیدیوں کو ذکر کر کے ازدواجی تعلقات کو مضبوط تر بنانا چاہا ہے۔ اور حضور نے ان شرطوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :

احق الشروط ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف)

پہلی شرط۔ فقہاء کرام نے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطوں کی بھی حدوں اور قیدیوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے موافق اور نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو جیسے بھلے طریقہ سے زندگی گزارنے کی شرط لگانا، یا عورت کا نفقہ، کسوت اور سکنی کا اچھی طرح نظم کرنے کی شرط لگانا، فقہاء کرام نے تصریح فرمائی کہ اس قسم کی شرط لگانا بالکل جائز ہے۔ اور شوہروں کو اس قسم کی شرط کا پورا کرنا لازم و ضروری ہوگا۔ نیز اس قسم کی شرط لگانے کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی خلاف اثر بھی مرتب نہ ہوگا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلمون عند شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا افتح القدير مع هداية ج ۳

ص ۲۳۲

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ یہ مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے باہر دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا۔ اب وہ شخص اس عورت کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی ہے۔ تو اس مقدمہ کا فیصلہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا:

”ان مقاطع الحقوق عند الشروط ولك ما شرعت“ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۳۷)

اور اسی کی وجہ سے فتاویٰ ہندیہ میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ ”ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو اور عورت کو اس شرط کی وجہ سے ایک گونہ فائدہ ہو تو اس شرط کا ایفاء لازم و ضروری ہوگا۔ اور عدم ایفاء مہر کی صورت میں مہر مسمیٰ واجب نہ ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر اس شرط کی وجہ سے عورت کا فائدہ نہ ہو بلکہ ہی اجنبی کا فائدہ ہو تو ایفاء شرط لازم و ضروری نہیں اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل واجب نہ ہوگا، بلکہ مہر مسمیٰ ہی شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا (ہندیۃ ج ۱ ص ۳۷۷) مسند ابو داؤد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام شرطوں میں لازم ایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورت کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ الفاظ حدیث اس طرح ہیں۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بذل الجہود کتاب النکاح ج ۳ ص ۲۳)

لیکن اس شرط کے لازم ایفاء ہونے میں یہ ضروری ہوگا کہ اس کی وجہ سے کوئی مفسدہ نہ لازم آتا ہو۔ دوسری شرط۔ اور اگر ایسی شرط لگائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ اس کی بیوی کا نفقہ اس شخص کے ذمہ نہ ہوگا۔ یا یہ شرط لگانا کہ اس کا کوئی مہر میرے ذمہ واجب الادا یا مؤجل نہ ہوگا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ بذات خود ساقط ہو جائے گی اور عقد نکاح منعقد ہو جائے گا، کیونکہ عقد نکاح ایک عقد ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود ساقط ہو جائے گی۔ چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

قوله لانه يبطل بالشروط الفاسدة بخلاف النكاح فانه لا يبطل بها ج ۲ ص ۱۶۹۳

اور بذل الجہود میں بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے کہ ایسی صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا اور شرط از خود باطل ہو جائے گی اور نیز ایفاء شرط واجب نہ ہوگا (کتاب النکاح ج ۳ ص ۲۳) اور عمدة القاری میں اس کے

متعلق ایک ضابطہ یہ لکھا ہے کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، جیسے شوہر کا یہ شرط مقرر کرنا کہ شب گزاری میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا، یا شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہ ہوگا وغیرہ، تو ان سب صورتوں میں شرط لازم ایفاء نہ ہوگا بلکہ شرط لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ منعقد ہو جائے گا۔ عبارت اس طرح ہے۔

و اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان يقسم لها و لا يتسرى عليها و لا ينفق عليها و لا يسافر بها و نحو ذلك و لا يجب الايفاء به بل يلغو الشرط و يصح النكاح بمهر المثل ج ۶ ص ۲۳۸

اور صاحب ہدایہ نے بھی نقل کیا ہے کہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور شوہر اگر اس سے ہم بستری ہو یا اس سے قبل شوہر کا انتقال ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات منها افتح القدير مع ہدایہ ج ۳ ص ۲۱۰

تیسری شرط۔ اور اگر ایسی شرط لگائی جاوے جو نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور نہ نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو بلکہ اس شرط کے نتیجے میں فریقین میں سے کسی کو ایسے حقوق حاصل ہوتے ہوں جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہو سکتے ہوں۔ جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا، یا اس عورت کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، تو اس کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لازم الایفاء ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی، امام احمد اور اسحق ابن راہویہ علیہم الرحمۃ کی یہی رائے ہے بطور استدلال ان کی طرف سے یہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ شوہر نے بوقت نکاح یہ شرط قبول کی تھی کہ اس کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا اور اب لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ شرط لازم الایفاء ہوگی۔ اذاتزوج الرجل المرأة و شرط ان لا يخرجها لزم الخ صمدۃ القاری ج ۲، یہ فیصلہ حضرت عمر کا ایک طریقہ سے مستعمل ہے۔ لیکن انھیں کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعید ابن مسیب، سفیان ثوری، امام مالک، فقیہ ابو اللیث اور ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی۔ اور بذل میں اسی قول کو، امام طاہر، ابو الشعثاء، اوزاعی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا قول سند جدید کے ساتھ یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کی شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ باطل ہوگی اور عقد نکاح کے انعقاد میں اور اس کے بعد اس کا کوئی مرنی اثر نہ ہوگا بذل میں عبارت اس طرح ہے۔

وقد اختلف من صر فروی ابن وهب باسناد جيد من صبيد ابن السباق ان رجلا تزوج امرأة فشرط لها ان لا يخرجها من دارها فارتفعوا الى صر فوضع الشرط و قال المرأة زوجها بذل المجنود كتاب النكاح ج ۳ ص ۲۳



اور اسی کے ذیل میں ایک جزیئہ لکھا ہے کہ کسی عورت کا مہر مثلاً ایک صد روپے تھا لیکن اس نے صرف پچاس روپے مقرر کیا اس شرط کے ساتھ کہ شوہر عورت کو اسی کے گھر میں رکھے گا، باہر نہ لے جائے گا، اب بعد انعقاد نکاح، شوہر پر وہ شرط لازم الایفاء نہ ہوگی اور عورت کو مہر کی رقم میں صرف پچاس روپے ہی ملیں گے اور عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ مگر ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ شرط تو لازم الایفاء نہیں، لیکن عورت کا مہر مثل مکمل کر دیا جائے گا۔ اس قسم کی شرطیں لازم الایفاء اس لئے نہیں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل“ ابدال المجہود کتاب النکاح ج ۳ ص ۱۳۳

علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حضرت عمر فاروق کی مذکورہ دوسری رائے کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے شرط کو ختم فرمادیا اور فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہوگی اور انہوں نے اس شرط کو لازم نہ فرمایا۔ اور حضرت علی کا بھی یہی قول ہے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شرط اس کی ذاتی شرط سے مقدم ہے، اور تابعین میں حضرت سعید ابن مسیب، سفیان ثوری، مالک اور لیث وغیرہ

ائمہ کی یہی رائے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۱۳۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیسری قسم کی شرط حضرت امام اعظم اور بست سے صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق یہ ہے کہ وہ جائز ضرور ہوگی۔ لیکن یہ شرط لازم الایفاء نہ ہوگی، البتہ شوہر کو اختیار تعوی اور شرط کو پورا کرنے پر آمادہ کیا جائے کہ جب تم نے شرط منظور کر لی ہے تو شرط کو پورا کرنا چاہئے، اور اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، خواہ وعدہ وفاء کرے، نہ کرے، اور شرط لگانے کی وجہ سے انعقاد نکاح اور صحت پر بھی کوئی منفی اثر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### تفویض طلاق بوقت نکاح

شریعت نے رشتہ ازدواج کے منقطع کرنے کا حق عورت کو نہیں دیا۔ اور شریعت نے حکم دیا ہے کہ اگر کبھی آپسی ناچاقی ہو جائے تو اولاً ہر ممکن طور پر اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اگر باہر ہر اصلاح ذات البین کسی طرح ممکن نہ ہو تو مرد کو حکم ہے کہ ایک طلاق دے کر عورت کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرے اور حکم قرآنی ”او تسریح باحسان“ پر پورا پورا عمل کر لیں۔

مختصر یہ کہ مرد کو حکم ہے کہ اپنی بیوی کو اس ناگزیر حالات میں طلاق دے کر علیحدہ کر دے، اس کے بعد فریقین کے لئے اللہ تعالیٰ ضرور کوئی نہ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے گا۔

بوقت نکاح اگر عورت بذات خود یا اس کا ولی یا وکیل یا سفیر یہ شرط لگائے کہ عورت کو عام حالات میں یا خاص حالت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم بھی کر لے تو شریعت نے اس کو چند شرطوں کے ساتھ معتبر مانا ہے۔ اور اس طرح طلاق واقع کرنے کے حق و اختیار کو بذریعہ شرط حاصل کر لینے کو اکابر امت نے "تفویض" کی صورت میں داخل کر کے جائز قرار دیا ہے۔ اور فقہاء امت نے اس کے لئے چند شرطیں بھی مقرر فرمائی ہیں کہ اگر ان شرطوں کی پابندی کی گئی تو یہ تفویض کارآمد ہوگی ورنہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے "الحيلة الناجزة للحيلة"

العاجزة" میں اس طرح کے چند سوالات کے جوابات سے نوازا ہے۔ اور انہوں نے اس قسم کے تحریری مضمون کو کاہن نامہ سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ بوقت نکاح کاہن نامہ میں مرد سے ایسی شرطیں لکھوائی جائیں جس سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر خود طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے یہ شرعا معتبر نہیں؟ آگے خود ہی انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس قسم کا کاہن نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعا جائز ہے، اور اس اختیار دے دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں الخ (۳۶)۔

عورتوں کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا صحیح ہے اور شرعا اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے یہ مطالبہ کیا کہ نفقہ میں تنگی ہوتی ہے اس لئے اضافہ کیا جائے۔ سرکار دو جہاں کو یہ ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يا ايها النبي قل لازواجك ان كنتم تردن الحياة الدنيا وزينتها فتعالين امتكن و اسرحكن سراحا جميلا " اور حضرت امام بخاری نے باضابطہ اس عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اس آیت مذکورہ کو نقل فرمایا۔ اور اسی کے متعلق چند حدیثیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تفویض طلاق صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے (صمدۃ القاری شرح

بخاری ج ۹ ص ۱۵۲۷)

اور تفویض طلاق کے جواز پر اجماع امت بھی منعقد ہو چکا ہے (بداية مع فتح القدير ج ۳ ص ۲۱۰۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۱۰) حاصل یہ ہے کہ جب عورت کو عام حالات میں اختیار دینے کی وجہ سے اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو بعض حالات میں ان کا جائز ہونا اور اس کی وجہ سے عورت کو اختیار کا حاصل ہو جانا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

تفویض کے بعد شوہر اس کو ختم نہیں کر سکتا ہے ۔

جب شوہر نے اپنی بیوی کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے ، تو اب شوہر کو قطعاً یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس تفویض کو ختم کر دے ۔ اگر شوہر یہ اعلان کر دے اور بیوی سے کہہ دے کہ ہمارا تمہارا عہد نامہ جو تھا اور اس کی وجہ سے تمہیں طلاق واقع کرنے کا اختیار تھا آج اس کو میں ختم کر رہا ہوں تو اس شخص کے اس اعلان و تفصیل کا کوئی اثر نہ ہوگا اور عورت کو حسب سابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا ۔ چنانچہ فقہ کے عام متون و شروح اور فتاویٰ کی کتابوں میں یہ عبارت درج ہے ۔ " ولا یملک الرجوع من التفویض " اور صاحب بحر نے لکھا ہے :

" والحق ما فی الذخیرة وفی جامع الفصولین انه تملیک فیہ معنی التعلیق فلکونہ تملیکاً تقید بالمجلس ولکونہ تعلیقاً بقی ماوراء المجلس ولم یصح الرجوع عنہ عملاً بشبہہ "

مطلب یہ ہے کہ تفویض طلاق کو دو حیثیت حاصل ہے ۔ ایک یہ ہے کہ اس کے اندر تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر تعلیق کے بھی معنی پائے جاتے ہیں ۔ لہذا دونوں مشابہتوں کا اعتبار ضروری ہوا ، اس لئے اول حیثیت کی وجہ سے مجلس کے ساتھ یہ اختیار مقید ہوگا ( بعض صورتوں میں اور بعض صورتوں میں یہ قید نہ ہوگی ، مثلاً کلمہ تفویض کے ساتھ کوئی لفظ ظروف زمانیہ میں سے ایسا استعمال کرے جو عموم زمانہ پر دال ہو یا مطلق تفویض کی گئی ہو جس کی وجہ سے مجلس کی قید ختم ہو جاتی ہو تو مجلس کی قید نہ ہوگی ) اور دوسری مشابہت کی وجہ سے شوہر کو اس سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا ۔ نیز تعلیق کی وجہ سے یمین کے مثل ہو گیا اور یمین سے رجوع صحیح نہیں اس لئے اس صورت میں شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا اور اختیار کو ختم کرنے کا قطعاً اختیار نہ ہوگا ۔ مفتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۸ ، چنانچہ صاحب بحر نے حضرت امام محمد کی رائے لکھی ہے کہ ایسی صورت میں وہ یمین ہو جائے گی اور یمین عقد لازم ہے جس سے رجوع صحیح نہیں ( بحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۷ ) مثلاً کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق جب کبھی وہ عقد میں رہتے ہوئے خواہ حقیقتاً یا حکماً گھر میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی ، اور اس شخص کو قطعاً یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس تعلیق سے رجوع کر لے ۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۳



## عقد نکاح میں تفویض کی شرط کی تین صورتیں -

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور جانبین سے دستخط بھی ہو جائیں۔  
 (ب) دوسری صورت یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط زبانی کہلوا دیئے جائیں، خواہ ایجاب مشروط ہو یا قبول مشروط ہو۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ اور کاہن نامہ لکھوایا جائے اور جانبین کے دستخط کرائے جائیں۔

ان تینوں قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ صورتیں جائز ہیں کوئی حرج نہیں مگر ان کے معتبر ہونے نہ ہونے میں فرق ہے۔

(۱) پہلی صورت عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور اس کے بعد نکاح کا انعقاد ہو، تو اس کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت و اضافت موجود ہو۔ مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلان بنت فلان سے نکاح کروں اور شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا کی خلاف ورزی کروں تو مسماة مذکورہ کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اسی وقت یا اس کے بعد کھلی اختیار ہوگا۔ تو ایسی صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی جائے تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ کنز الدقائق باب التعلیق میں لکھا ہے کہ "انما یصح فی الملک کقولہ لمنکوحتہ ان زرت انت طالق او مضافا الیہ کان نکحتک فانک طالق"

صاحب بحر نے اس کے ذیل میں لکھا ہے۔

ای معلقا بسبب الملک کقولہ لاجنبیۃ ان نکحتک فانک طالق ای تزوجتک فان النکاح سبب للملک فاستمیر السبب للمسبب الخ (بحر ج ۲ ص ۳)  
 اور اسی کے مثل ہدایہ میں بھی ہے۔

لا یصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفہ الی ملک الخ (ج ۲ ص ۳۶۵) یہی

وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایک اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوتی تو تجھے طلاق پھر اس نے اس عورت سے شادی کر لی اور وہ عورت گھر میں داخل ہوتی تو اس کو طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ اس نے تعلق کو منسوب الی النکاح نہ کیا، اور اسی طرح شامی کے باب التعلیق میں ہے؛

” وشرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت طالق او الاضافة اليه كان نكحتك فانك

طالق فلنأقوله لا جنبية ان زرت زيدا فانك طالق اح ۲ ص ۸۱-۱۲۸

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت ہی ایجاب و قبول میں ایسی شرطیں ذکر کر دی جائیں کہ اگر شوہر اس کی خلاف ورزی کرے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ تو بھی صحیح و درست ہے، اور عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور اسی طرح شرطوں کو ایجاب و قبول کے ساتھ زبانی کہلوانے کے بجائے لکھ لیا جائے تو بھی صحیح و درست ہے۔ لیکن ایجاب و قبول کو صرف لکھ لیا جائے اور جانبین سے اس پر دستخط کرنے جائیں تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا، بلکہ زبانی طور پر ایجاب و قبول کتنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر اس طرح کا اقرار نامہ تیار کر لیا جائے اور زبانی طور پر ایجاب یا قبول کے ساتھ کہہ دے کہ ان شرائط محرہ میں سے کسی کی خلاف ورزی ہو تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اس طرح تعویض کی تعلق صحیح ہے، شرائط محرہ کو زبانی ذکر کرنا ضروری نہ ہوگا، الحيلة الناجزة

شرائط: اس صورت میں تعویض کے مفید ہونے اور عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ ایجاب عورت کی جانب سے اس طرح ہو کہ خود عورت یا اس کا ولی، یا وکیل عقد کے وقت یوں کہے کہ اگر تم نے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی کی تو مسماة فلاں کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور شوہر یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا۔ یا مطلقاً یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر کی جانب سے ایجاب ہو تو وہ یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور عورت نے اس کو قبول کر لیا۔ یا عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور شوہر از خود چند شرطوں کا اضافہ کر کے یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، تو ان سب صورتوں میں نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور عورت کی جانب سے ایجاب نہ ہو بلکہ شوہر کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول اس طرح ہو کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے فلاں فلاں صورتوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ یا مطلقاً یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ تو ان دونوں صورتوں میں نکاح تو منعقد ہو جائے گا مگر عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

یہ مذکورہ تفصیلات تعویض مقید کے متعلق تھیں، اگر مطلق تعویض طلاق کی شرط اس طرح لگتے کہ عورت کی جانب سے بوقت نکاح ایجاب میں یہ کہا جائے کہ تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت مسماة فلاں بنت فلاں کو



اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور اس میں کسی شرط کی تعیین نہ کی جائے تو یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ لہذا وہ عورت جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر شوہر سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے شروع کتاب الطلاق میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ شوہر نے اگر کسی سے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تو طلاق والی ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور طلاق باطل ہو جائے گی، اور اگر عورت نے ابتداء کلام کو کیا ہو یا اس طور کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں طلاق والی ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ فقہ ابو اللیث نے دونوں کلاموں میں یوں فرق فرمایا ہے کہ جب آغاز کلام شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق و تقویض طلاق قبل النکاح ہوتی (اور اس کی صحت کے لئے اضافت الی النکاح جو شرط تھی وہ نہ پائی گئی) لہذا یہ طلاق و تقویض طلاق صحیح نہ ہوتی۔ اور جب آغاز کلام عورت کی جانب سے ہو تو ایسی صورت میں شوہر نے ایجاب مشروط کو قبول کیا اور ایجاب مشروط کی وجہ سے عورت کو تقویض طلاق حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اس صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا پورا حق حاصل ہو جائے گا (رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۸۵) اور اس کے بعد مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ طلاق کا حق عورت کو ہوگا۔ تو یہ صحیح ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ نکحھا علی ان امرھا ببیہا صحیح (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۲۶) اور رد المحتار میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب عورت نے ابتداء کلام کرتے ہوئے یوں کہا کہ میں نے اپنی شادی تم سے اس شرط کے ساتھ کی کہ جب میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنا چاہوں کر لوں پھر شوہر نے اس کو قبول کر لیا تو عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر نے ابتداء کلام مطلق کیا اور عورت نے قبول مشروط کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن عورت کو کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔ عبارت اس طرح ہے۔

قوله صح مقید بما اذا ابتداءت المرأة فقالت زوجت نفسي منك صلی ان امری ببیدی

اطلق نفسي كلما ارید او صلی انی طالق فقال الزوج قبلت الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۷)

(۳) تیسری صورت، شرط تقویض کی یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ زوجین کے درمیان لکھ لیا جائے اور شوہر کی طرف سے عورت کو یہ اختیار مل جائے، تو عورت عام اوقات میں یا مشروط اوقات میں جب شرط پائی جائے اپنے اوپر طلاق واقع کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ تو یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اور شوہر عورت کے حاصل شدہ اس اختیار کو باطل و ختم کرنا چاہے تو اس کو اس کا اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر عورت ہی از خود اس حاصل شدہ اختیار کو ختم کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ہمیشہ کے لئے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں



ہے، تو اس عورت کے اس کو ایک مرتبہ رد کر دینے سے اختیار ختم ہو جائے گا۔ عبارت اس طرح ہے کہ **حقولہ**

امرک بیدک ابدافیرتد بردھامرۃ (ح ۲ ص ۱۳۲۲)

حضرت اقدس مولانا تھانوی نے بھی **الحیلة الناجزة** میں اس صورت کو ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ صورت صحیح و درست ہے، البتہ اس صورت میں شوہر کی مرضی پر تفویض ثابت ہوگی۔ شوہر پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انعقاد نکاح کے بعد معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب طلاق واقع کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہوگا۔

(الحیلة الناجزة)

### تفویض طلاق میں کچھ ضروری قیدوں کا اضافہ ضروری

عورتیں چونکہ فطرتاً مشتعل مزاج، زود رنج، ذکی المس، ناعاقبت اندیش اور سریع الانفعال ہوتی ہیں بات بات پر ناراض اور چراغ پا ہو جاتی ہیں اس لئے تفویض طلاق کی صورت میں یہ خطرہ یقینی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا بے جا استعمال کر لے اور زوجین میں سے ایک یا دونوں مشتت شدیدہ میں گرفتار ہو جائیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ شرطوں اور قیدوں کا مزید اضافہ کر دیا جائے کہ جس کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا وہ عورت غلط اور بے جا استعمال نہ کرے۔

مثلاً تفویض مطلق کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگائے کہ "اگر ہم دونوں آدمی طلاق کے وقوع کو مناسب سمجھیں یا فلاں فلاں شخص طلاق ہی کو بہتر سمجھے، یا یہ شرط لگادے کہ طلاق کو تمہارے والدین اور دیگر پانچ افراد قریبی رشتہ دار میں سے طلاق کو ضروری یا مناسب سمجھیں، یا اس طرح کا اور کوئی لفظ یا جملہ بطور شرط و قید ذکر کر دیا جائے، اور اس کے بعد تب کے کہ اس وقت تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔

اسی طرح تفویض مشروط کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگادے کہ شرط مذکورہ کی خلاف ورزی کو فلاں فلاں آدمی تسلیم کر لے کہ واقعی مذکورہ شرطوں میں سے بعض کی، یا کل کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یا یہ شرط لگائے کہ واقعی جب مجھ سے خلاف ورزی ہو جائے تو مجھے بھی اس خلاف ورزی کا علم کرایا جائے کہ تم سے فلاں شرط کی خلاف ورزی ہوگئی ہے اور میں اسے تسلیم بھی کر لوں کہ واقعی مجھ سے خلاف ورزی ہوگئی ہے تب تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

## تفویض طلاق کی وجہ سے مصلح شرع متاثر نہیں

لہذا شریعت نے جو طلاق کا اختیار مردوں کو دیا ہے، یہ اختیار تفویض کے نتیجے میں عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اس انتقال اختیار کی وجہ سے مصلح شرع کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ عورت کو اختیار دیدینے کے باوجود شوہر کو از خود طلاق واقع کرنے کا اختیار ختم نہیں ہوتا بلکہ بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ ضیاع کا اندیشہ ہو سکتا تھا جبکہ مرد کا یہ اختیار مسلوب ہو جاتا ہے۔ ابھی اوپر بحوالہ بحر یہ نقل کیا گیا ہے کہ تفویض طلاق کے باوجود شوہر اپنی اسی بیوی کو از خود طلاق دے سکتا ہے۔ اس لئے تفویض کی وجہ سے کوئی مصلح شرع متاثر نہ ہوگا۔ البتہ اس مفوضہ اختیار کے بے جا اور غلط استعمال کی وجہ سے مصلح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ضرور ہے۔ کیونکہ عورت میں عموماً مشعل مزاج، تند خو اور ناعاقبت اندیش ہوتی ہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس مفوضہ اختیار کا غلط استعمال کر لے اور ایک بسا بسایا گھر آنا فانا اجر جائے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بے جا اور غلط تصرف کا سد باب کرنے کے لئے مفوضہ اختیار میں کچھ ایسی قیدوں کا اضافہ کر دیا جائے کہ غلط استعمال سے حفاظت اور مصلح شرع کی حتی المقدور رعایت ہو سکے۔ مثلاً کاہن نامہ میں یہ شرط بڑھادی جائے کہ شرطوں کی خلاف ورزی ہونے کا علم شوہر کو بھی کرایا جائے اور شوہر اس کو تسلیم بھی کر لے کہ ہاں واقعی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ یا یہ قید بڑھادی جائے کہ خلاف ورزی ہونے کی صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار اس شرط کے ساتھ حاصل ہوگا کہ وہ اپنے شوہر پر عائد ہونے والے تمام حقوق سے یا بعض حق سے محروم ہوگی یا وہ عورت اپنے خاندان کے فلاں فلاں دس آدمیوں سے علی سہیل الاجتماع مشورہ کر لے۔ اور سب طلاق پر ہی متفق ہو جائیں یا اس طرح کی اور کوئی قید بڑھادی جائے جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے الملیۃ الناجزۃ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہذا اس تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ ایسی قیدوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے جو مفید ہوں اور حاصل شدہ اختیار کے بیجا تصرف کا سد باب ہو۔

## مالی سزا کے تقرر کی ایک صورت

اس کی ایک شکل یہ سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر بوقت نکاح اس طرح مہر مقرر کر دیا جائے کہ عام حالات میں اس عورت کا مہر دس ہزار اور وقوع طلاق کی صورت میں اس عورت کا مہر بیس ہزار یا تیس ہزار وغیرہ ادا کرنا لازم ہوگا تو سطحی نقطہ نگاہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی اچھا ہے کیونکہ اس طرح طلاق کی وارداتیں کم سے کم ہوں گی اور طلاق کا بے جا استعمال نہ ہو سکے گا۔ لیکن کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

فقہ کی اکثر کتابوں کے مطالعہ سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ حضرات صاحبین کی رائے کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہوں گی کیونکہ اکثر متون و شروح فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے اس طرح شادی کی کہ اگر شوہر اس عورت کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، تو اس میں حضرت امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ اگر شرط پورا کیا تو مہر مسمی اور اگر شرط پورا نہ کیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن حضرات صاحبین کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں درست ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں مہر مسمی ہی واجب ہوگا، اور حضرت امام زفر کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں فاسد ہوں گی اور ایفاء شرط اور عدم ایفاء شرط کی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے مسائل درج ہیں جس میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے ان تمام مسائل میں قدرے مشترک یہ ضرور ہے کہ ایک صورت میں مہر مسمی اور دوسری صورت میں مہر مسمی یا مہر مثل واجب ہوگا۔

فقہاء احناف کے متون و شروح کے دیکھتے وقت ہر چند یہ سنی کی کہ صراحتاً کہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان اقوال ثلاثہ میں سے راجح اور مفتی بہ رائے معلوم ہو جائے لیکن میں وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ البتہ صاحب بحر علامہ شامی اور ابن ہمام وغیرہ فقہاء کرام نے امام اعظم ابو حنیفہ پر وارد ہونے والے چند اعتراض کا جواب دیا ہے، جس سے ترشح ہوتا ہے کہ انہی کا قول راجح ہے (ملاحظہ ہو وہ المحتار ج ۲ ص ۱۲۷) تو صورت مذکورہ میں اگر حضرات صاحبین کی رائے پر ہی عمل کیا جائے کہ تادمت عمر اگر شوہر نے بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھا تو اس کا مہر دس ہزار، اور اگر طلاق کا وقوع ہوا تو اس کا مہر مثلاً بیس ہزار ہوگا، تو بہتر معلوم ہوتا ہے، مہر کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے کہ مہر نکاح کے بعد فوراً ادا کر دینا چاہئے۔ لہذا اس طرح انعقاد نکاح کی صورت میں جب شوہر اپنی بیوی کو دس ہزار مہر کی رقم ادا کر دیا اور اس کے بعد تادمت عمر انہوں نے خوشی خوشی زندگی گزار لی اور اللہ کے فضل سے کوئی ناچاقی پیدا نہ ہوئی تو بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ ضرورت شرعی کے تحقق کے باوجود جب طلاق کی نوبت آئی گئی تو اب مزید دس ہزار ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ قبل دس ہزار ادا کر چکا ہے۔

یہ بات صرف ظاہر امام اعظم کے قول کے خلاف معلوم ہو رہی ہے، جیسا کہ نظائر اوپر مذکور ہوئے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ جیسے یہ حضرات صاحبین کی رائے کے عین مطابق ہے اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے دیگر متعدد اصول کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اس طرح مہر مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلاق کی وارداتیں کم سے کم وقوع پذیر ہوں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حضرات صاحبین کی رائے پر عمل کیا جائے۔ اور دونوں شرطوں کو درست قرار دیا جائے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے الاشیاء والنظائر میں یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔ "الامور بمقاسدھا"



اور اس کے ذیل میں بہت سے ایسے مسائل نقل فرماتے ہیں جو بادی النظر میں ممنوع ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جائز ہیں مثلاً میدان جہاد میں اگر کافروں نے مسلمان بچے کو پکڑ کر ڈھال بنالیا، اب مسلمانوں کی طرف سے جو تیر بھی جاتا ہے وہ سب مسلمان بچے کو لنگ رہا ہے اور چونکہ جان بوجھ کر ناحق کسی مسلمان کا خون کرنا ممنوع ہے اس لئے ایسے موقع پر تیر اندازی ممنوع ہونا چاہئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے جو تیر اندازی ہوتی ہے اس کا مقصد مسلمان بچوں کو نہیں بلکہ کافروں کا مارنا ہوتا ہے، اس لئے ایسے موقع پر تیر اندازی بند نہ کی جائے گی بلکہ تیر پھینکتے وقت کافروں کی نیت کی جائے گی، علیٰ ہذا القیاس مذکورہ بالا طریقہ سے اگر مہر مقرر کیا جائے تو اس نیت کے ساتھ جائز ہونا چاہئے کہ مقصد یہ ہے کہ طلاق کا وقوع کم سے کم ہو۔

طلاق کا کم از کم واقع ہونا جس طرح شریعت میں پسندیدہ امر ہے اسی طرح اس کا حکم بھی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کرو، طلاق نہ دو، کیونکہ اس سے عرش رحمان ہل جاتا ہے، گویا کہ طلاق کی وارداتوں کا کم سے کم وقوع پذیر ہونا مقاصد شرع میں سے ہے اور مقاصد شرع کے حصول کے لئے ہر ممکن اور جائز طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

نیز اس لئے بھی صورت مذکورہ کو جائز ہونا چاہیے کہ وقوع طلاق کے نتیجے میں بے حد نقصانات ہیں، مثلاً یہ کہ اس کی وجہ سے زوجین اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان عداوت، دشمنی، کینہ اور بغض و حسد پیدا ہو جاتے ہیں، انسان کا بسا بسا یا گھر اجڑ جاتا ہے، بچے کی پرورش و پرداخت اچھی اور نشو و نما عمدہ نہیں ہو پاتی ہے۔ طرفین کا سکون ختم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مقصد تخلیق انسان میں غلغلہ واقع ہو جاتا۔ عرش رحمان میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ حدیث و قرآن کی خلاف ورزی لازم آجاتی ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ ایک دوسرے کے رشتہ دار دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔

اور جب اس طرح مہر مقرر کیا جائے تو یقین ہے کہ طلاق کے بیجا استعمال سے لوگ گریز کریں گے، کیونکہ عوام الناس کے نزدیک مال کی قیمت بادی النظر میں بہ نسبت جان کے زیادہ ہے۔ اس لئے مال ادا کرنے کے خوف سے بڑی بڑی مشقوں کو برداشت کر کے نباہ کی صورت ضرور نکال لیں گے، لیکن طلاق پر اقدام نہ کریں گے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ایک خرابی کا لازم آنا ضروری ہے۔ اب ایسی صورت میں مسلمانوں کو احسن طریقہ سے زندگی گزارنے کے لئے فقہاء نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ جب دو امور میں سے کسی ایک کا کرنا لازم و ضروری ہو لیکن دونوں امور میں کچھ خرابی پائی جاتی ہو تو فرمایا گیا کہ "اہون البلیتین" پر عمل کیا جائے گا۔ (الاشباہ والنظائر) اب صورت مذکورہ میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مہر کی رقم

زیادہ سے زیادہ علی المرتدین مقرر کیا جائے۔ تو اس میں خرابی یہ ہے کہ تھلیل مہر کا شریعت کا جو حکم ہے اس کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مہر کم مقرر کیا جائے جیسا کہ شریعت کا حکم ہے تو خرابی یہ لازم آتی ہے کہ طلاق واقع کرنے میں لوگ ڈار بھی تامل نہ کریں گے، جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ اور جس طرح طلاق کا بکثرت وقوع مذموم ہے اسی طرح اس کے علاوہ دوسری اور بھی بست سی خرابیاں لازم آتی ہیں جو اوپر مذکور ہوتی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک خرابی لازم آتی ہے، اور دوسری صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں، جس میں سے ایک صورت اولیٰ میں لازم آنے والی خرابی کے ہم پلہ ہے اور دوسری اس سے زائد، لہذا قاعدہ پر اگر عمل کیا جائے گا یعنی بڑے نقصان سے بچنے کے لئے ہلکے نقصان کو انگیز کر لیا جائے تو کوئی حرج نہ ہونا چاہئے بلکہ جائز و درست ہونا چاہئے۔

### نکاح میں عدم تزوج کی شرط لگانا

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر مقرر کیا کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس نے اس عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا تو یہ صورت جائز ہوگی۔

کیونکہ فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے ایک عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اس کو باہر نہ لے جائے گا اور مہر ایک ہزار مقرر ہوا، اور اگر اس کو اس کے میکہ سے باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو ذکر کر کے ائمہ احناف کے درمیان اختلاف نقل کیا ہے۔ ان میں سے حضرات صاحبین کا قول یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز اور لازم العمل ہوں گی، جائز ہونے کا مطلب ہے کہ اگر شوہر نے وعدہ وفا کیا تو اس عورت کا مہر ایک ہزار، وعدہ وفا نہ کیا تو اس عورت کا مہر دو ہزار ہوگا۔ امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ شرط اول صحیح اور شرط ثانی فاسد ہے۔ یعنی اگر شوہر نے شرط پوری کی تو اس عورت کا مہر ایک ہزار ہوگا، اور اگر شرط کی خلاف ورزی کیا تو اس عورت کا مہر مسمیٰ یعنی دو ہزار واجب الادا نہ ہوگا، بلکہ مہر مش واجب ہوگا۔

امام اعظم کی طرف سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ دونوں مہر میں سے اول تو نافذ ہو گیا۔ اور دوسرا مسمیٰ معلق رہا۔ مسمیٰ ثانی کی تطبیق جس شرط پر تھی یعنی اس کو اس کے شہر سے باہر لے جانا، جب مستحق ہوا تو مسمیٰ جو معلق تھا وہ نافذ ہو گیا۔ اب دو قسم کا مہر مسمیٰ ثابت ہوئے، پہلا انعقاد نکاح کے ساتھ ہی نافذ ہو گیا اور دوسرا تحقق شرط کے وقت ثابت ہوا کیونکہ جو مسمیٰ قبل ثابت



ہو چکا ہے وہ معلق کے ثابت ہونے کی وجہ سے ختم نہ ہوا اس لئے تحقق شرط سے قبل ہی شوہر نے ایک طلاق رجعی دیدی۔ پھر یہ عورت اس طلاق کی عدت گزار رہی تھی کہ دخول دار جو شرط تھی اس کا تحقق ہوا، تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی پہلی طلاق ختم نہ ہوگی۔

علیٰ ہذا القیاس اس جگہ دو مہر مسمیٰ ثابت ہیں، جن میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں تو گویا مہر کے تعیین میں جہالت پیدا ہوگئی اور جہالت مہر کی وجہ سے چونکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے، لہذا دوسری صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

حضرات صاحبین کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں مسمیٰ معلق ہے۔ جیسا کہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عبارت اس طرح ہے۔ "و اما الثانية فكان يتزوجها على الف ان قام بها و على الغین ان اخوجها" مطلب یہ ہے کہ دونوں مسمیٰ مہر کے لئے ایک ایک شرط ہے، اور یہ الگ بات ہے کہ انعقاد نکاح کے ساتھ ایک مسمیٰ کی شرط کا تحقق ہو گیا تو وہ ثابت ہو گیا، اور جب دوسرے مسمیٰ کی شرط کا تحقق ہوگا تو دوسرا مسمیٰ ثابت ہو جائے گا۔ اور دونوں مسمیٰ میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دوسرا مسمیٰ اپنے اندر مسمیٰ اول کو لے لیا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اس کے وطن سے نکالا تو اس شخص کے ذمہ مہر کی رقم دو ہزار لازم ہوگی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں شرطوں میں سے ہر ایک کے ساتھ عورت کی غرض متعلق ہے لہذا دونوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المسلمون مند شروطهم" اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کی طلاق کو دو چیزوں پر معلق کیا اس کے بعد ایک شرط پائی گئی تو ایک طلاق واقع ہوگئی، اور جب اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری شرط کا تحقق ہوگا تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی، علیٰ ہذا القیاس جب اول مہر مسمیٰ شرط اول یعنی انعقاد نکاح کے ساتھ ہی لازم ہو گیا اور جب دوسری شرط پائی گئی تو مزید ایک ہزار اور یعنی کل دو ہزار مہر اس شوہر کے ذمہ لازم ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک مسئلہ لکھا کہ کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ بد صورت ہوگی تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ تو اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر وہ عورت بد صورت ہوگی تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ لہذا اگر یہ کہا جائے کہ صورت مذکورہ یعنی اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر اس عورت کی موجودگی میں دوسری کسی عورت سے شادی نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا اور اگر دوسری کسی عورت سے شادی کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا۔ بالکل صحیح و درست ہونا چاہئے۔ اس کی درستگی کی چند وجہیں میری سمجھ میں آرہی ہیں۔



ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی تائید دوسرے مسائل فقہیہ سے ہو رہی ہے جس میں سے بعض میں باتفاق فقہاء دو شرطوں کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور بعض میں گرچہ اختلاف ہے، لیکن بایں ہمہ دو مجلس ائقار امام و فقہیہ کا قول ضرور ملتا ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہوں گی۔ دوسرے اس وجہ سے بھی صحیح ہونا چاہئے کہ عموماً عقد نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر کسی دوسری عورت کے ساتھ شادی کر لینے کے بعد عدل بین الزوجتین قائم نہیں کر پائے گا، کیونکہ زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات ایسے ہی ہیں کہ جب ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو پہلی عورت سے بالکل صرف نظر کر لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے پہلی عورت کا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی شرط لگادی جائے تاکہ وہ شخص کسی دوسری عورت سے شادی کر کے عورت کا کوئی نقصان نہ کر سکے، اور خود عدم اقامت عدل کے عذاب میں گرفتار نہ ہو سکے۔

نیز فقہی قاعدہ ہے کہ جب کوئی شیء معاشرہ میں عام ہو جاتی ہے اور ان چیزوں کو عقل سلیم نہ مانتی ہو تو ایسی چیزوں کو منکر کہا جاتا ہے اس لئے جب کوئی منکر عمومی حیثیت حاصل کر لے تو ایسی صورت میں اسے عمومی منی عنہ قرار دے کر حکم امتناعی نافذ کر دیا جائے گا۔ اب جب کہ عام دستور ایسا ہی ہو چکا کہ بین الزوجتین شوہر عدل قائم نہیں کرتے تو ایسی صورت میں یہ حکم بھی عام کر دیا جائے گا کہ دوسری کسی عورت سے شادی کرنا اس کے لئے نامناسب ہوگا، یا ناجائز ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ حکم صاف ہے کہ اے مسلمانوں اگر تمہیں اقامت عدل میں خوف ہو تو ایک ہی عورت سے شادی کرو۔ "وان خفتن الا تعدلوا فواحدة" اب اگر شوہر عدم اقامت عدل کے خطرہ ہی میں نہیں بلکہ یقینی ہونے کے باوجود دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو گویا حکم قرآنی کی اعلانیہ خلاف ورزی کر رہا ہے اور عدم اقامت عدل کا خطرہ یقینی اس لئے ہے کہ یہ منکر عرف عام کی طرح ہو گیا اور عرف عام سے ثابت شدہ امر یقینی ہوتی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے "الثابت بالعرف محال متیقن بہ" (الذالسی صورت میں شوہر کو ایسی نازبہ حرکت سے روکنا ضروری ہوگا، جس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، منجملہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ بوقت نکاح ہی اس قسم کی شرط لگادی جائے کہ اگر اس عورت کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی کی تو اسے مہر کی رقم میں تیس ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے۔

نیز اس قسم کی شرط کے بارے میں حدیث بھی ہے کہ "المسلمون علی شروطہم الخ اسی وجہ سے حضرات صاحبین کی رائے یہی ہے کہ دونوں شرطیں جائز و معتبر ہوں گی۔

ایک شبہ: کسی کو ایسی صورت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی شرط لگانے کی وجہ سے شوہر کے لئے ایک چیز جو حلال تھی وہ ان پر حرام کرنا لازم آتا ہے۔ یعنی ہر مرد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کی

شریعت نے اجازت دی ہے اور اس صورت میں اس سے اس کو روکنا لازم آتا ہے جو ہر حال ایک حلال چیز کو حرام کرنا ہے اور وہ ہر شرط جو حلال کو حرام کر دے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے شرط مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہونا چاہئے۔

تو جواب یہ ہے کہ اس قسم کا شبہ یہاں واقع ہی نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ شبہ تو اس وقت واقع ہوگا جب اس شخص کے لئے ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی کرنا جائز ہوتا۔ اور اس جملہ میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ صورت حال اور ماحول نے انسانیت کو ایسے موڑ پر لاکھڑا کیا ہے کہ کتنا پڑے گا کہ دوسری عورت سے اس کے لئے شادی کرنا درست ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ عدم اقامت عدل بین الزوجین یقینی ہو گیا ہے۔ اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب عدل بین الزوجین قائم کرنے کا خوف ہو تو ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہے۔ دوسری کسی عورت کی لگا کرنا صحیح نہیں۔ تو میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ موجودہ دور میں قرآن کا یہ حکم "ان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة" ہی قابل عمل ہے۔ تو گویا کہ اس قسم کی شرط لگا کر عورت نے اپنے شوہر کو ایک حکم قرآنی پر عمل کی دعوت دی ہے۔

(هذا ما فهمت من كلام الفقهاء والمفسرين. والله اعلم باسواب الملاحظه هو فتح القدير ج ۳

ص ۲۳۲-۲۳۳ و بصر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ و رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۷-۱۷۸)

## عورت کا اپنی ملازمت کی شرط لگانا

بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو موجودہ ملازمت یا آئندہ ملنے والی ملازمت سے نہ روکے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے، یعنی اگر اس قسم کی شرط لگا کر کسی کا نکاح ہوا تو یہ شرط فاسد ہوگی، اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں انسان کو مخدوم اور دیگر تمام مخلوقات کو خادم کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام حالات و واقعات میں اس کی رہنمائی کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس برگزیدہ شخصیت نے جہاں اور تمام احکام کی عملی اور قولی تشریح فرمائی ہے وہیں خاص مرد و عورت کے حقوق و فرائض کی تعیین بھی کی ہے۔ مردوں کو حکم ہوا۔ "سیروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ" اور دوسری جگہ حکم ہوا کہ جب نماز پوری کر چکو تو تلاش معاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔ لیکن عورتوں کو اس قسم کا حکم نہیں آیا کہ تم بھی تلاش معاش میں سرگرداں پھرتی رہو۔ بلکہ ایسے

موقعہ پر ارشاد ہوا کہ عورت کا اپنے مرد کے ساتھ تجارت میں شریک ہونا یعنی کار تجارت مل کر انجام دے رہے ہوں یہ علامت قیامت میں سے ہے۔ اسی طرح عورت و مرد کے فرق مراتب کو بیان کیا گیا "الرجال قوامون على النساء" کہ مردوں کو عورتوں کا حکام بنایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مردوں کو عورت کا حاکم بنانے میں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں کار فرما ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے اختیار کی بات ہے کہ بعض کو افضل اور بعض کو مفضول کر دیں۔ "و بما فضل الله بعضهم على بعض" دوسری وجہ ہے کہ مرد کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنی محنت و مشقت سے کما کر عورت پر مال خرچ کرے "و بما انفقوا" تیسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورت کے بہت زیادہ عنایت کی ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو ناقصات عقل و ناقصات دین کہا گیا ہے۔

پس اگر عورت بذات خود یا اس کا ولی یا وکیل بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ شوہر اس عورت کو اس کی موجودہ ملازمت سے یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہ روکے گا۔ اور ہونے والا شوہر اس شرط کو قبول و منظور بھی کر لیتا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن شوہر پر اس شرط کی پابندی ضروری نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر اپنی اسی بیوی کو اس کی موجودہ یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ شوہر کا حکم مان کر ملازمت سے باز آجائے۔



## اشترائط فی النکاح اور اس کے احکام

مولانا محمد اقبال قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

عقد نکاح کے ساتھ فریضین جو شرائط طے کرتے ہیں ہم ان کو تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ مختصر لفظوں میں اس کو یوں تعبیر کر سکتے ہیں۔ وہ شرائط جو مقضائے عقد کے مطابق ہوں جیسے نفقہ، سکنی اور کسوت کی شرط لگانا۔

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے

گریز ہو۔

۳۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم میں سے کسی کے دائرہ میں

نہیں آتی ہے، اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل

نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ

ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی

میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، اس کی فقہی تعبیر **مالیس من القسمین** سے

ہو سکتی ہے۔

## پہلی قسم کا شرعی حکم

اس قسم کے شرائط کا حکم یہ ہے کہ انکا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے کیونکہ وجوب فریقین کی آپسی اور باہمی رضامندی پر موقوف نہیں بلکہ شریعت بیضاء نے از خود محض عقد کی بنیاد پر واجب کر دی ہے، اگرچہ بوقت عقد اس کی تصریح یا شرط نہ لگائی گئی ہو، مسلم شریف میں حدیث ہے ”ان احق الشروط ان یوفی بہ ما استحللتم بہ الفروج“ (مسلم شریف ۱-۲۵۵) پوری کرنے کے اعتبار سے لائق ترین وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا، علامہ خطابی شرائط نکاح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فمنها ما یجب الوفاء بہ اتفاقاً وهو ما امر اللہ بہ من امساک بمعروف او تسریح باحسان“ (حاشیۃ بخاری ۲-۲) ”بعض شرائط وہ ہیں جن کو پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے اور وہ ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی یا تو معروف طریقے پر روکنا یا اچھے طرز پر چھوڑ دینا۔“

تقریر ترمذی میں حضرت شیخ السنندی تحریر فرماتے ہیں۔

”الشروط اللاتی من مقتضیات النکاح مثل المہر و النفقہ و السکانی لا مطلق الشروط فہذا الشرط یجب علی الزوج استیفاؤھا، تقریر الترمذی للشیخ محم ود حسن الدیوبندی مع سنن الترمذی، ص ۳۷ ج ۲“

حضرت عمر کا قول ”المؤمنون علی شروطہم مند مقاصع حقوقہم“ (بخاری شریف ۲-۲)

## دوسری قسم کا شرعی حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہیں اور نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اور ان شرائط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ ان شرائط کی وجہ سے ان چیزوں کا ابطال لازم آتا ہے جو شریعت نے عقد کی بناء پر واجب کی ہے اسی وجہ سے جب حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث پیش کی کہ ”میرے شوہر ابو عمرو بن حفص نے مجھے طلاق بتے دے دی، جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تیرے لئے عدت میں نہ نفقہ ہے“ مکنی ”تو حضرت عائشہ نے ان کی روایت کو شریعت کے خلاف دیکھ کر فرمایا ”فاطمہ کو کیا ہو گیا کیا وہ اللہ سے (اس روایت کو بیان کرنے میں) نہیں ڈرتی“ اور حضرت عمر نے تردید کرتے ہوئے فرمایا:

لاندع کتاب ربنا وستہ نبینا بقل امرأۃ نسیت او شبہ لها“ (مشکوٰۃ شریف ۲-۲۸۸)

حدیث میں ہے!

” ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط - قضاء الله احق و

شرط الله اوثق ” (بخاری شریف ۱- ۳۷۷)

” جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے خواہ ایک سو شرائط کیوں نہ ہوں، اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے لائق ہے اور اللہ کی شرط زیادہ معتمد علیہ ہے ” حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

” وہ شرط جو مقتضائے نکاح کے خلاف اور منافی ہو مثلاً یہ شرط کہ عورت کے لئے کوئی باری رات گزاری کی نہیں، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے کسی باندی سے جماع نہیں کرے گا، یا نفقہ نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ، تو اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں بلکہ اگر صلب عقد میں یہ شرط واقع ہو تو شرط لغو اور باطل قرار پائے گی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہو جائے گا ” (فتح الباری ۹- ۶۱۸ باب الشروط فی النکاح، شرح مسلم للنووی ۱-

(۲۵۵)

علامہ خطابی نے اس قسم کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ” ومنها ما لا یوفی بہ اتفاقاً ” (حاشیہ بخاری

شریف ۲- ۷۷۳)

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی شرط فاسد سے نکاح کے عدم فساد کو ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں:

” النکاح لا یفسد بالشرط الفاسد ” (بدائع الصنائع ۲- ۶۸۶) نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

## تیسری قسم کا شرعی حکم

اس نوع کا حکم مختلف فیہ ہے، امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا (المغنی لابن قدامہ ۶- ۵۳۹) جب کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیں قضاء لازم الایفاء نہیں، اور ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ دیانتاً ضروری ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ” و اوفوا بالمہدان المہدکان مسنولاً ” تم اپنے عہد کو پورا کرو، بلاشبہ تم سے عہد کے بارے میں بروز قیامت سوال ہوگا۔ اسی طرح ” یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالمعقود ” امام ترمذی دونوں مسکلوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

جب کسی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو نکالے یہی امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے، اور علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ



عورت کی شرط سے پہلے اللہ کی شرط ہے، گویا انہوں نے شوہر کو نکلنے کی اجازت دی، اگرچہ عورت نے نہ نکلنے کی شرط لگادی ہو۔۔۔ یہی سفیان ثوری اور بعض کوفیین کا قول ہے " (ترمذی ۱۔ ۲۱۳)

امام ترمذی نے امام شافعی کا مسلک اگرچہ امام احمد کے مطابق ذکر کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر امام ترمذی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں " والنقل فی هذا من الشافعی ضریب " (فتح الباری ۹۔ ۲۱۸) امام نووی نے بھی یہی لکھا ہے (کما فی شرح مسلم للنووی ۱۔ ۲۵۵)

بدائع میں علامہ کاسانی احناف کا مسلک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ان ما شرط الزوج من طلاق المرأة و ترک الخروج من البلد لا يلزمه فی الحكم لان ذالك و مدلهما فلا يكلف به " (بدائع الصنائع ۲۔ ۲۸۵)

بلاشبہ دوسری بیوی کو طلاق دینے یا شہر سے نہ نکلنے کی شرط شوہر کے لئے قضاء لازم نہیں ہے، اس لئے کہ یہ وعدہ ہے جس کا شوہر کو مکلف نہیں بنایا جاسکتا ہے، اور لگے ہاتھوں "الکوکب الدرری" کی وہ عبارت ذکر کر دینا بر محل ہے جو مذکورہ تین قسموں کو مع ان کے احکام کے شامل ہے۔

" و الحاصل ان الشروط ثلثة اصناف - ما يوجبہ الزواج من غير اشتراط كالنفقة و السكنى - فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط - و ما ينافى كتاب الله و نص رسوله - فهذا لا يجوز العمل بها و ان اشترط ... و ما ليس من القسمين فهى مباحة اتيانها و ترکها - فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط - و ان لم يكن يشترط لا " (الکوکب الدرری ۱۔ ۳۳۷)

## ۲۔ شرائط تفویض اور اس کے احکام

" عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں نکل سکتی ہیں "

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہو جائے۔

۲۔ بوقت عقد نکاح ان شرائط کا زبانی ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

پھر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد شوہر تفویض طلاق کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟

## عقد نکاح سے قبل شرائط تفویض

اجمالاً یہ سمجھنا چاہئے کہ تفویض طلاق کی مذکورہ تینوں صورتیں معتبر اور درست ہیں مگر پہلی اور دوسری صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے ایک شرط ہے جس کو ابھی ہم بیان کریں گے۔ رہا تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنا تو یہ شوہر کے قبضہ سے خارج ہے، اس کی زبان سے تفویض کے الفاظ نکلنے کے بعد اس کو ختم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی بہت ہی عمدہ اسلوب میں لکھتے ہیں:

” اما بیان صفتہ فهو انه لازم من جانب الزوج حتى لا يملك الرجوع منه و لا نهى المرأة

صا جعل اليها و لا فسخ ذلك ” ابدائع الصنائع ۳-۱۱۳

” اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ زوج کی جانب سے لازم ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس سے رجوع یا عورت کو حق تفویض سے روکنے کا نہیں، اور نہ اس کو فسخ کرنے کا حق ہے۔“

تفصیل یہ ہے کہ اگر تفویض نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے تو اس کے معتبر ہونے اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو۔ مثلاً یہ لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں، اور تفویض نامہ میں ذکر کردہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر جس وقت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جائے۔۔۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ تفویض نامہ غیر معتبر ہوگا اور اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

صاحب قدوری تعلق بالشرط کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” و لا يصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيفه الى ملكه فان قال لاجنبية

ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق ” (قدوری کتاب الطلاق- ۱۷۲)

اور طلاق کی نسبت شرط کی جانب درست نہیں مگر یہ کہ طلاق کو معلق کرنے والا مالک ہو یا ملکیت کی طرف طلاق کو منسوب کرے، اسی وجہ سے اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوتی تو تجھ کو طلاق، پھر اس سے شادی کر لی اور پھر وہ گھر میں داخل ہوتی تو طلاق نہیں ہوگی۔“

عالمگیری میں تفویض بالشرط کو معلق کرنے کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

” دوسری قسم فلاں وقت تک مہر معجل کو ادا نہ کرنے کی صورت میں تعلق تفویض، اس قسم کو لکھنے کا طریقہ یہ

ہے کہ عورت کے امر کو مطلقاً اس کے اختیار میں دے دے ایک طلاق بائن واقع کرنے کے بارے میں اس شرط کے ساتھ کہ جب مہینہ کے شروع یا آخر کے ایام گزر جائیں اور شوہر پورے مہر معجل کو ادا نہ کرے، جس کی مقدار اتنی ہے تو عورت اپنے آپ کو ایک طلاق بائن اس مدت کے بعد جب چاہے دیدے گی اور اس طلاق کو اس نے اس کے حوالہ کر دیا۔ اور عورت نے مجلس تفویض میں اس کو قبول کر لیا۔ تیسری قسم تفویض کو شوہر کے جوا کھیلنے یا شراب پینے یا سخت پٹائی کرنے کی شرط کے ساتھ معلق کرنا، اس تفویض نامہ کو بھی تحریری شکل میں لانے کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے (دوسری قسم میں) بیان کیا (عالمگیری کتاب الشروط ۶-۷۷۱)

اور اس پہلی صورت کو لکھوانے اور زبانی کہنے کا حکم برابر ہے، لیکن چونکہ عموماً لکھوانے کا معمول ہے اور اس کے بغیر شوہر کے لئے انکار اور ٹال مٹول کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے اس کو قید تحریر میں لے آنا احتیاط ہے۔

اور اگر اضافت الی النکاح نہ ہو تو اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر تحریر عقد نکاح سے قبل لکھوالی گئی اور دوہا اور گواہان کے دستخط بعد عقد کرائے گئے تو اس صورت میں تفویض نامہ کی تکمیل کے بعد عقد نکاح ہونے کی وجہ سے اضافت کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ تیسری شکل میں داخل ہے۔

### بوقت عقد نکاح شرائط تفویض

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، یہ صورت بھی معتبر اور درست ہے، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً خود عورت یا اس کا باپ یا رکیل عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ "میں نے اپنے آپ کو یا مسماة فلانة بنت فلان کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر آپ نے فلان، فلان کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ، یا مسماة موصوفہ کے ہاتھ میں ہوگا اور شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جب چاہے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر لوں، اس کے جواب میں مرد نکاح کے میں نے قبول کر لیا یا شرائط سمیت قبول کر لیا۔ اس کے بعد جب عورت شوہر کی جانب سے شرط کی خلاف ورزی دیکھے تو ایک طلاق بائن کے ذریعہ جدائی اور فرقت اختیار کر لے۔

اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض کے شرائط بھی ذکر کریں تو شرط باطل اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہو جائے گا اور عورت کے لئے کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا۔



علامہ شامی در مختار کی عبارت ” نکحها علی ان امرها بیدھا صح “ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

” مصنف کا قول ” صح “ مقید ہے اس کے ساتھ کہ ابتداء (ایجاب) عورت کی جانب سے ہو، لہذا عورت کے گے گی کہ میں نے اپنی شادی تجھ سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب جب بھی چاہوں گی میں اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی اور شوہر اس کو قبول کر لے، اور اگر ابتداء (ایجاب) زوج کی جانب سے ہو تو طلاق واقع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا، اور امر اس کے اختیار میں نہ ہوگا (الدر المختار مع رد المحتار ۲-۵۷۶ ط ما جدیہ پاکستان)

فتاویٰ ہندیہ کتاب الحیل میں مرقوم ہے۔

” حيلة اخرى في اصل المسئلة ان تقول المرأة للمحلل زوجت نفسي منك على ان امرى بیدی اطلق نفسي كلما ارید ثم يقبل الزوج فيصير الامر بیدھا تطلق نفسها كلما ارادت . و لو بدء المحلل فقال تزوجتك على ان امرک بیدک تطلقى نفسك كلما تریدین فقبلت لا يصير الامر بیدھا “ (ہندیہ ۲-۳۹۲)

عورت اور مرد کے ایجاب میں فرق بیان کرتے ہوئے فقہ ابو اللیث سمرقندی لکھتے ہیں:

” اس لیے کہ ابتداء جب زوج کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تقویض نکاح سے قبل ہو جائے گی اور یہ درست نہیں اور جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تقویض نکاح کے بعد ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ جب مرد نلک نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب سوال کو متضمن ہوتا ہی ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ شوہر کہہ رہا ہو کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھ کو طلاق کا اختیار ہوگا، یا تیرا امر تیرے اختیار میں ہوگا، چنانچہ یہ تقویض نکاح کے بعد ہو رہی ہے (شامی ۲-۳۷۷)

شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ وجہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک میں تقویض نکاح سے قبل ہے جو درست نہیں اور ایک میں بعد نکاح ہے جو درست ہے۔ لہذا اگر شوہر ایجاب کرے اور تقویض کی نسبت ما بعد النکاح کی طرف کرے اور عورت قبول کر لے تو بھی تقویض درست ہوگی، فتاویٰ ہندیہ میں لکھا ہے:

” وحيلة اخرى ان يقول الزوج للمحلل للمرأة تزوجتك على ان امرک بیدک بعدما تزوجتک و طلقى نفسك كلما تریدین فقلت المرأة، قبلت يصير الامر بیدھا ایضا “ (ہندیہ

اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر شرط تفویض کا ذکر نہیں ہوا اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کے اضافہ کے ساتھ قبول کیا تب بھی تفویض درست ہے، لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ بالشرط قبول کرے یا بلا شرط، عورت جبر نہیں کر سکتی، کیونکہ جب عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور مرد نے اس کو قبول کر لیا تو اب شرائط کا ذکر عورت کے قبضے سے خارج ہو گیا اب تو مرد کے لئے اختیار ہے کہ مطلق قبول کرے یا مشروط، اس لئے جو عورت احتیاط کی طالب ہو اسے ایجاب کو شرط کے ساتھ مقید کر دینا چاہئے تاکہ مرد کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کا موقع نہ رہے۔ البتہ اگر مرد کے قبول سے پہلے عورت یا ولی کو شرط کا خیال آگیا اور ذکر کر دیا تو بھی بلا شرط قبول کرنے کا حق نہ رہے گا فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”ہمارے نزدیک فی الفور قبول کرنا شرط نہیں۔۔۔ شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو“ (ایضاً ۱۔)

(۷۷۹)

### عقد نکاح کے بعد شرائط تفویض

اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد تفویض نامہ تحریر کیا جائے۔ یا زبانی شوہر کے طلاق کو عورت کے سپرد کر دیا جائے یہ درست ہے اور عورت کو اختیار ہوگا طلاق واقع کرنے کا۔

پھر تفویض اگر مطلق ہو اور وقت کو ذکر نہ کیا گیا تو یہ تفویض مجلس علم تک محدود رہے گی، اگر وہ اپنے کو اس مجلس میں اختیار کر لے تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ورنہ حق تفویض ختم ہو جائے گی۔ بدائع الصنائع میں ہے:

” فان كان مطلقا بان قال امرک بیدک فشرط بقاء حکمہ بقاء المجلس و هو مجلس

سلمها بالتفویض فما دامت فی مجلسها فالامر بیدها“ (بدائع الصنائع ۳۔ ۱۱۳)

اور اگر تفویض موقت ہو لیکن وہ وقت عام ہو، ایام، اشہر اور سنین کے ساتھ تحدید نہ ہو تو عورت کا اختیار مجلس تک مقید نہ ہوگا بلکہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے۔ علامہ کاسانی نے بست ہی عمدہ انداز میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

” فاما اذا كان موقتا فان اطلق الوقت بان قال امرک بیدک اذا شئت او اذا ماشئت او

متى ماشئت او حیثما شئت فلها الخيار فی المجلس و ضمیر المجلس و لا یتقید بالمجلس ...

فلها ان تطلق نفسها فی ای وقت شئت، الا انها لا تملك ان تطلق نفسها الامرة و اجمدة“ (ایضاً

(۱۱۵۔۳)

یہ تیسری صورت شوہر کی رضا مندی پر موقوف ہے، اس پر شوہر کو مجبور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عقد نکاح کے بعد شرط کو منوانا بیوی کے اختیار سے باہر کی بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو عورت مستقبل میں شوہر کے مصائب و آلام اور ضرب موج سے خلاصی چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ تفویض نامہ، اقرار نامہ، شرائط نامہ نکاح سے پہلے یا عقد کے وقت لکھوالے۔

### تفویض نامہ میں احتیاطا مزید قیودات

چونکہ عورتیں ناقص العقل والدین ہوتی ہیں۔ اس لیے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھوں میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ تفویض نامہ میں مناسب قیود احتیاطا لگادی جائیں جو مفید ہوں اور بیجا تصرف کا سد باب کریں، مثلاً عورت یا متولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلانہ بنت فلان کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلان فلان اشخاص میں سے کم از کم دو تین افراد تسلیم کریں اور وہ دونوں یا تینوں طلاق کو مناسب بھی کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جدائی اختیار کر لوں، یا مرد مہر معاف کرنے کی شرط لگالے اور عورت یوں کہے کہ "مہر معاف کر کے اپنے آپ کو اختیار کر لوں گی" بحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں

"قال لها امر ثلاث تطليقات بيدك ان ابرائتي من مهرک ... ان قدمت الابرأ وقع و ان

لم تبرأه من المهر لا يقع لان التوكيل كان بشرط الابرأ" (البحر ۳ - ۳۶۹)

"بیوی سے کہا تینوں طلاقوں کا مسئلہ تیرے ہاتھ میں ہے اگر تو اپنے مہر سے بری کر دے۔۔۔ اگر پہلے عورت بری کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر مہر سے بری نہیں کیا تو نہیں پڑے گی اس لئے کہ توکیل ابراہ کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔"

### مہر کی تکثیر و تقلیل کا مدار وجود شرط پر

بعض شرطیں اور ان کا حکم - ۱۔ بوقت عقد اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو مہر دس ہزار ہے - ۲۔ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر نہیں نکاح کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔



اس طرح کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا دینا واجب ہے قضاء واجب نہیں، اس لئے کہ اس کی حیثیت محض وعدہ کی ہے اور وعدہ کو پورا کرنے کا قضاء مکلف نہیں بنایا جاسکتا، اگرچہ مومن کی شان ایفاء عہد بتلائی گئی ہے "و الذین یوفون بعهدهم و لا ینقضون المیثاق" نیز وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ "واوفو بالعهد ان العہد کان مسموعاً" لیکن ان نصوص کی بنیاد دیانت اور تقویٰ پر ہے۔ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں

"ان ما شرط الزوج من طلاق المرأة و ترک الخروج من البلد لا یلزمه فی الحکم لان ذالک

وحدلها فلا یكلف به" (بدائع ۷-۷۸۵)

حضرت عمر کا ارشاد گرامی ہے: "المؤمنون علی شروطهم عند مقاطع حقوقهم" حاشیہ

بخاری ۲-۱۷۷۲

باقی جہاں تک مہر کا مسئلہ ہے تو اگر شرط کو شوہر نے پورا کر دیا اور بیوی کو طلاق نہیں دی یا دوسرے سے عقد نہیں کیا تو اس کے لئے مہر مسمی لازم ہوگا، اور دوسری صورت میں جب کہ شوہر نے وعدہ خلائی کی، اور بیوی کو طلاق دے دی یا دوسری عورت سے عقد کر لیا تو مفتی بہ قول کے مطابق امام اعظم کے نزدیک مہر مثل لازم ہونا چاہئے اور صاحبین کے نزدیک جو طے ہوا ہے عدم ایفاء کی صورت میں وہ لازم ہونا چاہئے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"و اما المهر فالشرط الاول جائز بلا خلاف فان وقع الوفاء به فلها ما سمي حلی ذالک

الشرط و ان لم يقع الوفاء به فان كان حلی خلاف ذالک او فعل خلاف ما شرط لها فلها مهر

مثلها لا ینقص من الاصل و لا یزاد علی الاکثر و هذا قول ابی حنیفة و قال ابو یوسف و محمد

الشرطان جائزان ابدائع ۷-۷۸۵)

لیکن اس طرح کے شرائط درست نہیں معلوم ہوتے۔ اس لئے کہ بسا اوقات زوجین کے مابین ایسی تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ اور اس میں قصور وار اور خطاوار صرف عورت ہی ہوتی ہے۔ اگر اس طرح کی شرطیں لگائے کی عام اجازت دی جائے گی تو اس سے مقصد طلاق فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے، نیز اس کی وجہ سے عورت بیچارہ پر جسارت اور جرات کرے گی، اور شوہر کے "قوام" ہونے کے بجائے عورت "قوام" ہو جائے گی اور یہ شرطیں تھنہ کے لئے سد باب کے بجائے فتح باب ثابت ہوں گی، اس لئے میرے نزدیک اس طرح کی شرطیں بالکل بیجا اور راہ حق سے بالکل بست دور معلوم ہوتی ہیں جن کی عورتوں کو بالکل اجازت نہیں دی جاسکتی، اور بے وجہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش نظر نہیں آتی اس لئے امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

البتہ جس شخص کی خصلت خراب ہو، انتہائی بد دین اور راہ صواب سے ہٹا ہوا ہو اور اس کے بارے میں یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی پر ظالمانہ، سفاکانہ رویہ اختیار کرے گا، اور عدم قدرت کے باوجود ایک سے زائد شادی کرے گا یا طلاق دیدے گا، تو ایسی صورتوں میں مناسب شرائط یا مہر میں اضافہ کرنا بالکل بجا اور درست ہے اور صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن یہ شاذ و نادر ہے جس پر عمومی حکم نہیں لگایا جاسکتا مختصر یہ ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر دیا جائے گا صاحبین کے قول پر نہیں!

### ۳۔ خواتین کی ملازمت کی شرعی حیثیت اور عقد نکاح میں اس کی شرط

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں اور بعض اوقات بڑے بڑے مہلکوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ دنیا کے اس آخری دور میں یورپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم و قوی روایات سب توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا اور تمدن و معاشرت کو ایسے سلنچے میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، لہذا انہوں نے عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا اور جتنی مراعات مردوں کو دیں وہ تمام عورتوں کو بھی دیں اور اپنے آپ کو آزادی نسواں اور مساوات کا علم بردار ظاہر کیا اور اسلام پر تنگ نظری، بیجا عورتوں پر ظلم، تعصب، عورتوں کو مظلوم اور دقیانوسی جیسے جملے کے، اور پردہ وغیرہ کے اسلامی آئین کو انسانیت سوز اور ترقی کی راہ میں حائل قرار دیا۔ چنانچہ عورتیں ملازمت، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت و وزارت اور ان کے علاوہ مختلف مناصب و مہدوں پر مردوں کے بالکل ہم پلہ نظر آتی ہیں جو یورپ کی دین ہے۔ اور مغرب کی یہ وبا بادغزاں کی طرح مشرق میں بھی پھیل گئی۔

لیکن قرمان جیسے اسلام اور اس کے قانون اور آئین پر جس نے جن چیزوں کو جہانم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے ان کے مقدمات پر بھی پابندیاں عائد کیں اور ان کو ممنوع قرار دیا، اس معاملہ میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نہی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کو بے حجاب اختلاف سے روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی، اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا مہیا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا سب لوگوں کے سامنے یا کھلے میدان میں جاری کرنے کا حکم دیا کہ اگر ایک مرتبہ



کسی بدکردار پر جاری کردی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے اور پھر کبھی اس جیسی ناشائستہ اور فلفط حرکت کی طرف اقدام کرنے کی جرات اور بیجا جسارت نہ کر سکے۔

اہل یورپ اور ان کے دل دادہ مقلدین اور خواہش پرست طبقہ نے اپنی فحاشی کے جواز میں عورتوں کے پردہ کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بحثیں کی ہیں جن کا مفصل جواب علماء کرام اور مفتیان عظام نے مطول کتابوں میں لکھ دیا ہے، اختصاراً اسما سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ بے فائدہ اور نفع سے خالی تو کوئی جرم نہیں، ارشاد باری ہے ”یسئلونک من الخمر و المیسر قل فیہما اثم کبیر و منافع للناس“ اس طرح بے پردگی میں اگرچہ کچھ معاشی فوائد بھی ہوں مگر جب پورے ملک پوری قوم کو ہزاروں فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے اور ہلاکت کے اندھیرے اور عمیق غار میں ڈال دے تو پھر اس کو نفع کناسی دانشمندی کا کام نہیں ہو سکتا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد یہ بات واضح ہے کہ خواتین کا کوئی ایسا کام کرنا جس کے لئے گھر سے باہر ہونا پڑے یا اس میں بے پردگی ہوتی ہو، اسلام کی پاکیزہ روح اور مقدس مزاج کے بالکل مقصادم ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دے سکتی ہے اور ملازمت میں بغیر ضرورت شرعیہ کے گھر سے باہر ہونا پڑتا ہے، اور بے پردگی کا یقین نہیں تو ظن غالب ضرور ہے اور دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اور قرآن کریم نے بغیر شرعی مجبوری کے نکلنے کو زمانہ جاہلیت کا شیوہ قرار دیا ہے

” وقرن فی بیوتکن و لا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ ... وقرن فی بیوتکن من آیات اللہ و

الحکمة (احزاب آیت ۳۲ - پ ۷۷)

ترجمہ۔ اور تم عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو۔۔۔ اور اپنے گھروں میں آیات اور حکمت سے نصیحت حاصل کرو“ حدیث شریف میں ہے:

ولیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرة“ (طبرانی کذا فی الکنز ۸ - ۷۲۳)

”عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ اضطراری صورت خروج کی پیش آجائے“

لذا ان نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے خواتین کا بوقت عقد اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب عہدہ یا ملازمت ملے تو شوہر پابندی یا رکاوٹ نہیں ڈالے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کر لیتا ہے تو بھی یہ شرطیں لازم العمل نہیں اور یہی نہیں بلکہ اس جیسی سوشل شرطیں بھی لگائیں تو بھی پابندی ضروری نہیں۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے:



” ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط “

جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں ہیں وہ باطل ہیں اگرچہ سو شرطیں کیوں نہ لگالی جائیں “

نیز ملازمت کی شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی اگر شوہر سلسلہ ملازمت سے عورت کو روکے اور ملازمت ختم کرنے کا حکم دے تو عورت کو شوہر کے حکم کی تعمیل ظاہر نصوص کی بنا پر واجب ہوگی، اس لیے کہ جب شریعت نے نفقہ کسوا اور سکنی کی ذمہ داری سے عورتوں کے کندھے کو ہلکا کر دیا اور گھر سے باہر کے کام کی ذمہ داری نیز عورتوں کے حوائج اور ضرورت کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ عورت تعمیل حکم میں پس و پیش کرے اور چوں و چرا کے ذریعہ گریز کی راہ اختیار کرے، اور شیاطین جن و انس کے جان کی قیدی بنے اور اپنی بابرکت زیارت سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے۔ حدیث شریف میں اسی لطیف امر کی طرف اشارہ ہے :

” ان المرأة تقبل في صورة شيطان و تدبر في صورة شيطان “ (مشکوٰۃ من مسلم ۷ -

(۷۷۸)

” واقعاً عورت شیطان کی صورت میں آتی جاتی رہتی ہے “

دوسری جگہ ہے ۔

” المرأة صورة فاذا خرجت استشرها الشيطان “ (مشکوٰۃ من الترمذی ۷ - ۷۷۹)

عورت پوشیدہ رہنے کی چیز ہے جب نکلتی ہے تو شیطان ماک لیتا ہے ۔

” هذه خلاصة ما طالعت من الكتب القيمة و ما الهمني ربي من الكلام و هو يهدي السبيل و السلام

## اشترائط فی النکاح

مولانا شاہد قاسمی

عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ شرائط جو بذات خود صحیح اور مقتضائے عقد کے مطابق ہیں۔

۲۔ وہ شرائط جو خود صحیح ہیں، لیکن مقتضائے عقد کے خلاف ہیں۔ البتہ ذکر سے لازم ہو جاتی ہیں۔

۳۔ وہ شرائط جو فاسد ہیں، لیکن ان کے ذکر سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شرط فاسد ہو جاتی ہے

چنانچہ اس سلسلہ میں صاحب "قانون الاحوال الشخصیة" ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اذا اقرن عند الزواج بشرط ینافی اصلہ بطل العقد" - اور "اذا اقرن بشرط

لا ینافی اصلہ و لکن ینافی مقتضائہ او کان محرماً شرماً بطل الشرط و صح العقد" جب وہ ایسی

شرط سے مقرن ہو جو اصل عقد کے منافی نہیں لیکن مقتضائے عقد کے منافی ہو یا شرماً حرام ہو، تو شرط باطل ہے

اور عقد صحیح ہے۔ "و اذا اقرن لا ینافی اصلہ و لا مقتضائہ ولیس محرماً شرماً صح الشرط

ووجب الوفاء به فان لم یوف به کان للمشرود له حق الفسخ" صفحہ ۱۲ وہ ایسی شرط سے مقرن

ہو جو نہ تو اصل عقد کے منافی ہو اور نہ مقتضائے عقد کے، اور نہ ہی شرماً شرط صحیح اور لازم الایفاء ہے، لہذا عدم وفاء کی

علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد نکاح کے ساتھ عائد ہونے والی شرطیں دو نوعیت کی ہیں۔ (۱) شرط صحیح (۲) شرط غیر صحیح۔ البتہ ان شرطوں کے مؤثر ہونے اور مؤثر نہ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ نیز شرط صحیح کی توضیح میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں۔

امام مالک کے نزدیک شرط صحیح کی دو قسمیں ہیں (۱) صحیح غیر مکروہ (۲) صحیح مکروہ، شرط صحیح غیر مکروہ۔ یعنی عقد نکاح کے سبب وہ چیز لازم ہو اور اس کا اثر ہو، مثلاً مرد بیوی پر اطاعت و فرمانبرداری کی شرط لگائے، یا گھر سے باہر بلا اجازت نہ جانے کی، یا شوہر پر نان نفقہ کی وغیرہ، یہ ایسی شرائط ہیں جو عقد کے سبب واجب ہیں۔ گرچہ شرط نہ لگائی جائے۔

شرط صحیح مکروہ۔ ایسی شرط جو عقد مشروطہ کے خلاف ہو اور محض شوہر پر تنگی کرنا مقصد ہو۔ مثلاً بیوی کی یہ شرط کہ شوہر میری موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے، یا مجھے سفر میں نہ لے جائے، یا مجھے دوسری جگہ منتقل نہ کرے وغیرہ۔ تو ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں، بلکہ مستحب ہیں اور عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے (احکام الشریعۃ لا حوال الشخسیۃ ص ۱۰۹ ج ۲)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تھاخذ کرے یا جس کا عقد متقاضی تو نہ ہو، لیکن زوجین میں سے کسی کا فائدہ ہو اور شارع علیہ السلام کی طرف سے نہ ہو تا کہ مقاصد عقد میں غفل ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان و نفقہ شوہر پر لازم ہوگا، یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا وغیرہ، یہ شرائط صحیح اور لازم الایفاء ہیں، خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد پر رضا موقوف ہے شرط کے تحقق پر، یہاں شرط کا تحقق ہوا نہیں، لہذا رضا نہیں پائی گئی اور جب رضا نہیں پائی گئی تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔

اور احناف کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تھاخذ کرے، یعنی عقد نکاح کے ذریعہ ثابت ہونے والے احکام میں سے کسی حکم کو واجب کرے (بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری کی شرط) یا عقد کے تھاخذ کو مؤکد کرے، (بیوی کا ولی یہ شرط لگائے کہ مہر اور نفقہ کا کفیل شوہر کا والد ہوگا) یا شریعت نے جس کا اختیار دیا ہو (تعویض طلاق) یا جو عرف کی رو سے ثابت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرطیں لازم الایفاء ہیں، لیکن فریقین میں سے جس نے اس شرط کا التزام کیا ہو، اگر اسے پوری نہ کرے تو مشروطہ کو فسخ کا حق نہ ہوگا۔ کیوں کہ احناف کے نزدیک صحت عقد کے لئے محض ایجاب و قبول کا پایا جانا کافی ہے۔ اس کے بعد عقد نکاح مؤکد ہو جائے گا، فریقین کی رضا مندی ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ مکروہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ حالانکہ رضا مندی نہیں ہے۔ لقولہ صلیہ



السلام "ثلاث هزلهن هزل وجد من جد"

اس ضمن میں عبدالرحمان جزیری اسی کتاب "الفقه علی المذاهب الاربعہ" میں لکھتے ہیں:

فانقاصه فيه ان كما لا يؤثر في العقد مطلقاً ثم ان كان هو من مقتضى العقد فانه ينفذ

طبيعته و الا بطل الشرط و صح العقد من ۷۵ ح ۳

قاعدہ اس میں یہ ہے کہ شرط علی الاطلاق مؤثر نہ ہوگی، پھر اگر وہ مقتضائے عقد میں سے ہے تو طبعاً نافذ ہوگی ورنہ شرط باطل اور عقد صحیح ہے۔

مذکورہ تصریحات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہور فقہاء عظام ایسی شرطوں کی صحت پر متفق ہیں جو مقتضائے عقد کے مطابق ہیں، جس طرح کہ اس شرط فاسد پر اتفاق ہے جو رشتہ ازدواج کے مقصود کے خلاف یا احکام شرعیہ کے مخالف ہے۔

۷۔ شرط فاسد۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک شرط فاسد وہ ہے جو مذکورہ صورتوں میں سے نہ ہو (جن کا شرط صحیح کے تحت بیان ہوا) لیکن فریقین میں سے کسی ایک کی مصلحت و منفعت ہو تو ایسی شرط لغو اور باطل ہے صحت عقد میں مؤثر نہیں (الدر المختار علی هامش رد المحتار۔ فصل فی المحرمات۔ ص ۲۰۵ ح ۷ کذا فی الانصار ص ۱۵۹ ح ۸) البتہ اگر عقد کو کسی شرط پر معلق کرے مثلاً یہ کہ اگر تیرا باپ راضی ہو تو میں نے تجھ سے نکاح کر دیا، تو نکاح صحیح نہیں ہوا، اس لئے کہ نکاح تعلیق کو قبول نہیں کرتا ہے۔

علامہ حسکفی فرماتے ہیں:

"و النکاح لا یصح تعلیقه بالشرط کتزویجتک ان رضی ابی لم ینعقد اور مختار۔ ص ۲۰۵

ح ۲۰۷ کذا الفقه علی المذاهب الاربعہ ص ۷۷ ح ۱۳

امام احمد بن حنبل کے نزدیک شرط فاسد ایسی شرط ہے جس کے بارے میں شارع کی ممانعت ہو یا مقتضائے عقد کو توڑنے والی ہو، جس کے لئے شارع کی نص موجود ہے، مثلاً بیوی عقد کے وقت یہ شرط لگانے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے وغیرہ۔ ایسی شرط صحیح نہیں ہے۔

لقوله عليه السلام فيما رواه ابو هريرة اذ قال. لا تسئل المرأة طلاق اختها لتكفي مافي

انها بخاري ص ۷۷ ح ۷

## حاصل کلام

ایسی شرط مختلف فیہ ہے، جس کے لئے کوئی دلیل خاص نہ ہو، لہذا اگر دلیل خاص ہو تو شرط صحیح ہوگی یا باطل؟۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایسی شرط کی صحت کے قائل ہیں اور جمہور فقہاء لغو قرار دے کر ایسی شرط کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں (الاحوال الشخصية ص ۱۵۹ کذا فی الجامع الاختیارات الفقهية - ص ۲۷۸ - ج ۳)

(۲)

ضروری تفصیلات کے بعد اب مقالہ میں ذکر کردہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(الف) سابقہ تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے۔

(شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا) بیوی کا نان و نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے، ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ رجوب اس کا شینا فشینا ہے، لہذا کسی عورت نے نفقہ معاف کر دیا یا معافی کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو اسے شرعاً مطالبہ کا حق ہے۔

لانہا استقطت حقاً لم یحب بعد۔ و ابراء الزوجة من النفقة هل یصح و یلزم؟ ان كانت غیر مفروضة لا یصح لانہ ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضی فرضها کل شهر کذا و کذا صح فی الشهر الاول فقط افتح القدير ص ۲۹۲ ج ۲) نیز اسی طرح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ شرط خود نکاح کے نتیجہ میں واجب و لازم ہے۔

(۳)۔ ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا وغیرہ، تو اس سلسلہ میں حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے "تالیفات رشیدیہ" میں گراں قدر بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں (اس طرح کا) نکاح شرعاً صحیح اور معتبر ہے اور اس تعلق سے نکاح میں فساد نہیں آتا۔ اور تعلق بھی شرعاً معتبر ہے اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا تو خاوند کے دوسرے نکاح کرنے سے اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

كما فی الدر المختار فی بیان التعلیق هو ربط حصول مضمون جملہ محمول مضمون جملہ الاخری بشرط الملك۔ لقوله لمنكوحته ان ذهبت فانك طالق و الاضافة اليه كان نكحت امرأة او ان نكحتك فانك طالق و كذا كل امرأة انتهي۔

جیسا کہ در مختار میں تعلق کے بیان میں ہے کہ تعلق سے مراد مربوط کرنا ہے کسی جملے کے مضمون کے

حصول کو دوسرے جلسے کے مضمون کے محمول سے بشرط ملک، جیسے مرد اپنی منکوحہ سے کہے کہ اگر جاؤ تو تم پر طلاق ہے۔ یا اس کی طرف اضافت کرنا، جیسے یہ کہے کہ اگر میں کسی عورت سے نکاح کروں یا تمہ سے نکاح کروں تو تمہے طلاق ہے اور اسی طرح ہر عورت۔

مگر چوں کہ مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط اقامت عدل بین الازواج اور تحمل نان و نفقہ چار تک زوجات درست ہیں، اس لئے ایسی شرط راجح کرنا ہرگز اصول شریعت کے مطابق نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع (النساء)

اقل درجہ امر اباحت ہے، پس اس شرط میں اشتراط مذکور کو شائع کرنا بے شک اس کی اباحت کی مخالفت ہے اور حکمت شرعیہ تعدد ازواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بسبب بعض ضرورت نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہو جاتی ہے، حالانکہ نکاح سنت ہے اور بشرط عدم خشیت میل و اقامت عدل و امن از جور موجب نفع ہے اور نیز مقتضائے شریعت۔ "تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم" (تم زیادہ بچہ جننے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعہ امتوں کی زیادتی پر فکر کرنے والا ہوں) پر عمل ان وجود سے بوجہ ان شرائط کے موقوف کرتے ہیں۔ سعی مناسب ہے اور جس میں مسلمان حاکم کی ریاست میں ان کا شیوع ہو، اس کو چاہئے کہ اس کے رفع میں کوشش کرے اور بجز ان لوگوں سے ترک کرائے (تالیفات رشیدیہ۔ فتاویٰ رشیدیہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۳۸)

## تفویض طلاق

اس کی تین صورتیں ہیں

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں۔

۲۔ عین وقت عقد زبان سے کہلویا جائے۔

۳۔ بعد میں لکھوایا جائے۔

(۱) تفویض طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو تو اس میں نکاح کی طرف نسبت و اضافت کرنا شرط ہے، مثلاً یوں کہے میرا نکاح فلان بنت فلان سے ہونے کے بعد اگر میں فلان فلان شرط کی مخالفت کروں تو اس کو طلاق بائن کا حق ہوگا۔ ایسی صورت میں بیوی کا اختیار طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس تک خاص رہے گا۔ اس مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کر لی تو ہو جائے گی۔ بعد مجلس کے اختیار باطل ہو جائے گا۔ اور اگر شوہر نے یہ کہا کہ خلاف ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کر لے تو مجلس علم کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا۔



اگر تفویض کی مذکورہ صورت میں نکاح کی طرف اضافت نہ کی تو یہ اقرار نامہ لغو ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے پیشتر لکھی گئی ہو، مگر شوہر اور گواہان نے اس پر نکاح کے بعد دستخط کیا ہو تو یہ تفویض درست ہے اضافت الی النکاح ضروری نہیں۔

قال فی التنویر فی باب التعلیق - وشرطہ الملک کقولہ لمکوحہ ان ذہبت فانت طالق او  
الاضافہ الیہ ص ۵۳۷ ج ۲ کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ مصر ص ۲۶۱ - ج ۲ وکذا فی الفقہ  
الاسلامی وادلہ ص - ۲۱۹ ج ۷

(۷) صین ایجاب و قبول ہی میں تفویض طلاق کی شرط لگائی جاوے، اس کے معتبر ہونے کی دو شرطیں ہیں،

(الف) ایجاب مع الشرط من جانب عورت ہو یعنی عورت یا اس کا ولی جتنی شرطیں لگائیں، سب کا تذکرہ کریں۔ پس اگر ایجاب من جانب مرد ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط بھی لگاوے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا، اور شرط بالکل بے کار ہو جائے گی۔ در مختار میں ہے -

” صحیح “ مقید بہا اذا ابتدأت امرأۃ فقلت زوجت نفسي منك حلی ان امری بید

اطلق نفسي كل ما ارید او حلی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر

الامر بیدھا کما فی البحر من الخلاصۃ و البزازیۃ امر مختار ص ۲۹۲ ج ۲

فقہ ابو اللیث دونوں صورتوں میں فرق کی وضاحت یوں بیان کرتے ہیں:

” لان البداء اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفویض قبل النکاح و لا یصح اما اذا كانت

من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح (شامی ص ۲۹۹ ج ۲)

جب ابتداء من جانب شوہر ہو تو طلاق اور تفویض نکاح سے قبل ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، اور اگر عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا ہے گویا اس نے یہ کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھے طلاق ہے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے۔ تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوتی۔

(ب) ایجاب مع الشرط زبانی ہو، صرف تحریری کافی نہیں، بلکہ تمام شرائط لکھنے کے بعد تفصیلاً بوقت ایجاب زبان سے اتمام کدنا کافی ہے کہ فلان کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں۔

احتیاطی صورت

اس ضمن میں حضرت تھانوی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے وہ ہمارے خیال میں کافی ہے۔ عورت کے

ناقص العقل ہونے کے سبب طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ دیدنا خطرہ ہے ، لہذا مناسب یہ ہے کہ تقویض میں کوئی قید مناسب لگادی جائے جس میں خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی کہے ۔ میں نے اپنے آپ کو یا مسماة فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ۔۔۔ بسکہ رنج الوقت اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف پہنچے گی ، جس کو فلان فلان اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں اور دو آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے اوپر ایک طلاق باتن دے کر اس نکاح سے علاحدگی اختیار کر لی جائے ۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدید ہے ، واضح رہے کہ تقویض طلاق میں " اگر چاہے ، جب چاہے " جیسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں بلکہ ایسے الفاظ ہوں جن میں تنگی مقید بالمجلس نہ ہو ، اور نہ ہی وسعت کہ عورت تینوں طلاق واقع کر لے (الحیلة الناجزة۔ ص ۲۸)

## تقویض طلاق سے رجوع

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک و لا ینہی من صل جعل الیہا و لا یفسخ کذا فی الجوہرۃ  
اص ۲۲۳ ج ۳ کذا فی الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ص ۷۵ ج ۲ کذا فی البدائع الصنائع ص ۱۸ ج

۱۲

تقویض طلاق کے بعد شوہر نے جس چیز کا مالک بنا دیا ہے اس سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ ہی فسح کا حق ہے ۔

گویا یہ ایسا ہی ہو گیا کہ ایک شخص نے کسی کے لئے ایک چیز کا اقرار کیا اور مقررہ نے اسے قبول کر لیا تو مقررہ پر وہ چیز واجب ہو گئی ، اب اسے رد کا اختیار نہ ہوگا ، اس لئے مرد کے حق میں مفید یہ ہے کہ معافی مہر کی شرط لگا دے ۔ طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے ۔ ہمارے نزدیک بیجا طلاق کے واقعات کے سد باب کے لئے ایک تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ مہر اس طرح طے ہو کہ اگر بلاوجہ طلاق نہ دیا تو چھ ہزار اور اگر ایک طلاق دیا تو بارہ ہزار اور اگر تین طلاق دیا تو اٹھارہ ہزار ہوں گے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

## سوال نمبر ۷ کا جواب

مذکورہ صورت میں چوں کہ شرط پوری کرنے میں دوسرے کا ضرر ہے اور قاعدہ ہے کہ " الضرر یزال "

لہذا دونوں شرطیں غیر معتبر اور ناجائز ہوں گی اور اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل کی مقدار ہے۔ البتہ اگر اس کی وجہ سے بیوی کے مہر میں کچھ وضع کر لیا ہے، پھر دوسری شادی کر لی تو وہ اپنا پورا مہر لینے کی شرعا مجاز ہے۔ لقولہ علیہ السلام "المؤمنون مند شروطہم" علامہ قرطبی اسی طرح کی رائے رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فان شرطت علیہ مند عقد النکاح الا یتزوج علیہا و حطت عنہ لذلک شیئا من صداقہا ثم تزوجہا علیہا فلا شیئ لہا علیہ فی روایۃ ابن القاسم لانہا شرطت علیہ ما لا یجوز شرطہ کما اشترط اہل بریرۃ ان تعتقہا مائشۃ و الو لا لبائعہا فصح النبی و ابطال الشرط کذلک ہنہنا یصح اسقاط بعض الصداق عنہ و تبطل الزیحة الجامع لا حکام القرآن ج ۵ ص ۷۵

اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگا دی جائے کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کا کچھ مہر کم کر دیا جائے پھر دوسری سے نکاح کر لے تو شوہر پر کوئی چیز لازم نہیں ہے ابن قاسم کی روایت کے مطابق اس لئے کہ یہ شرط بالاجوز کے قبیل سے ہے جس طرح اہل بریرہ نے یہ شرط لگائی کہ حضرت عائشہ سے آزاد کر دیں گی، اور ولا بلع کو ہوگا۔ تو نبی نے تصویب فرمائی اور شرط کو باطل فرمایا۔ اسی طرح یہاں بھی اس سے کچھ مہر کا کم کر لینا صحیح ہے اور زیحہ (وہ ہیت جس پر عقد ہوتی ہے) باطل ہے۔ علامہ مرفینانی وغیرہ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے (ہدایہ ص ۳۷۹ ج ۷)

### عورت کی ملازمت (سوال، نمبر ۳ کا جواب)

"الرجال قوامون على النساء" (النساء، ۳۴)

قوام اور قیام۔ عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کام یا نظام کا ذمہ دار یا چلانے والا ہو، آیت کریمہ میں اس بات کی تعلیم دی گئی کہ اگرچہ عورت کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم و واجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق مماثل ہیں، لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہے، پس شوہر کی حکم برداری واجب ہے، الایہ کہ وہ معصیت کا حکم کرے، نیز بیوی کے مقاصد میں سے ہے کہ وہ گھر میں رہے تاکہ فارغ البال ہو کر اولاد کی پرورش و پرداخت، ان کے ساتھ مہربانی اور خاندان والوں کے لئے سامان تیار کر سکے اور شوہر جب بللے فوراً حاضر ہو سکے، چنانچہ انکار کی صورت میں فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔



لقوله عليه السلام. ايما امرأة دماها زوجها الى فراشه فابت عليه لعنتها الملائكة حتى  
تصبح (الجامع لا حكام القرآن للمقرطبي ج ۷ ص ۱۲۵)

باہر نکلنے کی صورت میں یقیناً دیر حاضری اور غیر حاضری ہوگی، جس سے شکوک و شبہات کے دروازے  
دسج ہوتے چلے جائیں گے اور میاں بیوی کے تعلقات خراب اور زندگی اجیرن ہو سکتی ہے، اسی طرح عطر و خوشبو  
اور زینت کی طرف راغب ہوگی جو صرف شوہر کے واسطے اختیار کرنے کی اجازت ہے اور نیز جن سرتوں کا چھپانا  
شرعاً واجب ہے ان کا کشف ہوگا، مثلاً بال، گردن، پنڈلی وغیرہ جو کہ باعث فتنہ ہے۔

” لقوله عليه السلام ان المرأة صورة فاذا خرجت استشرقها الشيطان و اقرب ما تكون  
من رحمة ربها وهي في قبر بيتها “

قرآن میں عورتوں کی صفت ” حور مقصورات في الخيام “ بیان کی گئی ہے، اس کا بھی تقاضا یہی  
ہے کہ گھروں ہی میں رہیں (ملازمت نہ کریں) یہی وجہ ہے کہ کچھ عورتوں نے حضور سے جہاد کی اجازت چاہی تاکہ مرد  
کی طرح وہ بھی ثواب و فضیلت حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا۔ ” من قعدت من کن فی بیتها تدرك عمل  
المجاهدين في سبيل الله “ تم میں کی جو عورت اپنے گھر میں بیٹھی رہے گی وہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پاوے گی  
(جب کہ اس وقت افواج اسلام کی قلت تھی) پتہ چلا کہ عورت اپنی خلقت و فطرت کے اعتبار سے نہ اس کی متحمل  
ہے کہ اپنے مصارف خود کا کر پیدا کرے اور نہ اس کے لئے حالات سازگار ہیں کہ وہ محنت، مزدوری اور دوسرے  
ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں میں اور بازاروں میں پھرا کرے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس کی پوری ذمہ  
داری مردوں پر ڈالی۔۔۔

چنانچہ حکمی لکھتے ہیں،

وفي البحر منها من الغزل وكل عمل ولو تبرما لا جنبى الخ وفي الشامي ينبغى عدم  
تخصيص الغزل بل له ان يمنها من الاعمال كلها المقتضية لكسب لانها مستحنية منطه لوجوب  
كفايته عليه (الخ شامی)

لذا اگرچہ شوہر نے بیوی کی ملازمت کی شرط منظور کر لی ہے تو پھر بھی اسے ملازمت ختم کرنے کا حکم دے  
سکتا ہے، اور نئی ملازمت سے بھی روک سکتا ہے، اور عورت پر اس حکم کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، اس لئے کہ  
یہ ایسی شرط ہے جو جائز نہیں ہے اور خصوصاً اس وقت جب کہ ہر چہاں جانب عریانیت اور بے حیائی عام ہے اور  
عورت کی ملازمت اور بے جا حقوق کی بات کی جا رہی ہے تو بدرجہ اولیٰ ملازمت کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

## نکاح اور مسائل شروط

مولانا بدر احمد مجیبی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على اله و

صحابه اجمعين

اسلامی معاشرہ میں عائلی زندگی گزارنے کے لئے عقد نکاح ایک لازمی چیز ہے۔ اس عقد کے بعد اجنبی مرد و عورت کے درمیان محبت و اعتبار کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ اور عفت و پاکدامنی کے ساتھ یہ خوشگوار زندگی بسر کرتے ہیں، معاشرہ کو بے حیائی سے بچانے اور عفت و پاکدامنی قائم رکھنے میں عقد نکاح کا ایک اہم کردار ہے، نکاح کا رشتہ کوئی عارضی یا وقتی رشتہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک دائمی اور مستقل رشتہ ہے۔ یہ رشتہ بہت سوچ سمجھ کر طے کیا جاتا ہے تاکہ زوجین اطمینان و سکون کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کریں، بعض اوقات کسی فریق کی طرف سے نکاح کے وقت شرطیں بھی رکھی جاتی ہیں۔ فقہاء اسلام نے اسلامی شریعت کے مطابق ایسی شرطوں اور ان کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ نکاح کے وقت شرطیں لگانے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر وہ صحیح شرطیں ہیں، جو عقد نکاح کے منافی نہیں ہیں تو ٹھیک ہیں، اور اگر ایسی شرطیں ہیں جو نکاح سے ثابت ہونے والے حقوق و فرائض سے میل نہیں کھاتیں اور ان کے منافی ہیں، تو ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، اور یہ شرطیں خود ہی باطل ہو جائیں گی۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں۔

لا يبطل النكاح بالشروط الفاسدة و انما يبطل الشرط دونه يرضى لو تقدم مع شرط فاسد لم

يبطل النكاح بل الشرط اور مختار ۲-۳۲۰ مع الرد

نکاح کے وقت کوئی ایک فریق اپنی سولت و آسانی کے خیال سے کچھ شرطیں پیش کرے اور دوسرا فریق اسے قبول کرے۔ یا یہ شرطیں فریقین کی طرف سے متفقہ طور سے پیش کی جائیں۔ تو جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے یہ شرطیں تین طرح کی ہو سکتی ہیں۔

پہلی قسم : ان شرطوں کی ہے جن میں عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور فرائض میں سے کسی کا ذکر ہو۔ مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

دوسری قسم : ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تیسری قسم : ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو رہا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی ذمہ داری عائد ہو رہی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا یہ شرط کہ بیوی کو اس شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ البتہ ان شرطوں کی کیا حیثیت ہوگی۔ اور یہ لازم العمل ہوں گی یا نہیں؟

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے کہ عقد نکاح سے عائد کسی ذمہ داری کو ہی شرط کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہو تو اس کا حکم واضح ہے کہ جس ذمہ داری کو مشروط کیا گیا ہے وہ بغیر شرط لگانے بھی لازم رہتی ہے اور شرط لگانے کے بعد بھی لازم رہے گی۔ اس سلسلے میں ارشاد نبوی ہے۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۲-۱۵۰)

شرطوں میں پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے فرج کو حلال کیا ہے، اس کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں۔

قال النووي قال الشافعي اكثر العلماء على ان هذا محمول على شرط لا ينافي مقتضى النكاح و يكون من مقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق عليها و كسوتها و من جانب المرأة ان لا تخرج من بيته الا باذنه و لا تصوم تطوعا بغير اذنه و لا تاذن خيره في بيته

الا باذنه و لا تتصرف في متاعه الا برضاه و نحو ذلك (مرقاۃ ۲ من ۲۱۱)



اگر ایسی صورت ہو کہ نکاح سے عائد ہونے والا کوئی فریضہ ہی مشروط ہو، لیکن اس میں معمول سے بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ پورا اضافہ لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ عام طور سے جو ذمہ داری لازم ہوتی ہے، وہی لازم ہوگی، مثلاً کسی شخص کی شادی اس شرط پر ہوتی کہ وہ ہر مہینے نفقہ میں ایک سو دس (سولہ) روپے دے گا تو نکاح درست ہے اور یہ زیادتی اس پر لازم نہیں ہوگی۔ معروف فقہ ہی اس پر لازم ہوگا (قاضی خاں ۱-۳۳۶)۔

شرائط کی دوسری قسم کہ نکاح سے عائد ذمہ داریوں سے گریز مقصود ہو۔ ایسی تمام شرطیں باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح جائز و درست ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے نکاح میں یہ شرط رکھی کہ عورت کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ یہ شرط باطل ہوگی۔ اور نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور جو مہر متعین کیا ہے وہی لازم ہوگا (قاضی خاں ۱-۳۸۳)۔

اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ان دونوں میں وراثت نہیں ہوگی۔ یعنی مرنے کے بعد ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ شرط بھی باطل ہو جائے گی اور ان دونوں میں وراثت جاری ہوگی۔ اور جو مہر متعین کیا ہے وہی لازم ہوگا (قاضی خاں ج ۱ ص ۱۳۳۱)۔

اور اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ بیوی کو مہر نہیں ملے گا۔ یہ شرط بھی باطل ہو جائے گی۔ نکاح درست ہے اور مہر مثل لازم ہوگا۔ (رد المحتار ۷-۳۷۰)۔

شرائط کی تیسری قسم کہ نہ تو اس میں عقد نکاح سے عائد ذمہ داری مشروط ہے اور نہ کسی لازم ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہے۔ بلکہ اس شرط کی وجہ سے فریقین میں سے کسی ایک پر کوئی دوسری ایسی ذمہ داری عائد ہو رہی ہے جو اس شرط کے بغیر عائد نہیں ہوتی، تو ایسا نکاح بھی درست و صحیح ہے اور یہ شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر اگر پورا کر دیتا ہے تو بہت بہتر ذمہ قانونی اعتبار سے ان کی پابندی شوہر پر لازم نہیں (بدائع الصنائع ۷-۷۸۵)۔

البتہ ایفاء حمد کے حکم کے پیش نظر ایسے وعدوں کی تکمیل دینا شوہر کے ذمہ ہے۔

چونکہ یہ شرطیں دین مہر کے ساتھ لگائی جاتی ہیں، اس لئے ان کا اثر دین مہر پر بھی پڑتا ہے۔ اور مختلف شکلوں میں مختلف حکم لگتا ہے۔ متعدد صورتوں میں متعین مہر لازم ہوتا ہے۔ اور بعض شکلوں میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ (۱) اگر شوہر نے اس شرط کو پورا کر دیا تو متعین مہر لازم ہوگا۔ مثلاً اس شرط پر نکاح ہوا کہ بیوی کو شوہر اسی شہر میں رکھے گا۔ باہر نہیں لے جائے گا تو شرط پوری ہونے پر متعین مہر لازم ہوگا۔ (البحر الرائق ۳-۱۶۰)۔

(۲) اگر شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو دیکھا جائے گا کہ اس کا دین مہر اس کے مہر مثل کے برابر ہے یا زیادہ یا کم ہے اگر برابر یا زیادہ ہے مثلاً عورت کا دین مہر ایک ہزار ہے اور مہر مثل بھی ایک ہزار ہے یا پانچ سو ہے ایسی صورت میں شرط پوری نہ ہونے پر دین مہر لازم ہوگا (ہندیہ ۳-۱۶۰)۔

(۳) اگر دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہے مثلاً مہر ڈیڑھ ہزار ہے اور دین مہر ایک ہزار ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط کے پورے ہونے سے خود بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کو نفع ہوتا ہے یا اس کا فائدہ کسی اجنبی کو مل رہا ہے، یا بیوی کو اس سے نقصان ہو رہا ہے۔ اگر اس شرط سے بیوی کو نقصان ہو رہا ہے یا کسی اجنبی کو فائدہ ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں بھی شرط پوری نہ کرنے پر شوہر کو صرف دین مہر ہی لازم ہوگا، البحر

الرائق ج ۱۲۰ ص ۱۲۰-ورد المحتار-۱۳۷۲

(۴) اگر اس شرط سے بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار کا ہی نفع مقصود ہے، تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط سے جو نفع حاصل ہو رہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے مثلاً کسی نے دین مہر کے ساتھ شراب یا خنزیر کی بھی شرط لگائی ہے تو ایسی صورت میں شرط پوری نہ کرنے پر متعین دین مہر ہی لازم ہوگا، البحر ۱۲۰ ص ۱۲۰

(۵) اور اگر مشروط چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو ایسی صورت میں دین مہر کی جگہ مہر مثل لازم ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ مہر مثل کے لزوم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہو (۲) اس شرط میں بیوی یا اس کے ذی رحم محرم کا نفع مقصود ہو، (۳) مشروط شئی مباح الانتفاع ہو، (۴) شوہر نے شرط پوری نہ کی ہو۔ مثلاً کسی نے یہ شرط رکھی کہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یا یہ شرط رکھی کہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا۔ یا شرط لگائی کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدے گا یا یہ کہ بیوی کو عزت سے رکھے گا، اور اس سے سخت مشقت والا کام نہیں لے گا، یا یہ کہ بیوی کو ہدایا پیش کرے گا۔ وغیرہ۔ اور ان تمام صورتوں میں دین مہر اس کے مہر مثل سے کم ہے تو اگر شوہر نے شرط پوری کر دی تو دین مہر لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل لازم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت پیش کردہ تیسری قسم کی شرائط بھی لازم الایفاء نہیں ہیں، وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر پوری کر دیتا ہے تو بہت بہتر ہے، لیکن اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑتا ہے جس کی تفصیل بیان کی گئی۔

عقد نکاح کے وقت عورت کی جانب سے یہ شرط رکھی جائے کہ جب بھی چاہے اسے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا یا فلاں فلاں صورتوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کر لیتا ہے، تو یہ تقویض کا مسئلہ ہے، اس کی متعدد صورتیں ہیں اور حکم بھی مختلف ہے۔

(۱) اگر ایجاب شوہر کی جانب سے ہو اور اس نے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تم کو طلاق کا اختیار ہوگا، جب بھی تم چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہو۔ اور عورت نے قبول کر لیا، تو ایسی صورت میں نکاح



منعقد ہو جائے گا، لیکن عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ملے گا، **افصول معادی ۱-۵۲۲-۱ و بزازیة ۱۲۸۱**

(۷) اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہوا اور اس نے کہا میں نے خود کو تمہاری زوجیت میں اس شرط پر یا کہ مجھے طلاق کا اختیار حاصل ہوگا کہ جب بھی چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لو اور شوہر نے قبول کیا تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، وہ جب بھی چاہے خود پر طلاق واقع کر سکتی ہے

**بزازیة ۱-۱۲۸**

ان دونوں صورتوں میں دو مختلف حکم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقویض طلاق کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں ہو، یا سبب ملک کی طرف اضافت کے ساتھ ہو۔ یعنی تقویض طلاق نکاح کی حالت میں ہو، یا نکاح کی طرف مضاف ہو کر ہو، تب درست ہوگی، ورنہ درست نہ ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبی عورت سے امریک بیدک کہا تو یہ لغو ہوگا، کیونکہ وہ اس کے نکاح میں نہیں ہے۔ بیوی سے کہے گا تو درست ہوگا۔ اور اس کو طلاق کا اختیار اس مجلس میں مل جائے گا۔ اجنبی عورت سے شرط نکاح کے ساتھ کہا "ان تزوجتک فامرک بیدک متعلقین متی شنت"۔ تو یہ درست ہوگا۔ اور اگر اس عورت سے وہ شادی کر لیتا ہے تو عورت کو طلاق کا اختیار مل جائے گا۔

درج بالا دونوں صورتوں کو سامنے رکھیں۔ تقویض طلاق کا اختیار شوہر کو ہے۔ پہلی صورت میں ایجاب شوہر کی جانب سے ہوا اور اس نے تقویض طلاق کی اور یہ تقویض، نکاح کی تکمیل سے پہلے ہوتی ہے، کیونکہ بیوی نے اس وقت قبول نہیں کیا تھا۔ بعد میں قبول کیا ہے۔ تو یہ تقویض نکاح کی حالت میں نہیں ہوتی اور نہ نکاح کی طرف اضافت کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے یہ لغو ہوگئی اور نکاح منعقد ہو گیا۔

دوسری صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب ہوا اور اس نے یہ شرط پیش کی۔ شوہر نے قبول کیا۔ قبول کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بھی اس شرط کو مان کر تقویض طلاق کر دی۔ قبول کے ساتھ ہی نکاح مکمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے تقویض طلاق نکاح کے ساتھ ہوتی اس لئے درست ہے۔ **اقاضی خان ۳۲۹۱-۱ فصول معادی ۱-۵۲۲**

(۳) اگر نکاح سے پہلے شوہر نکاح کی شرط کے ساتھ تقویض طلاق کرے مثلاً اس طرح کہے، اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تمہیں طلاق کا اختیار ہوگا جب تم چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہو۔ اس کے بعد ایجاب و قبول ہوتا ہے۔ تو تقویض صحیح ہوگی اور نکاح کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ **افصول معادی ۱-۵۲۲**

(۲) اگر ایجاب میں شوہر شرط نکاح کے ساتھ اس طرح تقویض کرے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تمہیں نکاح کے بعد طلاق کا اختیار ہے، جب چاہو تم خود پر طلاق واقع کر سکتی ہو۔ اور عورت نے قبول کیا تو تقویض



درست ہوگی اور عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا۔ (بزازیتہ - ۱۷۸)

عقد نکاح میں شرط لگانے کے جو تین طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں سے پہلا طریقہ کہ عقد نکاح سے پہلے ہی شرائط طے ہو جائیں، اور اس کی تحریر طرفین کے دستخط ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں ہے، مگر بہتر و مناسب ہے۔ البتہ تفویض طلاق کی اس صورت میں کہ شوہر نکاح سے پہلے تحریر کر دے کہ اگر میں نے فلان عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا۔ اور اس کے بعد ایجاب و قبول ہو جس میں شرط ذکر نہ کی جائے، تب بھی تفویض ہو جائے گی۔

اور دوسرا طریقہ کہ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ اصل یہی ضروری ہے۔ ایجاب و قبول میں ہی ان شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

اور تیسرا طریقہ کہ عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔ اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ البتہ نکاح کے وقت تفویض نہیں ہوتی، لیکن شوہر نکاح کے بعد تحریری طور پر بیوی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیتا ہے تو یہ تفویض درست ہو جائے گی۔

نکاح کے وقت جب شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دے دیا کہ وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے تو اب معاملہ شوہر کے ہاتھ سے نکل گیا، وہ اس تفویض کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی رہا۔ تاحیات بیوی کو اس کا اختیار رہے گا، (البحر الرائق ۳-۳۲۷)

شریعت اسلامیہ نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے طلاق کی ملکیت مرد کو دی ہے۔ عورت کو نہیں دی ہے، اس کی خاص وجوہات ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ اب اگر مرد کے ساتھ عورت کو بھی اس کا اختیار مل جائے اور نکاح کے وقت ہی تفویض کے مسئلے کو عام کر دیا جائے تو طلاق کے واقعات کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جائیں گے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر بغیر کچھ بوجھ عورتیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے لگیں گی۔ اس طرح یہ مسئلہ بہت ہی سنگین ہو جائے گا۔ جس کا کوئی حل نہیں ملے گا۔ اس لئے نکاح کے وقت تفویض طلاق کے مسئلے کو عام کرنا، معاشرہ کے لئے انتہائی مضر ہوگا۔

بعض ایسے مسائل ضرور پیش آتے ہیں کہ شوہر کی طرف سے شدید ظلم و ستم پایا جاتا ہے اور ستم رسیدہ بیوی کو گلو خلاصی بھی نہیں ملتی۔ وہ پریشان حال زندہ درگور رہتی ہے۔ ایسی صورت حال کی اصلاح کے لئے نکاح کے وقت بہت احتیاط کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگائی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ فلان فلان شدید حالتوں میں بیوی کو طلاق کا

اختیار حاصل ہوگا۔ اس کے لئے فقہ کی اس عبارت سے رہنمائی مل سکتی ہے (بزازیہ ۱-۷۳۲)

خلاصہ یہ کہ نکاح کے وقت تنویض طلاق کی شرط کو عام نہ کیا جائے۔ بلکہ شدید حالتوں میں منحصر کیا جائے تاکہ اس کا بے با استعمال شروع نہ ہو جائے۔

یہ سوال کہ طلاق کے بیجا استعمال کی روک تھام کے لئے نکاح کے وقت دو مختلف مہر متعین کئے جائیں، مثلاً یہ کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار اور طلاق دے دی تو مہر بیس ہزار ہوگا تاکہ اس خطیر رقم سے بچنے کے لئے شوہر بلا ضرورت طلاق کا اقدام نہ کرے، اور اس سے طلاق کے واقعات میں کمی واقع ہو۔ اس کے لئے ہمیں رہنمائی کتب فقہ میں مذکور اس جزئیہ سے ملتی ہے کہ نکاح میں ایک تقدیر پر ایک مہر اور دوسری تقدیر پر دوسرا مہر متعین کیا جائے۔ اس طرح پر کہ شوہر نے بیوی کو اسی شہر میں رکھا۔ باہر نہیں لے گیا۔ تو مہر ایک ہزار ہے اور اگر باہر لے گیا تو مہر دو ہزار ہے۔ یا اسی طرح کہ شوہر کی کوئی اور بیوی پہلے سے موجود ہے تو مہر ایک ہزار اور اگر نہیں ہے تو مہر دو ہزار وغیرہ۔ اس طرح مہر کی تعیین درست ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی صورت پائی جائے، یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے گیا، یا اس کی کوئی اور بیوی نہیں ہے تو ایک ہزار مہر لازم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت پائی گئی یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر لے گیا، یا اس کی کوئی دوسری بیوی پہلے سے موجود تھی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ جو دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر لازم ہوں گے۔ جہاں ایک ہزار متعین ہوا ہے وہاں ایک ہزار اور جہاں دو ہزار متعین ہوا ہے وہاں دو ہزار (فتح القدیر ۳-۷۳۷)

فقہ کی تمام کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے۔ اس کو پیش نظر رکھنے سے اس مسئلہ کا حکم بھی نکل آتا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح میں مہر کی تعیین اس طرح کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دیدی تو بیس ہزار۔ اس طرح مہر طے کرنا درست و صحیح ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک عدم طلاق کی صورت میں دس ہزار متعین مہر لازم ہوگا۔ اور طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جو دس ہزار سے کم اور بیس ہزار سے زائد نہ ہوگا۔ حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر ہی لازم ہوں گے۔ عدم طلاق میں دس ہزار اور طلاق میں بیس ہزار۔

اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول راجح ہے۔ اصحاب متون نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر ضرورت متقاضی ہے اور حاجت دائمی ہے تو صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ نکاح کرتے وقت اس طرح مہر متعین کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے

ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا اور اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ اس کا بھی وہی حکم ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگر اس منکوحہ کی موجودگی میں اس نے دوسری عورت سے شادی نہیں کی تو پندرہ ہزار متعین مہر لازم ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے شادی کر لی تو مہر مثل لازم ہوگا جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں۔ پہلی صورت میں پندرہ ہزار اور دوسری صورت میں تیس ہزار لازم ہوں گے۔

عقد نکاح میں ملازمت پیشہ یا ملازمت کی خواہش مع عورت کی طرف سے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جس ملازمت سے وابستہ ہے شوہر شادی کے بعد اسے اس سے منع نہیں کرے گا۔ یا کوئی مناسب ملازمت ملنے پر شوہر اس کی اجازت دے گا اس سے نہیں روکے گا۔ اور شوہر نکاح میں اس کو قبول کرتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر انہیں پورا کر دیتا ہے تو بہت بہتر ہے ورنہ قانوناً اس کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ شوہر اگر بیوی کو اس شرط کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو بیوی کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ کیونکہ بیوی کو ملازمت سے روکنے کا شوہر کو اختیار ہے اور شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے حکم کی بجا آوری

جائز کاموں میں بیوی پر واجب ہے۔ (در مختار آخر باب القسم۔ در مختار ۷-۱۳۳۶)

البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑے گا جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ہذا ما ظہر لہ واللہ تعالیٰ اعلم



## اشترائط فی النکاح

مولانا محمد فضل الرحمان رشادی

عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے، عقد نکاح کے وقت اگر اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا گیا، جیسے بیوی یہ شرط لگائے کہ نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، تو یہ شرط غیر ضروری اور تحصیل حاصل ہے شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی نان و نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تاہم یہ شرط صحت نکاح میں مغل نہیں ہے اور شرط کا پورا کرنا واجب ہے

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر کوئی فریق ایسی شرط لگائے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار و گریز ہو، مثلاً شوہر عند النکاح یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا تو یہ شرط فاسد ہے، نکاح ہو جائے گا اور شرط باطل ہوگی درمختار میں ہے :

لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط دونه يعنى لو عقد مع شرط فاسد

لم يبطل النكاح بل الشرط۔

یہاں دو چیزیں ہیں (۱) معلق علی الشرط (۲) مشروط بشرط فاسد

جس چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے، مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح اس پر معلق کرنا معلق بالشرط کہلاتا ہے، جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہو یا اگر کل بارش ہوئی یا فلاں مر گیا تو شرط اور نکاح دونوں باطل ہوں گے۔

مشروط بشرط قاسد سے مراد یہ ہے کہ عقد نکاح میں لوازم نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگائے جیسے شوہر یہ کہے کہ مہر نہیں دوں گا، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی، شرط باطل نکاح جائز قرار دیا جائے گا۔

المسلمون مند شروطهم ما وافق الحق قال القسطلانی و المراد شروط لا تنافی مقتضى عقد النکاح بل تكون من مقاصده كشروط العشرة بالمعروف و ان يقتصر نكاح من حقوقها

عند النکاح کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہونا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ صورت متضاتے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط لغو اور نکاح جائز ہوگا، جہاں تک ہو سکے ایفاء وعدہ کی کوشش کرے چونکہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، خلاف کرنے کی صورت میں آثم و گنہگار ہوگا۔ مگر صحت نکاح میں فرق نہیں آئے گا۔ احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج اس کے ذیل میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں، و اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يتسرى عليها و لا يسافر بها فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط و يصح النکاح۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے فتاویٰ باقیات صالحات کا ایک جواب بعینہ تدریقاں کرتا ہوں۔ سائل کا یہ قول کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا تھا کہ ہندہ سن بلوغ تک اپنے باپ ہی کے ہاں رہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ زید نے ہندہ سے نکاح کرتے وقت عین ایجاب میں یہ کہا ہو کہ ہندہ سے اس کے بلوغ تک اس کے ولی کے یہاں رہنے کی شرط پر نکاح کرتا ہوں، یا مذکورہ شرط پر قبول کرتا ہوں، یعنی ایجاب و قبول جو رکن عقد ہے اسی میں شرط کو داخل کیا ہو تو وہ شرط خود باطل ہے اور نکاح صحیح ہے۔

و النکاح لا یصح تعلیقه بالشرط و لا اضافته و لكن لا یبطل بالشرط و یبطل الشرط

افتاویٰ عالمگیری

اگر اس سے فقط وعدہ مراد ہے تب بھی اس کا وفا کرنا قضاء لازم نہیں ہے، چنانچہ فتاویٰ حامدیه میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے "لا یلزمه الوفاء بالوعدہ شرما و ان اوفی فیہا و نعمت" ہاں عند اللہ گنہگار ہوگا اللہ جل شانہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے "و اوفوا بالعهود ان العہد کان مسنوا" اور حدیث شریف میں

وعدہ خُلائی کا علامات نفاق میں سے ہونا ثابت ہے " افتاویٰ باقیات صالحات ص ۱۵۸-۱۵۱

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا قلال  
قلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے۔ یہ تمویض طلاق ہے، اور طلاق کا  
اختیار مذکورہ شرطوں کے پائے جانے کے وقت عورت کو حاصل ہوگا۔

اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ "مطلقى نفسك متى شئت" جب چاہے تو اپنے کو طلاق دے  
لے، تو عورت کو اختیار ہے چاہے وہ مجلس میں طلاق دے یا بعد میں، اس لئے کہ "متى" سارے وقت کے  
لئے عام ہے گویا ایسا ہوا جیسا کہ اس نے کہا ہو کہ جس وقت بھی چاہے تو اپنے پر طلاق واقع کر لے، اگر اس نے  
کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ میری عورت کو طلاق دے، تو اس کو مجلس اور بعد مجلس بھی طلاق کا اختیار حاصل  
رہتا ہے، اور شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہ وکالت ہے اور اپنی بیوی کی طلاق میں استعانت و مدد  
طلب کر رہا ہے، یہ وکالت نہ لازم ہے اور نہ ہی مجلس تک موقوف ہوتی ہے، برخلاف پہلے مسئلہ کے، اس لئے  
کہ وہاں عورت اپنے لئے طلاق دے رہی ہے یہ تملیک ہے توکیل نہیں۔

تمویض تملیک یعنی مالک بنانے کو کہتے ہیں نہ کہ وکیل بنانے کو۔ چاہے کہ عورت اسی مجلس میں تمویض کو  
قبول کر لے۔ تملیک سے رجوع صحیح نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے عورت کو اختیار طلاق دینے کے بعد قسم  
کھائی کہ وہ عورت کو طلاق نہیں دے گا۔ پس عورت خود اپنے کو طلاق دے لے تو شوہر صحیح قول کے موافق  
حادث نہیں ہوگا۔ کیونکہ شوہر کی تمویض طلاق کی وجہ سے عورت کو ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ فعل عورت کا  
شمار ہوگا، (برخلاف توکیل کے کیونکہ وکیل کا فعل مؤکل کا فعل شمار ہوگا) مسئلہ تمویض میں عورت کو مجلس تک  
ہی اختیار رہے گا اگر وہ بعد میں طلاق دے تو وہ معتبر نہیں ہوگا مگر یہ کہ شوہر "مطلقى نفسك" اور اس جیسے  
جملوں کے ساتھ "متى ما شئت اذا شئت۔ اذا ما شئت" جب چاہے اور جس وقت چاہے جیسے کلمات  
حروف بڑھادے تو مجلس کی قید نہیں ہوگی۔ جب چاہے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل رہے گا، اور شوہر کو  
تمویض کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یعنی

لو مطلقها باننا هل يبطل امرها ان كان التفويض منجزا نعم و ان كان معلقا كان دخلت

الدار فامرک بیدک او موقتا لا۔ صمدیة لکن فی البحر من القنیة ظاہر الروایة ان المعلق

کالمنجز۔

اگر شوہر نے تمویض کے بعد بیوی کو طلاق بائن دی تو عورت کا اختیار طلاق باطل ہوگا یا نہیں؟ اگر



تفویض منجز تھی یعنی شرط پر معلق نہ تھی تب تو اس کا اختیار باطل ہوگا، اس لئے کہ اگر اختیار باطل نہ ہو تو بائن کا بائن کو لاحق ہونا لازم آتا ہے، جبکہ یہ جائز و درست نہیں اور اگر تفویض معلق تھی اس طرح کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تیرا معاملہ طلاق تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تفویض مؤقت ہو اس طرح کہ تیرا معاملہ طلاق کل تک تیرے ہاتھ میں ہے تو اختیار باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن معلق اور بائن مؤقت کا ملحق ہونا جائز ہے، لیکن بحر الرائق میں قنویہ سے منقول ہے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ تفویض معلق تفویض منجز کی طرح ہے، مطلب یہ کہ دونوں صورتوں میں سے کسی میں اختیار باقی نہیں رہے گا (در مختار اردو)

غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے جس وقت تو میری زوجہ ہے، تو یہ اختیار محض اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کے نکاح میں رہے گی پس اگر بائن طلاق دیدے تو اختیار باقی نہیں رہے گا، اور رجعی طلاق دی گئی ہو تو باقی رہے گا، ایسے ہی اگر یہ کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اس کے بعد بائن طلاق دیدے اور پھر اسی کے ساتھ نکاح کر لے اس بارے میں دونوں طرح روایتیں ہیں، زیادہ ظاہر قول کے مطابق اختیار باطل نہ ہوگا، اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے (آثار غنیہ)

اگر خاوند زوجہ کو اختیار طلاق عطا کرے پھر بائن طلاق دیدے تو بموافق ظاہر روایت اختیار طلاق اس کے قبضہ میں باقی نہ رہے گا۔ ایک رجعی طلاق دینے کی صورت میں اختیار طلاق ختم نہ ہوگا، اور علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ اختیار طلاق کسی شرط پر موقوف نہ ہو، اگر کسی شرط پر موقوف و معلق ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر تجھے زرد و کوب کر دوں تو تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اختیار دینے کے بعد پھر اس کے ساتھ خلع کر لے، یا بائن طلاق دیدے تو اختیار باقی رہے گا، پس اگر اس کے ساتھ از سر نو نکاح کر لے اور پھر زرد و کوب کرے تو اسے اختیار طلاق حاصل ہوگا، چاہے دوران عدت دوبارہ نکاح کیا گیا ہو یا بعد عدت (ذخیرہ) فتاویٰ عالمگیری (اردو)

## تفویض قبل النکاح

زوجتی ابنتک علی ان امرها بیدک لم یکن له الامر لانه تفویض قبل النکاح، (در مختار)  
کوئی اس شرط پر نکاح کرے کہ تم اپنی لڑکی کا نکاح میرے سے کر دو معاملہ طلاق تمہارے ہاتھ میں ہوگا تو اسے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ تفویض قبل النکاح ہے۔

اذا ابتدأت المرأة ففعلت زوجت نفسی منك علی ان امری بیدی اطلق فیہ فی کلما ارید  
او علی انی طالق ففعل الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدها کما فی  
البحر من الخلاصة والبزازیة انتهى۔

جب ایجاب (ابتدائے کلام) عورت کی طرف سے ہو، پس وہ کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں ہوگا کہ میں جب چاہوں گی اپنے پر طلاق واقع کر لوں گی یا یہ کہ میں طالق ہوں۔ شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ تعویض صحیح ہے، اگر ابتدائے کلام (ایجاب) مرد کی جانب سے ہو تو عورت کو نہ طلاق کا اختیار حاصل ہوگا اور نہ ہی وہ معاملہ طلاق میں خود مختار ہوگی۔

ابتدائے کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تعویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط بالکل بیکار جائے گی، (الحیلة الناجزة) نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں سوائے نامہ میں بیان کی گئیں ان کے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں بشرطیکہ نکاح کی طرف نسبت و اضافت ہو تو شرط کے پائے جانے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا۔ **تمحل اليمين بعد وجوه الشرط مطلقا**، اگر نکاح کی طرف اضافت نہ ہو تو شرائط نامہ بے کار ہوگا۔

(۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر ہو، تو ضروری ہے کہ ایجاب مع شرائط عورت کی جانب سے ہو اور مرد اسے قبول کر لے تو تعویض صحیح ہے، اگر اس کے برعکس ہو یعنی ایجاب طلاق مرد کی جانب سے ہو اور عورت والے مع شرائط قبول کریں تو یہ صحیح نہیں، دلائل آگے گزر چکے ہیں۔

ہاں اگر عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو، اور مرد نے قبول میں تعویض طلاق کی شرط کا ذکر کر دیا تو تعویض صحیح ہوگی، اس صورت میں یہ خامی ہے کہ عورت کی جانب سے اولاً بلا کسی شرط کے ایجاب ہونے کی وجہ سے معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور مرد خود مختار ہو جاتا ہے۔ اب اس پر عورت والوں کی جانب سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ہو سکتا، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایجاب کی صورت میں عورت، یا اس کے ولی کی جانب سے پہلے ہی شرائط ذکر کردئے جائیں۔

(۳) عقد نکاح کے بعد عاقدین کی جانب سے شرائط نامہ تحریر ہو تو یہ بھی درست ہے۔ اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، دوسری صورت میں ذکر کردہ خامی یہاں بھی موجود ہے کہ عورت کے ہاتھ سے معاملہ نکل جاتا ہے، اور مرد کی مرضی پر ہی یہ شرائط معرض وجود میں آسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مغبوض اور ناپسندیدہ طلاق ہے، طلاق کی وجہ سے نہ صرف دو دلوں بلکہ دو خاندانوں میں دراڑ اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ بدرجہہ مجبوری وہ بھی حالت طہر میں عورت کو طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے، بیک وقت تین طلاق دینے پر حضور نے شدید ترین غصہ اور نفرت کا اظہار فرمایا



ہے، مرد چونکہ عورت کی بہ نسبت سنجیدہ تجربہ کار اور کامل العقل ہے لہذا طلاق کا اختیار بھی اسلام نے اسی کو دیا ہے، تاکہ وہ حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے اور سوچ سمجھ کر قدم بڑھائے، عورت چونکہ فطری طور پر جذباتی اور ناقص العقل ہے، اس لئے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا، مرد کے طلاق دینے بغیر چارہ کار نہیں چاہے عورت ہزار کوشش کرے وہ نکاح سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تعویض طلاق کی صورت میں یہ اختیار عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ لہذا شرائط نامہ تحریر کرتے وقت اس امر کا خاص کر لحاظ رکھیں کہ بالکل یہ اور علی الدوام عورت کو اختیار طلاق حاصل نہ ہو۔ ورنہ بہت سارے فتنے جنم لے سکتے ہیں، لہذا یہ شرط بھی مذکور ہو کہ شرط کی خلاف ورزی یا عورت کی تکلیف شدیدہ کی صورت میں جسے مذکورہ دس افراد میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں اور عورت کے لئے علیحدگی کو مناسب بھی قرار دیں تو عورت کو اسی وقت یا شرط کی خلاف ورزی کے ایک ماہ تک مہر معاف کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن وقع کر لینے کا اختیار ہوگا۔ اور یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہوگا، اگر کسی وقت فرقت و علیحدگی کے بعد اعادہ نکاح ہو تو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں، بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہو جائے اس کے موافق عمل درآمد ہوگا، اگر شرائط حلیۃ النابضۃ سے مستفاد ہیں)

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے، بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لہذا طلاق کے غلط اور بیجا استعمال کو روکنے کے لیے عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کریں کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کو بیس ہزار مہر دینا ہوگا۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، اسی طرح اگر شوہر نے اس دولین کی موجودگی میں زوجیت میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت (دولین) کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، اس طرح کا مہر طے کرنا درست ہے، بہر صورت مہر مسمی لازم ہے اور صاحبین کے قول پر فتویٰ درست ہوگا، اس کی نظیریں ہدایہ اور خود سوالنامہ میں تاتار خانہ سے مستقول مسائل ہیں۔

اذا تزوجها علی الف ان لم تکن له امرأة و علی الغین ان کانت له المرأة و علی الف ان لم یخرجها من البلدة و علی الغین ان اخرجها فالنکاح جائز فقال ابو یوسف و محمد جائز ان۔

اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر پہلے سے اس کی بیوی نہیں ہے تو مہر ایک ہزار اور اگر پہلی بیوی موجود ہے تو دو ہزار، اسی طرح عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے تو دو ہزار مہر کی رقم ادا کرنا ہوگا، تو نکاح جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک مہر مسمی لازم ہوگا۔

عورتوں کو ملازمت اور نوکری کی اجازت نہیں دینی چاہئے اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں، بے حجابی



شوہر کی ناقدری، نامحرموں سے گفتگو وغیرہ، اگر نکاح کے وقت عورت نے اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائی کہ شوہر اسے موجودہ ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا عقد نکاح کے وقت شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور نکاح جائز ہے ایفاء شرط قضاء لازم نہیں ہے ” لا یلزمہ الوفاء بالوعدہ شرعاً وان اوفی فیہا و نعمت “ ہاں اگر عورت شریعت کے حدود میں رہ کر ملازمت کر رہی ہے تو بلا وجہ روکنا صمد کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، عورت کو فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں ملے گا اور شوہر کے حکم کی تعمیل لازم و ضروری ہوگی، گذشتہ صفحات میں دلائل آپکے ہیں۔

## اشترائط فی النکاح کا مسئلہ

مولانا عمران قاسمی

الحمد لله رب العالمن و الصلوة و السلام علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ازدواج کو نہ صرف توالد و تناسل اور انساب کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ بلکہ اس تعلق سے جو اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکا کہیں کا ہوتا ہے۔ لڑکی کہیں کی ہوتی ہے۔ اس قدر اجنبیت کے باوجود نکاح کا رشتہ ان دونوں میں قائم ہوتے ہی ساری اجنبیت اور ان کا بعد ختم ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے دلوں میں قدرتی طور پر الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ انس و محبت وقتی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ جوں جوں زندگی کے ایام گزرتے جاتے ہیں، اس میں کمی کے بجائے برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ قرآن نے اسی الفت و محبت کی تعبیر اس طرح کی ہے۔

و من آیاتہ ان خلقکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا و جعل بینکم مودة و رحمة

سورة الروم

اس کی اونچی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ہم نے تمہارے جی سے تمہارا جوڑا بنایا کہ تم ان سے جی ٹھنڈا کرو اور تمہارے درمیان پیار و دلداری کے جوت جگا دئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً و صہراً و کان ربک قدیراً سورة الفرقان

وہ خدا ہی کی ذات ہے جس نے پانی کے قطرے سے جیسا جاگتا انسان پیدا کیا اور اس کو خاندان و سرال والا

بنایا اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

غرض شریعت نے عورت و مرد کے درمیان ہونے والے عقد کو قابل احترام قرار دیا اور متعینہ حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کے طریقے بتائے ان ہی قوانین و ضوابط میں سے ایک اہم قانون و ضابطہ اشراط فی النکاح ہے۔

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا۔ لہذا نکاح میں اگر کوئی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے انحراف و گریز ہو۔ تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل قرار نہیں دیا جائے گا۔ شرط کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

مثال کے طور پر شوہر شرط لگائے کہ وہ مہر نہیں دے گا، تب بھی فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل بہر حال واجب و لازم ہوگا خواہ شوہر وطنی کرے یا مرجائے۔  
صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔

وان تزوجھا ولم یسم لها مہرا او تزوجھا صلی ان لا مہر لها فلها مہر مثلھا ان دخل بها او

سات صنها۔ ہدایۃ ج ۷ ص ۱۳۲۲

اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے دی پھر بھی اس سوکن کو اپنی دی ہوئی باری سے رجوع کر لینے کا حق ہوگا۔

ہدایہ میں ہے۔

ولھا ان ترجع فی ذالک لانھا اسقطت حقالم یجب بعدلا یسقط ہدایۃ ج ۷ ص ۱۳۲۹

اسی طرح نفقہ بھی واجب ہوتا ہے۔ لہذا کسی عورت نے اپنا نفقہ معاف کر دیا یا معافی ہی کی شرط کے ساتھ عقد نکاح کیا تو بھی عورت کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ فقہ کی یہ عبارت اسی کی طرف مشیر ہے۔ لانھا اسقطت

حقالم یجب بعد فلا یسقط

مزید اس سلسلہ میں فتح التقدیر کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح روشنی ملتی ہے۔

وابراء الزوجة من النفقة هل یصح و یلزم۔ ان کانت غیر مفروضة لا یصح۔ لانه ابراء

قبل الوجوب۔ وان کان القاضی فرضھا کل شهر کذا او کذا صح فی الشهر الاول فقط و کذا لو

قالت ابرائتک من نفقة سنة لا یبرأ الا من شهر الا ان یكون فرض لها کل سنة کذا لان

القاضی اذا فرض کذا کل شهر فانما فرض مہما یتجدد الشهر فمالم یتجدد لم یتجدد الفرض

و مالم یتجدد الفرض لم یجب نفقة الشهر فلا یصح الابراء صنها ولو ابراته بعد ما مضى الشهر



صما مہنی و صما لیستقبل برئی صما مہنی و من شہر (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹۲-۳۹۵)

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔ ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نکاح صحیح قرار پائے گا۔

لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے صرف عورت کو فائدہ ہو اور کسی دوسرے کو نقصان بھی نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ شوہر اس شرط کی پابندی اس وقت تک کرے جب تک نکاح کے مقاصد فوت نہ ہوں۔ مثال کے طور پر عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا لہذا اس صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہو گیا جہاں رہ کر اسے بیوی کے حقوق ادا کرنے میں نہایت دشواری ہو رہی ہو تو اس شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ شوہر بیوی کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دے یا پھر عورت کے حقوق کی ادائیگی سے بالکل لاپرواہ ہو جائے۔ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں مناسب یہی ہے کہ بیوی کو اپنے ہمراہ لے کر جائے۔ مگر اس طرح کی شرط کو قضاء لازم الایفاء قرار دینے کی صورت نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی ایسی شرط لگائی کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو نقصان ہوگا اس طرح کی شرط کو پورا کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلال بیوی کو طلاق دے دے گا۔ ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو عدم ایفاء شرط کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔

قد تقدم ان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج علی الف علی ان لا ینخرجها من البلدة او علی ان لا یتزوج علیها او علی ان یخلق فلانة فالنکاح صحیح وان کان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة و طلاق الضررة فاسدا لان فیہ المنع من الامر المشروع (صنایة

علی هامش فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۰)

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں۔

ومذہ الشروط تمنع التزوج و التصری لوجوب الجری علی موجبها فكانت باطلت (فتح

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

اذا تزوج صلی الف صلی ان لا ینخرجها من البلدة او صلی ان لا یتزوج حلیها اخری فان  
وفی بالشرح فلها المسمی وان تزوج صلیها اخری او اخرجها فلها مهر مثلها ۱۰ ہدایۃ ج ۲ ص  
۱۳۷۹

نکاح کے وقت تفویض طلاق کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے اپنی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ" میں جو کچھ  
لکھا ہے۔ اس باب میں وہی باتیں کافی ہیں۔ اب اس میں مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ باتیں اپنی جگہ کافی  
و شافی ہیں۔

حضرت تھانوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو "الحیلۃ الناجزۃ" ص ۳۸ تا ۳۸

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے طلاق دینے کو برا سمجھا ہے، صرف ناگزیر صورت میں اس کی اجازت دی ہے۔ یہی  
وجہ ہے کہ اگر کوئی اسے بے محل استعمال کرے یا اسے کھیل بنالے، اس سے عورتوں پر ظلم و زیادتی مقصود ہو  
تو پھر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اور عند اللہ وہ اقدام ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی وجہ سے دو خاندانوں  
کا اتفاق و اتحاد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ بلکہ آئندہ چل کر معاشرہ اور خاندانوں پر ناقابل تلافی اثر پڑتا ہے  
لیکن اگر ازدواجی زندگی الفت و محبت کے بجائے عداوت و دشمنی میں بدل جائے اور نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو  
شریعت غراء نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت ہی نہیں دی، بلکہ اس فعل کو مباح و مستحسن قرار دیا ہے تاکہ  
آلام و مصائب میں مبتلا زوجین کو بھڑکھرا مل سکے۔

مسلم معاشرہ میں وقوع طلاق کا معاملہ جس قدر مشہور ہے، واقعہ یہ ہے کہ اتنا نہیں ہے۔ اور طلاق ثلاثہ یا طلاق  
کی کثرت کو روکنے کے لئے پابندیاں عائد کر کے طلاق دشوار بنانا تو یہ بالکل غیر مناسب بات ہوگی، چونکہ مسلم سماج  
میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان نشوز و شقاق ہے اور نشوز و شقاق اس حد تک پہنچ گیا کہ  
فرقت ضروری ہے۔ مگر زیادتی مہر کے ڈر سے طلاق نہیں دیتا کہ بعد طلاق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اب نتسبج یہ ہوگا  
کہ عورت کا لعلقہ ہو کر رہ جائے گی۔ یا پھر حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو جائیں کہ معافی مہر کے عوض میں طلاق  
حاصل کر لے۔

ایسی صورت میں یہ بات بہت قرین قیاس تھی کہ اگر مہر کی تعداد کم ہوتی تو شوہر طلاق دے دیتا اور عورت  
مہر پالنے کی حقدار بھی ہو جاتی۔

رہا طلاق ثلاثہ یا طلاق کی کثرت کا معاملہ تو یہ درحقیقت جہالت کی بنیاد پر ہے۔ اس کے غلط استعمال کو روکنے

کے لئے مقدار مہر کو بڑھانے کی بات کرنا درست نہیں ہے۔

چونکہ اگر ایک شخص فرقت اختیار کرنے پر بالکل آمادہ ہو جائے تو مہر حال مہر کی مقدار جو بھی ہو اس کو ادا کر کے الگ ہو سکتا ہے۔ ہاں اس کی بستر شکل یہ ہے کہ مسلم سماج کو ان مسائل سے زیادہ سے زیادہ واقف کرایا جائے ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے۔

ان حالات کے باوجود اگر مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار روپے ہوگا اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے، اس طرح کی شرطیں لگانا درست ہے۔ اب رہا مسئلہ وجوب مہر کا تو وہ حالات کے مطابق ہوگا۔ اگر نکاح کرتے وقت مہر اس طرح طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں بھی درست ہیں بیوی کو آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔

الشرطان جائزان حتی كان لها الالف ان اقام بها والالف ان اخرجها هداية ج ۲ ص ۳۷۹  
بیوی کے اقامت و اخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے۔ چونکہ جس طرح صاحبین کے یہاں اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں درست ہیں۔ اسی طرح تزوج : عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں درست ہوں گی۔

فكان لها عشرة الاف ان لم يتزوج حليها اخرى و مشرون ان تزوج حليها اخرى

اگر شوہر کے حقوق میں بیوی کی ملازمت سے نقصان و ضرر ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ اس کو ایسی ملازمت سے روک دے۔ ہاں ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حق میں نقصان نہ ہو تو اس طرح کی ملازمت سے روکنے کی چھداں ضرورت نہیں ہے۔

اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا بعد نکاح کسی ایسی نو لڑی کی اجازت دے دی جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے تو شوہر اس اجازت کو واپس لے سکتا ہے۔

و يلا حن ان رضاه باحترافها وقتما لا يمنع عدم رضاه في خيرہ . الاحوال الشخصية ص ۱۰۲۳۹  
والذی ینبذی تحریرہ ان یکون له منها من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره او  
الی خروجها من بیتہ اما العمل الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها منه خصوصاً فی حال  
ضیبتہ من بیتہ . فان ترک المرأة بلا عمل فی بیتها یؤدی الی وسوس النفس و الشیطان او



## اشتراط فی النکاح کا حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی

اس میں شک نہیں کہ اسلام رشتہ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باہمی تعلقات کی خوشگواہی کے لئے کچھ اہم و رہبر اصول بھی بتائے ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات سے دوری اور ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے کہ کثر رشتے غیر یقینی صورت حال کے شکار ہیں، اور حدود و قیود کے مستلشی ہیں۔

نکاح سے قبل جہاں رسومات غیر شرعیہ کی تکمیل کی طرف پوری توجہ دی جاتی ہے اگر صرف ایک عشرہ دولہا کسی صحیح عالم کی صحبت میں رہ کر مسائل نکاح و طلاق اور حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کرے، اسی طرح بیٹے والی دولہن کو ایک عشرہ خالص دینی معلومات فراہم کی جائیں تو یقیناً دونوں کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی ہوگی، جس کے نتیجے میں دونوں کی زندگی خوشگوار بنے گی۔

لیکن افسوس اس انداز کی تعلیمات کی طرف امت کی کوئی توجہ نہیں، جس کا لازمی نتیجہ آج سب کے سامنے ہے اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات سپرد قلم ہیں، لیکن چند اصول جزئیات سے قبل قابل ذکر ہیں۔

- ۱۔ نکاح کی تین قسمیں ہیں (۱) منجز (۲) مشروط (۳) معلق، علامہ شامی و دیگر فقہاء کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی یہ تینوں شکلیں قابل قبول و اعتبار ہیں۔
- ۲۔ شرائط کی دو قسمیں ہیں (۱) شرط صحیح (۲) شرط فاسد

۳۔ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

”النکاح لا تبطله الشروط الفاسدة فبطل الشرط وبقى النکاح صحيحا ابدانہ ج ۲ ص ۲۷۳“  
۴۔ تفویض شرعا ایک درست عمل ہے۔ تفویض کی تین قسمیں ہیں (۱) تخیر (۲) امر بالید (۳) مشیت اور ان انواع ثلاثہ کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور و موجود ہیں۔

۵۔ ایسی کوئی بھی شرط جس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال لازم آئے شرعا غیر معتبر ہے واجب الایفاء نہیں، جیسا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی صراحتاً یہ چیز موجود ہے، ان چند اصولوں کے بعد سوال میں مذکور جزئیات سپرد قرطاس ہیں۔

(الف) نان و نفقہ بیوی کا شوہر پر حق واجب ہے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اگر وجوب نفقہ کی ساری شرطیں موجود ہوں تو شریعت بیوی کو یہ حق دیتی ہے کہ شوہر سے اپنا نان و نفقہ وصول کر لے، لیکن اگر کوئی صاحب حق اپنے حق کو ساقط کر دے تو شریعت نے یہ حق بھی صاحب حق کو دیا ہے، لہذا اگر کوئی عورت بلا جبر و اکراہ طوعاً اپنا حق واجب (نان و نفقہ) ساقط کر دے تو اس سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ ہی بیوی کو مطالبہ یعنی نفقہ کا حق ہوگا۔

(ب) ایک سے زائد نکاح کی اجازت مرد کو شریعت نے دی ہے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک سے زیادہ چار تک بیک وقت اپنی زوجیت میں عورتوں کو رکھے، لیکن اگر کوئی مرد اپنا یہ حق کسی مصلحت کے تحت ساقط کر دیتا ہے اور اپنی پہلی بیوی سے یہ عہد کر لیتا ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے تمہارے رہتے ہوئے شادی نہیں کروں گا تو ”واوفوا بالعہد“ کے تحت یہ وعدہ بھی لازم الایفاء ہوگا، اور اس سے اس کی شادی متاثر نہ ہوگی جس میں اس نے اپنی بیوی سے اس انداز کا عہد کیا ہے۔

(ج) طلاق شوہر کا پرشل ذاتی حق ہے، لیکن شرعا تفویض توکیل بھی معتبر ہے لہذا شوہر حسب موقع و مصلحت بوقت ضرورت بقدر ضرورت بعد ضرورت اپنا اختیار و حق دوسرے کے حوالے کر سکتا ہے، اور دوسرا شخص اس کے سپرد کردہ حق کو اگر استعمال کرتا ہے تو وہ حق بجانب ہوگا، تفویض کے بعد اگر شوہر بیوی سے حق تفویض کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

و لا یملک الرجوع ای و لا یملک الزوج الرجوع من التفویض سواء کان بلفظ التخییر او

بالامر بالید او مطلقاً نفسک لما قدمنا۔ البحر الرائق ص ۳۷۷ جلد ۳)۔

## نکاح میں شرط کی صورتیں

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں۔

۳: عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرط نامہ تحریر کیا جائے۔

یہ تینوں صورتیں درست اور صحیح ہیں۔

البتہ پہلی صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو تحریر لکھی جائے اور اس میں جو شرط مذکور ہو اس کی اضافت و نسبت نکاح کی طرف ہو، اگر اضافت الی النکاح کو ترک کر دیا گیا تو تحریر باوجود طرفین کی دستخط کے لغو اور بے کار ہو جائے گی، جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اور شرط کی دوسری صورت بھی درست ہے، لیکن اگر شرط تعویض طلاق سے متعلق ہو اس وقت اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو اور اگر ایجاب مطلق شوہر کی جانب سے ہو اور مشروط قبولیت عورت کی جانب سے ہو اس صورت میں شرط لغو ہو جائے گی اور نکاح بغیر شرط کے درست ہو جائے گا۔

كما في الشامي: ان ابتداءً ت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امرى بيدي  
 'مطلق نفسي كما اريد او على اني طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير  
 سر بيدها كما في البحر من الخلاصة و البرازية -

تعویض طلاق کے ساتھ احسن یہ ہے کہ دو چار رجال کی تصویب حال کی شرط لگادی جائے، تاکہ عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے غلط قدم نہ اٹھا سکے، اور اگر اہراء مہر کی بھی قید تعویض طلاق کے ساتھ لگ جایا کرے تو بہتر ہے، تاکہ عورت حق تعویض کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور بے جا استعمال کا سد باب ہو سکے۔

شریعت نے مصلح کے تحت ہی تعویض طلاق کا دستور بنایا ہے اگر تصویب رجال یا اہراء مہر کی قید لگادی جائے تو بے جا تصرف کا سد باب بھی ہو جائے گا، اور شرعی دستور بھی ضیاع سے محفوظ رہے گا۔

جواب - سوال - ۲ - مہر عورت کا حق ہے کمی زیادتی کا اختیار بھی عورت کو حاصل ہے مرد کے قبول کرنے سے پہلے مہر کو مشروط و مطلق رکھنے کا حق بھی عورت کو ہے۔ جس شرط کے ساتھ شوہر مہر کو قبول کرے گا اس کا ایفاء اس کے ذمہ ہوگا۔

جواب - سوال - ۳ - شریعت نے عورت کا جو مقام اور کام متعین کیا ہے اس میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک عورت ہمیشہ عورت کلرک بنے اور آفسوں کی ڈیوٹی انجام دے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک مرد کو ایسی شرط مسرت کر دینی چاہئے جو بہت سے مفاسد و محرمات کا ذریعہ ہو اور ایجاب و قبول کے وقت ہی یہ شرط لگادینی چاہئے کہ تم کو صرف چراغ خانہ بن کر رہنا پڑے گا اور کسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی شوہر نادانی میں اس انداز کی نامسمول شرط کو قبول کر لیتا ہے تو حسن تدبیر سے بیوی کو اس عمل سے روکنے پر وہ مجبور ہوگا مازور نہیں۔



## شرائط نکاح سے متعلق بعض ضروری مسائل و دلائل

☆ مولانا ابوبکر صاحب

نکاح مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا ایک قابل احترام عقد ہے، جس کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک ساتھ مودت و محبت اور اعتماد کی فضاء میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں، چونکہ مذہب اسلام رشتہ نکاح کو پائیدار اور مضبوط و مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے اس نے دونوں فریق کے بعض ضروری حقوق کی تعیین فرمادی ہے، اور ایک جگہ قرآن پاک میں صاف صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

**ولهن مثل الذي صليهن بالمعروف (سورة البقرة آیت ۲۲۸)**

دستور کے مطابق عورتوں کے لئے (ان کا حق مردوں پر) اس کے مثل ہے جو ان عورتوں پر (مردوں کا حق)

ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورتوں پر شوہروں کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں، جن کی ادائیگی مردوں پر ضروری ہے پھر قرآن و سنت کی واضح نصوص میں مردوں اور عورتوں کے بعض حقوق کو متعین فرمادیا گیا ہے، جن میں دونوں فریق باہمی رضامندی سے بھی کچھ رد و بدل نہیں کر سکتے، اور ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ مضبوط و طاقت ور فریق کمزور کا استحصال نہ کر سکے، اور فریق ثانی کی کمزوری اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نکاح کے وقت اپنی من پسند شرطیں عائد کر کے اپنے حقوق و فرائض سے گریز کی راہ نہ

اپنالے۔

## شرائط نکاح اور ان کے احکام :

مذکورہ تفصیل کے پس منظر میں فقہاء کرام نے نکاح کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں شرائط نکاح پر بحث کی ہے، تو یاد رہے کہ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو۔ مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ نیز شوہر عورت کو مہر دے گا وغیرہ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے، بلکہ اگر بوقت نکاح ان شرائط کی تصریح نہ کی گئی ہو تب بھی شوہر پر ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے، کیونکہ قرآن و سنت کی واضح نصوص میں ان شرائط و حقوق کا ذکر کر کے ان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ مہر کے سلسلہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ اجورهن فريضة“ (سورة النساء، آیت ۷۲) جن عورتوں سے (نکاح کے بعد) تم نے فائدہ اٹھایا ہے، ان کو ان کا مقرر کردہ مہر دیدو۔

اور نفقہ کے سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا۔

ولهن صليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف (ابن ماجہ حجة رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم حدیث ۱۱۳)

دستور کے مطابق عورتوں کو کپڑا اور خوراک دینا مردوں پر لازم ہے۔

نیز قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے عورتوں کے نفقہ کے سلسلہ میں حکم دیا ہے۔ **و صلی المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف** (سورة البقرة ۲۳۳) لڑکے والے پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔

کتاب و سنت کی مذکورہ تصریحات کی بنا پر بغیر شرط کے بھی عورتوں کو مہر کی رقم اور نفقہ دینا ضروری ہے، لیکن اگر عقد نکاح کے وقت مذکورہ چیزوں کی ادائیگی کی شرط لگا دے تب تو ان کی ادائیگی اور زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تمام ارباب صحاح نے نقل کیا ہے، جس میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج** (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۷) جن شرطوں کو تم لوگ پوری کرتے ہو ان میں پوری کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ لائق و مستحق شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جن شرطوں کی وجہ سے عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہوتا ہے، اور جو شرطیں مقتضائے عقد

کے مطابق ہوتی ہیں یعنی جو شرطیں صلب عقد میں داخل ہوتی ہیں، وہ شرطیں پوری کرنے کے زیادہ لائق ہیں، کیونکہ رشتہ نکاح کی پائیداری بڑی حد تک قبائل و خاندان کے سکون کی ضامن ہے، اور اس کی ناپائیداری بست سے مطمئن معاشروں اور خاندانوں کو فتنہ و فساد، توڑ پھوڑ اور بگاڑ پر ابھارتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو ساری دنیا اور سارے قبائل کے سردار بنا کر بھیجے گئے تھے، انہوں نے مقتضائے عقد نکاح کے مطابق طے کی جانے والی شرطوں کو پورا کرنے پر زور دیا، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اگر یہ شرطیں نہ ہوں تب بھی ان شرائط میں ذکر کردہ امور کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۷) شرط کی دوسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط طے کرے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، یعنی جو شرطیں مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں، عقد نکاح میں ان کو ذکر کرنا، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، اسی طرح شوہر بیوی کو رہنے کے لئے مکان نہ دے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو رقم نہ دے گا، اسی طرح عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے، تو اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ یہ شرطیں باطل ہیں اور عقد نکاح درست ہو جائے گا، چنانچہ حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری "باب الشروط فی النکاح" میں لکھا ہے:

و اما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لا یقسم لها او لا یتسری علیها و لا ینفق او نحو  
ذلک فلا یجب الوفاء بہ بل ان وقع فی صلب العقد کفی و صح النکاح لمہر المثل و فی وجہ  
یجب المسمی و لا اثر للشروط و فی قول یبطل النکاح (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۸)

اور بہر حال وہ شرط جو مقتضائے عقد نکاح کے منافی ہو جیسے یہ شرط کہ بیوی کے لئے وہ باری مقرر نہ کرے گا، یا اس پر باندی نہ رکھے گا، اور نہ نفقہ دے گا وغیرہ۔ پس اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر شرط صلب عقد میں واقع ہو تو رک جائے، اور مہر مثل کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا اور ایک صورت میں مہر مسمی واجب ہوگا، اور شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور ایک قول میں نکاح باطل ہوگا۔

مندرجہ بالا دوسری قسم کی شرطوں کو فقہاء کرام نے جو باطل فرمایا ہے تو اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کی کتاب الشروط کے باب الشروط کے تحت نقل فرمایا ہے کہ

ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان سائتہ شرط قضاء اللہ احق

و شرط اللہ اوشق (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۷)



جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرطیں ہوں، اللہ کا فیصلہ زیادہ لائق ہے، (کہ اس کی پیروی کی جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے مندرجہ بالا حدیث پاک کو "باب المکاتب و ما لا یحل من الشروء" کے تحت بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے۔

"من اشترط شرطاً لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ و ان اشترط مائتہ شرط" (بخاری ج ۱ ص ۳۸۷، ترجمہ) جس شخص نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، تو اس کے لئے کچھ نہیں ہے اگرچہ وہ سو شرط لگائے۔

اسی طرح مندرجہ بالا شرطوں کے باطل و ناجائز ہونے کی دلیل وہ حدیث بھی ہے، جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بالفاظ ذیل مرفوعاً نقل فرمایا ہے:

لا یحل لامرأة تسأل مطلقاً اختها لتستفرغ صفتها فانها ما قدر لها (بخاری ج ۲ ص ۴۴۲، ترجمہ) کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے، کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

اس حدیث پاک کو حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب الشرط "باب ما لا یجوز من الشروء فی النکاح" کے تحت بھی بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے۔

ولا تسأل المرأة مطلقاً اختها لتستکفی انانها (بخاری ج ۱ ص ۳۴۶، اسی طرح بخاری شریف میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... ان تشتترط المرأة مطلقاً اختها (بخاری ج ۱ ص ۳۴۶)

(ترجمہ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن (سوکن کی طلاق کی شرط لگائے) (بخاری باب الشروء فی المطلق) اور ابو نعیم نے مذکورہ حدیث کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے۔

لا یصح لامرأة ان تشتترط مطلقاً اختها لتستکفی انانها (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۷۷۲، ترجمہ) کسی عورت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کی شرط لگائے تاکہ اس کے برتن کو الٹ دے (کہ وہ خالی ہو جائے اور شوہر کے سارے اکرامات و انعامات کی یہ مستحق ٹھہر جائے)

مذکورہ روایات ہی کی بنیاد پر حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت عمر، یا ابن عمر کا یہ فتویٰ نقل فرمایا ہے:

قال ابن عمر او صر كل شرط خالف كتاب الله فهو باطل وان اشترط مائة شرط ابخاری ج ۱ ص ۳۸۱ (ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر یا حضرت عمر کا قول ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو مرتبہ شرط لگائے۔

وقال ابن مسعود لا تشترط المرأة طلاق اختها ابخاری ج ۲ ص ۱۷۷ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، جس کا تذکرہ قرآن و سنت میں نہ ہو، اور اس شرط سے حقوق واجبہ سے گریز ہو رہا ہو تو ایسی شرط عقد نکاح میں لگانی جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس قسم کی شرط لگانی تو وہ باطل ہے۔

۱۳۱ شرائط نکاح کی تیسری قسم یہ ہے کہ متاقدین میں سے کوئی فریق یا دونوں بوقت نکاح ایسی شرط لگائے جس کا تعلق نہ پہلی قسم کی شرطوں سے ہو، اور نہ دوسری قسم کی شرطوں سے یعنی دونوں فریقوں میں سے کوئی ایسی مباح شرط لگائے جو نہ مقتضائے عقد کے قبیل سے ہو اور نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس تیسری قسم کی شرط کے حکم کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے درمیان قدرے اختلاف ہے، حضرت امام احمد، اسحاق اور امام اوزامی کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا، لیکن حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شرط کی اس تیسری قسم کو پورا کرنا قضاء ضروری نہیں، البتہ دیانتاً ضروری ہے، کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جو جائز وعدہ کرے اس کو پورا کرے، اور خود باری تعالیٰ کے ارشاد "واوفوا بالعہدان العہد کان مسنولاً" کا تقاضا بھی یہی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان شرطوں کو پورا نہ کرے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی، حضرت امام احمد وغیرہ اپنے مسلک کے اثبات میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جسے حضرت امام بخاری نے "کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح" میں بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

"احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج" (بخاری ج ۲ ص ۱۷۷)

مگر یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ حضرات بھی اس تیسری قسم کی شرطوں کو پورا کرنے کو دیانتاً ضروری قرار دیتے ہیں (مستفاد از درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۳ - ثانیاً، اس حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ ثانیاً، بہت سے شارحین نے اس حدیث کو پہلی قسم کی شرطوں

کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے تو اس حدیث پاک میں شرط سے مراد مہر لیا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی شرح "الکوکب الدرہ" کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ۔

وقال جماعة من العلماء ان المراد بالشرط ههنا المهر خاصة لا ضمير لانه هو المشروط.

في مقابلة البضع (حاشية الكوكب الدرہ ج ۱ ص ۳۳۵)

(ترجمہ) اور (شارعین حدیث کی) ایک جماعت نے کہا ہے کہ شرط سے مراد یہاں پر صرف مہر ہے نہ کہ اس کے ماسوا کوئی اور چیز اس لئے کہ وہی بضع کے مقابلہ میں مشروط ہے۔

شارعین حدیث کی اس جماعت کے مذکورہ قول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ

"احل لكم ماورا، ذالكم ان تبثوا بماوالمكم" (سورة النساء، آیت ۲۲)

تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتیں حلال کر دی گئیں ہیں، بشرطیکہ تم مہر دے کر رشتہ تلاش کرو۔ اور ترمذی شریف کتاب النکاح "باب ما جاء لا نکاح الا بولی" کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها" (ترمذی ج ۱ ص ۸۰۶) ان الفاظ سے بھی یہی کجہ میں آتا ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شرط سے مراد مہر ہے، اور علامہ نووی علیہ الرحمہ نے حضرت عقبہ بن عامر کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت امام شافعی اور اکثر علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث ان شرطوں پر معمول ہے جو نکاح کے مقتضی کے منافی نہ ہوں، بلکہ وہ نکاح کے مقاصد و مقتضی میں سے ہوں، جیسے عورت کو اچھی طرح رکھنے، اس کا نفقہ، سکین دستور کے مطابق دینے کی شرطیں، اور یہ شرط کہ شوہر عورت کے حقوق میں کچھ کوتاہی نہ کرے گا، اور دیگر سوکنوں کی طرح اس کے لئے باری مقرر کرے گا، اور عورت گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے گی، اور نہ نقلی روزہ رکھے گی، اور شوہر کے گھر میں عورت کسی دوسرے کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے گی، نیز شوہر کے سامان میں شوہر کی رضا مندی کے بغیر تصرف نہ کرے گی، اور بہر حال جو شرط نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو جیسے یہ شرط کہ باری مقرر کرے اور نہ شوہر اس پر باندی کو رکھے اور نہ اس پر خرچ کرے اور نہ اس کو لے کر سفر کرے، پس ایسی شرطوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ شرط لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ صحیح ہو جائے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، وہ باطل ہے، اور امام احمد اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ شرط کو پورا کرنا واجب ہے، حدیث "احق الشروط" کی وجہ سے (حاشیہ ج ۱ ص ۳۵۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں۔



(۱) مقتضائے عقد کے مطابق ہو، اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

(۲) مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہو، اس شرط کو پورا کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) شرط کی تیسری قسم یہ ہے کہ جو نہ مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہو، اور نہ موافق ہو، بلکہ مباح قسم کی

شرط ہو تو اس قسم کی شرطوں کا دینا تاہم پورا کرنا ضروری ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی شرح اللوکب الدرہ میں شرائط نکاح کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

والحاصل ان الشروط ثلاثة اصناف - ما يوجبہ الزواج من خير اشتراطه كالنفقة لها و

السكنى فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط و ما ينافى كتاب الله و نص رسول فهذه لا يجوز

العمل بها و ان اشترط و ما ليس من القسمين فهي مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء

بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا (اللوکب الدرہ ج ۲ ص ۳۲۷)

(ترجمہ) حاصل کلام یہ ہے کہ شرطوں کی تین قسمیں ہیں (۱) جو بغیر شرط کے نکاح کی وجہ سے واجب ہو،

جیسے عورت کے لئے نفقہ اور مکان تو ایسی شرط کا پورا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ شرط نہ لگائے۔ (۲) جو شرط کتاب اللہ

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے خلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے،

اگرچہ شرط لگائے۔ (۳) اور جو مذکورہ دونوں قسموں میں سے نہ ہو، یعنی جن کا کرنا اور چھوڑنا دونوں مباح ہو، اگر

اس قسم کی شرط ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، اور اگر شرط نہ لگائے تو واجب نہ ہوگا۔

مذکورہ تصریحات سے جہاں نکاح کی شرطوں کا علم ہوا وہیں ان شرطوں کا شرعی حکم بھی معلوم ہو گیا، نیز یہ بھی

معلوم ہو گیا کہ ان شرائط کی وجہ سے عقد نکاح پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔

اب نکاح کی شرطوں کے اقسام و احکام اور اثرات کو جاننے کے بعد ذیل میں نکاح کی بعض شرطوں کی تفصیل

اور ان سے متعلق شرائط کی وضاحت کی جاتی ہے۔

## تفویض طلاق کی شرعی حیثیت اور اس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل

اگر کوئی عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ فلاں فلاں شکلوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور

شوہر نے عورت کی اس شرط کو تسلیم کر لیا، تو شرعاً اس شرط کی کیا اہمیت ہوگی؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام جو قرآن و

سنت کے معانی کو زیادہ سمجھتے ہیں، ان کے بھی کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کے

شوہر کی طرف سے مستقبل میں کسی ناگوار بات کا کوئی خطرہ محسوس ہو، اس کے لئے شرعاً جائز ہے کہ وہ عقد نکاح

میں اپنے لئے شوہر سے اس قسم کی شرط کو منظور کرائے، تا کہ پریشانی کے وقت اس شرط سے فائدہ اٹھا کر اپنے کو تکلیف سے محفوظ رکھ سکے، فقہاء کرام کی اصطلاح میں اسی کو تفویض طلاق کہتے ہیں، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیدے چنانچہ قواعد الفقہ میں ہے:

تفویض الطلاق ان يفوض الزوج الى الزوجة امر طلاقها من جهته وقد يكون منجزاً وقد يكون معلقاً وقد يكون مقيداً بالمجلس وقد يعم واصل التفويض هو التسليم ای ترک المنازعة والمضائقة۔ (قواعد الفقہ ص ۲۳۴)

مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ شوہر اگر عورت کو طلاق کی تفویض کر دے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ قرآن پاک میں تفویض کی ایک قسم تخمیر کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے، جس کی رو سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی ازواج مطہرات کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، (ملاحظہ ہو سورۃ الاحزاب) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفویض طلاق کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے، اب رہی یہ بات کہ شوہر اگر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کر دے تو اس کے بعد اگر وہ تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو شوہر کو اس کا اختیار حاصل ہوگا، یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس تفویض سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ در مختار کتاب الطلاق کی "فصل فی المشیئة" میں ہے:

ولا يملك الزوج الرجوع منه ای من التفويض بانواعه الثلاثة لما فيه معنى التعليق اور مختار۔ ج ۱ ص ۱۵۳۸

(ترجمہ) شوہر تفویض کی تینوں قسموں سے رجوع کرنے کا مالک نہ ہوگا، کیونکہ اس میں تعلق کا معنی پایا جاتا ہے، اور علامہ شامی علیہ الرحمہ نے تفویض کی تینوں قسموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اقوله بانواعه الثلاثة ای التحير والامر باليد والمشيئة اور المختار ج ۱ ص ۱۵۲۸

(ترجمہ) تفویض کی تینوں قسمیں یہ ہیں، تخمیر، امر بالید، اور مشیت طلاق، اسی طرح فتاویٰ مالگیری میں ہے۔

وليس للزوج في ذلك ولا ينهها مما جعل اليها ولا يفسخ - كذا في الجوهرة النيرة فتاویٰ مالگیری ج ۱ ص ۱۳۸۷، (ترجمہ) شوہر کے لئے اس سے رجوع جائز نہیں ہے، اور نہ وہ عورت کو اس سے منع کر سکتا ہے جو اس کے حوالہ کیا ہے اور نہ فسخ کر سکتا ہے۔

مذکورہ تصریحات فقہاء سے معلوم ہوا کہ شوہر جب اپنی بیوی کو طلاق کی تفویض کر دیتا ہے تو اس کے بعد شوہر

کو اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ہے، بلکہ عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہو جاتی ہے اب ظاہر ہے کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے، اس لئے طلاق کو اس کے ہاتھ میں مطلقاً دیدنا خطرہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے مناسب ہے کہ تفویض ہی کے وقت کوئی مناسب قید لگادی جائے، جس سے اس خطرہ کا سدباب ہو جائے، مثلاً یہ شرط لگادی جائے کہ جس وقت شوہر کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف پہنچے اور فلاں فلاں اشخاص اس کو تسلیم کر لیں، اور وہ حضرات اس صورت میں طلاق کو مناسب بھی کہیں، تو اس کے بعد ہر وقت عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے کو ایک طلاق باتن دے کر نکاح سے جدا کر لے، تو اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ نامزد اشخاص عورت پر شوہر کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو محسوس فرما کر عورت کے لئے طلاق دینے کو مناسب کہیں، لیکن اس کے بعد بھی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے اوپر طلاق واقع کرنی چاہئے، کیونکہ طلاق واقع کرنے میں جلدی کرنا شرما سخت ناپسندیدہ ہے، چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۶) اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں مغبوض ترین طلاق ہے۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایما امرأة سالت زوجها الطلاق فی غیر ما یاس فحرام علیہا راحة الجنة مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۳ (ترجمہ) جو عورت بلا ضرورت خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔

مذکورہ احادیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب طلاق کو شریعت نے سخت ناپسند فرمایا ہے تو عورت کو چاہئے کہ تفویض کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ اطمینان سے سوچ سمجھ کر طلاق واقع کرے اسی کے ساتھ درج ذیل تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

پہلی بات یہ ہے کہ غصہ کے وقت فوراً اپنے اس تفویض کے اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور و فکر کرے، جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے والد یا دیگر خیر خواہوں سے مشورہ کرے، چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب قرآن پاک میں آیت تخمیر نازل ہوئی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔

لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخیر ازواجہ بدأ بی فقال انی ذاکرک امرأ



تیسری بات یہ ہے کہ سنت کے مطابق استخارہ کرے، کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے  
 "صاندم من استخار"۔ جس نے استخارہ کیا وہ شرمندہ نہیں ہوا۔

استخارہ کے علاوہ ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے، جو میرے لئے دین و  
 دنیا میں بہتر ہو، ان تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اس  
 طرح عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ خطرہ نہ ہوگا جو تفویض کی صورت میں ہوتا ہے (حیلة ناجزة ص ۱۳۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفویض طلاق کی صورت میں طلاق دینے کا اختیار عورت کو حاصل ہو جاتا ہے، اور عورت ہی  
 طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، شوہر اگر تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو رجوع کرنے کا حق  
 نہیں رہتا ہے، اس لئے تفویض طلاق کے وقت شوہر کو چاہئے کہ عقل و ہوش سے کام لے کر بقدر ضرورت ہی  
 طلاق کی تفویض کرے، یک لخت تینوں طلاق کی تفویض نہ کرے، اب رہی یہ بات کہ طلاق کی تفویض شوہر کب  
 کرے، یا عورت کب شوہر سے تفویض طلاق کا اختیار حاصل کرے، تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریحات سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین صورتیں جائز ہیں (۱) نکاح سے پہلے (۲) عقد نکاح کے وقت (۳) نکاح ہو جانے  
 کے بعد۔ تفویض طلاق کی پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے ایک ایک شرط ہے، جن کا  
 تفویض طلاق کے وقت لحاظ ضروری ہے، ورنہ اس تفویض کا اعتبار نہ ہوگا، چنانچہ تفویض کی پہلی صورت کہ نکاح  
 سے پہلے اس کا معاملہ طے ہو جائے، تو اس کے معتبر و مفید ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت  
 ہو، مثلاً یہ اقرار ہو کہ اگر میں نے فلاں بنت فلاں سے نکاح کیا اور پھر میری طرف سے اس کو کوئی تکلیف پہنچی تو  
 اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے میرے نکاح سے جدا ہو جائے، اگر اس صورت میں  
 طلاق کی تفویض اضافت الی النکاح کے ساتھ نہ ہو تو وہ تفویض محض بے کار ہوگی، اور عورت کو کسی قسم کا اختیار  
 حاصل نہ ہوگا، کیونکہ طلاق کی تعلیق و تفویض کے صحیح ہونے کے لئے ملک یا اضافت الی النکاح کا ہونا ضروری ہے  
 (الحیلة الناجزة - فتاویٰ دارالعلوم ج ۱۰ ص ۱۳۷، چنانچہ در مختار کے متن تنویر الابصار کے "باب  
 التعلیق" میں لکھا ہے۔

شرطہ الملك۔ كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانك طالق او الاضافة اليه بان فكحتك  
 فانك طالق۔ فلما قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانك طالق (تنویر الابصار مع الدر المختار علی  
 هامش در المختار ج ۲ ص ۱۵۳) (ترجمہ) تعلیق کی شرط ملک کا ہونا، جیسے کوئی اپنی منکوحہ سے کہے کہ اگر تم میری  
 تو تم کو طلاق ہے۔ یا ملک کی طرف اضافت کا ہونا ہے، جیسے کہے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے،  
 لہذا اگر اس اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تم کو طلاق ہے تو یہ قول لغو ہوگا۔

اور تعویض کی دوسری صورت (جب کہ عقد نکاح کے وقت تعویض کا معاملہ طے ہو) کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ نکاح کا ایجاب عورت کی طرف سے ہو، اور ایجاب ہی کے وقت خود عورت یا اس کا ولی یا وکیل کے کہ "میں نے اپنے کو یا فلانہ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر تم نے اس کو تکلیف پہنچائی یا یہ کام کیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے کر اس نکاح سے الگ کر لے، اور اس کے جواب میں نکاح کرنے والا مرد کہے کہ میں نے قبول کیا، تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ شرط کی خلاف ورزی کے وقت اپنے اوپر طلاق وقع کر کے شوہر سے جدا ہو جائے۔

لیکن اگر ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت کی طرف سے قبول عقد ہو تو ایسی صورت میں اگر عورت قبول کے ساتھ تعویض طلاق کی شرط لگا دے تب بھی نکاح بغیر کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا، اور شرط بالکل بیکار سمجھی جائے گی، ہاں اگر شوہر خود ہی ایجاب و قبول کے ساتھ تعویض طلاق کی شرط کا اضافہ کر دے تو یہ تعویض بھی درست ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ شوہر تعویض کی شرط کو بڑھائے، اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو بوقت ضرورت اپنے اوپر طلاق وقع کرنے کا اختیار مل جائے، اس کے لئے یہ صورت کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ہی میں تعویض کی شرط کو ذکر کر دے تاکہ مرد کو بغیر تعویض کی شرط کو تسلیم کئے عقد نکاح کو قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

تعویض کی اس دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے صاحب درمختار نے لکھا ہے۔

نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح (در مختار ج ۲ ص ۵۲۶)

(ترجمہ) کسی مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کا معاملہ خود عورت کے ہاتھ میں رہے گا، صحیح ہے۔ درمختار کی اس عبارت کے ذیل میں علامہ شامی نے ردالمحتار میں لکھا ہے۔

(قوله صح) مقید بما اذا ابتدأت المرأة ففعلت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یسیر الامر بیدھا۔ کما فی البحر من الخلاصة و البزازیة رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۶۔ قبیل فصل فی المشیئة، (ترجمہ) صاحب درمختار کا قول "صح" مقید ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ عورت ابتدا کرے، اور کہے کہ میں نے تم سے اپنی شادی کی اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا کہ میں خود اپنے کو طلاق دوں گی جب چاہوں گی، یا اس پر نکاح کیا کہ میں مطلقہ ہوں گی، تو شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا، لیکن اگر شوہر آفاذ کرے تو عورت اپنے کو طلاق نہیں دے سکتی اور معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا، جیسا کہ خلاصہ اور بزازیہ کے حوالے سے بحر میں منقول ہے۔



طلاق کی تعویض کی تیسری صورت کہ عقد ہو جانے کے بعد تعویض کا معاملہ طے کیا جائے تو شرعاً یہ صورت بھی جائز و درست ہے، لیکن یہ صورت اسی عورت کے لئے کارآمد و مفید ہو سکتی ہے، جس کے نکاح کے وقت یا پہلے تعویض کا معاملہ طے نہ ہو، ہو لیکن جو عورت نکاح کے وقت ہی احتیاط کی طالب ہو اس کے لئے اس صورت میں بھی وہی کمی ہے جو اوپر دوسری صورت کے ذیل میں ذکر کی گئی، جبکہ عورت کی طرف سے جب ایجاب میں تعویض کی شرط کا ذکر نہ ہو، اور خود شوہر ایجاب میں یا قبول میں تعویض کی شرط کو ذکر کرے، ظاہر ہے کہ جب عورت کی طرف سے تعویض کا ذکر نہ ہو، اور عقد نکاح مکمل ہو چکا تو اب معاملہ عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ وہ شوہر کو تعویض پر مجبور کرے، بلکہ اس صورت میں تعویض کا معاملہ صرف شوہر کی مرضی پر رہ جاتا ہے، اس لئے مصائب کے وقت خلاصی کے لئے تعویض کی پہلی صورت اور دوسری صورت ہی کو اختیار کرنا مناسب ہے، اور ان میں بھی آسان پہلی صورت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جب تعویض کا معاملہ عقد سے پہلے طے ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں عوام کے مفالط میں پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا، ہاں اس پہلی صورت میں اضافت الی النکاح ضرور ہونی چاہئے ورنہ تعویض کا معاملہ درست نہ ہوگا۔

یہاں پر یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ تعویض طلاق کی شرط کے ساتھ جو نکاح کیا جاتا ہے، اس کے جواز میں فقہ حنفی کی رو سے کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، لیکن یہ ہرگز نکاح معلق میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ نکاح مغزب ہے، جو تعویض معلق کے ساتھ مشروط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تعویض کی شرط کے ساتھ فوراً نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جب کہ نکاح میں فوراً نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ مثلاً عورت یہ کہے کہ میں نے خود کو تیرے نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو، یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کیا اگر میرا باپ راضی ہو، تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا، اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے، البتہ اس کے ساتھ کوئی زائد شرط لگادی جائے تو اس صورت میں نکاح ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے نکاح تو مجلس عقد ہی میں منعقد ہو گیا، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے، جس کو شوہر سے منوایا گیا ہے۔ علامہ حسکفی اور علامہ شامی نے نکاح مشروط اور نکاح معلق کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے "فصل فی المحرمات" کے آخر میں لکھا ہے۔

و النکاح لا یصح تطلیقه بالشروط کتزوجت ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتطلیقه  
بالخطر کما فی العبادۃ و ضیروہا فما فی الدرر فیہ نظر۔ در مختار (قولہ فیہ نظر) لانہ صریح  
بعدم صحۃ النکاح المعلق فی الفتح و الخلاصۃ و البرازیلۃ من الاصل و الخانیۃ و التاتار



خانیة و فتاویٰ ابی الیث و جامع الفصولین و القنیة و لعلہ اشتبه علیہ النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشروط معہ شرط فاسد و بینہا فرق واضح " شر نیلا لیه " اشامی قبیل

باب الولی ج ۲ ص ۳۲۰

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نکاح معلق کو فقہاء کرام نے ناجائز قرار دیا ہے، جب کہ نکاح مشروط کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ نکاح معلق میں فوراً نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور نکاح مشروط میں فوراً نکاح ہو جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ نکاح مشروط میں دیگر شرطیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، فاسد اور غیر معتبر ہوتی ہیں، لیکن تعلق کی شرط کو فقہاء کرام نے معتبر و صحیح کہا ہے۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے فقہاء کرام نے دور حاضر کے پر فتن حالات میں بعض مصلح کی بنا پر تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ ہمارے بعض تجربہ کار علماء نے تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کا مشورہ دیا ہے، تو اگر کوئی شخص تفویض طلاق کی شرط کے بجائے مہر کی کمی اور زیادتی کی شرط پر نکاح کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دیا تو ایک ہزار مہر ہوگا، اور اگر بیوی کو طلاق دیدیا تو دو ہزار مہر ہوگا، تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح مہر مقرر کرنے سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں جو تفصیل درج ہے، اس کی روشنی میں اس مسئلہ میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ شرط یہ نکاح صحیح و درست ہے، البتہ اس قسم کی شرط کا کیا حکم ہے، اس کے متعلق ہمارے ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شوہر شرط کی پہلی صورت پر عمل کرتا ہے تو پہلے سے جس مہر کا ذکر کیا گیا ہے، عورت کو وہ مہر لے گا لیکن اگر شرط کی پہلی صورت کے بجائے دوسری صورت کو اختیار کرتا ہے تو اس وقت دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ شرط کی دوسری صورت کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر عورت کو مہر مثل دینا لازم ہوگا، جبکہ صاحبین کے نزدیک شرط کی دونوں صورتیں صحیح ہیں، اور ہر صورت میں شوہر پر متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہے۔ اب مفتی بہ قول کیا ہے؟ تو نکاح کے باب المہر کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک نکاح کے باب میں اصل مہر مثل ہے۔ ہاں اگر مہر مسمی مستحکم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل سے عدول کر کے مہر مسمی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے

ان الموجب الاصلی فی هذا الباب هو مہر المثل فلا یعدل عنہ الا عند استحکام

التسمیة (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۷۸۰)

فقہاء احناف کے مذکورہ نظریہ کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر متعین نہیں کیا، اور پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس شخص کی بیوی کا مہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہر مثل مقرر فرمایا، انسائی شریف ج ۲ ص ۱۸۸ اس حدیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے متعین نہ ہونے کی صورت میں عورت کو مہر مثل دیا جائے گا، اور مہر مسمیٰ کا عدم استحکام بھی مہر متعین نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اس لئے اس صورت میں بھی مہر مثل کا فیصلہ ہونا چاہئے۔

لہذا فقہاء احناف کے مذکورہ اصول کے تناظر میں جب سوالنامہ کی درج شدہ مذکورہ بالا صورت میں غور کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا قول مفتی بہ ہے، کیونکہ شرط کی دوسری صورت کے متعلق عورت کو کچھ نہیں معلوم کہ شوہر اس کو طلاق دے گا یا نہیں، لہذا طلاق دینے والی دوسری صورت میں مہر کا تسمیہ مستحکم نہیں ہے، اور مہر مسمیٰ میں استحکام نہیں ہے تو اس صورت میں مہر مثل کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

تفصیرہ مسئلۃ الاخراج دخلت المخاطرة علی التسمية الثانية فانها لا تدرى ان الزوج يخرجها ولا يخرجها فتاوی تاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۲ و رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۵ و قال فی البدائع ولا بی حنیفة ان الشرط الاول صحيح واقع بالاجماع و موجبہ رد مہر المثل ان لم يقع الوفاء به فكانت التسمية الاولى صحيحة فلو صح الشرط الثاني لكان نافيا موجب الشرط الاول و التسمية الاولى و التسمية بمد ما صحت لا يجوز نفی موجبها فبطل الشرط الثاني ضرورة ابدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵

اب اگر کوئی شخص کسی کے مندرجہ بالا مسئلہ میں طلاق کے واقعات کی کثرت کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا چاہئے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا، بلکہ اس کے برعکس یوں ہونے لگے گا کہ عورت زیادہ مہر لینے کے لئے شوہر کو پریشان کر کے طلاق لینے کی خواہش مند ہوگی، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ واللہ اعلم

پہلی بیوی کا مہر دوسری شادی کرنے نہ کرنے پر متعین کرنا

سوال (۷) اگر کسی شخص نے نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر ہم نے اس بیوی کے عقد نکاح



میں ہوتے ہوئے دوسری کسی عورت سے شادی کی تو اس کا مہر ۳۰ ہزار ہوگا اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں پہلی شرط صحیح ہے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں شوہر پر اس بیوی کو مہر مثل و رضا لازم ہوگا، لیکن مہر مثل مسمی سے کم ہوگا یا زیادہ تو پھر اس کی کمی کی صورت میں مہر مسمی کی کمی اور زیادتی کی صورت میں مہر مسمی کی زیادہ مقدار کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

قال فی البدائع ولو تزوج امرأة على الف ان لم يكن له امرأة وعلى الفين ان كانت له امرأة (الی قولہ) فلا شك ان النكاح جائز و اما المهر فالشرط الاول جاز بلا خلاف فان وقع الوفاء به فلها ما سمي على ذلك الشرط و ان لم يقع الوفاء به فان كان على خلاف ذلك او فعل خلاف ما شرط فلها مهر مثلها لا ينقص من الاول ولا يزيد على الاكثر وهذا قول ابی حنیفة (بدائع ج ۲ ص ۷۸۵ و مثله فی الہندیة ج ۱ ص ۳۰۷)

وقال فی التاتار خانیة و اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امرأة وعلى الفين ان كانت له امرأة او على الف ان لم يخرجها من البلد وعلى الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر فی المهر الشرط الاول ان وفى به فلها المسمى على ذلك الشرط و ان لم يف فلها مهر المثل لا ينقص من الاول ولا يزداد على الاكثر (فتاوی التاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

## عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا

سوال (۳) کسی مرد سے کسی عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے مذہب اسلام نے عورت کو کیا مقام و مرتبہ دیا ہے، اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کون نہیں جانتا کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد کے آرام و سکون کے لئے پیدا فرمایا ہے؟ اور مردوں کو عورتوں کا نگرہاں مقرر کر کے عورتوں کے لئے کھانا کپڑا مکان مہیا کرنے کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے، اور عورتوں کو گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے، اور بچوں کی پرورش و پرورش کے مقابلہ میں ماں ہی کو حق حضانت میں اولیت حاصل ہوتی ہے، شریعت نے عورت کو دنیا کے سامانوں میں سب سے بہترین سامان قرار دے کر اسے پردہ نشین رہنے کا حکم دیا ہے، اگر کبھی کسی عورت کو گھر سے نکلنا پڑے تو اسے پردہ کا حکم دیا گیا ہے، شوہر کو حکم ہے کہ جہاں وہ ہے وہیں اپنی عورت کو بھی رکھے، پردہ عورت کی حقیقت میں داخل ہے، اور جسم کو پردہ میں رکھنے کے ساتھ اپنی



آواز بھی ہست رکھنے کا اسے حکم دیا گیا ہے، عورتوں کی سربراہی قوم و ملت کی ہلاکت کا پیش خیرہ قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی بگڑتے ہوئے حالات میں مسجد میں جا کر نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی سے عورتوں کو روکا گیا ہے، اگر کوئی عورت اپنی سرحد کو پھاند کر نماز کے آگے جا کر کھڑی ہو جائے، یا کسی نماز کے پاس آ کر نماز شروع کر دے، تو اسے نماز کے خشوع میں مغل جانا گیا ہے، بلکہ نماز کے فساد تک کا حکم دیا گیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کی اصل فطرت کیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے، اب اگر کوئی عورت اللہ رب العزت کی طرف سے دی ہوئی حیا کے پردہ کو چاک کر کے خلاف فطرت کاموں کے کرنے کے لئے میدان میں اترتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے سند جواز دیا جائے، بلکہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، رہا بعض عورتوں کا دنیاوی تعلیم حاصل کر کے ملازمت کے لئے آگے بڑھنا یا دنیا کے بہت سے ملکوں میں عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش رہ کر کام کرنا، تو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں دین و فطرت کے خلاف جو بہت سے کام انجام پاتے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن کبھی اس سے یہ نتسبجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اگر کوئی عورت بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کی شرط لگائے تو شوہر اس کو اجازت دیدے، یا پہلے سے وہ عورت ملازمت کو اپنائے ہوئے ہے تو شوہر اس عورت کو اس پر باقی رہنے دے، بلکہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو شادی کے بعد ملازمت پر باقی رہنے دیتا ہے تو بظاہر ایسے شخص کو دیوث کے ماتہ سمجھنا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی عورت کا بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کرنے یا ملازمت پر باقی رہنے کی شرط لگا کر نکاح کرنا اور شوہر کا عورت کی مذکورہ شرطوں کو منظور کر لینا، چونکہ مقاصد نکاح کے سراسر خلاف ہے، اسی لئے شوہر کے اس قسم کی شرطوں کو قبول کر لینے کے باوجود اس کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عورت کو سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکے اور عورت پر اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔

## نکاح میں شرطیں لگانا

مولانا سید اسرار الحق سبیلی (ایم اے) ✽

نکاح ایک مضبوط اور پاکیزہ رشتہ ہے جس میں بندھ کر ایک اجنبی مرد و عورت سکون، اعتماد اور محبت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، چونکہ یہ ایک دائمی رشتہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں، نیز موجودہ زمانہ میں طلاق کے بے جا اور ناجائز استعمال نے انسانی معاشرہ میں ایک بے چینی اور بے اعتمادی کی کیفیت پیدا کر دی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے معاشرہ اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں نکاح و طلاق کے مسائل کا جائزہ لیں، اور نکاح و طلاق کا وہی تصور امت کے سامنے پیش کریں جو شریعت کے منشاء کے عین مطابق ہو۔

### نفقہ وغیرہ کی شرط لگانا

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے کوئی نئی ذمہ داری کسی فریق پر عائد نہیں ہوتی، مثلاً مرد کے لئے نان و نفقہ اور سکنی کی شرط لگانا، جیسا کہ آج کل نکاح کے وقت نان و نفقہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ایسی شرط لگانے سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اس لئے کہ نفقہ اور سکنی وغیرہ تو شرط لگانے بغیر بھی شوہر پر واجب ہوتا ہے اس کا وجوب قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیت۔

وصلی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (البقرة ۲۳۳)

بچہ کے باپ پر اس کی ماں کا نان و نفقہ معروف طریقہ پر واجب ہے۔

اسکنو من من حیث سکنتم (الطلاق ۶)

اپنی بیویوں کو رہنے کے لئے گھر دو، جہاں تم رہتے ہو۔

سے فقہاء نے بیوی کا نفقہ اور سکنی واجب قرار دیا ہے۔ (دیکھیے المبسوط ج ۵ ص ۱۸۰ بدائع

الصنائع ج ۲ ص ۲۳۳۔ بدایۃ ج ۲ ص ۱۲۷ باب النفقة، اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد بھی مقبول ہے جو آپ نے حجتہ الوداع کے موقع سے فرمایا تھا۔

ولهن من رزقهن وكسوتهن بالمعروف (ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۲۲۔ ط دیوبند۔ مسند احمد

ج ۵ ص ۷۱)

عرف کے مطابق تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر نفقہ اور کسوتہ (کپڑا) واجب ہے

علامہ نووی (م ۶۷۰ھ) لکھتے ہیں:

کسی عورت سے ایک ہزار روپے پر اس شرط کے ساتھ شادی کی کہ وہ بیوی سے رات و دن دونوں میں ہم بستر ہوگا، یا اس کو نفقہ دے گا، اس کو کپڑا دے گا اور اس کے ساتھ سفر کرے گا، بشرطیکہ عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے، تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہے، اس سے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے کہ یہ

شرطیں تقاضہ عقد میں داخل ہیں (المجموع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۱۸ ط۔۔ مکتبۃ الارشاد جدۃ)

## بعض ذمہ داریوں سے سبکدوشی کی شرط

نکاح کے وقت ایسی شرطیں لگانا جن سے نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً مرد یہ شرط لگانے کہ بیوی کا نان و نفقہ میرے ذمہ نہیں ہوگا، ایسی شرطیں لگانے سے نکاح درست ہو جائے گا اور بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا، یہ شرطیں کالعدم قرار دی جائیں گی، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

کسی آدمی نے ایک ہزار روپے مہر کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ نہیں ہوگا، جب کہ عورت کا مہر مثل سو روپے ہے، تو عورت کے لئے ہزار روپے اور نفقہ مرد پر واجب ہوں گے۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۹ ط دار صادر بیروت۔ فتاویٰ قاتار خانیتہ ج ۳ ص ۱۰۵ ط۔



کیونکہ نفقہ کا وجوب نفس عقد سے نہیں ہوتا ہے (اسی لئے نابالغ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا ہے  
 (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۱۸ ط۔ رشیدیۃ دہلی) بلکہ نفقہ کے وجوب کا سبب صبیح ہے اور سبب سے پہلے  
 کسی چیز کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۵ ص ۳۲۱۔ دار الفکر دمشق)

## کچھ مزید شرطیں

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جو نہ عقد نکاح سے لازم ہوتی ہو اور نہ ایسی شرط ہو جس کی وجہ سے عقد نکاح  
 سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، ایسی شرط دو طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) نکاح کے وقت ایسی شرط لگانی گئی جو صحیح ہو یعنی تقاضہ عقد کے مطابق ہو اور احکام شرع کے منافی  
 بھی نہ ہو، جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو علاحدہ (سپہٹ) گھر میں رکھے گا نہ کہ اپنے خاندان والوں  
 یا سوکن کے ساتھ رکھے گا، یا عورت کے خاندان والوں کی اجازت کے بغیر شوہر اس کو دور سفر پر نہیں لے جائے  
 گا یا عورت نے یہ شرط لگانی کہ شوہر اس کو کلبوں اور تھیزوں میں نہیں لے جائے گا، تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہوگا،  
 نکاح منعقد ہوگا اور ان شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہوگا، (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۱۵۲)

(۲) عاقدین میں سے کسی نے ایسی شرط لگانی جو فاسد ہے یعنی تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ یا احکام شرعیہ  
 کی رو سے ایسی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا اور صرف شرط باطل ہو جائے گی (حوالہ سابق)  
 جیسے نکاح کے وقت زوجین کا یہ شرط لگانا کہ وہ ایک دوسرے کے واث نہیں ہوں گے۔ (فتاویٰ قاضی  
 خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۳۱) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زوجین کو ایک دوسرے کی وراثت کا حق  
 دیا ہے جس کو اپنی رضامندی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

## تقویض طلاق

نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ طلاق وقع کرنے کا اختیار مرد کی بجائے اس کی عورت کو ہوگا،  
 اور مرد اس کو قبول کر لے یعنی ایجاب عورت کی طرف سے اور قبول مرد کی طرف سے ہو، تو عورت کو طلاق کا اختیار  
 ہوگا، چنانچہ علامہ فخر الدین اوزجدی (۲۹۵ھ) کا بیان ہے۔

اگر عورت نے ابتداءً کہا میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ کو طلاق وقع ہوگی یا مجھ کو طلاق کا حق  
 ہوگا کہ میں جب چاہوں اپنے اوپر طلاق وقع کر لوں اور مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہے، پہلی شرط کی

بنا پر عورت کو طلاق پڑ جائے گی، اور دوسری شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

اس لئے کہ اگر اجنباء (ایجاب) شوہر کی طرف سے ہو تو تقویض نکاح کے بعد ہوگی، کیونکہ عورت کے ایجاب کے بعد جب مرد نے کہا میں نے قبول کیا، اور جب کہ جواب میں سوال کے الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے گویا اس نے کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھ کو طلاق ہے، یا طلاق کا معاملہ تیرے حوالہ ہے۔ تو یہ نکاح کے بعد تقویض ہے۔ (فتاویٰ خانیہ ج ۱ ص ۳۷۹)

چنانچہ جب عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا تو اس اختیار طلاق (تقویض) کو شوہر ختم نہیں کر سکتا ہے، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی (۵۱۰-۸۸۲) فرماتے ہیں

کسی نے اپنی بیوی سے کہا جب اور جس وقت تو چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو عورت جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، کسی وقت کی قید نہیں ہوگی اور نہ شوہر کو تقویض طلاق کو ختم کرنے کا حق ہوگا، (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۷ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

### نکاح میں شرائط کی صورتیں

۱۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے پا جائیں اور اس کی تحریر پر عاقدین کے دستخط بھی ہو جائیں تب بھی ان شرائط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، مثلاً اگر نکاح سے پہلے عورت نے یہ شرط لگائی کہ طلاق کا معاملہ میرے حوالہ ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ نکاح سے پہلے مرد طلاق کا مالک ہی نہیں ہوتا، اور آدمی جس چیز کا مالک نہیں وہ چیز دوسرے کے حوالہ کس طرح کر سکتا ہے؟ چنانچہ قاضی خاں کی عبارت ابھی گزر چکی ہے کہ تقویض طلاق کی شرط میں اگر ایجاب (پہلا قول) مرد کی طرف سے ہو، تو تقویض صحیح نہیں ہوگی، اگر عورت ایجاب کرے، تو تقویض اس لئے صحیح ہو جاتی ہے کہ شوہر نے گویا مشروط طلاق کو قبول کیا ہے۔

موجودہ صورت میں نہ تو ایجاب پایا جاتا ہے اور نہ قبول، لہذا عقد نکاح سے پہلے شرطیں لگانا، صحیح نہیں ہوگا علامہ عبدالرحمان جزیری شوافع کا مسلک اور ان کی شرائط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانها لا يعمل بها، الفقه على المذاهب الاربعه

ج ۲ ص ۸۹ ط۔ دار الدعوة استنبول)

اگر مذکورہ شرائط، عقد سے قبل لگائی جائیں تو اس پر عمل ضروری نہیں ہوگا۔

۱۲) البتہ اگر عقد نکاح میں ہی شرط لگائی اور وہ جائز ہو، تقاضہ عقد کے خلاف نہ ہو اور ایجاب مشروط ہو، تو شرط لگانا صحیح ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔

عورت نے کہا۔ میں نے اپنا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ مجھ کو طلاق واقع ہوگی، یا طلاق کا معاملہ میرے سپرد ہوگا، جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح درست ہے اور شرط کے مطابق پہلی صورت ہی میں عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسری صورت میں عورت کو طلاق کے استعمال کا حق ہوگا، فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۳۲۹

مذکورہ صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہے اور مرد کی طرف سے قبول مطلق ہے۔ مطلق قبول کو مشروط ایجاب پر معمول کیا جائے گا، لیکن ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں۔ ۱۳۱ اسی طرح عقد نکاح کے بعد اگر بیوی شوہر کے درمیان شرائط نامہ تیار ہوں اور اس کو وہ نون اپنی رضا مندی سے قبول کریں اور اس پر دستخط بھی کریں، تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

چنانچہ بخاری کی روایت ہے،

من صقبة من النبی ا من اقل احق ما اوفیت من الشروط ان تعارفوا به ما استحلتم به

الفروج البخاری ج ۲ ص ۷۷۲ باب الشروط فی النکاح

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے اہم شرط جس کو پورا کرنا، یہ آیت ضروری ہے، وہ بیویوں کی بابت لگائی گئی شرط ہے جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔

عورت کو طلاق کا مشروط حق دینا مصلح شرع کے خلاف نہیں، شریعت نے مردوں کو طلاق دینے کا حق دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ شریعت نے مردوں کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو عورت کو طلاق کا اختیار دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جب سورۃ احزاب کی آیت،

یا ایہا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتکن

واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرة فان اللہ اعد للمحسنات

منکن اجرا عظیما الاحزاب ۱۷۸

اے پیغمبر اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو ترجیح دیتی ہو تو اس کے لئے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں کچھ مال و متاع دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں گا، اور اگر تم لوگ اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو ترجیح دیتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے پاک دامن عورتوں کے لئے عظیم الشان بدلہ تیار کر رکھا ہے۔

نازل ہوئی تو حضور نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دیا تھا، چنانچہ بخاری کی روایت ہے۔

من صانثہ قالت۔ خیرنا رسول اللہ فاخترنا اللہ ورسولہ فلم یعد ذلک علینا شیئا



حضرت عائشہ کستی ہیں کہ آنحضرت نے ہم ازواج کو طلاق کا اختیار دیا تھا، تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا، لہذا ہم پر کوئی طلاق وغیرہ نہیں پڑی۔

اس لئے فقہاء نے تعویض طلاق کی اجازت دی ہے، موجودہ زمانہ میں جب کہ طلاق کا غلط استعمال بہت زیادہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ دوسری قوموں میں اسلام کا غلط تاثر پڑ رہا ہے۔ عورت کا طلاق کی شرط لگانا ازدواجی مصلحت اور حسن معاشرت کے لحاظ سے صحیح ہے۔ شیخ عبدالرحمن جزیری نے اس سلسلہ میں اچھی بحث کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

اگر اعراض کیا جائے کہ جب مرد عورت کے لئے طلاق کی شرط لگائے اور کے میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ تو یہ شرط فاسد ہے۔ لیکن جب عورت شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہوگا، تو یہ شرط صحیح ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، آخر ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں طلاق تنہا مرد کی خصوصیات میں سے ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ طلاق صرف مرد ہی کے قبضہ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں، اور عورت کا اپنے لئے شرط لگانا صحیح نہ ہو، اور نہ ہی مرد کا یہ شرط قبول کرنا صحیح ہو، اس لئے کہ اس میں فی الجملہ قلب موضوع ہے۔

لیکن چونکہ اس جیسی شرط کے قبول کرنے میں اکثر ازدواجی مصلحت، حسن معاشرت اور باہمی ربط کی پہچان مضمحل ہے، اس لئے شریعت نے اس شرط کو صحیح اور قابل قبول قرار دیا ہے، خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ کوئی تادان نہ ہونے کی صورت میں عورت اکثر و بیشتر مرد کے ساتھ رہنے میں اندیشے محسوس کرتی ہے، گویا اس جیسی شرط لگانے میں مرد و عورت دونوں کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ لہذا ایسی شرط لگانا صحیح ہوگا، الفقہ صلی المذاہب الاربعۃ ج ۲ ص ۸۶-۸۵

جزیری اور خانہ کی عبارت سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تعویض کی شرط عورت کی طرف سے ہو تو صحیح ہے، لیکن مرد اگر اپنی طرف سے کوئی شرط لگا دے، تو یہ صحیح نہیں ہوگی۔

### طلاق کی صورت مہر میں اضافہ

نکاح کے وقت اگر یہ شرط لگائی گئی کہ طلاق دینے کی صورت میں عورت کا مہر بیس ہزار روپے اور طلاق دینے کی صورت میں مہر دس ہزار ہوگا۔ میرے خیال میں یہ صورت جائز ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ بھی ازدواجی مصلحت میں شامل ہے، تاکہ لوگ خواہ مخواہ طلاق دینے سے گریز کریں، نیز طلاق کے بعد عورت جو بے سہارا ہو جاتی ہے، اس زائد رقم سے وہ کوئی کام کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کہ

اگر شوہر بیوی کو اس کے وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ املتقی الابحر ج ۱ ص ۲۵۰۔ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۹۸۹ء اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اگر طلاق کی صورت میں مہر میں اضافہ کی شرط لگائی گئی تو طلاق کے بعد زائد مشروط رقم ادا کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ ترجیح کی بابت اصول یہ ہے کہ جن مسائل کا تعلق باب قضاء سے ہے، اس میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح ہوگی، چنانچہ علامہ شامی کا یہ شعر ہے۔

وکل فرع بالقضاء تعلقاً۔ قول ابی یوسف فیہ ینتقی اشرح مقود رسم المفتی۔ ۸۰ ط۔

مکتبہ سعیدیہ سہارن پورا

لہذا اگر قاضی کے پاس یہ معاملہ پیش ہوگا تو وہ صاحبین کے قول پر ہی فیصلہ کرے گا۔

## دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط

نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اس عورت کے رہتے ہوئے اگر شوہر دوسری شادی کرے گا تو عورت کا مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور دوسرا نکاح نہ کرنے کی صورت میں پندرہ ہزار ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح ہوگا اور عقد ثانی کرنے کی صورت میں عورت تیس ہزار مہر کی مستحق ہوگی۔ عبد اللہ بن قدامہ (م۔ ۲۷۰ھ) کا بیان ہے۔

وان تزوجها وشرط لها ان لا يتزوج حليها، فلها فراقه اذا تزوج حليها المفضی ج ۷ ص ۷۱

مدار الفکر بیروت

اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اس عورت کے رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا، اگر شوہر نے دوسری شادی کر لی تو اس عورت کو اپنے شوہر سے علاحدہ ہو جانے کا اختیار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط حنا بلہ کے نزدیک معتبر ہے، اسی طرح احناف کے یہاں بھی یہ بات ملتی ہے کہ مہر میں یہ شرط لگائی کہ اس عورت کے علاوہ اگر اس کی کوئی بیوی نہ رہی تو عورت کا مہر ایک ہزار ہوگا، اگر کوئی بیوی رہی یعنی اس نے کوئی دوسرا نکاح کیا تو عورت کا مہر دو ہزار ہوگا، صاحبین نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا ہے، ابدافع الحنا بلہ ج ۲ ص ۲۸۵، لہذا اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے والے مسئلہ میں موجودہ حالات و زمانہ کے لحاظ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

## ملازمت کی شرط

نکاح کے وقت اگر عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس کو نوکری کرنے سے نہیں روکے گا، تو یہ شرط لگانا

صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ عورت پر ہر وقت مرد کا حق ہے، ملازمت کی شرط لگانے سے اس حق میں رکاوٹ پیدا ہوگی، نیز یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف بھی ہے، چنانچہ ایسی شرط لگانے سے نکاح تو درست ہو جائے گا لیکن شرط باطل ہو جائے گی، اور اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں ہوگا، امام نووی (م ۶۷۷) کا بیان ہے -

عقد نکاح کے وقت عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس سے ہم بستر نہیں ہوگا، یا صرف رات میں (دن میں نہیں) ہم بستر ہوگا، یا ایک سال اس کے پاس نہیں جائے گا، تو اس کی وجہ سے نکاح باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن اگر مرد نے عقد کے وقت انہی کاموں کے کرنے کی شرطیں لگائیں تو نکاح باطل ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا حق ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اس شرط سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ المجموع شرح المذہب ۱۸-۸۱

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، "لان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة" (ہدایۃ - ج ۲ ص ۲۹۳) علامہ نووی دوسری جگہ لکھتے ہیں

اگر عورت سے سو درہم کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ جب چاہے عورت گھر سے باہر جاسکتی ہے تو نکاح صحیح ہے اور شرط و مہر فاسد ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اسی کے قائل ہیں، المجموع ۱۸-۱۸

اشترط فی النکاح کی دوسری قسم یہ ہے کہ شرط تو باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح رہتا ہے، جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ عورت کا کچھ بھی مہر نہیں ہوگا، یا شوہر اپنی بیوی پر کچھ بھی خرچ نہیں کرے گا، یا اس کا مہر اس کو لوٹا دے گا، یا عورت یہ شرط لگائے کہ مرد اس سے ہم بستر نہیں ہوگا یا عزل کرے گا، یا دوسری سوکن کا حصہ اس کو دیدے گا، یا اس کی باری میں اضافہ کرے گا، یا یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے پاس صرف دن میں رہے گا۔

رات میں نہیں رہے گا، تو یہ شرطیں باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں، المعنی ج ۷ ص ۱۷۷

عورت اگر دن میں ملازمت کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو شوہر پر ایسی بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں -

إذا تزوج المحترفات التي تكون صامة النهار في الكارخانة والليل مع الزوج لا نفقة

لها۔

اگر ایسی عورت سے شادی کی جو پورے دن کارخانہ میں کام کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو شوہر پر ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔



## اشترائط في النكاح

مولوی نعیم اختر قاسمی

بوقت نکاح لگائی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم  
نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔

(۱) ایسی شرائط جن سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں بلکہ عقد نکاح اس شرط کا متقاضی ہوتا ہے، مثلاً مرد کا یہ شرط لگانا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تو دوسرے کی بیوی یا دوسرے کی عدت میں نہیں رہے گی یا تم کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا یا اس جیسی دیگر شرائط (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ - ج ۲ ص ۱۸۵ اور ان شرائط کے احکام جاننے سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ احناف کے نزدیک نکاح کسی بھی شرط سے فاسد نہیں ہوتا (ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۳ - کتاب النکاح) اگر شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو، یا شریعت کے مخالف نہ ہو تو درست ہے اور اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے، اور اگر مقتضائے عقد کے مخالف ہو، یا اس سے شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، تو خود شرط ہی باطل ہو جاتی ہے اور نکاح درست قرار پاتا ہے۔

اس پہلی قسم کی شرطوں کی بابت علامہ مرغنیانی تحریر فرماتے ہیں۔

ثم جملة المذاهب فيه ان يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشتري لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط اهدایہ ج ۲ ص ۵۹ باب البيع الفاسد

قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایسی شرط جس کا خود عقد متقاضی ہو، مثلاً مشتری کے لئے ملکیت کی شرط لگانا تو اس سے

عقد فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ اس کا ثبوت تو بلا شرط بھی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی شرائط سے جب عقد بیع فاسد نہیں ہوتا تو عقد نکاح جس میں شرط فاسد مؤثر ہی نہیں ہوتی کیسے فاسد ہو سکتا ہے؟

امام شافعی کی رائے اس سلسلہ میں حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔

کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ دن اور رات دونوں کے اندر جماع کرے گا یا اس کو نفقہ اور کسوت دے گا یا اس کے ساتھ سفر کرے گا، یا عورت شوہر کے گھر سے بلا اجازت نہیں نکلے گی، تو نکاح درست ہوگا، اور شرط کا مہر پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ یہ شرائط مقتضائے عقد سے متعلق ہیں۔ اور اگر شوہر نے دوسری شادی کرنے یا باندی خریدنے کی شرط لگائی تو نکاح صحیح ہوگا اور یہاں بھی شرط مہر کے اندر مؤثر نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے منافی نہیں ہے (المجموع شرح المہذب ۱۸-۱۸ ط الارشاد)

دوسری قسم میں وہ شرائط آتی ہیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو۔ مثلاً اس شرط پر نکاح کرنا کہ شوہر مہر ادا نہیں کرے گا یا بیوی کو نفقہ اور سکین نہیں ملے گا۔

اس قسم کی شرائط خود باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ دونوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، تو یہ شرط خود باطل ہو جائے گی اور دونوں کے مابین وراثت جاری ہوگی، کیوں کہ وراثت حق شرع ہے اور اللہ کی جانب سے متعین کردہ ہے اسے ساقط کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ علامہ اوزجدی لکھتے ہیں۔

کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار درہم کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، تو نکاح درست ہوگا اور دونوں کے مابین وراثت بھی جاری ہوگی، اور مہر ایک ہزار ہی ہوگی خواہ مہر مثل اس سے کم ہو یا زائد (قاضی خان علی الہندیہ ج ۱ ص ۳۳۱۔ فصل فی النکاح علی الشرط)

اسی طرح اگر نفقہ یا مہر دینے کی شرط لگائی تو بھی یہ شرط باطل قرار پائے گی، کیوں کہ نفقہ کا سبب وجوب "احباس" ہے (ہدایۃ ج ۲ ص ۲۱۷۔ باب النفقۃ۔ خانیت علی الہندیہ ج ۱ ص ۲۷۲) یعنی شوہر کا بیوی کو اپنے پاس روکے رکھنے سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور یہ شرمی حق ہے اور مہر بھی شریعت کی جانب سے مقرر کردہ ہے جس کے ابطال کا کوئی شخص مجاز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ بیوی کو نفقہ نہ دے گا، جب کہ اس کا مہر مثل ایک سو ہے۔ تو اس کا مہر ایک ہزار ہوگا اور نفقہ کی بھی حقدار ہوگی اہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۹۔ الشرط فی

المہر

اور صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

مہر کا وجوب شریعت کی جانب سے محل کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے لہذا نکاح صحیح ہونے کے لئے مہر کا ذکر ضروری نہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ نکاح کے وقت مہر نہ دینے کی شرط لگائی ہو (ہدایہ

ج ۲ ص ۳۰۳۔ باب المہر)

(۳) تیسری قسم کی شرطیں وہ ہیں جن کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی۔

اس قسم کی شرائط کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

(۱) پہلی قسم میں وہ شرائط داخل ہوں گی جن کی بجا آوری میں ایک مشروع اور جائز امر سے باز رہنا یا حکم شرعی کی خلاف ورزی لازم آئے۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہیں نکالے گا، یا اس کے نکاح میں رہتے ہوئے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ شرائط خود فاسد ہو جائیں گی اور نکاح کے بعد ان کا ایفاء لازم نہیں۔ چنانچہ صاحب عنایہ م۔ ۷۸۶۔ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ بات پہلے مذکور ہو چکی کہ نکاح شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کسی عورت سے ایک ہزار کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ اس کو اس کے وطن سے نہیں نکالے گا، یا اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دے گا، تو نکاح درست ہے اور شادی نہ کرنے، اس کو سفر میں نہ لے جانے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسدہ ہو جائے گی، کیوں کہ اس میں ایک جائز امر سے باز رہنا لازم آتا ہے (صنیۃ صلی الفتح ج ۳ ص ۱۳۱)

یہی رائے امام مالک کی بھی ہے (مجموع ۱۸-۱۸ ط۔ الارشاد)

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں کسی جائز اور مشروع امر سے باز رہنا یا شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ



آئے، مثلاً عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، یا اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں مطلقہ ہو جاؤں گی، تو اس صورت میں شرط معتبر ہوگی اور طلاق کا اختیار مرد کے بجائے عورت کو حاصل ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں۔

اگر عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر شادی کر رہی ہوں کہ میں مطلقہ ہوں گی یا طلاق دینے کا اختیار مجھے حاصل رہے گا جب چاہوں تم سے ہتھکڑا حاصل کر لوں۔ اور شوہر نے اس شرط کو قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا طلاق واقع ہوگی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار بھی رہے گا، ہندیہ ج ۱ ص ۲۷۳۔ الباب الثانی فیما ینتقد بہ النکاح و ما لا ینتقد

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باندی سے اس شرط پر نکاح کرے کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ آزاد ہوگی، تو یہاں بھی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد آزاد ہوگی۔

قرالدین قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں۔

کسی نے دوسرے کی باندی سے بایں شرط شادی کی کہ پیدا ہونے والی اولاد آزاد ہوگی تو نکاح اور شرط دونوں درست ہیں، کیوں کہ اگر شرط نہ لگائی جائے تو پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوگی، لہذا شرط نے ایک چیز کا فائدہ پہنچایا (قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۳۳۰)

خلاصہ کلام یہ کہ تیسری قسم کی شرط میں اگر کسی حکم شرعی کی مخالفت ہو رہی ہو تو وہ شرط باطل ٹھہرے گی ورنہ اس کا اعتبار کیا جائیگا۔

کیا بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد اس سے رجوع ممکن ہے؟

بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد شوہر اگر اپنے اختیار کو واپس لینا چاہے تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں، کیوں کہ یہ اختیار رضا تملیک ہے تو کیل نہیں، شامی میں ہے

ولا یمک الزوج الرجوع منه ای من التفویض بانوامہ الثلاثہ لافیه من معنی الی

بانوامہ الثلاثہ ای التحبیر و الامر بالید والمشیة ارد المحتار ج ۲ ص ۵۱۲ رشیدیہ کوئٹہ

طلاق کا اختیار بیوی کو دے دینے کے بعد شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس کے اندر تعلق کا معنی پایا جاتا ہے۔ تفویض کی تینوں قسموں، تخبیر، امر بالید اور مشیت کسی میں بھی شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں۔

## نکاح میں شرط لگانے کی صورتیں

نکاح میں شرط لگانے کی تین صورتیں ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کی دستخط ہو جائے۔ ایسی صورت میں چونکہ پہلے سے شرائط نکاح طے شدہ ہیں، اس لئے بوقت نکاح ایجاب و قبول میں گو صراحتاً ان شرائط کا ذکر نہ کیا جائے تاہم دلالتاً ان کا ذکر سمجھا جائے گا اور یہی مانا جائے گا کہ بوقت ایجاب و قبول ان شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت ان شرائط کا ذکر کیا جائے اگر ایجاب مشروط ہو تو قبول کو مطلق ہو، مثلاً صرف قبلت کہہ دے تو بھی "السؤال معادنی الجواب" (جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے) کے قاعدہ کے بموجب قبول مشروط ہی سمجھا جائے گا۔

البتہ اگر ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط، تو اس صورت میں قبول چونکہ ایجاب کے موافق نہیں ہے اس لئے عقد نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، ہاں اگر فریق اول یعنی ایجاب کرنے والا قبول مشروط کو مان لے تو پھر نکاح ان شرائط کے ساتھ منعقد ہو جائے گا، معروف فقہ علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

نفس عقد سے متعلق شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو، پھر اگر مشتری نے بلع کے ایجاب میں سے بعض کو قبول کر لیا تو بلع کی جانب سے یہ دوسری بیع ہوگی، چنانچہ اگر اسی مجلس میں بلع نے مشتری کی بات قبول کر لی تو اگر بعض حصہ بیع کی قیمت متعین ہو تو بیع جائز ہوگی ورنہ نہیں (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۶ کتاب

البیوع)

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ نکاح بلا شرط منعقد ہوا ہے، بعد میں کوئی شرط لگانے سے وہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کی حیثیت ایک معاہدہ کی ہوگی۔

## بوقت نکاح عورت کو مشروط طور پر طلاق کا اختیار دینا مصلحت کے منافی نہیں

طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دیا جانا شریعت ہی کا نہیں عقل کا بھی تقاضا ہے، عورتیں طبعاً جذباتی، نازک اور مجہلت پسند ہوتی ہیں جس کی بنا پر بلا عواقب و نتائج پر غور کئے کوئی اقدام کر گزرتی ہیں۔ اس کے بالمقابل مرد کو اللہ تعالیٰ نے سمجھدار، تلخ و عواقب پر نظر رکھنے والا اور زیادہ قوت برداشت کا مالک بنایا ہے۔ وہ کوئی بھی اقدام

کرے گا تو اس کے مطمح نظر اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہونگے، جس کی بنا پر طلاق جسکی شریعت نے شدید ضرورت کے وقت اجازت دی ہے اس کی نوبت کم آتی ہے۔ اور معاشرہ کسی بڑی تباہی سے دوچار ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کو ظالم مرد سے نجات پانے اور اس کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں سے پتھڑکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اسلام نے اس کی تین صورتیں نکالی ہیں۔

پہلی صورت خلع کی ہے، کہ عورت شوہر کو مال دیکر طلاق لے لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگا دے کہ نکاح کے بعد اگر فلاں صورت پیش آتی تو مجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا۔

خلع میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ مرد بدل خلع قبول ہی کر لے، ایسا ممکن ہے کہ شوہر اس پر راضی نہ ہو اور مظلوم عورت ظلم و ستم کی چکی میں پستی رہے۔

جہاں تک اسلامی عدالت میں قاضی کے فسخ نکاح کا مسئلہ ہے تو ہندوستان جیسے ملک کی اکثر ریاستوں اور شہروں میں اس کا نظم نہیں ہے۔ اور غیر مسلم جج کا فسخ نکاح معتبر نہیں، عورت اپنی داستان غم کسے سنائے اور کس کے پاس فریاد لے کر جائے؟ اس لئے ہمارے علاقے، زمانے اور معاشرے میں اس صورت حال کا بہترین حل یہی ہے کہ عقد نکاح کے وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق دینے کے اختیار کی شرط کو ایسی شرائط کے ساتھ وابستہ کیا جائے جس میں مقاصد شریعت فوت نہ ہوں اور عورت کی بھی مصیبت اور تباہی سے دوچار ہونے سے حفاظت کی جاسکے، مثلاً مرد بیرون ملک میں رہتا ہے اور کافی دنوں کے بعد واپس آتا ہے، اور ایسی صورت میں عورت کو کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو عورت بوقت نکاح یہ شرط لگا سکتی ہے کہ اگر شوہر اتنے دن تک مجھ سے دور رہا تو مجھے طلاق دینے کا اختیار ہوگا، بلا شرط طلاق کے اختیار کو عورت کے حوالہ کر دینے میں مصلحت شرعی کا فقدان لازم آئیگا۔

### طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں مہر متفاوت ہونا۔

اس شرط کے ساتھ نکاح ہو کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار روپیہ ہوگا، اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار روپیہ ہوگا، اسی مسئلہ کو فقہ کے اس مشہور جزیہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار روپیہ اور اگر باہر لے گیا تو دو ہزار روپیہ ہوگا، کیونکہ مسئلہ کسی خاص صورت میں محدود نہیں ہے اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔



چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

اگر ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ مرد کی پہلے سے کوئی بیوی نہ ہو اور دو ہزار مہر اس شرط پر مقرر کیا کہ اس کی پہلے سے کوئی بیوی موجود ہو، یا عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکلنے پر ایک ہزار اور نکلنے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا، یا عجمی ہونے کی صورت میں ایک ہزار اور عربی ہونے کی صورت میں دو ہزار، یا اس طرح کی اور بھی جو صورتیں ہوں تو نکاح بلاشبہ جائز ہے، رہ گئی مہر تو پہلی شرط بالاتفاق جائز ہے چنانچہ اگر شرط کو پورا کیا تو مہر مسمیٰ لازم ہوگا اور اگر شرط کی مخالفت ہوئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر واجب ہوگا جو اقل سے کم نہ ہوگا اور نہ اکثر سے زائد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۸۔

الفصل الرابع فی الشروط فی المہر)

کیا صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

طلاق کا جو آج کل بے جانا جائز استعمال ہو رہا ہے اس پر قابو پانے کے لئے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر

فتویٰ دینا چاہئے

کسی دوسری عورت سے شادی کرنے پر مہر کم مقرر کرنا

اگر نکاح کرتے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے

کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر مثلاً تیس ہزار ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ شرط اور مہر دونوں غیر معتبر قرار پائیں گی اور مہر مثل لازم آئے گا۔ شرط تو

اس وجہ سے فاسد ہے کہ اسے پورا کرنے میں ایک امر مشروع سے باز رہنا لازم آتا ہے، اور مہر مسمیٰ کا اعتبار اس

لئے نہ ہوگا کہ وہ اس شرط فاسد پر موقوف تھا۔ لہذا جب شرط غیر معتبر ہوگئی جو موقوف علیہ ہے تو مہر بھی غیر معتبر

قرار پائے گا۔

مشہور شارح مسلم شافعی فقیہ علامہ نووی لکھتے ہیں،

سو درہم کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ شوہر اس کی موجودگی میں شادی نہیں کرے گا، یا کسی باندی سے

جنسی تعلق قائم نہیں کرے گا، یا اس کو لیکر سفر میں نہیں جائے گا، تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط اور مردوںوں فاسد قرار پائیں گے، امام مالک اور ابو حنیفہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (المجموع للنووی، ۱۸۸۱ء، ط الارشاد)

### ملازمت کی شرط لگانا

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ عورت گھر کی ملکہ ہو، کسی دفتر یا کارخانے کی ملازمہ نہ ہو، گھر کی دنیا میں رہ کر وہ اپنے شوہر، والدین، بہن، بھائی کی خدمت کرے، دفتروں اور کارخانوں میں ملازمہ بن کر اجنبی مردوں کی دلچسپی کا سامان نہ بنے، قرآن نے عورتوں کی تخلیق کا مقصد بایں الفاظ بیان کر دیا ہے۔ "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ - (الاحزاب - ۳۳) یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو، وہی تمہارا مسکن ہے اور وہیں تمہیں کام کرنا ہے، رہ گیا نان نفقہ اور سکنی کا مسئلہ سو شریعت نے شادی سے پہلے اس کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم کیا، اس کے بعد شوہر کے ذمہ عائد کی، اس لئے ملازمت وغیرہ کی شرط جو مغربی افکار و نظریات کی پیداوار ہے، ان کے نزدیک عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں، شریعت اسلامی کی رو سے جائز نہیں ہے۔ نکاح درست ہو جائے گا، اور شوہر کو اس شرط کو قبول کرے تاہم اس کا پورا کرنا لازم نہیں اور شرط باطل ہو جائے گی، اگر شوہر سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا عورت کو حکم دے یا نئی ملازمت سے روکے تو ایسا حکم دینے میں شوہر حق بجانب ہے، مسئلہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو باہر نکلنا ممنوع ہے اگرچہ وہ علم کی مجلس ہو (قاضی خاں صلی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۲۳) حتیٰ کہ شوائع کے نزدیک شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے اپنے والدین کی عیادت، ان کے جنازہ میں شرکت اور ان کی تعزیت بھی ممنوع ہے (شرح المہذب ۱۸-۹۷ ط الارشاد)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم

## اشتراط فی النکاح

مولوی محمد نور القاسمی

تمتع اور جستجو کے بعد فقہا کی عبارات اور تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نکاح کے سلسلے میں شروط تین قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو مقتضیات عقد میں سے ہیں۔ دوسرے وہ جو منافی عقد میں سے ہیں۔ تیسرے وہ جو نہ مقتضیات میں سے ہیں اور نہ منافی عقد ہیں۔

### مقتضیات عقد شرائط

جو شرائط مقتضیات عقد میں سے ہیں ان کا ایفاء واجب ہے، مثال کے طور پر عقد کے وقت یہ شرط لگانا کہ شوہر عورت کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرے گا، یا یہ کہ عورت کا نفقہ، کسوہ اور سکنی سب شوہر پر لازم ہوگا، نیز بیوی کے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی شوہر نہیں کرے گا اور اس بیوی کے لئے بھی وہی باری متعین کرے گا جو دوسری بیویوں کے لئے متعین کرے گا، یا یہ کہ عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہ نکلے گی نہ شوہر کی نافرمانی کرے گی اور نہ ہی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھے گی، نہ شوہر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرفات کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام شرطوں کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا یعنی نکاح کے انعقاد پر اس کا کوئی



منفی اثر نہیں پڑے گا، اور ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری ہوگا۔ یہ ایسا ان شرائط کے لگا دینے کی وجہ سے نہیں، بلکہ عقد نکاح ہی کی وجہ سے ان امور کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ سید سابق صاحب فقہ السنہ لکھتے ہیں

جن شروط کا پورا کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں جو مقتضیات عقد اور مقاصد عقد میں سے ہوں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدلنا لازم نہ آتا ہو، مثال کے طور پر اچھی طرح زندگی گزارنے کی شرط لگانا، عورت کے نفقہ کی شرط لگانا، اس کے پہناوے اور اس کو اچھی طرح رکھنے کی شرط لگانا، نیز یہ کہ شوہر اسکے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریگا، دوسری بیویوں کی طرح اس کی باری بھی مقرر کریگا، اور یہ شرط لگا دے کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہیں نکلے گی اور اس کی نافرمانی نہیں کرے گی اور بغیر اس کی اجازت کے نفل روزہ نہیں رکھے گی، کسی کو گھر آنے کی اجازت اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے گی، اور بغیر اس کی رضا مندی کے اس کے مال و اسباب میں تصرف نہیں کرے گی، وغیرہ (فقہ السنہ ج ۲ ص ۶۲)

### غیر مقتضیات عقد اور منافی عقد شرائط

شرط کی دوسری قسم جو مقتضیات عقد میں سے نہ ہوں اور منافی عقد ہوں مثلاً نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یا یہ کہ عورت کا مہر شوہر پر نہیں ہوگا، یا یہ کہ عورت ہی شوہر کا نفقہ برداشت کرے گی، یا یہ کہ بیوی شوہر کو کچھ روپے پیسے دے گی یا شوہر یہ شرط لگا دے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں تو رہے گا، مگر رات میں نہیں رہے گا وغیرہ، تو یہ تمام کی تمام شرائط فاسد ہوں گی، اس لئے کہ یہ شرائط عقد نکاح کے منافی ہیں۔ ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ البتہ نکاح درست ہو جائے گا، چنانچہ "المجموع" میں ہے

اگر کسی عورت سے ایک سو کے عوض میں شادی کی بشرطیکہ وہ دوسری شادی نہیں کریگا، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری باندی سے وطی نہیں کرے گا، یا اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا، یا وہ بیوی کے مال باپ سے بات نہیں کریگا، یا یہ کہ وہ اس کو پہننے کے لئے کپڑا نہیں دے گا اور عورت کا نفقہ اس پر نہیں ہوگا یا اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ جب چاہے گھر سے نکل جائے، تو نکاح تو درست ہو جائے گا، البتہ شرط اور مردوں فاسد قرار دئے جائیں گے، اسی کے قائل امام مالک اور ابو حنیفہ ہیں، مکتبہ المجموع ج ۱۸ ص ۱۸ ط

نیز علماء الدین سمرقندی فرماتے ہیں

کسی نے بغیر مہر کے نکاح کیا یا مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح کیا اور عورت نے قبول کر لیا تو ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح منعقد ہو جائے گا اور شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا (تحفة الفقہاء ج ۱ ص ۱۳۵ ط۔)

دارالکتب العلمیۃ بیروت

اس سے بھی واضح عبارت فقہ السنہ کی ہے، جس سے مسئلہ منع ہو جاتا ہے۔

ان شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عقد نکاح کے درست ہونے کے باوجود اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا ہے۔ یہ مقتضایہ عقد کے منافی شرط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نفقہ اور وطنی کے چھوڑ دینے کی شرط لگانا، یا اس کو مہر نہ دینے کی یا اس سے عزل کرنے کی شرط لگانا یا یہ شرط لگانا کہ عورت ہی اس کا خرچ برداشت کرے گی یا وہ اس کو کچھ روپے پیسے دے گی یا وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ شب پاشی کرے گا یا صرف دن میں تعلق قائم کرے گا، رات میں نہیں تو یہ تمام شرائط باطل ہیں، کیونکہ عقد کے منافی ہیں (فقہ السنہ ج ۲ ص ۱۲۷) مذکورہ بالا شرائط فاسد ہیں۔ اور فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ شرائط فاسدہ کے پائے جانے کے بعد بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

و النکاح لا تبطله الشروط الفاسدة (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷ دارالکتب العلمیۃ)

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، امام شافعی کے نزدیک اگر عورت نے یہ شرط لگانی کہ مرد اس سے نکاح کے بعد وطنی نہیں کرے گا یا اس شرط پر نکاح کیا کہ شوہر کو صرف رات میں تعلق قائم کرنے کا اختیار ہوگا، یا یہ کہ وہ بیوی کے پاس ایک سال تک نہیں جائے گا، تو عورت کی جانب سے لگائی گئی ان شروط کی بناء پر نکاح باطل ہو جائے گا، جیسا کہ فقہاء شافعیہ لکھتے ہیں۔

إذا اشترعت المرأة صلی الزوج حال العقد ان لا یطأھا او صلی ان یطأھا فی اللیل دون

النهار او صلی ان لا یدخل علیھا سنة بطل النکاح (مکتب المجمع ج ۱۸-۱۹ و حلیۃ العلماء ج ۲

ص ۲۵۰)

جب عقد کے وقت عورت نے شرط لگانی کہ شوہر اس سے وطنی نہیں کرے گا یا یہ شرط لگانی کہ وہ رات میں تو وطنی کرے گا، لیکن دن میں نہیں یا یہ کہ وہ اس کے پاس ایک سال تک نہیں آئے گا، تو نکاح باطل ہو جائے گا۔

## غیر مقتضیات اور غیر منافی عقد شرائط

تیسری قسم شرائط کی وہ ہیں جو نہ مقتضیات عقد میں سے ہیں اور نہ ہی منافی عقد، بلکہ بین بین ہیں۔ یہ وہ شرائط ہیں، جن کے نتیجے میں کسی فریق پر ایسا کوئی حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتا، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ تو ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی نکاح درست ہو جائے گا اس پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ صاحب عنایت اکمل الدین بابر قی فرماتے ہیں۔

ایک ہزار کے بدلے اس شرط پر شادی کی کہ وہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس شرط پر کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس شرط کے ساتھ شوہر فلانہ کو طلاق دیدے گا تو نکاح درست ہے، گو کہ دوسری شادی نہ کرنے، سفر نہ کرنے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسد ہے، اس لئے کہ اس کے اندر

امر مشروع کی ممانعت لازم آتی ہے (العنایت مع فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۵)

ان شرائط کا ایفاء واجب نہیں ہے۔ سید سابق لکھتے ہیں۔

فمن العلماء من رای ای ابوحنیفۃ و الشافعی و کثیر من اهل العلم ان الزواج صحیح و ان

هذه الشروط ملغاة ولا یلزم الزوج الوفاء بها وفقہ السنة ج ۲ ص ۱۲۷

علماء میں سے بعض یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور بہت سے اہل علم نے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے گرچہ یہ شرط لغو و بے کار ہیں، ان کو پورا کرنا شوہر کے ذمہ واجب نہیں۔

ان لوگوں کا استدلال ایک حدیث شریف سے ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو شرائط پورا کرنا چاہئے، الا یہ کہ وہ ایسی شرطیں ہوں جس سے حرام کی حلت یا حلال شئی کی حرمت ثابت ہوتی ہو، یعنی ان شروط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، اور اوپر کی مذکورہ شرائط کا بھی یہی حال ہے کہ ان سے ایک حلال شئی کی حرمت لازم آتی ہے۔

اور ان لوگوں کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں پر شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے، الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جس سے کسی حرام شئی کی حلت ثابت ہوتی ہو یا حلال چیز کی حرمت لازم آتی ہو۔ فرمایا کہ یہ شرائط ایسی ہیں جو حلال چیز یعنی نکاح، وطی اور سفر کو حرام کرتی ہیں، حالانکہ یہ سب حلال ہیں (دیکھئے کتاب مذکور)



## بین الفریقین طے شدہ اقرار نامہ

وہ شرائط یا اقرار نامہ جو فریقین کے درمیان طے پاتے ہیں، وہ تین قسم کے ہوتے ہیں، اول یہ کہ نکاح سے پہلے ہی وہ شرائط طے ہو جائیں اور اس پر دستخط بھی ہو جائیں۔ ثانی وہ جو عقد نکاح کے وقت ہوں، مثلاً ایجاب ہی مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ ثالث یہ کہ عقد نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرائط نامہ فریقین کے درمیان طے پائیں اور اس پر دستخط بھی ہو جائے۔

چنانچہ درمختار میں ہے

اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے، جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے، یا ملک حکمی کا ہونا، جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گزار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، یا ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو، جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا تم سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے (الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۲۲ ط۔ سعید کمپنی کراچی)۔

چنانچہ اگر نکاح کی جانب اضافت کو اس اقرار نامہ میں تحریر نہیں کیا گیا تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا اور اس کے رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

چنانچہ علامہ حسکفی لکھتے ہیں

فلذا قوله لا جنبیة ان زدت زیداً فانك طالق الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۲۵

سو کسی مرد کا کسی اجنبی عورت سے یہ کہنا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تجھے طلاق ہے، لغو ہے۔

اس کے لغو ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ملک نکاح کی طرف اضافت نہیں پائی جا رہی ہے۔ یہاں یہ وضاحتاً عرض ہے کہ وہ صورت جس میں اقرار نامہ پہلے سے تیار ہو اور اس میں اضافت الی النکاح نہ پایا جاتا ہو، لیکن دستخط دولہا اور گواہان کی جانب سے عقد نکاح کے وقت ہو رہا ہو، وہ اقرار نامہ معتبر ہوگا، گو اس میں اضافت الی النکاح کا فقدان ہے۔ کیونکہ یہ صورت دوسری صورت کے حکم میں داخل ہے، جس کا تذکرہ چند سطروں بعد ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول کے وقت زبانی شرائط کا ذکر ہو، اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً عورت خود ایجاب کے وقت کے۔ میں نے اپنے آپ کو (یا عورت کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں دیتی ہوں (یا دیتا ہوں) اس شرط پر کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا فلاں فلاں کام، تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا) یعنی شرائط مذکورہ میں سے

کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے آپ کو طلاق دے کر اس نکاح سے الگ کر سکے گی، ان شرائط کے جواب میں مرد جو نکاح کر رہا ہو یوں کہے کہ میں نے قبول کیا یا نہ، کہے کہ میں نے ان ساری شرائط کے ساتھ قبول کر لیا، تو عورت کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے اوپر شرائط کی خلاف ورزی کے وقت طلاق واقع کر کے شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

چنانچہ درمختار میں ہے

نكحها على ان امرها بيدها صح (الدر المختار مع الشامى ج ۲ ص ۳۷۹)

نکاح کیا عورت سے اس شرط پر کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے قلمطراز ہیں۔

مصنف کا "صح" کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب ابتداء عورت نے کیا اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو جائے گی، اس پر شوہر نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں اور المختار ج ۲

ص ۳۷۹

اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی یا لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کا، شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط کا لعدم ہو جائے گی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں

امالو بدار الزوج لا تطلق ولا يصير الا مر بيدها

اگر شوہر نے ابتداء کی تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ (دیکھئے

کتاب مذکور)

عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہو اور مرد قبول کر لے تو شرط باقی رہتی ہے، اور اگر مرد کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول مشروط ہو تو کا لعدم ہو جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہوئے فقہ ابو اللیث فرماتے ہیں

اس لئے کہ ابتداء جب شوہر کی جانب سے ہوتی تو گویا طلاق اور تفویض طلاق، نکاح سے پہلے ہوا جو صحیح نہیں ہے، ہاں اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد سمجھی جائے گی، اس لئے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت (میں نے قبول کیا) کہا تو یہ بیوی کے قول کا جواب ہوا اور جواب سوال کے

مضمون کو شامل ہوتا ہے، گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تم کو طلاق ہوگی یا اس شرط پر کہ تیرا فطرت تیرے ذمہ ہوگا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگی (رد المحتار ج ۳ ص ۷۲۲)

اور اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو، لیکن غیر مشروط ہو اور مرد نے قبول کرتے ہوئے شرط تفویض ذکر کر دیا تب بھی یہ شرط صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ نکاح قبول کرنے کے بعد ہی تام ہوتا ہے، اور مرد نے جو قبول کی شرط لگائی ہے وہ گویا نکاح کے اندر لگائی، لہذا صحیح ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ تو نکاح سے پہلے شرط لگائی جائے اور نہ عقد نکاح کے وقت۔ بلکہ نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرط لگائی جائے اور اقرار نامہ لکھا جائے اور فریقین اس پر راضی ہوں۔ تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی حیثیت یمین و قسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرنا واجب ہے۔

### رجوع بعد التفویض کا حکم

جب شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیا تو اب شوہر کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ اس تفویض سے رجوع کر لے اور زوجہ کے اس حق کو فسخ کر دے۔ اس لئے کہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بذات خود مالک ہو جاتی ہے۔ خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ اور تملیک کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

ولیس للرجل ان یرجع فی ذالک ولا ینہاها عما جعل الیہا ولا یفسخ کذا فی الجوہرۃ

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۸۷)

شوہر کو اس سے نہ تو رجوع کرنے کا اختیار ہوگا اور نہ ہی اس چیز سے روکنے کا اختیار ہوگا جو معاملہ اس کے سپرد کر چکا ہے اور نہ ہی اس کو فسخ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ جوہرہ میں لکھا ہے۔

نیز فقہ السنہ میں ہے

لیس لہ الرجوع لانہ ملکھا ذالک فلم یملک الرجوع (فقہ السنہ ج ۱ ص ۱۳۸۷)

شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے بیوی کو اس معاملہ کا مالک بنا دیا ہے تو اب رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔



علاء الدین سمرقندی نے تو اس سے بھی زیادہ واضح اور لطیف عبارت پیش کی ہے۔

ان فصلوں کے اندر یہ ہے کہ شوہر کا یہ ارادہ کرنا کہ بیوی کو اس کے اختیار کے استعمال سے باز رکھے اور اس کے معاملہ کو اس سے لے لے اور اس سے رجوع کر لے تو یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح اس کو اس سے روکنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تفویض طلاق ہے اور طلاق فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے تو اس کا اختیار دیدنا بھی ایسا ہی ہوگا، تحفة الفقہاء، ج ۱ ص ۱۹۲۔

### مصالح کی حفاظت کے لئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاطیں

چونکہ عورت ناقصات العقل ہوتی ہیں اس لئے طلاق کو مطلق اس کے ہاتھ میں دیدنا خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ باقی نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت وہ عورت خود یا اس کا ولی یا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اتنے مہر کے عوض میں دیا اس شرط پر کہ جس وقت اس عورت کو تم سے کوئی تکلیف پہنچے گی، جس کو فلاں فلاں پانچ یا دس آدمی تکلیف تسلیم کر لیں تو اس عورت کو اس کے بعد ہر وقت معاملہ کا اختیار ہوگا کہ وہ عورت طلاق دے کر اس نکاح سے علحدہ ہو جائے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص تسلیم کر لیں کہ واقعی یہ تکلیف ہے جو شرط کے مطابق ہے۔

### فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے

چونکہ آج کل کے مرد بھی سنجیدگی سے دور ہو کر جذباتی ہو گئے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اور اس کا بے جا استعمال کرتے ہوئے طلاق دے بیٹھتے ہیں۔ اس سے طرح طرح کی خرابیاں لازم آتی ہیں، ان خرابیوں سے بچنے کے لئے اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگادی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیا تو بیوی کا مہر بیس ہزار ہوگا اور طلاق نہ دیا تو دس ہزار ہوگا۔ تو صاحبین کے قول پر فتویٰ دیئے ہوئے دونوں صورتوں میں مہر مسمیٰ لازم کرنا چاہئے، یعنی ضرورت کے پیش نظر امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے جیسا کہ مشائخ متقدمین نے بھی ضرورت زمانہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

## ملازمت کی شرط لگانا

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شرائط کی تین قسمیں ہیں۔ مقتضیات عقد، منافی عقد اور غیر مقتضائے عقد، غیر منافی عقد۔ تینوں کے احکام شروع میں بیان ہو چکے ہیں، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ حل کیا جائے کہ اگر عورت اپنے شوہر سے نکاح کے وقت یہ شرط لگا دے کہ شوہر اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کر لیا تو بھی اس کی پابندی ضروری نہیں ہے، یہ شرط لغو ہو جائے گی، اگر نکاح کے بعد ان شرائط کی رعایت نہ کرتے ہوئے عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے یا نئی ملازمت کرنے سے روکے تو عورت پر اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اور عدم تعمیل کی صورت میں ناسزہ شمار ہوگی۔ یہ تو ملازمت کی بات ہے، اگر عورت علمی مجلس میں بھی جانا چاہتی ہے اور شوہر جو عالم ہے، اس کو وہاں جانے سے منع کر دے تو عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہاں چلی جائے۔

وإذا ارادت المرأة ان تخرج الى مجلس العلم بغیر اذن الزوج لم يكن لها ذلك اخانية علی

ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۳

اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علم کی مجلس میں جانا چاہتی ہے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی نے تو بغیر اذن شوہر کے ماں باپ کے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی ہے۔

فقد قال الشافعی له منعها من شهادة جنازة ابیها و امها و ولدھا (المجموع شرح

المہذب ج ۱۸-۱۹)

امام شافعی نے فرمایا کہ شوہر بیوی کو باپ، ماں اور بیٹے کے جنازہ میں شرکت کرنے سے روک سکتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

## اشترائط في النكاح

مولوی محمد یوسف خاں قاسمی

(۱) ایسی شرائط لگانا جن کے ذریعہ کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ عقد نکاح سے ہی پیدا ہونے والی نئی ذمہ داری کو بطور شرط کے ذکر کرنے سے عقد نکاح صحیح ہوتا ہے اور شرط بھی لازم العمل اور درست ہوتی ہے جیسے بیوی کا یہ کہنا کہ اس کا نفقہ یا اس کا مہر شوہر کے ذمہ ہوگا، غرضیکہ ایسی شرطیں عندالشرع معتبر و لازم ہیں حتیٰ کہ اگر ان شرطوں کو عندالنکاح نہ بھی ذکر کیا جائے تب بھی اس طرح کی شرطیں واجب العمل ہیں کیونکہ محض عقد ہی کے ذریعہ شریعت نے لازم و شرط قرار دے دیا ہے۔

و الحدیث محمول عندہم علی الشروط التي لا تنافی مقتضى النكاح بل تكون من مقتضياته و مقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف والانفاق والكسوة والسكنى الخ افتح الملہم ج ۳ ص ۲۶۱، مسلم ج ۱ ص ۲۵۵، کتاب الفقہ ج ۲ ص ۲۵

(۲) ایسی شرطیں نکاح کے وقت لگانا جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو، ایسی شرطیں لگانا جائز نہیں، البتہ ایسی شرطوں کے لگانے سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ نکاح شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ اور ایسی شرائط عقد نکاح کے وقت طے پائی ہیں تو ان کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں۔ ضروری تو کیا اس طرح کی پابندی عندالشرع مذموم ہے۔

واما شرط ینافی مقتضى العقد کان لا یقسم لها ولا یتسرى علیها ولا ینفق علیها او نحو



ذالك فلا يجب الوفاء به بل ان وقع في صلب العقد لفي و صح النكاح بمهر المثل ولا اثر للشرط۔ و الى قوله والمراد في الحديث الشروط الجائزة لا المنهي عنها فتح الملهم ج ۳ ص ۱۲۶۱ النووی مع مسلم ج ۱ ص ۲۵۵، صالمگیری ج ۱ ص ۳۰۹

۳۱ اس طرح کی شرطیں بھی شریعت میں فاسد ہیں ان کے ذریعے بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی یہ شرطیں لازم الایفاء ہیں اگر شوہر عقد نکاح کے وقت یہ شرطیں تسلیم بھی کر لیتا ہے تب بھی اس کے ذمہ ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ ایک محض وعدہ ہے جس کے پورا کرنے پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بدائع میں ہے۔

و قال ان ما شرط الزوج من طلاق المرأة و ترك الخروج من البلد لا يلزمه الحكم لان

ذالك وعد و مدلتها فلا يكلف به ابدائع ج ۳ ص ۲۸۵

البتہ اس طرح کی شرائط کو پورا کرنے اور نہ کرنے کا اثر مہر پر ضرور پڑے گا۔

### (ج) تفویض طلاق

نکاح کے وقت بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مطلقاً یا بعض حالات کے تحت شرط لگاتی ہے اور شوہر اس کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس کی وجہ سے عورت کو حق طلاق حاصل ہو جائے گا کیوں کہ تفویض طلاق شریعت میں معتبر ہے۔ لہذا عقد نکاح کے وقت خود عورت یا اس کے اولیاء اس طرح کی شرط طے کر لیں تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

نكحها صلی ان امرها بیدها صح ادب مختار ج ۲ ص ۵۲۵

لیکن اس شرط کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ عورت کی طرف سے ایجاب مع الشرط ہو اور مرد اس کو قبول کرے اور اگر اس کی ابتداء مرد کی طرف سے ہوتی ہے تو یہ شرط لغو ہو جائے گی نہ عورت کو اس سے اختیار طے گا اور نہ طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

و ليس للزوج ان يرجع في ذالك و لا ينها صما حمل اليها و لا يفسخ كذا في الجوهر النيمرة

صالمگیری ج ۱ ص ۳۸۷، بدائع ج ۳ ص ۱۱۳، ادب مختار ج ۲ ص ۵۱۲

### نکاح میں شرط کی تینوں صورتوں کا حکم

تینوں طرح کی شرطیں کچھ تفصیل کے ساتھ جائز و درست ہیں۔

(۱) اگر نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جاتے ہیں تو ان کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اضافت و نسبت نکاح کی طرف ہو، اگر تفویض طلاق کی اس صورت میں نکاح کی طرف اضافت نہیں کی گئی تو یہ شرط لغو و باطل ہو جائے گی، اس سے عورت کو اختیار طلاق ثابت نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے پہلے لکھی گئی اور دستخط شوہر نے اس پر نکاح کے بعد کئے تو یہ تفویض صحیح ہو جائے گی۔

تنویر الابصار میں ہے

شرعہ الملک کقولہ لمنکوحة ان ذہبت فانك طالق او الاضافة الیہ كان نکحتک فانك

طالق فلنأقوله لاجنبیة ان زرت زیدا فانك طالق فنکحها فزارت (شامی ج ۲ ص ۵۳۷)

(۲) اگر اس طرح کی شرائط عقد نکاح کی وقت ہی طے پاتی ہیں تو اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ایجاب عورت کی جانب سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کرے یا عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور مرد کی طرف سے قبول مشروط ہو یعنی مرد اس کو شرائط کے ساتھ قبول کرے اور اگر عورت کے بجائے مرد کی طرف سے ایجاب مطلق یا مشروط ہو تو عورت قبول کرتی ہے تو یہ شرط لغو و باطل ہو جائے گی۔ اور دوسری چیز یہ کہ ایجاب مع الشرط زبانی ہو، صرف تحریری کافی نہیں، البتہ زبان سے تمام شرائط کی تفصیل بتانا ضروری نہیں بلکہ تفصیل لکھنے کے بعد بوقت ایجاب یا زبانی اتنا کہ دینا کافی ہے کہ میں فلاں کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح (در مختار ج ۲ ص ۵۲۵)

ابن عابدین اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (قولہ صح)

مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی ان امری بیدی اطلق نفسي

كلما ارید او علی انی طالق وقال الزوج قبلت و لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها

(شامی ج ۲ ص ۵۲۷) خانیة ج ۱ ص ۳۲۹، صالکگیری ج ۱ ص ۳۷۳، البحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۸،

(۳) تیسری صورت جس میں نکاح کے بعد شرائط نامہ طے ہو اور اس پر شوہر دستخط کر دے یہ بھی بالکل صحیح و درست ہے، مگر اس صورت میں نکاح چونکہ مکمل ہو چکا، اس لئے اب شوہر کو عورت اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور نہیں کر سکتی، لہذا بہتر یہی ہے کہ پہلی یا دوسری صورت اختیار کی جائے۔

لیکن چونکہ عورت کو مطلقاً اختیار دینا خلاف مصلحت بھی ہے اس لئے بطور احتیاط کے کچھ ایسی قیدیں بڑھانی جاسکتی ہیں جو فریقین کے لئے مفید ہوں مثلاً ایسی کوئی شدید تکلیف دے جس کو فلاں فلاں لوگ تسلیم کر لیں یا وہ

شراب پینے لگے یا وہ جو اکلینے لگے (ایسی شرطیں جن سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے) اور ان شرطوں کی فلاں فلاں حضرات سے تصدیق ہو جائے تو بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

تعليق التفويض بشرط قماره او بشرطة الخمر او ضربه ضربا موجعا يظهر اثره على

بدنها | صالمگیری ج ۱ ص ۲۲۱

طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے

طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے حضرات صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ صاحبین ایک طرف ہوں اور امام صاحب دوسری طرف تو اس وقت دونوں قولوں کی حیثیت تقریباً برابر کی ہو جاتی ہے اور حالات کے پیش نظر حضرت قاضی خاں تو صاحبین کے قول کو ہی راجع قرار دیتے ہیں۔

ولذا قال القاضي خاں - وان خالفه صاحباہ فی ذالک فان كان اختلافہم اختلاف مصر و

زمان كالقضاء بظاهر العدالة ياخذ بقول صاحبيه - و فی ما سوى ذالک یخیر المفتی

المجتهد و یعمل بما افضى الیه رایہ (رسم مفتی ص ۲۰)

واضح رہے کہ اس طرح شرط لگا کر مہر طے کرنا جہاں عورت کے حق میں مفید ہے وہیں مرد کے حق میں نہایت مضر بھی ہے کیونکہ بعض اوقات طلاق ایک ضرورت بن جاتی ہے جہاں شوہر کو طلاق دے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ اس طرح مہر طے کرنے کی صورت میں شوہر کو مزید پریشانی کا سامنا ہوگا۔ اس لئے شوہر اس شرط کو مطلق قبول کرنے کے بجائے کوئی قید لگا دے، مثلاً شوہر اس کو بلا کسی معقول وجہ کے طلاق دے تو مہر اس طرح ہوگا۔

اور جب مہر اس طرح طے کرنے کا مقصد ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اقدام کو روکنا ہی ہے تو اس طرح کیوں نہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر اس کو طلاق غیر مشروع دے تو مہر بیس ہزار ہوگا ورنہ دس ہزار ہوگا، اگر اس طرح شرط لگائی جائے تو میرے خیال میں یہ عورت کے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ اور شوہر کے حق میں بھی۔

ایک نقطہ: حضرت امام صاحب سے جو یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک شرط اول صحیح ہو جاتی ہے اس لئے شرط ثانی باطل ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شرط ہی صحیح ہوتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی صحیح ہوگی تو دوسری باطل ہو جائے گی، بلا کسی فرق کے اول ثانی کے درمیان، کیونکہ ابو حنیفہ کے نزدیک صحت و عدم صحت کا مدار اول ثانی پر نہیں ہے بلکہ مجز اور غیر مجز پر ہے۔ لہذا دونوں میں سے جو



ایک بھی منجز ہوگی صحیح ہو جائے گی۔ اور مطلق باطل ہو جائے گی صاحب بحر اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعلم ان قولهم مہنا بصحة التسمية الاولى فقط بناء على انها منجزة لا يتم الا في قوله : على الف ان اقام بها و اما على نحو الف ان طلق ضررتها و على الفين ان لم يطلق فعلى العكس لان المنجز الان عدم اطلاق ينبغي فساد الاولى و صحة الثانية ( البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۲ )

### ۱۷۱) مہر کی کمی بیشی کی تعلق دوسرے نکاح پر

اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے اگر دوسرا نکاح کرے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا ورنہ دس ہزار ہوگا، ایسی صورت میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر و درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا اور امام صاحب کے نزدیک منجز والی صورت (یعنی نکاح نہ کرنے والی) صحیح ہے، اس لئے اس کے پائے جانے کی وجہ سے مہر مسمی واجب ہوگا اور دوسری شرط کا اعتبار نہیں لہذا اگر بعد میں دوسرا نکاح کر لیتا ہے تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ ایک شرط کے صحیح مان لینے کے بعد دوسری شرط لامحالہ باطل ہو جائے گی (اس میں امام صاحب کے نزدیک جو منجز ہے وہ صحیح ہے اور جو شرط معلق ہے وہ باطل ہے) اس مسئلے میں دلائل کے اعتبار سے حضرت امام صاحب کا قول ہی مضبوط معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک اصول ہے کہ ایسے وقت میں جس کی دلیل قوی ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا تو مناسب ہے کہ امام صاحب کے قول کو ہی اختیار کیا جائے بخلاف ما قبل کے کہ وہاں حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اپنانے کی گنجائش ہے۔

غرضیکہ ایسی شرطوں کا نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ اس کا اثر مہر پر ضرور پڑتا ہے امام صاحب کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہونے کی وجہ سے پہلا مہر مسمی واجب ہوگا بصورت دیگر مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی اقل سے کم اور اکثر سے زائد نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک چونکہ دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا۔ (فتح القدير ج ۳ ص ۱۷۳، بدائع ج ۲ ص ۲۸۵، صالمگیری ج ۱ ص ۱۳۰-۸، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۱، رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۳، المبسوط لسرخسی ج ۵ ص ۹۰)

### ۱۳۱) نکاح کے وقت عورت کا ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا

عقد نکاح کے وقت عورت کا اس طرح شرط لگانا کہ شوہر اس کو سلسلہ ملازمت سے نہیں روکے گا یا آئندہ ملنے والی مناسب ملازمت سے نہیں روکے گا اور شوہر اس کو قبول کر لیتا ہے تب بھی اس شرط کی شرعا کوئی حیثیت نہیں

ہے اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی ضروری ہے بلکہ شوہر اگر اس کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

اس لئے کہ روزی کمانے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مردوں پر رکھی ہے، عورت کے ذمہ گھریلو ذمہ داری ہیں عورت گھر کی ملکہ ہے، عورت چراغ خانہ ہے شمع محفل نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا اور ہر جائز حکم کی تعمیل عورت پر فرض کی گئی ہے، بچوں کی پرورش، امور خانہ داری کے فرائض اور گھر کی زندگی کو سکون و راحت کی جنت بنانا عورت کا کام ہے، اس کے ذمہ ملازمت کر کے روزی کمانا نہیں خاندان کے لئے روزی کمانا اور تمدن کی محنت طلب خدمات انجام دینا مرد کا کام ہے۔

حضرات فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی ہے اور اجنبیوں کی زیارت و عیادت کے لئے ولیمہ وغیرہ کی مجلسوں میں شرکت کے لئے عورت شوہر کی اجازت کے باوجود نہیں نکل سکتی۔ بلکہ اگر شوہر کی اجازت سے نکلتی ہے تو دونوں گنہگار ہوں گے اور عورت اگر بغیر اجازت کے نکل جاتی ہے تو شوہر کو پٹائی کرنے کا حق ہوگا۔

و فیما صد اذالک من زیارة الاجانب و صیادتهم و الولیمة لا تخرج و لا یافن ولو خرجت

کانا حاصین (الاشباہ ج ۲ ص ۱۰۹) (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۷) (ہدایۃ ج ۲ ص ۲۲۱)

للزوج ان یضرب زوجته علی اربع و ما بمعناھا۔ و علی خروجھا من منزله بغیر اذنه

بغیر حق الخ (الاشباہ ج ۲ ص ۱۰۶)

صاحب فتح لکھتے ہیں :

عورتوں کے نکلنے میں فتنے کا دروازہ کھلے گا، اس لئے سد للباب اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

فان فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصا اذا كانت شابة الخ (فتح القدیر ج ۲ ص

۱۲۰۸)

معلوم ہوا کہ مذکورہ پابندی شوہر پر واجب تو درکنار بلکہ شوہر کو ملازمت سے روکنا واجب ہے ورنہ دونوں گنہگار

ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

## اشترائط في النكاح

مولوی ہارون الرشید مظاہری <sup>رحمہ اللہ</sup>

پہلی قسم۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نکاح میں شروط فاسدہ لگانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شروط فاسدہ خود باطل ہو جاتی ہیں، اب یہاں تین قسم کی شرطیں ہیں۔ اول ایسی شرائط طے کرنا جو عقد نکاح ہی سے عاقدین پر لاگو ہوتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں عقد کے وقت شرط لگانا اور نہ لگانا برابر ہے۔ جیسے شوہر پر مہر اور نفقہ کا لازم ہونا، یا عورت کا اپنے پر مرد کو قدرت دینا وغیرہ وغیرہ۔

” من الشروط ما يجب الوفاء به وهي ما كانت من مقتضيات العقد و مقاصده ولم تتضمن تغييرا لحكم الله و رسوله كاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق عليها و كسوتها و سكنها بالمعروف (فقہ السنۃ لسید سابق ج ۲ ص ۵۱)

دوسری قسم۔ نکاح کے وقت عاقدین میں سے کسی ایک، فریق کا ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ شرط فی نفسہ باطل اور غیر لازم الایفاء ہے۔ اور یہ بھی محکم ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد خود باطل ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں نکاح فی نفسہ صحیح اور درست ہے۔ ان شرائط کا بھی ذکر کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

چنانچہ فقیہ سید سابق اپنی کتاب فقہ السنۃ میں لکھتے ہیں:



” ومنه لا يجب الوفاء به مع صحة العقد وهو ما كان منافياً لمقتضى العقد كاشتراط ترك الاتفاق والوفاء، وكاشتراط ان لا مهر لها او يعزل عنها او اشتراط ان تنفق او تعطيه شيئاً او لا يكون صندهما في الاسبوع الا ليلة او شرط لها النهار دون الليل. فهذه الشروط كلها باطله في نفسها لانها تنافي العقد. ولانها تتضمن اسقاط حقوق تجب بالعقد قبل انعقاده فلم يصح كما لو اسقط الشفيع قبل البيع. اما العقد في نفسه فهو صحيح لان هذه الشروط تعود الى معنى زائد في العقد لا يشترط ذكره ولا يضر الجهل به فلم يبطل كما لو شرط في العقد صداقاً محرماً و لان الزواج يصح مع الجهل بالموضوع فجاز ان ينقذ مع الشرط الفاسد (ج ۲)

ص ۱۵۱

نوٹ البتہ شرائط کو دیکھ کر ہر شرط کے مطابق حکم لگایا جائے گا، جیسے کہ شوہر نے مہر کے نہ دینے کی شرط لگائی، یا نفقہ نہ دینے کی شرط لگائی، تو ان صورتوں میں بھی فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ پہلی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور دوسری صورت میں شوہر کے اوپر نفقہ واجب ہوگا۔ اور شرط کا کچھ اثر عقد پر نہیں پڑے گا۔ جیسے کہ عورت نے نفقہ کو ساقط کر دیا، یا معاف کر دیا یا نکاح کے وقت معافی کی شرط لگادی، تو بھی نفقہ بالکلیہ ساقط نہ ہوگا، کیونکہ نفقہ مرتبہ بعد مرتبہ واجب ہوتا ہے، لہذا معاف کرنے کے باوجود نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

” و ابراء الزوجه من النفقة هل يصح ؟ ان كانت خير مفروضة لا يصح لانه ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضى فرضها كل شهر كذا وكذا صح في الشهر الاول فقط. وكذا لو قالت ابرأتك من نفقة سنة لا يبرأ الا من شهر الا ان يكون فرض لها كل سنة كذا لان القاضى اذا فرض كذا كل شهر فانها فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض و ما لم يتجدد الفرض لم يجب نفقة الشهر فلا يصح الا ابراء منها و لو ابرأته بعد ما مضى الشهر مما مضى و مما يستقبل برئ مما مضى و من شهر افتح القدير ج ۲ ص ۳۹۵ ص ۳۹۲

اسی طرح اگر شرط لگائی کہ مہر نہ دے گا، تو بھی فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا، اور شرط لگانا بے سود اور غیر لازم الیفاء ہوگا۔ و ان تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها اهدایة جلد ثانی ص ۳۲۲

تیسری شرط نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کے نتیجے میں عاقدین میں سے کسی کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہ ہوتا ہو، یا کسی فریق پر کوئی ایسی ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہ ہوتی ہو۔ جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ آبائی وطن میں رہیں گے دوسرے شہر کو نہ جائیں گے۔ یا مرد اس کی

موجودگی میں کوئی دوسری عورت سے عقد نہ لے گا۔ تو ان شرائط سے بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی نکاح صحیح اور درست ہو جاتا ہے۔ اگر یہ شرائط ایسی ہیں جو صرف عورت کو فائدہ پہنچائے یعنی عورت ہی کے لئے مفید ہو اور مرد کے لئے اثر نہ پڑے، مثلاً عورت نے یہ شرط لگائی کہ اس کو آبائی وطن سے نہ نکالے گا، ایسی صورت میں شوہر کو اگر کسی دوسرے شہر میں ملازمت مل گئی کہ اب اس جگہ رہ کر زوجہ کے حقوق کا ادا کرنا مشکل اور انتہائی دشوار ہو جائے تو شوہر اب بجائے طلاق اور حقوق زوجہ سے غافل ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ بیوی کو اس شہر میں لے جا کر رکھے، اس کے حق میں یہی بہتر ہے، لیکن قضاء ایسی شرط پورا کرنے کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے، اس لئے اگر دوسرے فریق کو نقصان پہنچے ایسی شرط لگائی تو شرعاً اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ سوکن کے طلاق کا مطالبہ کرنا، اس صورت میں اگر عورت کا مہر مثل مہر مسمی سے زائد ہو تو شرط کے ایفاء نہ کرنے کی صورت میں اس کو مہر مثل ملے گا۔

”قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج صلى الفان لا يخرجها من البلدة او صلى ان لا يتزوج عليها او صلى ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح وان كان شرط مدم التزوج و مدم المسافرة و طلاق الضررة فاسد الان فيه المنع من الامر المشروع“ (صنایع مع فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۰)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

”اذا تزوجها صلى الفان لا يخرجها من البلدة او صلى ان لا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشروط فلها المسمى وان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها اهدایة ج ۲ ص ۳۲۹“

## تقویض طلاق

تقویض طلاق کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اصل شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، عورت کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرے، کیونکہ عورت ناقص العقل ہے اور اس کا بے جا استعمال کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اس وجہ سے اس کو کئی طور پر اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا، اور مرد کو بھی اس وقت طلاق دینے کا حق ہے جب کہ حالت بالکل ناگزیر ہو اور طلاق کے بغیر چارہ کار نہ ہو، کیونکہ عام حالات میں طلاق بہت بری چیز ہے۔ اسی لئے طلاق کو ”انقض الحلال“ کہا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد طلاق بھی نہ دے اور حقوق زوجہ کا لحاظ بھی نہ کرے اور ظلم کو اپنے لئے روا رکھے تو



ایسی صورت میں شریعت نے طریقہ بتلایا کہ عورت مرد سے خلع کرے بہر حال عورت کو بھی مجبوری کے وقت مرد سے ہتھکڑا پالنے کا راستہ بتلایا ہے، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد خلع کرنے کے لئے راضی نہیں ہوتا اور عورت پر ظلم بھی کرتا رہتا ہے، ایسی صورت میں عورت "کالمعلقہ" ہو کر رہ جاتی ہے، تو اب اس صورت میں مقدمہ کر کے قاضی شریعت سے نکاح کو فسخ کرا دے، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ مقدمہ کرنے اور قاضی کی عدالت میں جانے سے گریز کرتے ہیں اور "وہم من واقع لا یرفع" کا مظاہرہ ہوتا ہے، ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے عقد نکاح ہی کے وقت کچھ ایسی شرائط لگانا جائیں جس سے عورت بوقت ضرورت طلاق کو اختیار کر سکے اور وہ عورت کے لئے وقت پر مفید بن سکے۔ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک حضرت مولانا تھانوی عیلمہ الرحمہ کی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ" سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

مختصراً یہ ہے کہ اس قسم کا کاہن نامہ لکھوانا جس میں عورت کو طلاق کا اختیار بوقت ضرورت حاصل ہو شرعاً جائز و درست ہے اور اس اختیار دینے کا نام تعویض ہے اس کی تین صورتیں ہیں، اور تینوں جائز ہیں۔ چاہے وہ کاہن نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے یا عین نکاح کے وقت لکھوایا جائے یا نکاح کے بعد۔

### پہلا طریقہ

نکاح سے پہلے کاہن نامہ لکھوانے کی صورت میں ایک شرط کا خاص لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت کو ذکر کیا جائے مثلاً یہ لکھا جائے، کہ اگر میں فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور اس اقرار نامہ کے مرقومہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا، کسی وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، لیکن مذکورہ شرط اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو اقرار نامہ غلط ہوگا اور عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔

### دوسرا طریقہ

عین عقد کے وقت ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً عورت، یا اس کا ولی یا وکیل یعنی قاضی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلان بنت فلان کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ تم نے یہ یہ کام کئے (سب شرائط ذکر کردئے جائیں) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے یا مسماۃ موصوفہ کے اختیار میں ہوگا۔ شرائط مذکورہ میں سے ایک کی بھی خلاف ورزی پر اسی وقت یا کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گا، یا کر سکے گی، اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، تو اب عورت کو اختیار حاصل ہو جائے گا، اور یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں، لیکن اس میں اس شرط کو



خاص ملحوظ رکھے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو۔

### تیسرا طریقہ

تیسری صورت میں عورت نکاح کے بعد بھی شوہر سے اقرار نامہ لکھوانا چاہے تو لکھوا سکتی ہے، یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، ان تمام صورتوں کے صحیح ہونے میں حنفیہ کو کوئی کلام نہیں ہے۔

### تشبیہ

ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ تفویض طلاق میں کوئی مناسب قید بھی لگادی جائے تاکہ بے جا استعمال سے بچ جائے، مثلاً یہ طے کرے کہ تکلیف شدیدہ پہنچنے کی صورت میں فلاں دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ آئے گا۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ اس وقت آئے گا کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی یہ تسلیم کرے کہ یہ تکلیف شدیدہ ہے، اور یہ بہترین صورت ہے، شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے۔

”اقال واذا جعل الرجل امراته بیدھا فالحکم فیہ کالحکم فی الخیار فی سائر مسائل الباب المتقدم الا ان هذا صحيح قیاسا واستحسانا لان الزوج مالک لامرہا فانها یملکها بهذا اللفظ ما هو مملوک له فیصح منه و یلزم حتی لا یملک الزوج الرجوع منه اعتبارا بایقاع الحلاق“ (المبسوط للسرخسی ج ۳ ص ۲۲۱) دار الفکر

”ولان التفویض تعلیق للطلاق من جانب الزوج علی مشیئة الزوجة او غیرها والتعلیق یصیح و الایمان بعد صدورہا لا یمكن الرجوع منها“ (الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۲۱۹)

### انتباہ

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بہت بڑی خرابیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں جن سے شوہر و زن اور پورا خاندان متاثر ہوتا ہے، سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کے سلسلہ میں شریعت کا حکم اور اس کی قباحت کے متعلق آشنا کرایا جائے تین طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کر کے طلاق کو مشکل اور دشوار بنا دینا شریعت کی نگاہ میں نامناسب ہے، شریعت نے اس کو آسان بنایا ہے تو ویسا ہی رکھا جائے، اس لئے کہ بعض دفعہ عورت کو

بے ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کے ڈر سے مرد طلاق نہیں دیتا، اس صورت میں عورت معلقہ بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر طلاق دے، تو بیس ہزار ورنہ دس ہزار، یا میری موجودگی میں دوسری بیوی کرے تو دس ہزار ورنہ پانچ ہزار، اس طرح کا طے کرنا درست ہے اور اس مسئلے کو آبائی وطن سے اخراج اور عدم اخراج پر قیاس کر سکتے ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں نکاح یا عدم نکاح میں دوسری عورت سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس لئے جس طرح صاحبین کے نزدیک اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور درست ہوں گی۔

### عورت کا ملازمت کی شرط لگانا

گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے اور باہر کے امور کی انجام دہی مرد کے ذمہ ہے۔ نیز بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوہر اور باپ پر ہے جس کی وجہ سے عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق میں تنقیص ہو رہی ہو، یا اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو۔ یا اس کام کے لئے بیوی کو شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے، لہذا اگر شوہر گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کے لئے اپنی بیوی کو ملازمت سے روکنا چاہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور منع کرنے کے باوجود وہ ملازمت کرے گی تو گناہ گار ہوگی، اور شرط ملازمت، شوہر کے قبول کرنے کے باوجود، شوہر بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے۔ نیز موجودہ زمانہ میں عورت کا ملازمت کرنا مرد کی آہگینہ غیرت کو ٹھیس پہنچانا ہے۔

”وفى البحر له منعها من الغزل وكل عمل ولو تبرما لا جنبى الخ وفى الشامى و ينبى  
عدم تنقيص الغزل بل له ان يمنعه من الاعمال كلها المقتضية لكسب لانها مستغنية عنه  
وجوب كفايته عليه وكذا من العمل تبرما بالاول والذى ينبى تحريره ان يكون له منعها  
كل عمل يؤدى الى تنقيص حقه او ضرره او الى خروجها من بيته

و الله تعالى اعلم و عليه احكم

## مختصر تحریریں

زیر بحث مسائل سے متعلق مختصر جوابات



## اشتراط فی النکاح

مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

(۲) یہ شرط لغو اور نان و نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) امام احمد کے یہاں معتبر ہے معاشرتی مسائل ص ۱۱۲ بحوالہ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶

(الف) نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر شرط لغو ہوتی ہے۔

نکاح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اس قسم کی شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

(ب) اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام احمد کے یہاں ان میں سے بہت سی شرطوں کا پورا کرنا

ضروری ہے۔ معاشرتی مسائل ص ۱۱۲ بحوالہ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶

(ج) یہ مسائل معروف ہیں، فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔

نکاح میں شرطوں کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) غیر مفید

(۲) صلب عقد میں مذکور شرطوں کا اعتبار ہوگا، بعد میں اگر شوہر اپنے حق طلاق کو جزء آ یا کلاً

مشروط یا غیر مشروط طریقہ پر تعویض کر دے تو (متعین قیود کے ساتھ جن کا تفصیلی ذکر کتب فقہ میں ملتا ہے) اسی کے بعد حق منتقل ہو جائے گا۔

مسئلہ کا ایک پہلو۔۔۔ الخ

جب شریعت نے ہی تعویض کی اجازت دی ہے تو مصلح شرعیہ کے ضیاع کا سوال نہیں، اس لئے ایسی صورت کہ جس میں مصلح شرعیہ کے ضیاع کا خطرہ ہو وہ معتبر نہ ہوگا۔

عورت کا مہر دس ہزار ہے

(۳) عملاً اس صورت کا تحقق کیونکر ہوگا؟ کیونکہ "طلاق نہ دی" کی شرط کے وجود یا عدم وجود کا پتہ موت سے ہی ہو سکتا ہے، جب کہ مہر خلوت صحیح سے ہی پورا واجب ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲

اس میں صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۳

یہ شرط لغو ہوگی۔ ضروری نہ ہوگی۔

## اشتراط فی النکاح

مولانا زبیر احمد قاسمی

بلاشبہ جلب منفعت اور دفع مضرت کا ایک فطری جذبہ ہر ایک انسان لے اندر قدرت نے ودیعت کر رکھا ہے اور اسی جذبہ کے تحت جب کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرتا ہے تو اس کا دل یہی چاہتا ہے کہ اس معاملہ کو ایسی شرطوں سے مشروط کیا جائے کہ صرف نفع ہی اس کے حصے میں آئے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کی عائد ہونے والی ہر ذمہ داری کے پورا کرنے کی مضرت خفیفہ سے صاف بچ کر نکل ہی جائے۔

ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کا عادلانہ نظام قانون اس خود غرضانہ جذبہ کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شریعت اگر یہ کہتی ہے کہ "المسلمون عند شروطهم" تو ساتھ ہی یہ اصول بھی سامنے رکھتی ہے کہ "الغضم بالظوم" اور شریعت اگر ایک طرف اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی عقد کو فریقین باہمی رضا مندی سے مناسب شرطوں کے ساتھ مشروط کر سکتے ہیں، اور پھر مسلمانوں کو طے شدہ شرائط کی رعایت کا پابند بھی بناتی ہے۔ تو دوسری طرف وہی شریعت اسے بھی مبہم نہیں چھوڑتی کہ کس عقد میں کونسی شرطیں لگانی جائز ہیں اور لازم الایفاء ہیں اور کونسی شرطیں ناجائز ہیں، ایفاء شرط ضروری نہیں، اور پھر کون سے عقود و معاملات کن شرطوں کے ساتھ مشروط ہونے کے سبب فاسد و باطل قرار پائیں گے، اور کون سے معاملات مشروط فاسدہ کے ساتھ مشروط ہونے کے باوجود نافذ و منعقد ہو جائیں گے، اور خود مشروط فاسدہ ہی باطل و لغو بن جائیں گے، وغیرہ وغیرہ



یہاں بحث اشراط فی النکاح سے ہے اور بطور اصول اولیہ طے شدہ ہے کہ عقد نکاح میں جیسی بھی شرطیں لگائی جائیں فاسدہ ہوں یا صحیحہ کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کرنے سے نکاح کا انعقاد و نفاذ متاثر نہیں ہوتا نکاح بہ حال منعقد ہو جاتا ہے خود شرطیں ہی فاسد و لغو بن جاتی ہیں۔ ثانیاً یہ بھی طے شدہ ہے کہ کسی بھی عقود و معاملات میں ایسی شرطیں لگائی جائیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور اس عقد کے نتیجے میں شریعت نے جس فریق کے لئے جتنے حقوق و فرائض متعین کر کے جتنی ذمہ داری اس پر عائد کی ہے اس سے زائد ذمہ داری ڈالنا اور حقوق و فرائض میں کمی بیشی کرنا اور اسے بطور شرط عند العقد ذکر کرنا، جائز نہیں یہ شرطیں لازم الایفاء نہیں اور نکاح کے سوا دوسرے عقود و معاملات ایسی ناجائز شرطوں کے ساتھ مشروط ہو جانے پر صحیح نہیں رہتے فاسد یا باطل قرار پاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عقود و معاملات کو مشروط بالشرائط کرنا بنیادی طور پر گرچہ صحیح ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس اشراط سے تعبیر شرع اور ابطال حق و اتلاف فرض شرع لازم نہ آئے۔

ان تمسیدی کلمات کے بعد سوالوں کے جوابات بالترتیب یہ ہیں۔

۱۔ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں حقوق و فرائض کی فریقین پر شرعاً لازم ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً وجوب نفقہ اور تمکین علی النفس وغیرہ اسی کو بوقت نکاح بصورت شرط ذکر کرنا، بلاشبہ جائز ہوگا کیونکہ یہ مقتضائے عقد کی تصریح و تاکید، احکام شریعت کی تقریر، اور اس کے واجب التعمیل ہونے کا اعتراف اور اعلان و تشہیر ہونے کے ساتھ شریعت کے ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کا عہد ہے جس کے لئے نکاح کی مشروعیت ہوتی ہے۔ اور یہ ساری چیزیں شرعاً مطلوب ہیں۔

۲۔ نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے ان حقوق و فرائض کی ذمہ داری سے فرار و گریز لازم آئے جو فریقین پر شریعت نے لازم و عائد قرار دیا ہے۔ ایسی شرطیں جائز نہیں ہوں گی بلکہ فاسد و لغو اور غیر مؤثر کہلائیں گی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف تعبیر شرع اور اتلاف فرض شارع کو مستلزم ہوگی، ایسی شرطوں کے اشراط کے باوجود عقد نکاح صحیح، منعقد اور نافذ ہی ہوگا۔ اور ان شرطوں کا ایفاء ہرگز ضروری نہیں رہے گا۔

۳۔ نکاح کو ایسی شرطوں سے مشروط کرنا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسے حقوق حاصل ہو جائیں، یا ایسی پابندیاں عائد ہو جائیں جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتے، تو ایسی شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہوں گی، کیونکہ اس کا حاصل یا تو التزام ضرر ہے یا اپنے بعض حقوق سے دست برداری اور اس کا اسقاط، اور یہ چیزیں شرعاً معتبر ہوا کرتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ ایسی شرطوں سے نکاح کی صحت، اس کا انعقاد و نفاذ کچھ بھی متاثر نہیں ہوتا۔

۴۔ اگر بوقت نکاح کوئی عورت اپنے لئے ایقان طلاق کے اختیار ہونے کی شرط لگائے اور شوہر اسے تسلیم

بھی کرے تو یہ تفویض طلاق کی ایک صورت ہوگی جو صحیح ہے اور تسیباً عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق و اختیار حاصل ہو جائے گا، شوہر اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کر سکتا۔ "لان التفویض تملیک لا توکیل فلم یصح رجوعہ" کتب فتاویٰ میں مصرح ہے۔

## تفویض طلاق کی مختلف صورتوں کا حکم

یہ تو ظاہر ہے کہ تفویض طلاق کی فی نفسہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) تفویض مطلق، مثلاً کوئی شوہر یوں کہے

مطلقى نفسك۔ اختاری نفسك یا امرک بیدک

(۲) تفویض معلق و مشروط۔ مثلاً کوئی شوہر یوں کہے ان كان كذا فمطلقى نفسك وغيره۔ یہاں بعد نکاح تفویض طلاق سے بحث نہیں بلکہ قبل النکاح تفویض طلاق کی شرط لگانے سے ہے، اور چونکہ عورت کا سر بیع الحس، مغلوب الغضب، ناقص العقل اور کثیر الانفعال ہونا ایک مسلم حقیقت ہے، اس لئے بوقت نکاح تفویض مطلق کا اشتراط تو خلاف مصلحت ہوگا، ہاں معلق و مشروط تفویض کی شرط لگائی جاسکتی ہے تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے۔

اب بوقت نکاح اس معلق و مشروط تفویض کے اشتراط کی تین بلکہ اس سے زائد صورتیں بھی متصور و ممکن ہیں، لیکن اس تفویض طلاق کی اشتراط سے مقصود اگر عورت کے لئے بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ کھولنی ہے تو اس مقصد کے لئے صد فیصد مفید صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ استیجاب صور کے لئے تمام صورتوں کی تفصیل مع احکام درج ذیل ہے۔

(الف) عقد نکاح سے پہلے شرائط تفویض طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں، اس صورت کے معتبر و مفید ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہو، کیونکہ جیسے ایقاع طلاق کے لئے ملک یا نسبت الی الملک ضروری ہے۔ ویسے ہی تفویض طلاق یا توفی الملک ہو یا منسوب الی الملک ہو تب ہی معتبر و مفید ہوگا، مثلاً عقد سے پہلے شرائط نامہ کی تحریر اس طرح مرتب ہو اور یہ لکھا جائے کہ۔ اگر میں فلان ابن فلان، فلان بنت فلان سے نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ تحریر ہذا میں سے کسی ایک یا فلان فلان متعدد شرطوں کی ایک دفعہ یا مثلاً تین دفعہ مختلف ورزی کروں تو اس منکوحہ فلان کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت فلان فلان اپنوں کے مشورہ و اجازت کے بعد اپنے اوپر ایک طلاق واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اور اس تحریر پر فریقین دستخط کر کے ایجاب مطلق اور قبول مطلق کے ذریعہ بھی نکاح کر لیں گے وہ تحریری تفویض مشروط صحیح و مفید ہوگی، عورت حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔



نکاح کو مشروط بہ تفویض طلاق کرنے کی یہ صورت جامع مفید اور متعدد احتیاط و مصلح پر مشتمل ہونے کے سبب مناسب تر ہے۔

اس میں عورت طلاق کی مختار ہونے کے باوجود پابند بھی رہے گی کہ جب تک شرطوں کی متعدد بار خلاف ورزی نہ ہو جائے اور فلاں فلاں کی اجازت بھی حاصل نہ کر لے طلاق واقع نہیں کر سکتی۔

(ب) عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا زبانی ذکر ہو تو اس کے مفید و صحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو۔ مثلاً عورت یا اس کا ولی و وکیل یوں ایجاب کرے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا یا نہ کیا (میں مناسب شرطوں کی تعداد اور شرطوں کی خلاف ورزی کی تعداد اور دیگر مصلح کی بنیاد پر جتنی احتیاطی قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہو سب کا سب ذکر کر دیا جائے) تو مجھ کو فلاں فلاں بنت فلاں منکوحہ کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جانے کا حق ہوگا۔

اس کے بعد مرد چاہے تو قبول مطلق کرتے ہوئے صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کیا مشروط کرتے ہوئے یوں کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کیا "دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔ عورت حسب شرائط ایضاً طلاق کی مختار ہو جائے گی۔

(ج) اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر بلا ذکر شرائط تفویض، یعنی ایجاب مطلق، اور مرد نے قبول میں شرائط تفویض کا اضافہ کر کے قبول مشروط کیا تب بھی تفویض صحیح اور معتبر و مفید ہو جائے گی، عورت حسب شرائط مالک طلاق بن کر ایضاً طلاق کر سکتی ہے مگر یہ صورت چونکہ صرف مرد کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ مرد قبول مطلق ہی کرے، اپنے قبول ہی میں شرائط کا ذکر نہ کرے تو پھر عورت کچھ نہ کر سکے گی، اس طرح یہ صورت اختیار طلاق کی طالب عورت کے لئے صد فیصد مفید نہیں ہو پائے گی۔

(د) اس کے برعکس اگر ایجاب مطلق بلا ذکر شرائط تفویض، مرد ہی کی جانب سے ہو اور پھر عورت شرائط تفویض ذکر کر کے قبول مشروط کرے تو اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا، بلا شرط یہ نکاح منعقد ہو جائے گا تفویض طلاق نہ ہوگی، عورت بے اختیار و بے بس ہی رہ جائے گی۔

(۵) عقد نکاح کے بعد طرفین تفویض اور شرائط تفویض کی تحریر مرتب کریں اور شوہر رضامندی کا دستخط تحریر پر ثبت کر دے تو یہ صورت بھی صحیح اور مفید ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تفویض فی الملک ہوگی، مگر اختیار اطلاق کی طالب عورت کے لئے یہ صورت صد فیصد مفید نہیں بن سکتی، کیونکہ بعد النکاح بالکلیہ مرد کے دائرہ اختیار میں



چلا جاتا ہے ، ممکن ہے مرد اس تحریر پر راضی نہ ہو اس لئے صد فیصد مفید مطلب صورتیں وہی پہلی اور دوسری ہی ہو سکتی ہیں ، اور اس میں حسب مصلح احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھتے ہوئے جتنی شرطیں اور قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہوں بڑھانی جاسکتی ہیں تاکہ عورت کے مطلق العنان ہونے اور بے جا تصرف کر لینے کا سد باب ہو جائے

واللہ اعلم

۵۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوقت نکاح تسمیہ مہر کو مختلف شرطوں کے ساتھ مشروط کر کے قدر مسمیٰ کو مختلف بنانا جائز ہے ، اس کے بعد کس شرط کا اعتبار ہوگا کس کا نہیں ، اور مرد پر کس صورت میں کون سا قدر مسمیٰ لازم الاداء ہوگا اور کس صورت میں مہر مثل وغیرہ۔ یہ مسئلہ ائمہ احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے جس کی قدر سے تفصیل وضاحت سوالنامہ میں بھی درج ہے۔

مگر یہاں حل طلب سوال صرف اتنا ہے کہ کثرت طلاق کے واقعہ کو کم کرنے کی تدبیر کے طور پر اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ فائدہ حاصل ہو جائے کہ کثرت مہر کے سبب اس کی ادائیگی کو ناقابل تحمل بوجھ سمجھ کر طلاق نہ دے۔ مگر اس میں دوسرا ضرر یہ بھی ممکن و مستور ہے کہ پھر اس عورت کو مرد کا لعلقہ بنا کر چھوڑ دے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے سے "اذا ابتلیت ببلیتین" سے واسطہ پڑسکتا ہے تو پھر "فاختراہونہما" کو تلاش کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قول صاحبین کو برائے فتویٰ اختیار کرنے کا کوئی فائدہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکا بلکہ ایسے میں "فراد من المعرو و قرار تحت المیزاب" ہی سمجھتا ہوں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا"

۶۔ اگر نکاح کرتے وقت تسمیہ مہر اس طرح ہو کہ اگر اس منکوحہ کی سوکن نہیں لئے گا تو تیس ہزار ورنہ پندرہ ہزار مہر دینا ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی بین الائمہ مختلف فیہ ہی ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں پہلی شرط معتبر ہوگی اور اس کے ایفاء کی صورت میں تیس ہزار ورنہ مہر مثل بشرائط مہر دین قرار پائے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی جس شرط کا ایفاء ہوگا اس کے مطابق کم و بیش مقدار مسمیٰ مہر دین ہوگا۔ یہ تو دونوں شرطوں کے معتبر ہونے نہ ہونے کے متعلق اختلاف ائمہ کی وضاحت ہوتی۔ باقی رہا دونوں شرطوں کے لازم العمل ہونے نہ ہونے کا سوال ، تو ظاہر ہے کہ دونوں شرطیں بیک وقت ممکن العمل ہی نہیں ہو سکتیں ، لازم العمل ہونا چہ معنی

۷۔ کوئی تعلیم یافتہ ملازمت سے وابستہ، یا وابستہ ہونے کی امیدوار عورت بوقت نکاح یہ شرط لگانے کہ شوہر لگی ہوئی ملازمت یا ملنے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ایسی شرط کو اگر شوہر قبول بھی کر لے گا تاہم اس کے لئے یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی، چنانچہ اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شوہر اگر اس عورت کو ملازمت سے روکے گا تو اس حکم کی تعمیل عورت پر لازم ہوگی۔

کیونکہ عقد نکاح سے شرعاً حاصل ہونے والے حقوق میں سے ایک حق شوہر کے لئے اپنی بیوی کو منع عن الخروج والبروز کا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے مقتضائے عقد کے خلاف عورت کا یہ شرط لگانا شرط فاسدہ کے قبیل سے ہوگا جس کا واجب التعمیل نہ ہونا مسلم ہے۔ کیونکہ اس کی تعمیل سے جہاں بعض مقاصد نکاح فوت ہوتے ہیں وہاں حکم شریعت کی تفسیر و تریخ لازم آتی ہے۔

و منها ملک الحبس و القید و هو صیر و رتھا ممنومة من الخروج و البروز لقوله تعالى اسكنوہن۔ و الامر بالاسکان نہی من الخروج و البروز و الاخراج۔ اذا لامر بالفعل من حنہ۔ و قوله مز و جل، " و قرن فی بیوتکن " و قوله مز و جل " و لا تخرجوہن من بیوتہن و لا یخرجن " و لانہا لولم تکن ممنومة من الخروج و البروز لا ختل السکن و النسب لان ذالک مما یریب الزوج و یحملہ علی نفی الولد " ابدائع ج ۲ ص ۳۳۶

عبارت بالا میں درج فقہی پھر عقلی دلیلوں کا خلاصہ و حاصل یہی ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو حق ملتا ہے کہ وہ بیوی کو باہر جانے، دوسروں کے سامنے آنے سے روکے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کو حکم کیا ہے کہ بیویوں کو اپنے گھر میں ٹھہراؤ اس حکم کا لازمی مطلب یہی ہوگا کہ شوہر کے لئے بیوی کو نکلنے اور نکلنے کی اجازت دینا ممنوع شرعی ہوگا۔ دوسری جگہ اللہ نے خود عورت کو حکم کیا ہے کہ گھروں میں جمی رہیں نہ خود نکلے اور نہ کوئی اسے نکالے۔

اس کے علاوہ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اگر عورت باہر آنے جانے اور اجنبی مردوں کے سامنے ہونے اور ساتھ رہنے سے روکی نہ جائے تو اس کا یہ خروج و بروز شوہروں کو کبھی ایسی بدظن اور سوء ظن میں مبتلا کر سکتا ہے جو قلبی سکون و اعتماد میں خلل ڈال دے، اور یہ سوء ظن اور بے اعتمادی اس حد تک لے جائے کہ وہ اس بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کی نسبت بھی اپنی طرف نہ کرے، اس طرح ایک معصوم بچے کے تلف اور نفی نسب کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ عورت کی اس شرط کے فاسد ہونے کی اس سے مضبوط اور بدیہی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے فقط

واللہ اعلم بالصواب۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه

## اشترائط في النكاح

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانیؒ

- (الف) نکاح کے وقت عاقدین میں سے کسی کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو۔ ایسی صورت میں نکاح تو درست ہوگا مگر ایسی شرط باطل ہوگی۔ جیسے نفقہ کی ذمہ داری ”وبما انفقوا من اموالهم انساۓ۔ ۷۲“ سے گریز۔ ایسی شرط صحیح نہ ہوگی کیونکہ مرد کی قومیت جو قوانین نکاح کے بنیادی اصول میں ہے اسی انفاق کا نتیجہ ہے۔
- (ب) تیسری قسم کی شرائط۔ ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر شوہر اس کا ایفاء نہیں کرتا تو یہ نکاح ختم نہ ہوگا۔
- (ج) تعویض طلاق کی صورت میں عورت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہوگا۔ شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا وکالت واپس لی جاسکتی ہے، تعویض واپس نہیں لی جاسکتی۔



(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں تو نکاح کی طرف نسبت ضروری ہوگی۔ مثلاً اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو۔۔۔

(۲) یا قبول مشروط ہو۔ تب بھی تعویض درست ہوگی۔

(۳) عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ لکھا جائے تو نکاح کی طرف نسبت ضروری نہ ہوگی اور یہ تعویض درست ہوگی۔

تعویض و اختیار کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں کہ ان کے خلاف شرط تسلیم کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق ہوگا تاکہ عورت اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ کچھ ایسے لوگوں کے نام درج کرنے سے کہ ان کے تسلیم کرنے پر اختیار طلاق عورت کو ہو تو مصلح شریعت کی حفاظت بھی ہو سکے گی۔ اس طرح کا ایک نمونہ ساتھ منسلک ہے۔

تین طلاقیں بیک وقت دینے یا بے جا طور پر طلاق سے روکنے کے لئے ایک تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ جمیز کا رواج ختم کرنے اور مہر معجل کو رواج دینے کی سعی کی جائے، کیونکہ اس صورت میں مرد کو کافی مالی نقصان ہوگا اور وہ طلاق سے بچے گا۔ تجربے میں یہ آیا ہے کہ مرد کے پاس جمیز کا سامان آجاتا ہے اور مہر وہ جلدی ادا کرتا نہیں ہے اور قانونی طور پر اس کی وصولیابی بھی عورت کے لئے دشوار ہوتی ہے اس لئے مرد طلاق دینے میں شیر ہو جاتے ہیں۔

سوال ۲۔ نکاح ثانی پہ پابندی لگانے کے لئے مہر کا تفاوت معتبر نہیں ہے۔

سوال ۳۔ صرف یہ شرط لگانے سے عقد نکاح متاثر نہ ہوگا اور شوہر کی عدم پابندی کی صورت میں عقد نکاح ختم نہ ہوگا۔

## اشتراط فی النکاح

مولانا محمد عبید اللہ السعدی ☆

کسی بھی عقد سے واجب ہونے والے حقوق سے متعلق عقد میں شرط لگانا بالاتفاق جائز ہے۔ اس میں نہ کسی زائد چیز کی شرط ہوتی ہے اور نہ عقد کے خلاف کسی چیز کی، لہذا نفقہ وغیرہ کے وجوب کی شرط درست ہے۔

الف۔ اس قسم کی شرط مقضائے عقد کے خلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی ہے۔ اس قسم کا حکم دوسرے حضرات کے یہاں بھی ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں کچھ وسعت ہے، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۵۲-۵۵)

ب۔ ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح تو بالاتفاق صحیح ہے۔ البتہ یہ شرطیں احناف کے یہاں لازم الایفاء نہیں ہیں، حنابلہ کا اس میں بھی اختلاف ہے، اور آج کل دوسری شادی کے بعد عموماً جو بے اعتدالیوں ہوتی ہیں ان کے پیش نظر حنابلہ کے مذہب پر عمل کو سوچا جاسکتا ہے۔

ج۔ بیوی کے لئے تفویض طلاق کی شرط و صورت کی بابت "الحیلة الناجزة" میں آنے والی تفصیل پر اعتماد کیا جائے اس لئے کہ وہ محقق و مدقق ہونے کے ساتھ اہل نظر علماء کی ایک اجتماعی کاوش ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس قسم کا معاملہ کچھ شرطوں و پابندیوں کے ساتھ جائز ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ خالص عورت کی صوابدید پر

طلاق نہ رکھی جائے بلکہ جانبین کے کچھ لوگ بھی شامل کردئے جائیں کہ وہ طلاق کی ضرورت کو تسلیم کر لیں۔

۱۔ اگرچہ صاحبین کے قول پر کسی کے فتویٰ و عمل کی تصریح نہیں ملی۔ تاہم اصولی طور پر اس کی گنجائش یوں معلوم ہوتی ہے کہ ضرورت میں قول ضعیف پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے۔ مگر حالات کو دیکھتے ہوئے مہر کی کمی و بیشی تین طلاق یا کثرت طلاق کو روکنے کا مؤثر ذریعہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۲۔ دوسری شادی کی وجہ سے پہلی بیوی کے حقوق کے ضیاع کا یہ پورا حل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ نکاح کی وجہ سے بیوی پر شوہر کے حقوق جس طرح ثابت ہوتے ہیں ان کی بنا پر اس قسم کی شرط غلط و باطل ہے اور بعد میں بھی اس کو منع کر دینے کا ہر وقت حق ہے۔ حنابلہ کے یہاں اس میں بھی کچھ گنجائش ہے لیکن کام کرنے کی مروج صورتوں کے جو مفاسد ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں ان سے عام لاپرواہی کی وجہ سے اس کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا (ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص

۲۹۷۔ بحث و نظر شماره ۱۱ فقہی مقالات ج ۱ ص ۲۲۸-۲۳۹ ۲۰۹)



## اشتراط فی النکاح

مفتی محفوظ الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

جواب (الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً درست نہیں۔ نکاح صحیح ہوگا۔ ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری نہیں یہ شرطیں شروط فاسدہ میں سے ہیں، اس شرط میں حق زوجہ کا اسقاط بھی ہے فتح الباری ج ۲ ص ۱۸۹ میں ہے: اما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لا یقسم لها او لا یتسری علیها او لا ینفق او نحوها فلا یجب الوفاء به وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون علی شروطہم الا شرطاً احل حراماً او حرم حلالاً۔

نمبر ایک میں ذکر کرہ شرط ترغیب للمرأة فی النکاح ہے اور یہ شرط ایسی ہے کہ بلا شرط کے بھی عورت اس چیز کی مستحق ہے جس کو شوہر نے عقد کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لیا نکاح درست ہے اور شرط کی پابندی لازم ہے۔

(ب) تیسری قسم کی شرط لگانا درست نہیں ہے، ان شرطوں کے باوجود نکاح صحیح ہوتا ہے، ان شرطوں کا پورا کرنا یعنی پابند رہنا ضروری نہیں۔

قال الموفق الشروط فی النکاح تنقسم اقساماً ثلثة احدها ما یلزم الوفاء به وهو ما یعود الیہ نفعہ مثل ان یشرط ان لا یخرجها من دارها او بلدها او لا یسافر بها او لا یتزوج علیها او لا یتسری علیها ... ابطال هذه الشروط الزهری وقتادة و اصحاب الراى و احتجوا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط و هذا لیس فی کتاب اللہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون علی شروطہم الا ما احل حراماً او حرم حلالاً و هذا یحرم الحلال وهو الترویج (اوجز ج ۲ ص ۲۲۵) وفي فتح الباری

الوطى و الاسكان و خيرها من حقوق الزوج اذا شرط عليه اسقاط شئ منها كان شرطاً ليس  
فى كتاب الله فيبطل ... قال الشروط التى لا تنافى النكاح جائزة و يوفى ديانة و لا تلزم  
قضاء مند ابى حنيفة . صرف الشذى على الترمذى ج ۱ ص ۲۱۶ .

(ج) نکاح کے بعد تعویض طلاق نافذ ہوگا اور عورت کو طلاق کا حق اور اختیار ہوگا ، شوہر حق تعویض واپس  
نہیں لے سکتا ، شامی ج ۲ ص ۲۹۲ شرطہ الملک حقیقۃ تعلق اور اضافت کے ساتھ شرائط طے ہوں تو  
طلاق واقع ہوگی۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

عقد نکاح کی پہلی شرائط تعلق اور اضافت کے ساتھ ہوں اور نکاح کے مقتضی کے خلاف نہ ہوں تو نکاح  
درست ہوگا اور ان شرطوں کی پابندی بھی ضروری ہوگی اور اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں شرط طے ہو تو وہ شرط نہیں  
بلکہ وعدہ ہے ، اگر یہ وعدہ خلاف شرع یعنی عقد کے خلاف نہ ہو تو اس کی پابندی لازم ہے اور شرائط کا اضافہ بشرطیکہ  
خلاف حقوق زوجین نہ ہو ، درست ہے ۔

تعویض سے مصلح شریعت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے ، اگر تعویض کے ساتھ مصلح کی حفاظت میں شرطوں کا  
اضافہ کر دیا جائے تو درست ہے ۔

۱ - طلاق کے قلم استعمال کو روکنے کے لئے نکاح کے مہر کا طلاق دینے کی صورت میں زیادہ بتانا اور عدم  
طلاق کی صورت میں کم بتانا یعنی تعلق کے ساتھ مہر مقرر کرنا نکاح کو درست رکھتا ہے ، لیکن فتویٰ کے لئے صاحبین  
کے قول کو اختیار کرنا ، طلاق کے سد باب کے لئے مفید نہ ہوگا ، بلکہ بعض صورتوں میں جب کہ نشوونما عورت کی  
طرف سے ہو ، مرد کے لئے مسلسل دشواری کا سبب بنے گا ، اسی طریقے سے نشوونما شوہر کی طرف سے ہو تو اس میں  
عورت کو مسلسل دشواری کا سامنا ہوگا اس لئے امام ابو حنیفہ کا قول فتویٰ کے لئے زیادہ مناسب ہے ۔

۲ - مذکورہ صورت میں مہر کی کمی و زیادتی نکاح و عدم نکاح کی شرط پر درست نہیں ہے ۔ شرط نکاح کی پابندی  
ضروری نہیں ، کیونکہ مقتضایہ عقد کے خلاف ہے اور نکاح کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا ۔

۳ - نکاح کے بعد شرعاً زوجین میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر متعین ہیں ، ذکر کردہ شرائط کی صورت میں  
حقوق زوجین متاثر ہوتے ہوں تو کوئی بھی شرط پوری کرنے کا پابند نہیں ، حق زوج یہ ہے ، عورت کا اس کے حکم  
کی پابندی کرنا ، اس کے مال کی حفاظت کرنا ، بغیر اجازت گھر سے نہ نکلنا ، عصمت کی حفاظت کرنا وغیرہ ۔ حق زوج یہ  
ہے ، شوہر پر اس کا نفقہ ، کسوت ، مسکن وغیرہ لازم ہونا ، جب شریعت نے زوجین کو الگ الگ حقوق کے ساتھ مربوط  
کر دیا ہے تو عورت کی ملازمت ان حقوق کی پابندی کے لئے زبردست حائل واقع ہوگی ۔ خصوصاً عصمت کے لئے ۔

## اشترائط فی النکاح

مولانا محمد رضوان القاسمی \*

### نکاح میں شرطیں

(۱) ایسی شرطیں جن کے ذریعہ زوجین پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو مؤکد کرنا ان شرطوں کا مقصود ہو، واجب التکمیل ہوں گی، اس لئے کہ خود شارع نے ان کو واجب قرار دیا ہے اور گویا یہ نکاح کے لوازم میں سے ہیں، اور قاعدہ ہے "اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمہ"۔

(۲) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی لازمی ذمہ داری سے گریز ہو جیسے نفقہ ادا کرنے کی شرط، تو گو ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ مقصد نکاح کے خلاف اور منشاء شریعت کے مغاثر ہے، اور جب شریعت خود کسی بات کا اعتبار نہ کرے تو اس کے مقابلہ مکلف کی شرط معتبر نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جو ان دونوں سے مختلف ہو اور اس کی وجہ سے کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہو، جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے اور یہی رائے حنفیہ کی ہے۔۔۔ میرے خیال میں یہی زیادہ درست ہے، نکاح کے وقت شرائط کا عائد کرنا بے اعتمادی کو جنم دیتا ہے اور



اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے، اس لئے ایسی شرطیں لازم الایضا نہیں۔

### تفویض طلاق :

طلاق تو اصل مرد کا حق ہے۔ لیکن اس بات کی گنجائش ہے کہ شوہر علاحدگی کا حق بیوی کو بھی عطا کر دے تفویض کی تینوں ہی صورتیں درست ہیں :

(۱) نکاح سے پہلے ہی تفویض کر دے البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو۔

(۲) عقد نکاح ہی میں تفویض کیا جائے، البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ پہل عورت کی طرف سے ہو۔  
(۳) عقد نکاح کے بعد بھی تفویض کی جاسکتی ہے، البتہ اس صورت میں قبول کرنا اور نہ کرنا مرد کے اختیار میں رہے گا۔

### مہر مشروط

طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار بڑھادی جائے اس سے کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اس سے نقصان ہی کا اندیشہ ہے، کیونکہ لوگ اس خوف سے طلاق بھی نہیں دیں گے اور بیوی کو معلق بنا کر رکھیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اور زیادہ مصائب میں مبتلا ہو جائے گی، اس لئے راقم سطور کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے اختیار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

### ملازمت کی شرط

عورتوں کی طرف سے اس طرح کی شرط عائد کرنا کہ شادی کے بعد بھی وہ سلسلہ ملازمت کو جاری رکھے شریعت کی روح اور اس کے مزاج کے خلاف ہے، اس لئے اگر عورت نے ایسی شرط لگائی اور شوہر نے اسے قبول بھی کر لیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

## اشترائط فی النکاح

مولانا عبد اللہ جو لم صاحب<sup>۲</sup>

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرط کی پابندی بالاتفاق واجب ہوگی، کیونکہ یہ ایسی ذمہ داری ہے، جسے شریعت نے مجرد عقد نکاح سے واجب کیا ہے۔ یعنی یہ شرط نہیں بھی ہوتی تو اس کی ادائیگی ضروری تھی، اس کے وجوب کی دلیل قول اللہ تعالیٰ "و علی المولود لہ رزقہن و کسوتہن بالمعروف" (البقرہ ۲۳۳) و قوله تعالیٰ " لینفق ذو سعة من سمته و من قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاه اللہ لا یكلف اللہ نفسا الا ما آتاه" (الطلاق ۷)

وقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی حجة الوداع " فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بکلمة اللہ و استحللتم فروجهن بکلمة اللہ۔ و لکم علیہن الا یوطنن فرشکم احدا تکرہونہ فان فعلن ذالک فاضربوهن ضربا ضیر مبرح ولهن علیکم رزقہن و کسوتہن بالمعروف" صحیح مسلم کتاب الحج۔ ج ۸ ص ۲۷۰۔ رقم الحدیث ۱۲۷

نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اس مسئلے میں علماء کی تین رائیں ہیں۔

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

ان کا استدلال قصہ بریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کو درست رکھا اور شرط کو باطل قرار دیا اور کہا۔

” ما بال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله . ما كان من شرط ليس في كتاب

الله فهو باطل “ (صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اشترط في البيع شروطا لا تحمل . ج ۲

ص ۱۳۷۲)

امام مالک کے نزدیک ایسی شرط مبطل نکاح ہے اور نسخ واجب ہے الا اینکه دخول ہو چکا ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور شرط باطل ہوگی، ان کی دلیل بیع فاسد پر قیاس کرنا ہے جو بازار کی قیمت تبدیل ہونے سے نافذ

ہو جاتی ہے۔ (بدایۃ المجتہد۔ ج ۲ ص ۲۹۔ الفقہ الاسلامی۔ ج ۷ ص ۱۵۵)

۲۔ امام ابن حزم کے نزدیک اگر ایسی شرط نکاح کے وقت رکھی گئی ہے تو نکاح باطل ہوگا اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نکاح کی بنیاد شرط باطل پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے نکاح بھی باطل ہوگا، (المحلی۔ ج ۹ ص ۱۵۱۷) ہاں اگر شرط بعد میں رکھی جائے تو چونکہ نکاح کی بنیاد صحیح ہے اس لئے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہی شرط بعد میں رکھی جائے تو شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شرط بالاتفاق باطل ہے اختلاف اس میں ہے کہ نکاح باطل ہوگا یا نہیں۔

۳۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی۔

مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں۔

۱۔ نکاح جائز ہے، اور شرط لازم ہے اس کے قائلین صحابہ میں سے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص،

معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ہیں اور اسی کی طرف شریح، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی،



اسحاق اور امام احمد گئے ہیں (المضنی - ج ۲ ص ۵۲۸ - سنن الترمذی - ج ۳ ص ۲۳۲)۔  
 ۳ - نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے الا اینکه شرط معلق ہو طلاق یا عتاق کے ساتھ اس کے قائل امام ابو حنیفہ ہیں (الفقه علی المذاهب الاربعۃ - ج ۲ ص ۸۵) امام مالک اس میں مزید یمین کی قید لگاتے ہیں یعنی نکاح اگر مشروط ہو یمین بالطلاق یا عتاق کے ساتھ تو نکاح بھی جائز ہوگا اور شرط بھی لازم ہوگی (الموطا - ص ۱۳۶)۔

۴ - اگر ایسی شرط نکاح کے ساتھ رکھی گئی ہو تو نکاح باطل اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہو تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی، یہ امام ابن حزم کا قول ہے -

### الادلة

### پہلے قول کی دلیل :

(۱) قول اللہ تعالیٰ (یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالمقود)

(۲) من عقبۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به

ما استحللتم به الفروج (صحیح البخاری باب الشروط فی النکاح ج ۹ ص ۲۱۷)

(۳) من عمرو بن صوف المزنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلح جائز بین

المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما - و المسلمون علی شروطہم الا شرطا حرم

حلالا او احل حراما (سنن الترمذی کتاب الاحکام باب الصلح بین الناس ج ۳ ص ۲۳۵) وقال

حسن صحیح

۴ - اجماع صحابہ ابن قدامہ کہتے ہیں یہ رائے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان کے زمانے میں کوئی ان کا مخالف نہیں تھا، تو صحابہ کا اجماع ہوا (المضنی ج ۷ ص ۵۲۹)

۵ - روی الاثرم باسناده ان رجلا تزوج المرأة و شرط لها دارها ثم اراد نقلها فخاصموه

الی صمر - فقال لها شرطها - فقال الرجل اذا تطلقینا - فقال صمر مقاطع الحقوق مند الشروط

(المضنی ج ۲ ص ۲۲۹ - المحلی ج ۹ ص ۵۱۷)

۶ - یہ ایسی شرط ہے جس سے عورت کو ایسا فائدہ اور مقصد حاصل ہوتا ہے جو نکاح کے مقصد کے منافی

نہیں ہے، تو یہ اسی طرح لازم ہوگی جیسے زیادتی مہر کی شرط (المضنی ج ۲ ص ۵۲۹)

۱- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی واقعة بئرہ " ما بال رجال یشرطون شروطنا لیست فی کتاب اللہ . ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط . قضاه اللہ احق و شرط اللہ اوثق و انما الولاء لمن اصتق البخاری کتاب البیوع . باب اذا اشترط شروطنا فی البیع لا تحل ح ۲ ص ۳۷۶) و هذا شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل افتح الباری ح ۹ ص ۲۱۹ . و اجیب بان المراد منه کل شرط خالف کتاب اللہ كما فهمه عمرو ابن عمرو

۲- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما و هذا یحرم الحلال و هو التزویج و الاسکان معہ . فیکون باطلا .

۳- عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا تزوج بعد . فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا لا یصلح (اخرجه الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن . انظر فتح الباری ح ۹ ص ۲۱۹)

۲- روی ابن وهب باسناد جید عن عبید بن السباق ان رجلا تزوج امرأة فشرط لها ان لا یخرجها من دارها فارتفعوا الی عمر فوضع الشرط وقال المرأة مع زوجها . (فتح الباری ح ۹ ص ۲۱۹)

۵- روی عباد عن علی بن ابی طالب فی الرجل یتزوج المرأة یشرط لها دارها فقال شرط اللہ قبل شرطها . (المحلی ح ۹ ص ۱۵۱۸)

### تیسرے قول کی دلیل :

شروط کے بطلان کی وہی دلیلیں ہیں جو دوسرے قول کی اور طلاق و عتاق کے استثناء کی مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " ثلاث جدھن جدو ہزلھن جد . النکاح و الطلاق و الرجعة " (اخرجه الترمذی ح ۳ ص ۱۲۹ قال حسن ضریب . و العمل هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ضیرھم)

۲- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث جدھن جدو ہزلھن جد . لا یجوز فیھن اللب . الطلاق و النکاح و العتق (اخرجه الطبرانی و فی اسنادہ ابن لھیمۃ و هو ضعیف)

چوتھے قول کی دلیل :

ابن حزم کی وہی دلیل ہے جو اس سے سابق والے مسئلے میں ہے۔

مناقشة الادلة .

پہلے قول کی دلیلوں پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آیت و حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے ، کیونکہ ایفاء عقد یا شرط اسی صورت میں واجب ہے جب کہ عقد یا شرط صحیح ہو۔ اور یہ شرطیں صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ اس سے تحریم ما اطلہ اللہ نازم آتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

” انما یوفى من الشروط ما یبین انه جائز و لم تدل سنة رسول الله صلى الله عليه

وسلم على انه غیر جائز

اور فرماتے ہیں :

” فان قال قائل ما الشرط للرجل على المرأة و المرأة على الرجل مما ابطاله بالشرط خلاف لكتاب الله او السنة او امر اجتمع الناس عليه ؟ قيل له ان شاء الله تعالى احل الله عز وجل للرجل ان ینکح اربعا وما ملکت یمینہ فاذا شرطت علیه ان لا ینکح و لا یتسرى حضرت علیه ما وسع الله تعالى علیه ... ولم یختلف احد صلته فی ان له أن ینخرجها من بلد الی بلد و یمنعها من الخروج فاذا شرطت علیه ان لا یمنعها من الخروج لا ینخرجها شرطت علیه ابطال ماله علیها “

امام شافعی کے نزدیک بیوی کی یہ شرط کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا اسے آباتی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ اور شوہر کی جانب سے یہ شرط کہ وہ نان و نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں اس اعتبار سے کہ دونوں میں دوسرے کے شرعی حق کو سلب کرنا ہے جو جائز نہیں ہے (الام ج ۵ ص ۲۳-۲۴) ابن عبد اللہ کہتے ہیں :

هذا حدیث و ان كان صحيحا فان معناه والله اعلم احق الشروط ان یوفى به من الشروط

الجائزة (طرح التشریب ج ۷ ص ۳۶)

اسی طرح ابن حزم کہتے ہیں

” اشتراط المرأة ان لا یتزوج او لا یتسرى او ان لا یغیب منها او ان لا یرحلها من دارها کل ذالك تحریم حلال۔ وهو و تحلیل الخنزیر و المیتة سوا فی ان كل ذالك خلاف لحکم الله عز و



جل۔ فصیح انه علیه الصلاة و السلام انما اراد شرط الصداق الجائز الذی امرنا الله تعالیٰ به۔  
وهو الذی استحل به الفرج لا ما سواه " (المحلی ج ۹ ص ۵۱۸)

اور شروط جائزہ سے ان لوگوں کی مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد کے مطابق ہوں جیسے انفاق، کسوت اور  
سکنی کی شرط نہ کہ وہ شرطیں جو مقتضیات عقد کے منافی ہوں۔

31  
11

مگر علامہ ابن دقیق العمید حدیث کی اس شرح سے متفق نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں مقتضیات عقد کے  
ذریعہ واجب ہیں ان کے اشتراط کا کیا فائدہ؟

قال ابن دقیق العمید " تلك الامور لا تؤثر الشروط فی ایجابها فلا تشتد الحاجة الی  
تعلیق الحكم باشتراطها۔ و سیاق الحدیث یقتضی خلاف ذالک لان لفظ " احق الشروط " یقتضی ان یکون بعض الشروط یقتضی الوفاء بها۔ و بعضها اشد اقتضا، و الشروط هی من  
مقتضی المقدم مستویة فی وجوب الوفاء لہا " (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸۔ معالم السنن علی  
ہامش سنن ابن داؤد ج ۲ ص ۱۷۰۲)

اور ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس شرط سے تحریم حلال لازم نہیں آتا، بلکہ وعدہ وفائے کرنے کی صورت میں عورت  
کو صرف خیارج حاصل ہوتا ہے۔

قال ابن قدامة " وقولهم ان هذا یحرم الحلال۔ قلنا لا یحرم حلالا و انما یثبت للمرأة  
خیار الفسخ ان لم یف لها به " (المغنی ج ۲ ص ۵۲۹)

پہلے قول کی دلیل میں اجماع کا دعویٰ درست نہیں ہے، کیونکہ خود عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس مسئلے میں  
متردد تھی اور علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مخالف ہیں، (المحلی ج ۹ ص ۵۱۸۔ فتح الباری ج ۹ ص  
۲۱۸)

دوسرے قول کی دلیل " ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل " سے استدلال درست  
نہیں کیونکہ اس سے مراد " کل شرط خالف کتاب اللہ " ہے جیسا کہ عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا  
(ملاحظہ ہو، صحیح البخاری کتاب الشروط باب المکاتب، ج ۵ ص ۳۵۳، اور بالاتفاق بیع میں ایسی شرطیں  
رکھ سکتے ہیں جو شرعی حکم کے منافی نہ ہوں اگرچہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہ ہو۔

دوسرے قول کی دلیل حدیث جابر سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں ایسی شرط رکھی گئی ہے جس سے  
شرط رکھنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو وہ شرط لغو ہے۔

## خلاصہ کلام :

اصل سبب خلاف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ان شرطوں سے تحریم حلال لازم آتا ہے یا نہیں؟  
ہمارا رجحان اس سلسلے میں پہلے قول کی جانب ہے یعنی تحریم حلال لازم نہیں آتا۔

## وجہ ترجیح :

من المسور بن مخرمة قال ان عليا خطب بنت ابي جهل فسمعت بذلك فادعت فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يزعم قومك انك لا ترضى لبناتك - وهذا صلى فأكج بنت ابي جهل فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعت حين تشهد يقول اما بعد انكحت ابا العاص بن الربيع فحدثني و صدقني و ان فاطمة بضعة مني و اني اكره ان يسووا ها و الله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت صدو الله سند رجل واحد البخاري كتاب فضائل الصحابة .  
باب ذكر اصهار النبي صلى الله عليه وسلم ج ۱۸۵۷

وفي رواية قال " حدثني فصدقني وو صدني فوفى لي و اني لست احرم حلالا و لا احل حراما و لكن والله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت صدو الله ابدا صحيح البخاري كتاب فرض الخمس . باب ما ذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم ج ۲ ص ۲۱۷

ابن جر " حدثني فصدقني " کی تشریح میں لکھتے ہیں :

" لعله كان شرط صلى نفسه ان لا يتزوج صلى زينب و كذاك صلى . فان يكن كذاك فهو محمول صلى ان عليا نسي ذلك الشرط . فلذاك اقدم على الخطبة او لم يقع عليه شرط اذ لم يصح بالشرط لكن كان ينبغي له ان يراعى هذا القدر فلذاك وقعت المعاتبة افتح الباري ج ۷ ص ۱۸۶

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ کو شادی سے روکنا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ " لا احرم حلالا " اس بات کی دلیل ہے کہ اس قسم کی شرط سے تحریم حلال لازم نہیں آتا۔

والله اعلم .

## اشترائط فی النکاح

مولانا عبد الجلیل قاسمی

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على آله و

اصحابه اجمعين۔ اما بعد

نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اس لئے نکاح میں کوئی اگر ایسی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔ شرط کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جائے گی۔ مثلاً اگر شرط لگائی کہ مہر نہیں دے گا تو بھی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا اگر وہ طلی کرے یا مرجائے۔

و ان تزوجها و لم یسم لها مہر او تزوجها علی ان لا مہر فلها مہر مثلها ان دخل بها او

مات عنہا (ہدایۃ ج ۲ ص ۳۲۲)۔

اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کے لئے چھوڑ دیا تو اس کو اس میں رجوع کا حق ہے۔ علامہ برہان الدین فرماتے ہیں۔

ولها ان ترجع فی ذالک لانها استقلت حقاً لم یجب بعد فلا یسقط (ہدایۃ ج ۲ ص ۳۲۹)۔

اسی طرح نفقہ بھی شینا فشنیا واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت نے نفقہ معاف کر دیا یا معافی کی شرط کے ساتھ



نکاح کیا تو میرے خیال میں اس کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

لانہا اسقطت حقالم یجب بعد فلا یسقط۔

وابراء الزوجة من النفقة هل یصح و یلزم ؟ ان كانت غیر مفروضة لا یصح لانه ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضی فرحنها كل شهر كذا و كذا صح فی الشهر الاول فقط و كذا لو قالت ابرأتك من نفقة لا یبرأ الا من شهرا لا ان یكون فرض لها كل سنة كذا لان القاضی اذا فرض كذا كل شهر فانما فرض مهما یتجدد الشهر فما لم یتجدد لم یتجدد الفرض و ما لم یتجدد الفرض لم یجب نفقة الشهر فلا یصح الا براء منها و لو ابراته بعد ما مضى الشهر عما مضى و بما یستقبل بری عما مضى و من شهر (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۹۲-۳۹۵).

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔ ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یعنی نکاح صحیح ہو جائے گا، اگر ایسی شرط سے جس سے صرف اس عورت کو فائدہ ہے کسی دوسرے کو نقصان نہیں ہے تو مناسب ہے کہ شوہر اس وقت تک اس شرط کی پابندی کرے جب تک کہ مقاصد نکاح فوت نہ ہوں۔ مثلاً اگر عورت نے شرط لگایا کہ اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ ایسی صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی۔ یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہو گیا جہاں رہ کر بیوی کی حقوق ادا کرنا انتہائی دشوار اور پریشان کن ہو تو شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو شوہر بیوی کو طلاق دے کر الگ کر دے یا اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان اور بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جائے۔

لیکن قضاۃ ایسی شرط کے پورا کرنے کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور اگر ایسی شرط لگائی گئی ہے کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو ضرر پہنچے تو ایسی شرط کا پورا کرنا ضروری تو کیا میرے خیال میں جائز بھی نہیں ہوگا، مثلاً کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلاں بیوی کو طلاق دیدے گا۔

ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کو مہر

مش لے گا۔

قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج علي الف علي ان لا يخرجها  
من البلدة او علي ان لا يتزوج عليها او علي ان اطلق فلانة فالنكاح صحيح وان كان شرط  
عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق الضررة فاسدا لان فيه المنع من الامر المشروع. ا. عناية  
علي هامش فتح القدير ج ۳ ص ۲۵۰

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں

و هذه الشروط تمنع التزوج و التسرى لو وجب الجرى علي موجبها فكانت باطلت. ا. فتح

التدبير ج ۳ ص ۲۵۱

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں

اذا تزوجها علي الف ان لا يخرجها من البلدة او علي الا يتزوج عليها اخرى فان وقر  
بالشرط فلها المصمى - وان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها من مثلها اهداية ج ۲ ص ۱۳۲۹  
بیچ کے وقت تصویب طلاق کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے جو کچھ لکھا ہے - میرے نزدیک وہ بہت کافی  
ہے - میں اس میں اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا - اس کے لئے دیکھئے الحيلة الناجزة ص ۳۱ تا

۱۳۸

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے لیکن بعض حالات میں ناگزیر بھی ہے - مسلم معاشرہ میں طلاق کی کثرت اتنی نہیں  
ہے جتنی مشور ہے - تین طلاق یا کثرت طلاق کو (اگر واقع میں کثرت ہو) روکنے کے لئے پابندیاں عائد کر کے  
طلاق کو دھوار بنانا میرے خیال میں صحیح اور مناسب نہیں ہے - جس طرح شریعت نے طلاق کو آسان بنایا ہے اس کو  
آسان ہی رہنے دینا مناسب ہے - عملی طور پر ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زوجین میں تعلقات  
خوشگوار نہیں ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ دونوں میں علمدگی ضروری ہے - لیکن مہر زیادہ ہے اور شوہر مہر دینے کے  
ڈر سے طلاق بھی نہیں دیتا - اس طرح عورت کا لعلقہ ہو کر رہ جاتی ہے - یا مجبور ہوتی ہے کہ مہر معاف کر کے طلاق  
حاصل کرے - ممکن تھا کہ اگر مہر کی مقدار کم ہوتی تو شوہر طلاق دیدیتا اور عورت مہر پالے کی حقدار رہتی -

تین طلاق یا کثرت طلاق جہالت کا نتیجہ ہے - اس کے بے جا استعمال سے روکنے کے لئے مہر میں اضافہ  
میرے نزدیک مسئلہ کا حل نہیں ہے - بلکہ اس کا حل معاشرہ اور سماج میں اس بارے میں لوگوں کو مسائل سے  
بآگاہ کرانا اور اس سے پرہیز کرنے کی ترغیب دلانا مفید اور مناسب ہوگا -

اس کے باوجود اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار روپے ہوگا

اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا۔ میرے خیال میں یہ شرائط صحیح ہوں گے اور جو حالت ہوگی اسی کے مطابق مہر واجب ہوگا۔

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا۔ میرے خیال میں یہ دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی۔ بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو حضرات صاحبین فرماتے ہیں۔

الشرطان جائزان حتیٰ کان لھا الالف ان اقام بھا و الالفان ان اخرجھا اهدایۃ ج ۲ ص

۱۰۳۲۹

میری رائے میں بیوی کے اقامت و اخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس لئے جس طرح صاحبین کے نزدیک اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور جائز ہوں گی۔

فکان لھا مشرۃ الف ان لم یتزوج صلیھا اخری و مشرون الفان تزوج صلیھا اخری۔ هذا

ما صندی و اللہ صندہ علم الصواب

شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کر دے جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہو سکتا ہو۔ ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حق میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا اس کے بعد ایسی ملازمت کی اجازت دے دی جس سے اس کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے۔ تو ضروری نہیں ہے کہ وہ اس اجازت کو واپس نہ لے، چاہے شادی کے مقاصد ختم کیوں نہ ہو جائیں۔

و یلاحظ ان رضاه باحترافھا وقتا ما لا یمنع صدم رضاه فی ضیره الاحوال الشخصیۃ

ص ۲۳۹

والذی ینبغی تحریرہ ان یکون له منعھا من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجھا من بیتہ اما العمل الذی لا ضرر له فیہ فلا وجه لمنعھا منه خصوصاً فی حال ضیبتہ من بیتہ فان ترک المرأة بلا عمل فی بیتھا یؤدی الی وساوس النفس و الشیطان او الاشتغال

بما لا ینبغی مع الاجانب و الجیران (رد المحتار باب النفقة ج ۲ ص ۲۶۵)

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و اصح



## نکاح اور شرائط

مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی

**الجواب :** عقد نکاح سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسی کو شرط بنا کر عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا جائے تو یہ شرط صحیح ہے۔ نکاح بھی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے۔ اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے موافق ہو۔ صحیح ہوتی ہے مفسد عقد نہیں ہوتی۔ البتہ۔ اس طرح کی شرط لگانا بے سود ہے۔ کیونکہ جو ذمہ داری کسی فریق پر عقد نکاح ہی سے عائد ہوگئی، وہ واجب الایفاء ہوگی۔ خواہ وقت نکاح اس کی شرط ہو یا نہ ہو۔ لہذا وقت نکاح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا صحیح ہے۔ مفسد نکاح نہیں لیکن بے سود ہے۔ بیوی کا نان و نفقہ بہر حال شوہر پر لازم ہے۔

تویر الابصار میں ہے :

النفقة تجب للزوجة بنکاح لانها جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعة ضمیرہ یلزم

**نفقہ**

نکاح صحیح کے بعد بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اس لئے کہ نفقہ بیوی کو قابو اور قبضہ میں رکھنے کا بدل ہے اور ہر وہ شخص جو کسی غیر کے قابو میں اس کے فائدہ کے لئے ہو تو قابو میں رکھنے والے پر اس کا نفقہ واجب ہے۔

**جواب الف :** نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز نہ ہو۔ مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ ایسی شرط فاسد ہے، کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف اور احد المتعاقدين کے لئے نافع ہے۔ کل شرمد شانہ هذا فهو فاسد لیکن اس شرط

سے نکاح کی صحت پر کچھ بھی حرف نہیں آئے گا۔ کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شروط باطل اور بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

در مختار میں ہے :

لا يبطل النكاح بالشروط الفاسد و انما يبطل الشرط دونه يعنى لو عقد مع شرط فاسد

يبطل النكاح

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا شرط ہی باطل ہو جاتی ہے نکاح نہیں یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ نکاح ہوا تو نکاح باطل نہیں ہوگا۔

اس شرط کی پابندی ضروری نہیں بلکہ اس سے گریز ضروری ہے۔

**جواب (ب)** وقت نکاح بھی فریق کی جانب سے کوئی ایسی شرط لگانا جو نہ تو عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے دائرے میں آتی ہو اور نہ ہی اس کے ذریعہ نکاح سے عائد شدہ کسی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی اور ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط فاسد ہے۔ نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اس شرط کو وعدہ کی حیثیت حاصل ہوگی جس کو پورا کرنا لازم نہیں، بدائع الصنائع میں ہے :

ان شروط النكاح من طلاق المرأة و ترك الخروج من البلاد لا يلزمه في الحكم لان ذلك

و مدلهما فلا يكلفه۔

(وقت نکاح) اگر شوہر نے ساتھ طلاق دینے اور عورت کو شہر سے باہر نہ لے جانے کی شرط لگادی تو عند الشرع شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں۔

**جواب (ج)** (۱۱) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق اس کو حاصل ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے۔ تو یہ شرط عند الشرع معتبر ہے، عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ شوہر اس تفویض طلاق کو ختم کرنا بھی چاہے تو ختم نہیں کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

قالت المرأة تزوجتك على ان يكون الامر بيدي اطلق نفسي كلما شئت فقال الزوج

قبلت جاز النكاح ويكون الامر بيدها

عورت نے مرد سے کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا اختیار مجھے رہے گا، جب چاہوں گی اپنے کو طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا مجھے قبول ہے۔ تو نکاح جائز ہو جائے گا۔ اور طلاق کا اختیار عورت ہی کو حاصل رہے گا۔

جوہرہ نیرہ میں ہے :

ان قال لها طلقى فليس له ان يرجع منه

اگر مرد نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے کو طلاق دے لے تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کر سکتا۔

جواب (ج) ۱۲۱، عورت کا نقصان عقل و دین، کثرت طعن و لعن اور سرعت غضب جیسی صفات سے متصف ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔ اس لئے تفویض کی صورت میں نکاح سے متعلق شرعی مصلح کے ضائع ہونے کا قوی خدشہ ہے، لہذا احتیاطاً چند قیود و حدود بڑھائی جاسکتی ہے۔ (۱) شوہر تفویض کے وقت۔ وقت کی تعیین کر دے۔ (۲) شوہر تفویض طلاق کی تعبیر اس طرح کرے کہ عورت کو صرف طلاق رجعی کا اختیار حاصل ہو مثلاً یہ کہے کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے اور اس سے طلاق رجعی کی نیت کرے۔

جواب (ج) ۱۳۱، نکاح کے غلط استعمال سے روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار اس طرح مہر طے کرنا جائز و معتبر ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہے۔ اور اس شکل میں مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری شرط فاسد ہے، اس میں مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مثل سے متجاوز نہ ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ لیکن امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں، دونوں شکلوں میں مہر مثل واجب ہوگا جو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم اور مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قول امام سے عدول کے لئے کسی سبب کا تحقق نہیں۔



جواب (۲) نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکود کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تین ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو امام صاحب کے نزدیک اگر شوہر منکود کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر مسمی پندرہ ہزار دینا ہوگا۔ اور اگر دوسری عورت سے شادی کر لی تو مہر مثل دینا ہوگا، مہر مسمی نہیں۔

جواب (۳) عورت جائز ملازمت کر سکتی ہے جس میں کوئی شرعی فساد نہ ہو۔ اگر وقت نکاح جائز ملازمت کی شرط لگادی گئی تو اس کی حیثیت وعدے ہی کی ہوگی جس کی پابندی شوہر پر لازم نہیں۔ شرط منظور کر لینے کے بعد بھی شوہر عورت کو معاملہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ یا نئی ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے۔ اور عورت پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

## اشترائط في النكاح

مولانا محمد رفیق ابن آدم فلاحی

جواب (۱) پہلے نمبر کی شرطیں لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، یہ حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ہیں، وہ ذکر کئے جائیں یا نہ کئے جائیں بہر صورت ان حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔ دوسرے نمبر کی شرط لگانے سے نفقہ کا یا عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داری کا سقوط نہ ہونا چاہئے درمختار ص ۲۵۳ ج ۲ میں ایک جزیئہ ہے جس سے اس مسئلہ میں مدد لی جاسکتی ہے۔

حتى لو شرط في العقد ان النفقة تكون من غير تقدير و الكسوة كسوة الشتاء و الصيف فلها بعد ذلك طلب التقدير فيهما  
مسئلہ مذکورہ میں بوقت عقد عدم تقریر کی شرط لگائی ہے، اس کے باوجود عورت کے لئے نفقہ میں طلب تقریر کا حق باقی رہتا ہے۔

البتہ ایسی شرائط سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

دوسری دلیل و لو تزوج امراتين على ان يقيم عند احدهما اكثر او اعطت زوجها مالا او جعلت على نفسها جعلاً على ان يزيد قسمها او حطت من المهر كي يزيد

قسمها فالشرط و الجمل باطل و لها ان ترجع في مالها كذا في الخلاصة  
عالمگیری اص ۳۲۱ ج ۱)

مسئلہ مذکورہ میں عقد نکاح سے شوہر کے ماتحت ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں برابری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس سے شوہر بذریعہ شرط سبکدوش ہونا چاہ رہا ہے جو باطل ہے اور شرط غیر معتبر ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

تیسرے نمبر کی شرط اگر عاقدین میں سے کسی کے حق میں مفید ہو اور وہ شرط شریعت کے خلاف نہ ہو تو ایفاء لازم ہوگا، ورنہ نہیں۔

قواعد الفقہ - ص ۸۲ قاصدہ ص ۱۲۹ - الشرط اذا كان مفيدا يجب مراعاته و اذا لم يكن مفيدا لا يجب مراعاته

ج۔ ایسی شرط لگانے اور مرد کے قبول کر لینے سے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہو جائے گا جس کو مرد ختم نہیں کر سکتا، در مختار ص ۲۸۵ ج ۱۲ نکحها علی ان امرها بیدھا صح - وفیہ - ص ۲۸۲ ج ۱۲ و ۲  
یملک الزوج الرجوع منه ای من التفویض بانواصه الثلاثة لما فیہ من معنی التعلیق

## نکاح میں تینوں قسم کی شرائط کا حکم اس طرح ہوگا

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اضافت الی النکاح لکھا جاوے مثلاً یوں لکھا جاوے کہ اگر میں اس عورت سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا اور عورت اسی مجلس میں قبول کر لے تو طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہو جائے گا۔

(۲) دوسری صورت میں تفویض درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت یا اس کے ولی، وکیل یا نکاح پڑھانے والے کی جانب سے ہو مثلاً یوں کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر بر دیا کہ فلاں فلاں صورت میں مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کر کے نکاح سے الگ ہونے کا اختیار ہوگا اور مرد قبول کر لے تو تفویض درست ہوگی جیسا کہ در مختار ص ۲۸۵ ج ۱۲ پر مرقوم ہے۔

نکحها علی ان امرها بیدھا صح و فی الشامی قوله صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال



الزوح قبلت اما لو بدا الزوج لا تعلق و لا يصير الامر بيدها كما في البحر عن الخلاصة و  
البرازية انتهى -

(۱۳) تیسری صورت میں شوہر عقد نکاح کے بعد کے کہ فلاں فلاں صورت میں تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے اور عورت قبول کرے تو تفویض درست ہوگی۔ مذکورہ تین صورتوں میں جس صورت پر بھی اس کے شرائط کے مطابق عمل کیا جائے گا تو طلاق کا اختیار عورت کو ہوگا، جس کو شوہر ختم نہیں کر سکتا۔

تفویض اور اختیار میں مزید احتیاط کے لئے اس طرح کی قیدیں بڑھانی جائیں تو جانہن کے حق میں مفید ہوگا۔

(۱) جس مجبوری کی بناء پر اختیار ہوگا اس کو دس آدمیوں میں سے کم از کم دو مجبوری تسلیم کر لیں اور وہ دونوں عورت کی علمدگی کو مناسب قرار دیں، اور ان دس افراد کے نام طرفین کی رضامندی سے درج کردئے جائیں۔

(۲) اس کے بعد عورت ایک ہفتہ غور کرے گی۔

(۳) اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

(۴) اور حاصل شدہ مجبوری سے ملا ہوا اختیار ایک مہینہ تک رہے گا۔ لہذا جب جب وہ مجبوری پیش آئے

گی، ایک ایک مہینہ کا اختیار ملتا رہے گا۔

ایک قید شوہر کے لئے مفید ہے جو اس طرح لگائی جائے کہ عورت جب اختیار کا استعمال کرے گی تو مہر معاف کر کے اپنے اوپر طلاق واقع کرے گی۔

مذکورہ قیودات کے ساتھ جب اختیار دیا جائے گا تو انشاء اللہ عورت اپنی کم عقلی اور جلد بازی کی بناء پر اس کا بے جا استعمال بھی نہ کرے گی اور شریر شوہروں سے بدرجہ مجبوری بسولت چھٹکارا بھی حاصل کر سکے گی۔

اولاتین طلاق دینا ایک ناجائز امر ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مفاسد سامنے آ رہے ہیں، وہ بے حد ہیں۔

مرد خود ہی ایسی جلد بازی سے کام لے کر پوری زندگی پچھتا تا پھرتا ہے اور حیلے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ پھر طلاق کے بعد عورت خود یا اس کے اولیاء کورٹ کا سہارا لیتے ہیں، جہاں بے شمار لوگوں کی موجودگی میں طرفین ایک دوسرے پر غلط قسم کے الزامات تھوپتے ہیں، اس منظر کو دیکھ کر ہندو و کلاہ اور جج مسلمانوں کو خفت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور کورٹ کے تین ایک چکر کلٹنے کے بعد شوہر پر ناقابل برداشت خرچ کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے، جس کا لینا اور دلوانا سب ناجائز ہے، اس کے باوجود مال طیب سمجھ کر برضائے قلب لیا جاتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ وصول کیا جاتا ہے۔

مذکورہ مفاسد پر نظر کرتے ہوئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں صاحبان کے قول پر فتویٰ دیا جائے، جیسا کہ باب مزارعہ میں بوجہ ضرورت صاحبان کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

كما في الشامي ص ۲۹ ج ۱ في شهادات الفتاوى الخيرية المقرر صدنا انه لا يفتى و  
يعمل الا بقول الامام الاعظم و لا يعدل عنه الى قولهما او قول احدهما او غيرهما الا بضرورة  
كمسالة المزارعة وان صرح المشايخ بان الفتوى على قولهما الخ

لہذا مسئلہ مذکورہ فی سوال میں اگر علماء کا اتفاق ہو جائے تو فتویٰ کے لئے صاحبان کے قول کو اختیار کیا جائے۔

جواب نمبر ۷: سوال ۷ میں ذکر کردہ دونوں شرائط صاحبان کے قول پر معتبر ہیں اور امام صاحب کے یہاں دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہر مسمیٰ لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا، جو مسمیٰ سے متجاوز نہ ہو۔

چونکہ اس مسئلہ میں ضرورت کا تحقق نہیں ہے، اس لئے امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوگا۔

جواب نمبر ۳: موجودہ زمانہ میں عورت کو ملازمت پر باقی رکھنے میں قوانین اسلام کی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے ہونے والا شوہر ایسی غیر مفید شرط کا پابند نہ رہے گا۔ اور ملازمت پر جانے سے عورت کو روک سکتا ہے۔

بحوالہ قواعد فقہیہ ص ۱۸۲ تا ص ۱۲۹

## اشترائط في النكاح كالمسئله

مفتی محمد اسلم

حامدا و مصليا و مسلما

الجواب - عقد نكاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو زواج کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں۔ یعنی مقتضائے عقد کے مطابق ہوتی ہیں، جیسے نفقہ، کسوت، سکنی وغیرہ۔ ان کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ اگرچہ ان کی تصریح نہ کی گئی ہو۔

(۲) جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنی کی شرط، اس قسم کا یہ حکم ہے کہ شرط باطل ہو جائے گی اور نكاح درست ہو جائے گا۔

(۳) "و ما ليس من القسمين" مثلاً دوسری عورت سے نكاح نہ کرنے کی شرط یا دوسرے گھرنے لے جانے کی شرط یا اس جیسی دوسری مباح شرائط، اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے۔

امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نكاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شروط کی اس تیسری نوع کو پورا کرنا قضا۔



ضروری نہیں، البتہ دیانتاً ضروری ہے۔ اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وعدہ کرے تو پورا کرے اور فرمان باری تعالیٰ ”واوفوا بالعہد ان العہد کان مسؤلاً“ کا تقاضا بھی یہی ہے اورس ترمذی ج ۳ ص ۲۱۲،

ان الشروط ثلاثة اصناف ما يوجه الزوج من غير اشتراط كالنفقة لها والسكنى فهذا يجب الايفاء به وان لم يشترط. وما ينافى كتاب الله ونص رسوله فهذا لا يجوز العمل بها وان اشترط. وما ليس من القسمين فهي مباحة اتيانها وتركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط وان لم يشترط لا الكوكب الدرى ج ۲ ص ۲۳۷

(الف)۔ دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً باطل ہے۔

روی عن صلی ابن ابی طالب انه قال شرط الله قبل شرحتها ترمذی شریف ص ۲۱۲، وفی الهدایة شرط قبول الخمر شرط فاسد فیصح النکاح ویلغو الشرط اور اسی کے تحت بین السطور میں مرقوم ہے:

”وكل شرط فاسد لا ينافى العقد هداية ج ۲ ص ۲۳۶ الابراء من النفقة لا يصح الا اذا وجبت بالقضاء او الرضا ومضت مدة فحينئذ يصح الابراء كذا فی البدائع وفی البزازیة انت بری من نفقتی ما دمت امراتک فان لم یفرض القاضی النفقة فالابراء باطل البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۲

اور ”المرأة بین الفقه والقانون“ میں شرط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

شروط باطله لا یحق الوفاء بها. و یكون العقد معها صحیحاً. و ذلك بان یقید عقد الزواج بشرط ینافی نظامه الشرعی. کاشترط عدم المهر. او انفاق الزوجة علی الزوج. او بشرط ینافی مقاصده الشرعیة. کاشترط عدم الاستمتاع الزوجی. او ان یلتزم فیہ ما هو محظور شرعاً کاشترط المرأة ان تسافر وحدها.

فهذا النوع من الشروط باطل. و العقد صحیح. و لا یجوز الوفاء بالشرط. وقد قدمنا ان هذا حکم متفق علیه فی المذاهب الاجتهادیة. و لا نعلم فیہ خلافاً المرأة بین الفقه والقانون ص

جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنی کی شرط، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ شرط باطل ہو جائے گی اور نکاح درست ہو جائے گا۔ اورس ترمذی ج ۳ ص ۲۱۲

تیسری قسم کی شرائط یعنی ایسی شرط لگانا جن کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے یا دوسری فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، جیسے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی شرط یا دوسری جگہ نہ لے جانے کی شرط یا اس جیسی دوسری مباح شرائط۔ اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے۔

امام احمد، امام اسحاق، امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شرط کی اس تیسری نوع کو پورا کرنا قضاء ضروری نہیں، البتہ دیانتاً ضروری ہے۔ اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ وعدہ کرے تو پورا کرے اور فرمان باری تعالیٰ:

”واوفوا بالعہد ان العہد کان مسؤلاً“ کا تقاضا بھی یہی ہے اور سن ترمذی ج ۳ ص ۲۱۷ و ہکذا

فی صمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۲۰

و مالیس من القسمین ای اولین اقبی مباحۃ اتیانہا و ترکہا فہذہ یجب الایفاء بہا اذا

اشترط و ان لم یشرط لا الکوکب الدری ج ۲ ص ۱۲۸

یہاں پر فتاویٰ رحیمیہ کا ایک استفتاء و جواب نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

الاستفسار۔ لڑکی نے اس شرط پر شادی کی کہ وہ لندن نہ آنے گی، لڑکا ہر دو برس چار چھ ماہ کے لئے آجایا کرے۔ شرط کے مطابق ایک مرتبہ آیا۔ اب تین برس ہوئے تاہم وہ نہ آیا۔ نہ آنے کی وجہ لکھ رہا ہے کہ آنے جانے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے وطن میں ملازمت بھی موقوف رہتی ہے، تو اب باوجود شرط قبول کرنے کے وہ لڑکی کو لندن بلانے تو گنجائش ہے؟

جواب۔ ہاں، شرط قبول کرنے کے باوجود عورت کو راضی کر کے بلا سکتا ہے۔ جبر نہیں کر سکتا، لڑکی جاننا نہ چاہے تو خط و کتابت اور خرچ بند کر کے اس کو پریشان کرنا ناجائز ہے۔ حضرت عمر فاروق کا ارشاد ہے:

”اذا تزوج رجل امرأة و شرط لها ان لا یخرجها من مصرها فلیس لہ ان ینخرجہا“ یعنی

جب مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ تو اب عورت کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو نہیں لے جاسکتا۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۳، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شرط جس کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ شرط ہے جس پر نکاح کیا گیا ہو (ترمذی) اگر لندن

جانے میں صحت، عزت اور آبرو و زندگی کے بارے میں کوئی اندیشہ نہ ہو تو عورت کو جانے کے لئے اظہار  
 رضامندی بہتر ہے۔ بلکہ بعض حالات میں جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ فقط (فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۷۹)  
 (ج) اس قسم کا کامین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت  
 ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں) **وفی العالمگیریۃ جعل  
 امرها بیدھا فی تعلیقۃ واحدة بانئذ مطلقا بشرط انه اذا منی شہرا اولہ کذا او اخرہ کذا  
 ولم یؤد الیہا جمیع ما قبل تجلیلہ لہا من صداقہا و هو کذا فانہا تعلق بنفسہا بعد ذلک متی  
 شاءت ابداء واحدة بانئذ و فوض الامر فی ذلک الیہا و انہا قبلت منہ هذا الامر فی مجلس  
 التفویض (صالمگیریۃ ج ۲ ص ۱۷۱)۔**

اور فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ جب عورت کو طلاق کا اختیار دینے کی غرض سے کہا گیا کہ جب تم چھٹی ہونا چاہو  
 تو بچوں کو بددعا دینا تو عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو گیا، جب عورت بچوں کو بددعا دے گی تو چھٹی ہو جائے گی  
 یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی، اگرچہ لفظ "چھٹی ہونا" کنایہ ہے مگر غلبہ استعمال سے صریح کے حکم میں ہے، اس لئے  
 طلاق رجعی واقع ہوگی (فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۷۸)

رہی بات کہ اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض کو ختم کرنا چاہتا  
 ہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس  
 تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے شرائط  
 میں مرد کو غور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کر لینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی و پشیمانی ہوگی، **الحیلۃ  
 الناجزۃ ص ۳۰**

**و ان قال مطلق نفسک فلیس لہ ان یرجع منہ لان فیہ معنی الیمین لانه تعلیق الطلاق  
 بتعلیقہا و الیمین تصرف لازم الہدایۃ ج ۲ ص ۱۳۸۱**

**و لا یملک الزوج الرجوع منہ ای من التفویض بانواعہ الثلاثۃ (الدر المختار ج ۳ ص**

۱۳۳۳

الجواب: نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جاوے، چاہے عین وقت عقد  
 میں زبان سے کہلوالیا جاوے، چاہے بعد میں لکھوالیا جاوے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کی  
 ایک ایک شرط ہے۔



(۱) پہلی صورت میں شرط ہے کہ کاہن نامہ میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (الحیلة الناجزة)۔

شرطہ (ای شرط لزوم التعلیق) الملك كقوله لمكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه (ای الملك) كان نكحتك فانت طالق۔ كذا في تنوير الابصار (شامی ج ۳ ص ۳۲۲)

(۲) دوسری صورت کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کے جانب سے ہو یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (یعنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جاوے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے جواب میں مرد نکاح کے کہ میں نے قبول کر لیا۔ اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و نصیب دیکھے، اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائی کلام (یعنی ایجاب) مرد کے جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جاوے گا اور شرط بالکل بے کار ہو جائے گی۔ خوب سمجھ لو (ماخوذ مع الحذف من الناجزة ص ۲۵)

نكحها على ان امرها بيدها صح . الدر المختار قوله صح مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امرى بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما في البحر من الخلاصة و البرازية (شامی ج ۳ ص ۳۲۹)

(۳) نکاح میں شرط کی تین صورتوں میں سے تیسری صورت کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جاوے، یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

رہا سوال کہ کیا تفویض و اختیار کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے ایسی قیدیں بڑھانی جاسکتی ہیں، جو کہ جائین کے لئے مفید ہوں اور بے جا استعمال کا سد باب کریں تو اس کے جواب میں ”الحیلة الناجزة“ کی عبارت درج

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا اصول کی روشنی میں صحیح نہیں، اس کی چند وجوہات ہیں۔

(۱) غیر مجتہد کے لئے اصولیین کے نزدیک ایک جزئیہ کا قیاس دوسرے جزئیہ پر جائز نہیں، لہذا اس بنا پر قیاس صحیح نہ ہوا جیسا کہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

”و لا یکتفی بوجود نظیرھا مما یقاربھا فانہ لا یامن ان یکون حادثہ و ما وجدہ فرق لا یصل الیہ فہمہ فکم من مسئلۃ فرقوا بینھا و بین نظیرتھا حتی الفواکتب الفروق لذلک  
(رسم المفتی ص ۱۷۹)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث یعنی مشروط بالطلاق کو مہر مشروط باخراجھا عن الوطن پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مقیس کا تعلق قطع نکاح سے ہے جو اشد ہے اور مقیم علیہ کا تعلق قطع نکاح سے نہیں ہے، بلکہ ایک جزئی مسئلہ سے ہے جو اہون ہے، لہذا مقیس علیہ میں تفاوت ہونے کی بنا پر قیاس صحیح نہیں ہے۔

(۳) ارباب متون معتبرہ کے قول کو ارباب شروح کے مقابلے میں اختیار کیا جائے گا بشرطیکہ مشائخ نے اس کے خلاف کو راجح نہ قرار دیا ہو۔

وکل قول فی المتون اثبتا۔ فذلک ترجیح له ضمنا اتی۔ فرحجت علی الشروح و الشروح۔  
صلی الفتاوی القدم من ذات رجوع۔ مالم یکن سواہ لفظا صححھا۔ فالأرجح الذی بہ قد  
صرحہا رسم المفتی ص ۱۸۰

اور یہاں پر مشائخ نے ارباب متون کے قول ہی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اس کے خلاف تصحیح موجود نہیں۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں مرد سے وہ آزادی سلب کرنی لازم آئے گی جو اس کو شریعت نے ودیعت کی ہے، خصوصاً جبکہ یہ معاملہ وعظ و نصیحت سے اور سمجھانے سمجھانے سے سلجھ سکتا ہے اور خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، نیز یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بعض طبائع پر ضابطہ کارگر ہوتا ہے، اسی طرح یا اس سے زیادہ اکثر طبائع پر رابطہ مؤثر ہوتا ہے لہذا ”للاکثر حکم العقل“ کے تقاضے سے بجائے ضابطہ کے ذیل ہے۔

”چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دیدینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تقویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماة فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں معاوضہ مہر سے روپے کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید



بچنے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر دئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بانن دے کر اس نکاح سے طہمگی اختیار کر لی جاوے، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آنے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدید ہے۔

اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اگر اس سے زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو یہ جملہ بھی بڑھالیں " اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں " (یہ سب کچھ حذف و اختصار کے ساتھ " الحیلۃ الناجزۃ کے جزء اول تعویض طلاق بوقت نکاح " سے لیا گیا ہے ص ۷۷-۷۸)

الجواب: طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا تو یہ شرط جائز و معتبر نہیں، طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر مسمی (دس ہزار) ادا کرنے ہوں گے اور طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں لازم العمل نہیں، بلکہ یہ بات صاحبین کے نزدیک ہے۔

رابطہ اختیار کرنا چاہئے۔ نیز شوہر کو اگر کسی ضابطہ یا غلام مہر کے واسطے سے ذہنی طور پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ طلاق واقع نہ کر سکے تو اس صورت میں مفاہمہ کثیرہ کے باب کے کھلنے کا قوی اندیشہ ہے۔ اس میں ایک بات یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا اور یہاں قید و بند کی وجہ سے چھوڑ بھی نہیں سکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عورت پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کرے گا جس کا ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ مجبور ہو کر عورتیں لاعلمی اور کم عقلی کی وجہ سے خودکشی کرنے لگیں گی یا مرد خفیہ قتل کی سازشیں بنائیں گے جو بالخصوص سفلہ اور فاسق و فاجر لوگوں کے یہاں کوئی بعید از امکان نہیں۔

نیز مہر کو اگر قلیل و کثیر دو شق کی طرف دائر کیا گیا تو ظاہر بات ہے کہ شق ثانی یا تو رقم خطیر ہوگی جو مانع طلاق ہے یا رقم خطیر نہیں ہوگی، اگر رقم خطیر نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس شرط کے لگانے سے کوئی حاصل نہیں اور اگر رقم خطیر ہے تو کوئی بعید نہیں کہ سرے ہی سے شوہر نکاح سے رک جائے اس لئے کہ لڑکیوں کی کسرت اور فراوانی کا ہونا ظاہر ہے۔ اس سے نہیں تو کسی اور سے نکاح کر لے گا اس صورت میں وہ لڑکی نفس نکاح سے ہی



مخردم رہی، پھر اس شرط کا کیا حاصل، اور اگر اس نے اس کے باوجود نکاح کا اقدام کر لیا تو وہ مفاسد کثیرہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، اس میں مصلحت اور ضرورت سے زیادہ ان مفاسد سے بچنے کی ضرورت ہے، جو اہم اور اشد ہے۔ اس وجہ سے ظاہر الروایہ سے انحراف کر کے نادر کی طرف جانا، ہمارے خیال میں لاعاصل ہے۔

لہذا ظاہر الروایہ ہی کو اختیار کرتے ہوئے علماء کرام اگر وقت کی نزاکتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی پسند و نصیحت کا دائرہ اور زیادہ وسیع کر دیں تو یہ ہمارے خیال میں قرینہ مصلحت ہوگا، گو وہ اپنے فرض منصبی کو تو ادا کرتے ہی رہتے ہیں۔

الجواب - ۲۔ ایسی صورت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل نہیں ہوں گی، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب مذکورہ بالا سطروں سے معلوم ہوا، لہذا اس صورت میں بھی اگر شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر مہر مثل ہوگا۔

اما الثانية فكان يتزوجها على الف ان اقام بها او على ان لا يتسرى او على ان يطلق حرتها او ان كانت مولاة او ان كانت اصحبية او ثيبا و على الفين ان كان اضدادها فان و قى بالاول او كانت اصحبية و نحوه فلها الالف و الا فمهر المثل لا يزداد على الفين و لا ينقص من الف سند ابى حنيفة وكذا ان قدم شرط الالفين يصح المذكور صندہ افتح القدير ج ۲ ص ۱۲۵۹

الجواب - ۳۔ اس شرط کے متعلق گنگو کرنے سے پہلے عورت کی ملازمت کا شرعی حکم معلوم کر لینا ضروری ہے تاکہ شرط کی حیثیت معلوم ہو جائے۔ لہذا اس سلسلہ میں فتاویٰ رحیمیہ کے ایک استفتاء کا جواب حذف و اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ بے حجاب ہو کر دکان میں بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ تجارت کریں، ان کے مرد تبلیغی جماعت میں جائیں یا حج کو، یا کسی بھی وجہ سے غائب رہیں، بے حجابی اور بے پردگی کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔ قرآن پاک کی آیتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین یعنی جملہ سلف صالحین کی روایات کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے۔ قرآن کی آیات لا تبرجن، دکھائی نہ پھرو۔ سلمنے نہ آؤ و قرن فی بیوتکم گھروں میں قرار سے رہو۔ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ المرأة صورة فاذا خرجت استشرقها الشيطان (ترمذی) ان ہی فتنوں کی بنا پر حکم یہ ہے "لیس لנساء نصیب فی الخروج الا مضطرة" طبرانی

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کو دکان پر بیٹھنے کی، بے پردہ ہونے کی، اور غیر محرم سے باتیں کرنے کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۲۷)

جب عورتوں کی ملازمت کا محظور شرعی ہونا معلوم ہو گیا تو اس شرط کا باطل ہونا بھی معلوم ہو گیا کہ، کیونکہ ہر وہ شرط جو محظور ہو وہ باطل ہے، اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے۔

ان الشروط ثلاثة اصناف ... و ما ينافي كتاب الله و نص رسوله فهذا لا يجوز العمل بها

(الكوكب الدرر ج ۲ ص ۲۳۷)

اور ” المرأة بين الفقه والقانون “ میں شروط باطلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” او ان يلتزم ما هو محظور شرما كاشتراط المرأة ان تسافر و حدها. فهذا النوع من

الشروط باطل - و العقد صحيح - و لا يجوز الوفاء بالشروط وقد قدمنا ان هذا حكم متفق عليه

في المذاهب الاجتهادية و لانعلم فيه خلافا المرأة بين الفقه والقانون ص ۷۸

## اشترائط فی النکاح کا مسئلہ

مفتی ریاست علی قاسمی

مذہب اسلام کے اندر انسانی خواہشات کا غایت درجہ احترام اور لحاظ کیا گیا ہے، اسی وجہ سے نکاح کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے۔ بعض صحابہ کرام نے عبادات اور نوافل میں مشغول ہونے کی خاطر تجل اور عورتوں سے علحدہ رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ نے صاف طریقہ سے منع فرمادیا، اور مذہب حنفی کے اندر تنہی بالنوافل سے نکاح کو افضل قرار دیا گیا اسی وجہ سے نکاح کرنا عام حالات میں مسنون اور حالت توقان میں واجب ہے۔ نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایسا قابل احترام عقد ہے۔ جس کے ذریعہ جائز تعلق استوار ہوتے ہیں اور جہاں سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اسلام کا مطمح نظر یہ ہے کہ رشتہ نکاح پائیدار اور مضبوط رہے، اسی لیے جا بجا قرآن و حدیث میں ایسی ہدایات اور شرائط کا فریقین کو پابند بنایا گیا ہے جس سے رشتہ میں استحکام اور دائمی رفاقت کا بندھن مضبوط سے مضبوط ہو جائے۔ اور زوجین کے عائلی حقوق کا پورا تحفظ ہو سکے۔

### عقد نکاح میں شرط لگانے کا حکم

عقد نکاح کے اندر لگائی جانے والی شروط کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، بعض شرائط مقضائے عقد کے مطابق ہوتی ہیں، بعض شرائط مقضائے عقد کے خلاف ہوتی ہیں۔ مقضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی شرائط فریقین ایک دوسرے پر عائد کریں کہ شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حقوق و فرائض اور ذمہ



داریوں کی ادائیگی فریقین پر ضروری ہو، شرط لگانے سے صرف ان حقوق کی تذکیر اور یاد دہانی مقصود ہوتی ہے، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان و نفقہ اور رہائش وغیرہ شوہر پر لازم ہوگا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ بیوی میرے تمام شرعی حقوق واجبہ ادا کرے گی۔ میرے گھر پر رہے گی، پردہ کے ساتھ رہے گی اور میری اولاد اور گھریلو اشیاء کی مکمل دیکھ بچال کرے گی۔ عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرائط عائد کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ اس سے عقد نکاح کے انعقاد پر شرعاً کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔

مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے پر ایسی شرائط عائد کریں جن کے ذریعہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر مجھ سے صحبت اور مباشرت نہیں کرے گا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہوگی وغیرہ۔ عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرطیں لگانا شرعاً ناجائز ہیں۔ اگر عقد نکاح میں اس قسم کی شرطیں لگادی گئیں تو نکاح شرعاً درست ہو جائے گا، اور شرائط لازم الایفاء نہیں ہوں گی، کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یثبت فی النکاح خیار الرؤیة و العیب و الشرط سوا جعل الخیار

للزوج او للمرأة او لهما ثلاثۃ ایام او اقل او اکثر حتی اذا فعل ذالک فالنکاح جائز و الشروط

باطلۃ ا ج ۱۔ ص ۲۷۳

عقد نکاح میں مذکورہ دونوں قسم کی شرائط کے علاوہ شرائط کا حکم:

بعض شرائط ایسی ہیں جو مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے کسی کے ذمہ میں نہیں آتی ہیں بلکہ مشروط نکاح کی صورت میں فریقین کے اوپر نئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط کی صورت میں عائد نہیں ہوتی ہے۔ اس قسم کی شرائط کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) عقد نکاح سے قبل ہی شرائط طے ہو جائیں اور عقد نکاح کی طرف اضافت نہ کی جائے (۲) عقد نکاح

سے قبل شرائط طے کی جائیں اور نکاح کی طرف اضافت کردی جائے۔ (۳) عقد نکاح سے قبل شرائط مقرر کی جائیں لیکن فریقین کے دستخط عقد نکاح کے وقت کرائے جائیں (۴) عقد نکاح ہی میں شرائط کا تذکرہ ہو ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو (۵) عقد نکاح کے بعد فریقین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں اول الذکر صورت کی شرائط لازم الایفاء نہیں ہیں اور نہ ہی ان شرائط سے عقد نکاح کے بعد کوئی جدید ذمہ داری فریقین پر عائد ہوگی، اور باقی تمام صورتوں میں حسب شرائط نامہ فریقین کے لئے ان شرائط کی جو

مقتضات عقد کے مناسب ہوں پابندی کرنا شرعا لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا عہد ہے اور عہد کی پابندی مسلمان پر لازم ہے، اور حدیث پاک میں اس کو مسلمان کی امتیازی علامت بتلایا گیا ہے اور بد عہدی کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **واوفوا بالعہد** (سورہ بنی اسرائیل) قواعد فقہ میں ہے :

المسلمون عند شروطهم ... فی شرح السیر قال صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون عند شروطهم وقال صمر رضی اللہ عنہ الشرط املک ای یجب الوفاء بہ و تعلق اسباب التحريم بالشرط صحیح كالطلاق والعتاق انتھی وفي صحیح البخاری مقاطع الحقوق عند الشروط اقواص الفقہ ص ۱۷۱

بخاری شریف کتاب الشروط میں ہے ،

قال صمر ان مقاطع الحقوق عند الشروط ولك ما اشترطت البخاری ج ۱ ص ۳۷۲

## عقد نکاح میں عورت کی طرف سے طلاق کے اختیار کی شرط لگانے کا حکم :

اگر عقد نکاح میں عورت شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے طلاق کا اختیار رہے گا اور شوہر اس شرط کو منظور کر لے، یا شوہر ہی صلب عقد میں عورت سے یہ کہہ دے کہ تم کو طلاق دینے کا اختیار ہے، تو اصطلاح فقہ میں اس کو تعویض طلاق کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے اگر فریقین نے صلب عقد کے اندر عورت کے اختیار طلاق کی شرط لگادی ہے، یا عقد نکاح کے بعد عورت کو اختیار طلاق تعویض کیا گیا ہے، یا عقد نکاح سے پہلے شرط لگائی گئی ہے اور اس کی نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہے، مثلاً یہ کہا کہ اگر میرا تجھ سے نکاح ہو جائے یا تو میری بیوی بنے تو تجھ کو طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا تو ایسی صورت میں عورت کو حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا شرعا اختیار حاصل ہے۔ لیکن اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط نامہ بابت اختیار طلاق طے کیا جائے اور اس میں اضافت الی النکاح نہ ہو تو یہ شرط لگانا محض لغو اور کالعدم ہوگا، اور اس کی وجہ سے عورت کو کسی قسم کا اختیار طلاق نہ ہوگا۔

وفي الدر المنختر علی هامش رد المحتار، شرطه الملك حقيقة ... كقوله لمنكوحته او ممتده ؟ ان ذهب فانت طالق او الاضافة اليه ای الملك الحقيقي صاما او خاصا ... كان نكحت امرأة او ان نكحتك فانت طالق ... فلما قوله لا جنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحتها فزارت ج ۲ ص ۵۳۶-۵۳۷ باب التعلیق

وفي الهداية، و اذا اضاف الطلاق الى النكاح وقع صقيب النكاح مثل ان يقول لامرأة ان



تزوجتک فانت طالق . او کل امرأة اتزوجها فہی طالق .. و اذا اضافہ الی شرط وقع صقیب الشرط . مثل ان يقول لا مراۃ ان دخلت الدار فانت طالق .. ولا تصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکاً او یضیفہ الی ملک . فان قال لا جنیبة ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق (ج ۲ ص ۳۶۵) کذا فی الہندیۃ (ج ۱ ص ۲۲۰)

عورت کو تفویض طلاق کی صورت میں مصالح شرعیہ کے ضیاع کا اندیشہ اور اس کا حل:

عورت چونکہ ناقص العقل اور کج فطرت واقع ہوتی ہے اس لیے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دیدنا خطرہ سے خالی نہیں ہے ، اس لیے مناسب یہ ہے کہ بوقت تفویض کوئی مناسب قید لگا دی جائے جس سے اس خطرہ کا سد باب ہو سکے ، مثلاً لڑکی یا لڑکی کا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسراة فلاں کو تمہارے نکاح میں بموضع صر اس شرط پر دیا کہ اگر اس کو تمہاری طرف سے کوئی گزند پہنچے گی جس کو فلاں فلاں ذمہ دار اشخاص تسلیم کر لیں (اس جگہ کم از کم دس ذمہ دار اشخاص کا نام تراضی طرفین سے لکھا جائے) تو اس کے بعد طلاق کا معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بانہ وقوع کر کے طہیجگی اختیار کر لے۔ اس صورت میں یہ اشخاص صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد تفریق ناگزیر ہو تو کرنے کا اختیار ہوگا ، اور عورت کے لئے مناسب یہ ہے کہ اختیار حاصل ہونے کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان سے سوچ سمجھ کر کام کرے ، اور تین امور کا کم از کم التزام کرے اول یہ ہے کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک خاص مدت تک غور و خوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو دوسرے اپنے خیر خواہ لوگوں سے مشورہ کرے ۔ تیسرے سنت کے موافق استحارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے پھر جودل میں آئے اس پر توکلا علی اللہ عمل کرے ۔ اس طریقہ سے تفویض مطلق کی صورت میں پیش آمدہ ممکنہ خطرات سے تحفظ ممکن ہوگا ۔ الحیلة الناجزة جزء ص ۵۳ تفویض طلاق کے مسئلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی کتاب الحیلة الناجزة کے باب - اول بابہ ، تفویض طلاق کو رہنما بنایا جاسکتا ہے ۔

تفویض طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا حکم

اگر شوہر بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کر دے تو پھر شوہر کے لئے اس سے رجوع کرنا درست نہیں ہے ،



البتہ اگر شرائط نامہ میں شوہر رجوع کی بھی شرط لگالے اور طرفین اس کو منظور کر لیں تو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔

وفی الدر المختار صلی ہامش رد المحتار و لا یملک الزوج الرجوع سنہ ای من التفویض  
بانواعه الثلاثہ لمافیہ من معنی التعلیق ج ۲ ص ۵۲۸ وفی رد المحتار قولہ بانواعه الثلاثہ ای  
التحییر و الامر بالید و المشیة ج ۲ ص ۲۸۵

## شوہر کے طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں اختلاف مہر کا حکم

اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس طرح شرط لگادی جائے کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر میں ہزار روپے ہوگا اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار روپے ہوگا، یا اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور منکوحہ کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہر پندرہ ہزار روپے ہوگا، تو اس طرح شرائط عائد کرنے میں نکاح کے انعقاد کے اندر شرعا کوئی شبہ نہیں ہے، مگر مہر کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحبین حسب شرائط نامہ مہر مسمی کے وجوب کے قائل ہیں، اور امام صاحب شرط اول کو پورا کرنے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط اول کو پورا نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں۔ تمام ہی فقہاء کرام نے امام صاحب کے قول کو مفتی بہ اور قابل عمل قرار دیا ہے۔

## کثرت طلاق کی وباء کو روکنے کے لیے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ کثرت طلاق کی وباء عام ہوتی جا رہی ہے، اور عوام الناس معمولی معمولی باتوں پر بلا خوف و خطر طلاق دیتے ہیں۔ جو ایک تشویشناک امر ہے، جس کا سد باب وقت کی اولین اور اہم ضرورت ہے، تو اس سلسلہ میں علماء کرام اور زعماء ملت کی اولاد ذمہ داری یہ ہے کہ معاشرہ کو نکاح کی عظمت و وقعت اور طلاق کی مذمت و قباحت سے روشناس کرائیں، اور اس موضوع سے متعلق قرآن و حدیث کی تصریحات سے عوام الناس کو واقف کرایا جائے تاکہ کثرت طلاق سے رکاوٹ ہو سکے جب معاشرہ اسلامی ہوگا اور نکاح کی عظمت قلوب میں جاگزیں ہوگی تو اس قسم کے امراض قبیحہ سے خود ہی رکاوٹ ہو جائے گی، بصورت دیگر ارباب افساء کی معتدبہ جماعت تمام حالات کی نزاکتوں پر غور کر کے صاحبین کے قول پر بھی فتویٰ دینے کے مجاز ہیں۔

وفى الدر المختار على هامش رذا الحتار نكحها بالف على ان لا يخرجها من البلد او لا يتزوج او نكحها على الف ان اقام بها و على الغين ان اخرجها فان وفى بما شرطه فى الصورة الاولى و اقام بها فى الثانية فلها الالف لرضاها به ... و الا يوف ولم يقم فمهر المثل لغوت رضاها بفوات النفع ولكن لا يزداد المهر فى المسئلة الاخيرة على الغين و لا ينقص من الف لا تفاهما على ذلك ... وقال الشرحان صحيحان ج ۱ ص ۳۲۵-۳۲۶ وهداية ج ۲ ص ۱۳۰۹

وفى الهندية ولو تزوج امرأة على الف ان لم يكن له امرأة و على الغين ان كانت له امرأة او تزوجها على الف ان لم يخرجها من بلدها و على الغين ان اخرجها منها و تزوجها على الف ان كانت مولاة و على الغين ان كانت صربية و ما شبه ذلك فلا شك ان النكاح جائز و اما المهر فالشرط الاول جائز بلا خلاف . فان وقع الوفاء به فلها ما سمي على ذلك الشرط . وان لم يقع الوفاء به فان كان على خلاف ذلك او فعل خلاف ما شرط . فلها مهر مثلها لا ينقص من الاقل و لا يزداد على الاكثر . وهذا قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى . وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى . الشرطان جائزان اهندية ج ۱ ص ۳۰۷-۳۰۸ ، تاتار خانية ج ۳ ص ۱۰۱-۱۰۲

بحر ج ۳ ص ۱۵۹-۱۶۰ فتح القدير ج ۳ ص ۲۳۱-۲۳۲

### عقد نکاح میں عورتوں کی طرف سے اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کی شرط کا حکم

نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عفت و عصمت اور حیا کے ساتھ زندگی گزارنا بھی ہے۔ اگر نکاح کرنے کے بعد بھی عفت و عصمت اور حیا کا لحاظ نہ کیا گیا تو یہ مقاصد نکاح کے خلاف ہوگا۔ اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے میرا شوہر اعلیٰ تعلیم، مثلاً عورتوں کے امراض مخصوصہ کی ماہر ڈاکٹر خاتون ہونا، جو وقت کی ضرورت ہے، اور سرکاری ملازمت سے نہیں روکے گا، تو اگر اس شرط کو پورا کرنے میں بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہو اور شوہر عورت کی عرت و آبرو اور عصمت و عفت کو محفوظ نہ سمجھتا ہو تو یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے اور شوہر کو اس کی خلاف ورزی کرنی چاہیے ورنہ گنہ گار ہوگا اور اگر اعلیٰ تعلیم کے حصول اور سرکاری ملازمت سے وابستہ ہونے کی صورت میں شرعی پردہ اور حیا کا مکمل لحاظ کیا جاتا ہو اور شوہر مطمئن بھی ہو تو اس شرط کو پورا کرنا جائز ہوگا۔

والله سبحانه وتعالى اعلم بالصواب و علمه اتم و احکم اللهم ارنا الحق حقا و ارزقنا

اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه اللهم اهدنا الصراط المستقیم .

## اشترائط في النكاح

(مونا عبد الرحمان، چھاپی)

(۱) پہلی قسم (یعنی ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا وغیرہ) کی شرط لگانے یا نہ لگانے میں شرعا کوئی فرق نہیں ہے دونوں صورتوں میں نکاح صحیح منعقد ہو جائے گا اور شرائط کا پورا کرنا شرعا لازم ہوگا۔ جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے۔

ما یوجبہ الزوج من خیر اشترائط كالنفقة لها و السکنی فهذا یجب الا یفاء به و ان لم

یشترط ۱-۳۳۲

(۲) الف: دوسری قسم (یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا وغیرہ کی شرائط لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر وقت نکاح اس قسم کی شرائط لگادی گئیں تو شرعا نکاح صحیح و منعقد ہو جائے گا اور شرائط باطل و لغو ہو جائیں گی ان کا پورا کرنا لازم و جائز نہیں ہے۔

قال القسطلانی تحت حدیث احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج۔ المراد

شروط لا تنافی مقتضی عقد النکاح بل تكون من مقاصده کشرط العشرة بالمعروف و ان

لا یقتصر شئی من حقوقها اما شرط ینحالف مقتضاه کشرط ان لا یتسری علیها و لا یسافر

بها فلا یجب الوفاء به بل ینفوخ الشروط و یصح النکاح بمهر المثل (بحوالہ امداد الفتاویٰ ۷۔



اور در مختار میں ہے :

ولكن لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط دونه . یعنی لو عقد مع شرط

فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط (شامی ۳۰۳-۵۴)

۱۳۱ ب: تیسری قسم (یعنی نکاح کے وقت ایسے شرائط عائد کرنا جو مذکورہ بالا دونوں قسم کے شرائط کے علاوہ ہوں۔ ان کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا وغیرہ) کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ایسے شرائط کے ساتھ نکاح شرعاً صحیح و منعقد ہو جائے گا، اور جو شرائط مقضیاء عقد یا شرع کے خلاف نہ ہوں ان شرائط کو لگانا صحیح اور پورا کرنا واجب ہوگا، اور جو شرائط مقضیاء عقد کے خلاف ہوں ان کو لگانا صحیح نہیں ہے اور ان کا پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں"۔ "غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہے" (امداد الفتاویٰ ۲-۱۸۷) دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو آبائی وطن سے نہ نکلنے کی شرط پر علامہ زلیعی کتابہ کے مقابلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولنا قوله عليه الصلوة والسلام كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و ليس فيه هذه

الشروط وقال عليه الصلوة والسلام المسلمون منه شروطهم الا شرطاً احل حراماً او حرم

حلالاً و هذه الشروط تحرم الحلال كالتزويج و المسافرة بها و التسرى و نحو ذلك فكانت

مردودة اتبيين الحقائق ۱-۱۲۹

لہذا دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکلنے کی شرط شرعاً لازم الایفاء نہیں

ہے کیونکہ یہ شرطیں شرع کے خلاف ہیں۔ الکو کب الدرر میں ہے :

و ما ينافي كتاب الله و نص رسوله صلى الله عليه وسلم فهذه لا يجوز العمل بها و ان اشترط

(۱-۱۳۳۶)

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں

شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو شرعاً عورت کو طلاق کا اختیار حاصل

ہو جائے گا در مختار میں ہے۔ نکحہا علی ان امرہا بیدھا صح شامی ۳۰۳-۱۳۷۹ اور شوہر کو تفویض طلاق

کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے (الحیلة الناجزة ۳۷) اور در مختار میں ہے :

ولا يملك الزوج الرجوع منه اى من التفويض بانواعه الثلاثة لما فيه من معنى التعليق و

فى رد المختار قوله بانواعه الثلاثة اى التخيير و الامر باليد والمشية اشامى ۳۳۲.۴

### نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

۱۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہو جائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً لکھا جاوے کہ اگر میں فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جاوے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ کما فی الحیلة الناجزة ص ۳۱

۱۲) اگر عقد نکاح میں ہی ان شرائط کو زبانی ذکر کیا جائے تو ان کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے مشروط ہو اور قبول مرد کی جانب سے ہو اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور عورت کی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرائط لگائی گئیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرائط بالکل بے کار و لغو ہوں گی۔ در مختار میں ہے :

نکحها على ان امرها بيدها صح. و فى رد المختار قوله صح مقيد بها اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسى منك على ان امرى بيدي اطلق نفسى كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت. اما بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما فى البحر من الخلاصة و  
البيازية اشامى ۳۲۹.۳

اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو اور شرط تفویض نہ لگائی ہو پھر مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کر دیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی (الحیلة الناجزة ص ۳۳)

۱۳) عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ شوہر سے لکھوایا جاوے تو یہ صورت بھی صحیح و درست ہے (الحیلة

الناجرة ص ۳۳)

تفویض طلاق و اختیار کے بیجا استعمال کے سدباب اور مصلح شرع کی حفاظت کے لئے تفویض کے ساتھ



مزید احتیاط کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے۔

۱۱) طلاق کے قلم استعمال کو روکنا امام ابوحنیفہ کے قول کو اختیار کرنے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلی شرط کے ساتھ کیا گیا ہو اس کا تسمیہ صحیح ہوتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو۔ لہذا جس شرط پر زیادہ مہر مقرر ہو اس کو پہلے ذکر کیا جائے یعنی اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر پچاس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے۔ تو اس صورت میں چونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر میں پہلی شرط معتبر ہے اور شوہر اگر پہلی (یعنی عورت کو طلاق دیتا ہے) شرط پوری کرتا ہے تو عورت (کثیر رقم) مہر مسمی کی حد دار بنے گی اس لئے شوہر کثیر رقم (مہر مسمی) سے بچنے کے لئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا، اس طرح دوسری شرط پائی جائے گی اور عورت کو مہر مثل ملے گا، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے زیادہ نہ ہو۔

وَنَزَّ تَزْوِجَهَا صُلَى الْفِ ان اقام بھا و صلی الغین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف و ان اخرجھا فلھا مہر المثل لا یزاد صلی الغین و لا ینقص من الالف و هذا عند ابی حنیفۃ و قال

الشرطان جمیعا جائزان حتی کان لھا الالف ان اقام بھا و الفان ان اخرجھا ۲۱-۳۲۹)

۱۲) اس صورت میں پہلی شرط معتبر و لازم العمل ہوگی۔ یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو عورت مہر تیس ہزار (مہر مسمی) کی حد دار ہوگی اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی، جو پندرہ ہزار سے کم نہ ہو اور تیس ہزار سے زیادہ بھی نہ ہو (بحوالہ بالا)۔

۱۳) اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا۔ یا اگر آئندہ اس کو کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا۔ ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ شرعا واجب ہے، لہذا اس کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس شرط کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو شرعا نکاح صحیح و منعقد ہو جائے گا، اور شرط باطل و لغو ہو جائے گی اس کا پورا کرنا شوہر کے ذمہ لازم و جائز نہیں ہے اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل واجب ہے ورنہ گنہگار ہوگی۔



## اشترائط في النكاح

مولانا عبد القیوم پالنپوری القاسمی

ایسی شرائط عقد نکاح کے وقت لگانا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے، اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کر دینا، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر رہے گا۔ اس قسم کی شرائط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ عقد نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور اس قسم کی شرائط لگائیں یا نہ لگائیں ہر حال میں ان کا پورا کرنا ضروری رہے گا۔ چنانچہ **العقوب الدرۃ ۱-۳۳۶** پر لکھا ہے :

” ما یوجبہ الزواج من ضیر اشتراط کالنفقة لها والسکنی۔ فهذا یجب الا یفاء به و ان لم یشرط “

جن چیزوں کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے، جیسے بیوی کے لئے نفقہ اور سکنی، پس ان چیزوں کو پورا کرنا ضروری ہے اگرچہ شرط نہ لگائی ہو۔

(الف) نکاح کے وقت ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، (مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ نہیں ہوگا) درست نہیں ہے، اگر اس قسم کی شرائط کے ساتھ کیا گیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ یہ شرائط لغو ہو جائیں گی اور ان کو متعلقہ فریق پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

وفي الدر المختار، ما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد .. القرض والهبة والصدقة و

النكاح ... الخ - و فی الشامیہ اقوله و الذناح اکتزوجتک علی ان لا یكون لك مهر - فیصح النكاح و یبطل الشرط اشامی - ۲ - ۳۱۷ - ۳۱۷ و فی اوجز المسالك ما یبطل الشرط و یبطل العقد مثل ان یشرط ان لا مهر لها - وان لا ینفق علیها - وان لا یطأها - او شرط علی المرأة ان تنفق علیہ او تعطیہ شیئاً - فهذه الشروط كلها باطله و العقد صحیح (اوجز المسالك - ۲ - ۳۱۷)

(ب) اور تیسری قسم (یعنی اوپر مذکورہ شرائط کے علاوہ ایسی شرط لگانا کہ جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو مثلاً مرد اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، وغیرہ) کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرائط کے ساتھ نکاح بھی صحیح و منعقد ہو جاتے گا۔ اور جو شرائط خلاف شرع نہ ہوں ان کو لگانا اور پورا کرنا واجب ہے اور ان میں جو شرائط خلاف شرع ہوں ان کو عقد نکاح میں لگانا جائز نہیں اور ان کو پورا کرنا بھی واجب نہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی نے ایک فتویٰ کے جواب میں لکھا ہے۔ جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں۔ غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہے الخ۔ (امداد الفتاویٰ ۷ - ۷۰۰ اور حضرت مولانا محیی صاحب کاندھلوی حضرت گنگوہی کے درسی افادات "الکوکب الدرہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

و الحاصل ان الشروط ثلثة اصناف - ما یوجبہ الزواج من غیر اشتراط کالتفقتہ لها و السکنی فهذا یجب الایفاء به و ان لم یشرط - وما ینافی کتاب اللہ و نص رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فهذا لا یجوز العمل بها و ان اشترط و ما لیس من القسمین - فہی مباحة اتیانها و ترکها - فهذه یجب الایفاء بها اذا اشترط - و ان لم یشرط لا - (الکوکب الدرہ ۱ - ۳۳۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ شرائط تین قسم پر ہیں۔ اول وہ شرائط جن کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور سکنی۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے، اگرچہ شرط نہ لگائی گئی ہو، اور دوم وہ شرائط جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوں، ان پر عمل جائز نہیں اگرچہ شرط لگائی گئی ہو۔ سوم وہ شرائط جو ان دو قسموں میں سے نہیں ہیں، پس ان کا لگانا اور ترک کرنا دونوں مباح ہیں، پس اگر ان کی شرط لگائی گئی تو پورا کرنا واجب ہے اور اگر ان کی شرط نہیں لگائی تو پورا کرنا واجب نہیں۔

اور تیسری قسم کے شرائط پوری کرنے کی صورت میں شوہر پر مہر مسمی واجب ہوگا، البتہ اگر ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا یا مہر مسمی۔ اس بارے میں تفصیل ہے کہ اگر مہر مسمی مہر مثل کے مساوی یا زیادہ ہے یا مہر مسمی مہر مثل سے کم ہے لیکن عورت یا اس کے ذی رحم محرم کے علاوہ کے لئے منفعت

کی شرط لگائی یا مہر مسمی کم ہے اور عورت کے لئے نقصان کی شرط لگائی ہے تو ان تین صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا۔

كما في البحر، لان المسمى لو كان مثل مهر المثل او اكثر منه و لم يؤف بما وعد فليس لها الا المسمى كذا في حاشية البيان - لو شرط مع المسمى منفعة لاجنبى ولم يؤف - فليس لها - و لا يتخفى ان حكم ما اذا شرط مع المسمى ما يضرها - كالتزوج عليها - انه ليس لها الا المسمى مطلقا بالاولى (البحر الرائق ۳، ۱۷۲)

اور اگر مہر مسمی ہر مثل سے کم ہو اور عورت یا اس کے کسی ذی رحم محرم کے لئے کسی منفعت کی شرط لگائی گئی ہے اور وہ منفعت شوہر کے فعل پر موقوف ہو اور مباح الانتفاع ہو اور اس منفعت کی شرط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

كما في البحر، ان يسمى لها قدرا و مهر مثلها اكثر منه و يشترط منفعة لها او لابيها او لذى رحم محرم منها - فان وفى بما شرط - فلها المسمى - و الا فعهر المثل لانه سمي ما لها فيه نفع - فمتد فواته ينعدم رضاها بالمسمى فيكمل مهر مثلها كما اذا شرط انه لا يخرجها او لا يتزوج صليها وان يكرهها - الخ - البحر الرائق ۳، ۱۷۱

(ج) اس قسم کی شرط لگانا شرعا صحیح اور معتبر ہے۔ اور اس صورت میں عورت کے لئے اختیار ہوگا کہ ان شکلوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کر لے۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اس کو ختم کرنے اور رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے۔

وفي الدر المختار، نكحها على ان امرها بيدها صح - الخ - وفي العالمة كيرية وليس للزوج ان يرجع في ذلك و لا ينهها عما جعل اليها و لا يفسخ (۲۱، ۷۵) وفي الدر المختار - لا يملك الزوج للرجوع منه اى من التفويض بانواعه الثلاثة - قال الشامي (قوله الثالثة) اى التخيير و الامر باليد و المشيئة - اه - الحيلة الناجزة ص ۱۳۷

سوالنامہ میں مذکورہ تینوں صورتوں میں تفویض طلاق درست ہے اور الحیلۃ الناجزۃ دس صفحات میں تینوں صورتوں کے احکام مع شرائط اور مزید احتیاطی قیود کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے۔ جو کافی اور شافی ہے۔ اس لئے اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷-۱) عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے۔ یا اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس



منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں مذکورہ طریقہ سے مہر طے کرنا درست اور معتبر ہے۔ البتہ امام صاحب کے راجح قول کے مطابق شرط دل کے پائے جانے کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ اور شرط ثانی کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کثرت طلاق کے واقعات کو روکنے کا مقصد امام صاحب کے قول پر عمل کرنے میں بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے کہ امام صاحب کے نزدیک اول ذکر کردہ شرط صحیح ہوتی ہے اور بعد میں ذکر کی ہوتی شرط باطل ہوتی ہے، لہذا جس شرط پر کثرت مہر مقرر ہے اس شرط کو شوہر سے پہلے کھلوانی چاہئے اور دوسری شرط بعد میں ذکر کی جائے۔ اس صورت میں شوہر زیادہ مہر سے بچنے کے لئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا۔ اور دوسری شرط پائی جائے گی۔ لہذا عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اور اگر پہلی شرط پائی گئی تو زیادہ مہر عورت کو ملے گی۔

و فی المبسوط ، و لو تزوجها علی الف درهم ان لم یکن لہ امرآة و علی الفی درهم ان کانت لہ امرآة او علی الف درهم ان لم ینخرجها من الکوفة و علی الالفین ان اخرجها او قدم شرط الالفین فی الفصلین۔ فعند ابی حنیفة رحمہ اللہ المذكور او لا صحیح فی الوجهین و الثانی فاسد۔ الخ۔ و انما جوز الشرط الاول دون الثانی لان موجب العقد مع بقائه قد تم بذکر الشرط الاول او استقر بذلك۔ فیذکر الشرط الثانی قصد تفسیر موجب العقد مع بقائه فلا یكون صحیحاً مبسوط ۵-۱۹۰

(۳) ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو اور نہ باپ ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتہ دار ہے جو اس کی معاشی کفالت کر سکے اور نہ خود اس عورت کے پاس اثنا مال ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اس صورت میں عورت کے لئے بقدر ضرورت کسب معاش کے لئے شرعی پردہ کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلنا جائز ہے اگر ایسی صورت حال نہیں ہے تو عورت کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسب معاش و ملازمت کے لئے گھر سے نکلے۔ (فقہی مقالات ص ۲۲۹ مولانا تقی عثمانی)

لہذا اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا۔ یا آئندہ کوئی ملازمت مل گئی تو شوہر منع نہیں کرے گا۔ تو شرعاً ایسی شرائط باطل اور لغو ہوں گی۔ جن کا پورا کرنا شوہر پر جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر شوہر سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو شوہر کے حکم کی تعمیل عورت پر واجب ہے۔

## اشترائط في النكاح

مفتی محمد معزالدین

۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، درست نہیں ہے۔

الف - ۲۔ اسی طرح مرد کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا شرعاً درست نہیں ہے، اور اگر کوئی یہ شرط لگا بھی دے تو وہ قابل ایفاء نہ ہوگی، اور مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہو جائے گا، البتہ شروط فاسدہ باطل ہو جائیں گی "النکاح المؤبد الذی لا توقیت فیہ لا تبطلہ الشرود الفاسدۃ" (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵)

ب - ۳۔ تیسری قسم کی وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں صورتوں میں نہ پائی جاتی ہوں، اگر وہ وقت نکاح ذکر کی جاتی ہیں تو اس سلسلہ میں امر احناف کا اختلاف ہے، صاحبین کے پاس وہ شرطیں بھی قابل ایفاء ہیں، اور امام زفر کے پاس دونوں شرطیں قابل اعتبار نہیں، البتہ نکاح صحیح ہو جائے گا (ہدایہ، عالمگیری وغیرہ)

ج۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کر لے تو یہ صورت شرعاً تعویض طلاق کی ہے جو امر احناف کے نزدیک درست ہے اور عورت کو اس صورت میں ایقاع طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اور اگر شوہر

طلاق کا حق تعویض کرنے کے بعد اس تعویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو شرعا شوہر کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے  
(عالمگیری، جوہرہ، درمختار)

نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تینوں بھی درست ہیں، البتہ ان کی کچھ شرائط ہیں جو ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ مثلاً عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہو جائیں اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں اضافت الی النکاح ہو۔ یعنی اگر فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور حسب ذیل شرائط میں سے کسی ایک کے بھی خلاف کروں تو مسماۃ فلاں بنت فلاں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرے، (اشامی ج ۲ ص ۸۱۳ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۱)

۲۔ عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، عقد نکاح سے پہلے ہی سے شرائط وغیرہ کو طے نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں لازم یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور وہ مشروط ہو تعویض طلاق کے ساتھ تب ہی تعویض صحیح ہوگی ورنہ تو تعویض طلاق صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو لیکن مشروط نہ ہو یا ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور قبول مشروط ہو ہر دو صورتوں میں تعویض طلاق صحیح نہیں ہوگی، (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کی جانب سے کوئی طلاق نامہ تحریر کریں اور اس پر شوہر سے دستخط لے لیں جسے شوہر منظور کرتے ہوئے دستخط کر دے تو یہ تحریر بھی شرعا تعویض طلاق کی ہوگی لیکن اس میں تمام اختیار شوہر کو ہوگا نکاح پہلے صحیح ہو چکا ہے، اب اگر شوہر اس کو تسلیم نہ کرے تو نکاح کے صحیح ہونے پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوگا، لہذا یہ شکل اس عورت کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے جو وقت نکاح شرائط تعویض نکاح نہ لگا سکی ہو۔ چنانچہ اس صورت میں اگر شوہر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اب ان مذکورہ تینوں صورتوں کے اختیار میں چند شرائط و ضوابط کا لحاظ کرنا ضروری ہے تاکہ مصلح نکاح کی حفاظت ہو اور مصلح شرعیہ ضلح نہ ہونے پائیں۔

شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ تحریر میں جو شرائط تحریر کرائے اس کے بارے میں خود بھی غور و خوض کرے اور اہل علم و فہم سے مشورہ کر لے تاکہ بعد میں پریشانی و پشیمانی نہ ہو، چونکہ شوہر کو تعویض طلاق کے بعد اس تعویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا اور تعویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک بن جاتی ہے اس طرح مہر کے معاف کرنے کی شرط کا بھی کابین نامہ بطور خاص تحریر کروادے، (عالمگیری ج ۲ ص ۱۷۵)



اسی طرح عورت اور اس کے ولی یا وکیل کے لئے لازم ہے کہ معلوم کر لے کہ اس کا بین نامہ کی شرائط قانوناً معتبر ہیں یا نہیں، نیز اس کا بین نامہ کی رجسٹری کر لے تاکہ اس کی قانونی حیثیت ہو جائے۔ اسی طرح دونوں خاندانوں کے ان افراد پر بھی لازم ہے جو اس کا بین نامہ کو ترتیب دلوانے والے ہیں کہ وہ جب قاضی صاحب سے یا کسی بھی قاری النکاح سے یہ کا بین نامہ تحریر کرائیں تو اس میں حسب ذیل باتوں کا بطور خاص خیال رکھیں۔

۱۔ جس وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا وکیل و ولی ایجاب کرے، یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماہ فلان کو تمہارے نکاح میں۔ اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی شدید تکلیف پہنچے گی جس کو فلان فلان (اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام بہ اتفاق آراء تحریر کریں) اشخاص میں سے دو تسلیم کر لیں اور طلاق و رضا مناسب سمجھیں۔ یہ دونوں شرطوں کا بڑھادنا ضروری ہے۔

۲۔ اسی طرح تعلق طلاق کی تحریر میں "اگر چاہے کالفاظ استعمال نہ کیا جائے، ورنہ تفویض خاص اسی مجلس کے ساتھ مقید ہو جائے گی، اور مجلس کے ختم ہو جانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق باقی رہے گا اور ایسے ہی جب کبھی چاہے کہ الفاظ بھی استعمال نہ کریں ورنہ ہمیشہ کے لئے حتیٰ کہ اعادہ نکاح کے بعد بھی اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہو جائیں، جب کہ عورت کو ایسا اختیار و رضا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے۔

۳۔ ایسے ہی تعلق طلاق کی جو تحریر ہو اس میں عورت کو جو ایضاً طلاق کا حق دیا جائے اس کو موقت بالوقت کر دینا چاہئے یعنی ایک ماہ یا دو ماہ، جیسے مسماہ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم ہو جانے سے ایک ماہ تک جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے۔

۴۔ نیز تفویض طلاق میں ہمیشہ طلاق بائن لکھوائی جائے، طلاق ثلاثہ کبھی بھی نہ لکھوائی جائے۔

### تفویض طلاق بوقت نکاح

عورت و مرد کے باوقار سمبندہ کو نکاح کہتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے اس سمبندہ کو برقرار رکھنے اور پروان چڑھانے کو باعث اجر عظیم قرار دیا ہے۔ چنانچہ صلہ رحمی ایک بڑی نیکی ہے تو قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حالات میں انسانی معاشرہ کے لئے اصلاحی پہلو کے اعتبار سے اس کو لازم و واجب قرار دیا گیا ہے۔

جب یہ پہلو واضح ہو گیا کہ نکاح کا شریعت اسلامیہ ہی کی نہیں بلکہ دنیا کے تمام صحیح ادیان کی تعلیمات میں بلند مقام ہے اور اس کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تو اس سے یہ بھی بات صاف ہو گئی کہ اس کو ختم کرنا اور سلسلہ مناکحت کو قطع کرنا عام حالات میں کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "ان ابيض المباحات عند الله الحلال" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بابرکت قول سے جہاں طلاق کا عام حالات میں ابيض ہونا معلوم و ظاہر ہو رہا ہے وہیں یہ بات بھی "المباحات" کے لفظ سے معلوم ہو رہی ہے کہ یہ عمل طلاق مخصوص حالات میں مخصوص الفاظ و کلمات کے ذریعہ انجام دینا نہ صرف مباح بلکہ ایک لازمی و لابدی امر بن جاتا ہے، نیز بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کی نیرنگیوں نے اور انسانی طبقہ کی بے ہماری اور خیالات و تفکرات کی آزادی نے پورے انسانی طبقہ اور خاص طور پر اسلامی معاشرہ کو ایسا متاثر کیا ہے کہ وہ بیان سے باہر ہے، چنانچہ یہ صنف نازک جو مرد کے پہلو پہ پہلو رہ کر توہینا بست سے عظیم کارنامے انجام دے سکتی ہے، لیکن جب میاں اور بیوی میں کسی وجہ سے ناچاقی ہو جائے اور دونوں کا مزاج آپس میں میل نہ کھائے تو مرد اس صنف نازک پر ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑتا ہے جو نہ صرف ناقابل برداشت بلکہ ناقابل بیان ہیں، کبھی بے رخی سے پیش آتا ہے تو کبھی زد و کوب کرتا ہے، کبھی نان و نفقہ کے لئے اسے تڑپاتا اور ترسانا ہے تو کبھی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے، اور سالہا سال کے لیے لاپتہ ہو جاتا ہے، اگر اس کا پتہ مل جاتا ہے تو قاضی صاحب کے یا اہل خانہ کے بار بار اصرار پر نہ تو طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلاصی کو منظور کر کے مسئلہ کی یکسوئی کرتا ہے، بعض مرتبہ یتیم بچیوں کا نکاح اس کے چچا یا دوسرے اولیاء مال کی للچ میں یا اس بوجھ کو سر سے جلد اتار پھینکنے کے ارادہ سے کسی نامناسب اور غیر موزوں جگہ پر کر دیتے ہیں جس کو لڑکی ناپسند کرتی ہے، اسی طرح بعض مرتبہ مرد کو جنون یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو جاتا ہے جس سے علیحدگی شرعا لازم ہو جاتی ہے، یہ وہ مسائل ہیں جن سے آج مسلم معاشرہ دوچار ہے جن کا حل تھا اور آج بھی ہے وہ دارالقضاء (شرعی اسلامی عدالت) لیکن ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی، اور اس کے طویل و عریض رقبہ کے اعتبار سے ان دارالقضاؤں کا وجود ناکافی ہے۔ بلکہ بعض علاقے تو ان سے آج بھی خالی ہیں جبکہ مذکورہ مسائل کسی خاص علاقہ یا خطہ ارض سے ہی متعلق نہیں ہیں، اب اگر وہ اپنے نکاح کو فسخ کر دالنے کی غرض سے عدالت میں دعویٰ دائر کرے تو بعض دفعہ غیر مسلم حاکم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعا ناقد نہیں ہوتا ہے اور گاہے گاہے حاکم مسلم ہی فیصلہ کرتا ہے لیکن چونکہ وہ باضابطہ شرعی علوم سے واقف نہیں ہوتا ہے اس لئے شرعی قواعد کا لحاظ کئے بغیر ہی فیصلہ صادر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا فیصلہ قابل اطمینان نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر اس قسم کی تحریر وقت نکاح لکھ کر اس پر زوجین و شاہدین سے دستخطیں کروالی جائیں جس میں طلاق کا اختیار عورت کو بعض شرائط کے ساتھ دیدیا جائے تاکہ وہ ظلم و زیادتی کی صورت میں اس دئے ہوئے طلاق کے حق کو استعمال کر کے شوہر کی مرضی نہ ہوتے ہوئے بھی آزاد ہو سکے۔ چنانچہ اس تحریر کو "کابین نامہ" کہتے ہیں، اور ضرورت کے تحت اس قسم کی تحریر سے کام لینا شرعا جائز ہے۔ بعض



حضرات نے اس کو نکاح معلق میں داخل کر کے اس پر شبہ کیا ہے حالانکہ یہ نکاح معلق ہرگز نہیں ہے بلکہ تعویض معلق ہے اور جو نکاح تعویض معلق سے مشروط ہو وہ نکاح بھی صحیح ہو جاتا ہے اور اس تعویض معلق کی شرط بھی لاگو ہو جاتی ہے جب کہ شوہر نے اسے قبول کر لیا ہو۔

ابتداءً ایک خاص بات کا اس جگہ خیال رکھا جائے، چونکہ عورت ناقص العقل والدین ہوا کرتی ہیں اور اس میں دور اندیشی اور انجام سے بے خبری ایک امر مشاہد ہے اس لئے ایقاع طلاق کو مطلقاً اس کے قبضہ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہوگا اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعویض طلاق میں کوئی قید ایسی لگادی جائے جس سے یہ خطرہ نہ رہے مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا میری مؤکدہ مسماۃ فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں معاوضہ مہر۔۔۔ روپیہ سکہ رنج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلان فلان (اس جگہ تقریباً دس آدمیوں کے نام برتراضی طرفین دونوں خاندانوں کے تحریر کئے جائیں) اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو بالاتفاق مناسب بھی سمجھیں تو اس کے بعد معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا (اس جگہ مرد کے لئے ایک مفید بات یہ ہے کہ وہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے (البحر الرائق) کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کر لے اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہوگا جب کہ وہ دونوں آدمی بالاتفاق تکلیف شدید کو تسلیم کر لیں اور طلاق کو مناسب سمجھیں (المیلۃ الناجزۃ)۔

اب یہ کہ تعویض طلاق کی کتنی اور کیا صورتیں ہو سکتی ہیں تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "المیلۃ الناجزۃ" میں تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

"تعویض طلاق کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نکاح سے قبل کا بن نامہ مع شرائط لکھوایا جائے اور نکاح کے وقت اس پر دستخط لے لئے جاویں، دوسری صورت یہ کہ ضمن وقت عقد زبان سے کہلوایا جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ بعد نکاح ان شرائط کو لکھوا کر بعد میں دستخطیں حاصل کر لی جائیں"

اب پہلی صورت کے مفید اور معتبر ہونے کے لئے اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت ضروری ہے، مثلاً یہ تحریر کیا جائے کہ اگر میں فلان بن فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے اپنے اور طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے، اگر اس میں اضافت نہ ہو تو یہ شرط بے کار و بے فائدہ ہوگی۔

دوسری صورت کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو (چاہے



خود عورت یا اس کا وکیل ولی) عقد نکاح کے وقت تمام شرائط ذکر کرے اور شوہر کی جانب سے قبول ہو۔

ان مذکورہ صورتوں میں آسان صورت جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے وہ صرف پہلی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی ایسی تحریر لکھوائی جائے، البتہ اس میں لازم یہ ہے کہ اضافة الی النکاح ضرور ہونا چاہئے، یعنی یہ الفاظ ضرور لکھوائے جائیں کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرائط کے خلاف کروں۔۔۔ الخ۔ اگر یہ اضافة نہ پائی گئی تو یہ تحریر کالعدم ہوگی۔

اب رہی بات ان شرائط کی جو تحریر میں ذکر کی جائیں تو اس سلسلہ میں اہل فہم و تجربہ کار، نیز قانون دان حضرات سے مشورہ کر لیا جائے، اور ان سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں، اور حسب صراحت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کاہن نامہ کی رجسٹری بھی ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ بعد میں اس کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ بھی موضوع بحث نہ بن سکے۔

## آخری بات

کاہن نامہ کی جو صورتیں ذکر کی گئیں ہیں ان پر عمل ان علاقوں میں جہاں پہلے سے نکاح کے وقت زوجین کو سیاہ جات دئے جاتے ہیں اور نکاح کا باضابطہ رجسٹرڈ ادارے منضبط و منظم ریکارڈ رکھتے ہیں بہت آسان ہے جیسے علاقہ مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ، اور اس کی ضرورت ملک کے ان مقامات پر زیادہ محسوس کی جا رہی ہے جہاں سرے سے دار القضاہ کا کوئی باضابطہ نظم نہیں ہے، البتہ ملک کے وہ علاقے جہاں الحمد للہ دار القضاہ قائم ہیں اور جو اصول شرعیہ کے مطابق مصروف خدمت ہیں عام لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے مسائل جس میں قضاہ قاضی شرط ہے اس کو وہیں لے جائیں، اور قاضی صاحب کے شرعی فیصلوں پر عمل پیرا ہوں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ہر حالت میں شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## اشترائط في النكاح

ذکر قدرت اللہ باقوی

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى اله وصحبه اجمعين اما بعد

النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة المختصر القدوري مع حاشية التنقيح الضروري

ص ۱۷۳ کے تحت :

(الف) سوال نمبر (۱) اور (۲) کا نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بہر کیف عورت کا نفقہ مرد پر واجب

ہو جاتا ہے

(ب) سوال نمبر (۳) ان شرائط سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر لازم الایفاء ہیں۔

(ج) تقویض طلاق سے مصلح شرع ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کے ساتھ احتیاط کے طور پر

مزید شرائط لگائی جاسکتی ہیں تاکہ بیجا تصرف نہ ہو۔

(۱) اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس

ہزار ہے، کے سلسلے میں طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جاسکتا

ہے۔ " لان كل واحد منهما مفيد فيصحان جميعا " شرح وقایة حاشیة الجلبی کتاب

النكاح ص ۱۷۸

(۲) سوال نمبر، دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

استاذ مکر الدراسات الاسلامیہ، مہار کر نائک

(۳) اگر عورت نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی

ملازمت سے نہ روکے گا، یا آئندہ کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ہندوستان

کے موجودہ اقتصادی اور سماجی مصلح کے پیش نظر شوہر کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ اور اگر عورت کی

جملہ ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں، اس پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

## اشترائط في النكاح

مولانا نذر توحید مظاہری ☆

۱۔ عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط جس کا خود عقد مقضی ہو، لگانے سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور جائز ہوگا اور اس شرط کو بطور صراحت شمار کیا جائے گا۔

۲۔ نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے منافی ہو تو شرط باطل اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۳۔ عقد نکاح میں کوئی شرط لگانا جو نہ مقتضائے عقد کے مطابق ہو نہ منافی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، تو ایسی شرط کی پاسداری شوہر پر لازم ہوگی (ہدایۃ ج ۱ ص ۳۷۹)۔

(الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً لغو ہے، اس طرح کی شرط لگانے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ایسی شرط کا ایفاء متعلقہ فریق کے لئے لازم و ضروری نہیں۔

(ب) تیسری قسم کی شرط معتبر ہے لازم الایفاء ہے اور عقد نکاح جائز ہے۔

(ج) عقد نکاح کے وقت عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار مانگتی ہے اور شوہر اس کو تسلیم کر لے تو شرعاً ایسی شرط کو تعویض طلاق کہتے ہیں تعویض طلاق کا مسئلہ حضرت اقدس تھانوی نے اپنی مشہور تالیف الحلیۃ الناجزۃ میں ذکر فرمایا ہے۔ سوال میں مذکورہ تمام شقوں کا تقریباً کافی و شافی جواب اس میں موجود ہے اس سلسلہ میں کاہن نامہ کے مسودے تحریر فرمائے ہیں اور اس رسالہ پر تقریباً تمام علماء کی تصدیقات موجود ہیں اور



مہریں بھی مثبت ہیں، اس زمانہ کی رہنمائی کے لئے مسائل مذکورہ الحیلۃ الناجزۃ کافی ہیں۔ تاہم سوالات کے اجمالاً جوابات عرض ہیں۔

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اس میں شرط یہ ہے کہ اضافت الی النکاح ہو تو وہ تحریر شرعاً معتد

ہوگی (الحیلۃ ص ۳۱)

۲۔ عین عقد کے وقت اگر شرائط ذکر کئے جائیں تو صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط ہو

اور قبول مطلق (الحیلۃ ص ۳۲)

۳۔ عقد نکاح کے بعد بھی ماہین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کی جاسکتی ہیں (الحیلۃ ص ۳۳) ہر صورتوں

کی شرائط و قیودات الحیلۃ میں موجود ہیں۔

۱۔ طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور

بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے سارے خاندان والے اور میاں بیوی متاثر

ہو جاتے ہیں، لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ

اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر ایک لاکھ روپے اور طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپے،

جزئیات فقہ کو دیکھتے ہوئے اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا اور طلاق

کے واقعات کو روکنے کے لئے اس مسئلہ کی نظیر صاحبین کے قول کو فتویٰ کے لئے اختیار کیا جائے۔

۲۔ اگر نکاح کرتے وقت شوہر نے منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس

کا مہر ۳۰ ہزار روپے ہوگا اور نکاح نہ کیا تو پندرہ ہزار روپے ہوگا، اس صورت میں صاحبین کے قول کو اختیار کرتے

ہوئے فتویٰ دیا جائے، اور ان کے قول کے مطابق شریعت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہیں۔

۳۔ عورتوں کا یہ شرط لگانا کہ اسے شوہر ملازمت سے نہ روکے یا آئندہ ملازمت ہو جائے تو نہ روکے اگر

شوہر اس شرط کو قبول بھی کر لیتا ہے تو شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں، عورت کو اگر شوہر اس کے بعد بھی بسلسلہ

ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے منع کرتا ہے تو عورت کو اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، کیونکہ

ملازمت کا اہم مقصد معاوضہ میں رقم حاصل کرنا ہے اور یہ چیز تزویج کے ذریعہ عورت کو حاصل ہے چونکہ نفقہ و

کسوی و مہر شوہر پر لازم ہے اگر شوہر نہ دے تو جبرا بذریعہ عدالت عورت کو حاصل کرنے کا اختیار ہے اس لئے

عورت کو ملازمت کی کوئی حاجت نہیں۔

## اشتراط فی النکاح

مولانا محمد اختر قاسمی

نکاح یعنی رشتہ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے اس کی درستگی پر نظام خانگی کی اجتماعی درستگی کا انحصار ہے۔ نکاح سے مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی نکاح کے ذریعہ سے پاک و صاف باعفت زندگی بسر کریں گے، جانوروں کی طرح شہوت رانی اور جنسی تقاضا پورا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ بیوی کے ساتھ مستقل رہنے سنے، نباہ کرنے، کا ارادہ ہو، فقہانے متعدد شرطیں کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور اس سے انہد کر کے لگائی ہیں، جن کے مجموعہ سے عرف میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور جن کے پائے جانے سے نکاح کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ **ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان صلیما حکیما** (ترجمہ) اور تم پر اس مقدار کے بارے میں جس پر تم (مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد) باہم رضامند ہو جاؤ کوئی حرج نہیں بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑا حکمت والا ہے **سورۃ النساء، الآیۃ ۲۲** اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی مقدار کوئی ایسی شے نہیں ہے جو ایک مرتبہ بندہ جانے کے بعد کسی طرح کی تبدیلی کی متحمل نہ ہو بلکہ میاں بیوی باہم رضامندی سے اسے گھٹا بڑھا سکتے ہیں، یا بالکل معاف بھی کر سکتے ہیں۔

(۷) موجودہ دور میں خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے موجودہ سامان سے آراستہ ہونے کا معاملہ ہے، اور بہت سے فروغی مسائل جن کے لئے نئے قالب کی ضرورت ہے، موجودہ دور کی بہت سی ضرورتیں اور بہت سی خواہشیں ایسی ہیں جن پر فوری توجہ کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وقت کی ضرورت پوری ہو جائے، اگر موجودہ دور میں ان

ضرورتوں کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ ضعیف ہو کر رہ جائے گا (احکام شریعیہ ص ۷۷) حالات و ضروریات کے لحاظ سے فروعی احکام میں اختلاف فقہاء سے اور سلف صالحین کے طریقہ سے ثابت ہے، جیسا کہ صاحب احکام شریعیہ (تجسیرۃ الاحکام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں) **وهذه المبانی والاختلافات کثیرة فی الشرع الخ احکام شریعیہ ص ۱۲۲** ضرورت کی مجبوری کی وجہ سے محدود گنجائش نکلنے میں کوئی حرج نہیں

” فان التکلیف مشروط بالامکان “ کیونکہ شریعت کی تکلیف امکان کے ساتھ مشروط ہے حالات و زمانہ کی رعایت اور عام ایسا کی وجہ سے اور ایسے ہی دور کی تبدیلی سے بہت سے احکام میں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں، جن تبدیلیوں کو قبول کئے بغیر پارہ نہیں، جن مذاہب میں شری حدود کو دخل نہیں وہ بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کر لینے پر تیار ہو جاتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کا حل قوم و وطن کے نام سے کر لیتے ہیں، لیکن جن مذاہب کی تعلیم کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان پر دور کی تبدیلی سے قدم قدم پر نگرانی کی صورت نمودار ہوتی ہے، (احکام شریعیہ) نکاح کے باب میں شریعت نے جس چیز پر زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے بنیادی حقوق پامال نہ ہونے پائیں، اور پر مسرت زندگی میاں بیوی کے درمیان قائم رہے، اور جس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگانی چاہئے، جس کی وجہ سے تصادم اور بغاوت اور نکاح کا مقصود فوت ہو جائے، قرآن مجید اپنے مخصوص لطیف اور بے نظیر پیرایہ میں فرماتا ہے ” **واتوا النساء صدقاتهن نحلة** “ یعنی عورتوں کے مہر خود ان کو خوشی سے دیدو جو تمہاری جانب سے ان کے لئے عطیہ و پیشکش ہیں۔ سنا گیا ہے کہ یورپ کی ازدواجی زندگی میں مہر کا وجود نہیں اور نفقہ کی سنگین ذمہ داری بھی عورت کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے، لیکن اسلام مذہب میں مہر جامع دستور حیات کی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے جو خداوند قدوس نے نوع نوانیت کے لئے بہت بڑا انعام دیا ہے، اگر عورتیں جذبات کی تلخ ہوتی ہیں اور اگر مرد عقل کے تلخ ہوتے ہیں، اگر دیکھا گیا کہ عورتیں ذہنی اعتبار سے نہ صرف مردوں کے برابر بلکہ بعض اوقات ان سے برتر ہوتی ہیں، عورتوں کی کمزوری حد درجہ جلد بانی ہونا، اور مرد کے مقابلہ میں عورت کے شہوانی جذبات بعض اوقات شدید ترین ہو جاتے ہیں ” **الرجال قوامون لى النساء** “ مرد عورتوں کے امور کے انتظام کرنے والے ہیں اور ان کی کفالت کرنے والے اور ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔

(۱) ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ وہ بلا شرط کے بھی ضروری ہیں

اور بعد شرط کے بدرجہ اول ضروری ہیں (فتاویٰ دارالعلوم جدید)۔

(۲) نکاح کے وقت ایسے شرائط لگانا جس کا مقصد نکاح میں خلل ڈالنا ہو تو ان بیسودہ شرائط پر عمل کرنا ضروری

نہیں اور ان پر کار بند نہ ہو، ایسی شرائط کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، شرط باطل ہو جاتی ہے



” لا یبطل بالشروط الفاسدة شامی ج ۲ ص ۳۵۳ “ نکاح میں کوئی فساد اور بطلان نہیں آتا، امداد الفتاویٰ ص ۸۱۱، مشروط نکاح درست ہیں اگرچہ شرائط پورے نہ کرے۔

(۳) جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کو پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کو پورا کرنا واجب نہیں، شوہر پر ان کو دینا پورا کرنا ضروری ہے (یا ایہا الذین اوفوا بالعقود اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو) شوہر پر وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، یہ الگ چیز ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا به الحدیث، اگر شرط عین ایجاب و قبول کے وقت پیش کی گئی اور پیش بھی لڑکی کی جانب سے کی گئی اور خاوند نے منظور کر لیا تو در صورت خلاف ورزی عورت کو اختیار رہے گا۔

اور اگر شرط قبل از نکاح پیش ہوئی یا بوقت نکاح خود شوہر نے پیش کیں اور لڑکی کے اولیاء نے قبول کر لیا تو اس صورت میں خلاف ورزی کرنے پر کسی قسم کی طلاق نہیں پڑے گی

فتاویٰ دارالعلوم قدیم ج ۳ ص ۳۲۵

(ج) عقد نکاح کے وقت طلاق دینے کا اختیار شوہر اپنی عورت کو دیدیتا ہے یا کسی غیر کو دیتا ہے جس کو اختیار دیا ہے اسے اختیار کے استعمال کرنے کا حق ہے کفایت المفتی ج ۲ ص ۳۱۶۔  
اور اگر اپنی عورت کو اختیار دیا ہے تو اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔

و لا یرجع من فوض الملاق الی امراته منہ لان التفویض فیہ معنی الیمین - و الیمین

تصرف لازم فلا یصح رجوعها شرح نقایة ج ۲ ص ۳۲ و ہدایة

اور اگر عورت کے علاوہ کسی تیسرے کے ہاتھ میں اختیار طلاق دیدیا ہے تو اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ والی ضیرھا و یرجع الزوج منہ متی شاء سواہ کان ضررھا او شخصا آخر لانه انما استعان لغيره لیکون التصرف له لا صلیہ فلو الزمناء لحقه الضرر اشرح نقایة ج ۲ ص ۳۲، اس لئے کہ یہ توکیل ہے اور توکیل سے اس کو علاوہ کر سکتا ہے۔

(د) عورتوں پر شوہر کی اطاعت لازم ہے اور وہ عورت کے باہر نکلنے پر اور ملازمت کرنے پر پابندی لگا سکتا ہے اور شوہر پر عورت کا نفقہ اسی وقت لازم ہے جبکہ وہ فرماں برداری کرے اور بغیر اس کے حکم کے گھر سے نہ نکلے، خارجة من بیتہ (شامی باب النفقة ج ۲ ص ۲۶۲) جو عورت بلا کسی حجت شرعیہ کے مرد کی نافرمانی کرے، ساتھ سونا چھوڑ دے یا سخت کلامی کرے یا ستر پردہ اور غیر محارم کے روبرو ہونے میں کہا نہ مانے، یا والدین کے گھر رہنا پسند کرے خاوند کے یہاں نہ آئے، اس عورت کو ناشزہ کہتے ہیں، اس کو نان و نفقہ دینا واجب نہیں

## اشترائط في النكاح

مولوی نوشاد عالم قاسمی

ایسی شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہ ہو بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو تو ایسی شرائط کا لگانے سے اور نہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایسی شرطیں عقد نکاح سے وجود میں آجاتی ہیں، چاہے اس کا تذکرہ ہو یا نہ ہو۔

باب الشروط في النكاح وهي قسمان صحيح و فاسد - فالصحيح نومان احدهما يقتضيه العقد كتسليم المرأة اليه و تمليكه من الاستمتاع بها فهذا الشرط لا يؤثر في العقد وجوده كمدحه الشرح الكبير ج ۷ ص ۱۵۲۶

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگانے جو مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری کے خلاف ہو، مثلاً شوہر نکاح کے وقت یہ شرط لگانے کہ بیوی کا نان نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ ایسی تمام شرطیں باطل ہو جائیں گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔ نیز نکاح کے جو تقاضے ہیں، فریقین پر اس کی تکمیل لازمی ہوگی۔

القسم الثاني ما يبطل الشرط و يصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها - لان تضمن اسقاط حقوق تجب بالمقد قبل انعقاده فلم يصح كمالو اسقط الشفيع شفيعه قبل البيع (مغنی لابن قدامة ج ۷ ص ۲۵۰)

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دونوں صورتوں میں کسی شرط کے دائرے میں نہ آتی ہو، مثلاً بیوی یہ

شرط لگانے کے اس کی موجودگی میں شوہر دوسری شادی نہ کرے گا۔ یا اس کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کا ایسی شرطوں کا بھی شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جس کی تکمیل شوہر پر لازم نہیں

(الشرح الکبیر ج ۷ ص ۵۲۶)

ج۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگانے کے اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا فلاں فلاں شکایں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کر لیتا ہے، تو عورت کو اب طلاق کا حق ہو جائے گا، اور عورت کے اس اختیار کو ختم کرنے کا حق مرد کو نہ ہوگا۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد نکاح کی طرف کی گئی ہو ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا۔

نکحہا علی ان امرہا بییدھا صح۔ مقید بما اذا ابتدات المرأة امالو بیدا الزوج لا تطلق و

لا یصیر الامر بییدھا (شامی ج ۲ ص ۵۲۶)

### نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

اگر عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہو جائے۔ ایسی شرط اس وقت قابل قبول ہوگی جب اس کی نسبت نکاح کی طرف کی جائے اور بوقت نکاح اسکی توثیق کی جائے۔ (در مختار ج ۲ ص

۵۳۶)

دوسری صورت یہ ہے کہ بوقت نکاح شرط لگائی جائے، ایسی شرط کے صحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد کی طرف ہو، نیز اس میں لازمی چیز یہ ہے کہ ایجاب مشروط اور قبول مرد کرے یعنی عورت شرط لگانے اور مرد اس کو قبول کرے۔ ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا (شامی ج ۲ ص ۵۳۶)

عقد نکاح کے بعد طرفین کی طرف سے کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے یہ شرط بھی قابل قبول ہے۔ لیکن چونکہ نکاح ہو چکا ہے شوہر کو تمام اختیارات حاصل ہو چکے ہیں اس لئے کسی بھی شرط کی تکمیل و توثیق کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۲)

لیکن چونکہ عورت جلد باز ہے اس لئے تعویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھانی جائیں جو کہ مفید ہو

اور طلاق کا بے جا تصرف نہ ہو سکے (الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۲-۳۵)



دور حاضر میں عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کوئی مخفی چیز نہیں، اس لئے بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگائی جائے جس سے شوہر کے مظالم میں کمی ہو سکے۔ مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر طلاق دی گئی تو مہر ۱۵ ہزار ورنہ دس ہزار، تو ایسی شرطیں اگر تکمیل کر دی گئیں تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر اس کی تکمیل نہ کی گئی تو پھر صاحبین اور امام ابو حنیفہ کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی مہر مسمی (۱۵ ہزار) ہی لازم ہوگا۔ فقہ کی کتابوں میں اس قسم کا جزئیہ موجود ہے۔ مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر اس کو آبائی وطن میں رکھے گا تو مہر ۱۰ ہزار ورنہ ۱۵ ہزار اسی طرح اور دوسری شرطیں۔

ترجیح جہاں تک احقر کا ناقص خیال ہے کہ صاحبین کے قول کو ہونی چاہئے، کیونکہ وقت و حالات میں تبدیلی اس کی متقاضی ہے، اور ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ مرد کی طرف سے دی جانے والی طلاق کے طوفان میں کمی ہو سکتی ہے۔

ان خالفا ابا حنیفة فی ذالک فان کان اختلافہم اختلاف صبر و زمان کالقضاء بظاہر  
العدالة یاخذ بقول صاحبہ لتغییر احوال الناس فی الزراعة و الماملة و نحوہا یختار  
قولہما لا اجتماع المتأخرین علی ذلک۔ و فیما سوی ذالک قال بعضهم یتخیر المجتہد و یعمل  
بما افضی الیہ رایہ افتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۳)

سوال ۳۔ اگر بوقت نکاح بیوی یہ شرط لگائے کہ نکاح کے بعد اس کو سفر کرنے کا حق ہوگا، یا پھر اور کوئی دوسرے خلاف شرع کام کرنے کی اجازت ہوگی، اور شوہر کو روکنے کا قطعی اختیار نہ ہوگا، جسے شوہر قبول بھی کر لیتا ہے۔ تو یہ شرط بھی فاسد ہے۔ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور ذکر کردہ شرطوں کی تکمیل مرد پر لازم نہ ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

## اقتباسات

تخصص فی الفقہ اور تربیت قضاء و افتاء کے طلبہ کے مقالات سے منتخب حصے

## اشتراط فی النکاح

مولانا محمد شباز عالم ندوی

### نکاح کی ذمہ داریوں کو مشروط کرنا

زوجین کے درمیان رشتہ نکاح کی بنا پر جو ذمہ داریاں طائد ہوتی ہیں اور جس کا ادا کرنا ہر ایک کے ذمہ لازم ہے، شریعت کی جانب سے یہ متعین ہے خواہ نکاح کے وقت ان ذمہ داریوں کا تذکرہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، محض عقد نکاح کی وجہ سے وہ تمام تر ذمہ داریاں ادا کرنا از خود ضروری قرار دی جاتی ہیں، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، خواہ شرط لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو، قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس کی مؤید ہے۔ ارشاد باری ہے ”و

صلی المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف“ (سورة البقرة - ۲۳۳)

محض عقد سے یہ ذمہ داری طائد ہو جاتی ہے جب کہ بیوی اس لائق ہے کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی متمثل ہو، لہذا اگر اس قسم کی ذمہ داریوں کو مشروط کر دیا جائے تو اس کا پورا کرنا جس طرح پہلے ضروری تھا، یہ اب بھی ضروری رہے گا۔ جیسا کہ الفقہ الاسلامی میں ہے۔

ان كان الشرط صحيحاً يلائم مقتضى المقدم ولا ينافي مع احكام الشرع و جب الوفاء به

مثله الشرط الذي تاصر به الشريعة كاشتراطها عليه ان يحسن معاملتها الفقہ الاسلامی و



## فریقین اپنی ذمہ داریوں سے گریز کریں

نکاح ایک معاہدہ ہے، اس کے ذریعہ زوجین میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں اور کچھ فرائض کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، ان میں سے کوئی بھی ان ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے، اس لئے شریعت نے اپنی جانب سے ان ذمہ داریوں کو اس رشتہ کے قائم اور بامقصد بنانے کے لئے ضروری قرار دیا۔

لہذا اگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنا چاہیں تو اس سے آزاد نہیں ہو سکتے، مثلاً شوہر اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ نکاح کے بعد نان و نفقہ کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی اور عورت خود اپنی روزی کا انتظام کرے گی۔ تو اب شرط کے ساتھ مربوط نکاح کو تمام ارکان عقد پائے جانے کی وجہ سے درست قرار دیا جائے اور جو شرط لگائی گئی ہے وہ لغو ہوگی، اس لئے کہ شریعت کی جانب سے عقد نکاح ان ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط ہے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا کہ عقد تو ہو جائے اور نفقہ کی ذمہ داری سے بری ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

رجل تزوج امرأة بالف علی ان لا ینفق علیها و مہر مثلها مائة كان لها الالف و النفقة

افتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۳۰۹

امام نووی نے اس کی مزید وضاحت فرمائی:

”و ان تزوجها بمائہ... او علی ان لا یکسوها و لا ینفق علیها فالنکاح صحیح... و بہ قال

مالک و ابو حنیفہ“ (المجموع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۱۸۔ ”دار الارشاد“)

لہذا جب ایجاب و قبول کی بنا پر عقد درست ہو گیا تو اب اس کے منافی شرائط کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے

گا۔ جیسا کہ عنایہ میں ہے:

”اذا تزوجها بشرط ان لا مہر لها لما بینا ان النکاح عقد انضمام فیتم بالتراضی“

صنایۃ علی الفتح ج ۳ ص ۳۰۲۔ باب المہر

اگر احکام شریعت کے موافق شرائط لگائے گئے تو پورا کرنا درست ہے۔ ورنہ شرط باطل اور عقد درست قرار

پائے گا۔

## نئی ذمہ داری کی شرط لگانا

زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے ایسی شرط لگانا جو نکاح کی ذمہ داری میں سے نہ ہو۔ بلکہ اگر نکاح کے

وقت اس کا تذکرہ نہ ہوتا تو یہ حق حاصل نہ ہوتا۔ اگر اس طرح کی شرط عقد نکاح کے وقت لگائی جائے تو اس سے

نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور نکاح ہو جائے گا۔

لیکن اگر اس میں شریعت کی جانب سے کسی امر مشروع کا انکار لازم آرہا ہے اور اپنے اوپر ایسی چیز کو حرام قرار دینا لازم آرہا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ شریعت کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ہے کہ جس چیز کو مشروع کیا گیا ہو اور بندہ اسے اپنی طرف سے قید و بند لگا کر حرام قرار دے۔ چنانچہ سورہ تحریم میں ہے:

لم تحرم ما احل الله لك اسوة مريم (۱۰)

لہذا ایسی شرطوں سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اس کو پورا کرنا بھی شوہر کے لئے لازم و ضروری نہیں ہوگا۔ امام مالک نے حضرت سعید کی روایت نقل کی ہے۔

” مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب سئل عن امرأة تشتري على زوجها ان لا يخرج بها من بلد فقال سعید بن المسیب يخرج بها ان شاء... وانه ان اشترط الرجل لامرأة وان كان ذلك مندقة النكاح ان لا أثر کم حلیک... و ان ذلك ليس بشئ ” اموطا امام مالک۔ ۱۹۲

صاحب عنایہ نے وضاحت کی ہے کہ امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع کرنا، چونکہ ایک اعتبار سے شریعت سے نکلنا کی صورت پائی جاتی ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہوگا اور عقد نکاح درست ہوگا۔

” فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق المرأة فاسدا لان فيه المنع من الامر المشروع ” اصنیة على الفتح ج ۳ ص ۱۲۱

بعض فقہاء کرام اس کی اجازت دیتے ہیں کہ جب شوہر نے شرط قبول کر لی اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا اپنے آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا تو اب اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ چونکہ نکاح دوسرے عقود کی طرح شرط فاسد سے ختم نہیں ہوتا۔ لہذا جب معاملہ درست ہو گیا تو اس شرط کو بھی درست قرار دیں گے جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو نفع حاصل ہو رہا ہے۔ سید سابق نے لکھا ہے

” و من الشروط ما يمود نفعه و فائدته الى المرأة مثل ان يشترط لها الا يخرجها من دارها او بلدھا او لا يسافر بها او لا يتزوج عليها و نحو ذلك فمن العلماء من رآى ان الزواج صحيح و ان هذه الشروط مغلظة و لا يلزم الزوج الوفاء به. و منهم من ذهب الى وجوب الوفاء بما اشترط للمرأة فان لم يف لها فسخ الزواج. و الاول مذهب ابى حنيفة و الشافعي و اكثر من اهل العلم ” افقه السنة للسيد سابق ج ۲ ص ۱۲۷

لیکن چونکہ اس سے امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع و حرام قرار دینا لازم آرہا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا امام ابو حنیفہ النعمان اور امام شافعی کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اگر کسی امر مشروع کو حرام قرار دینا لازم نہ آتا ہو پھر ایسی شرط کی پابندی میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔





بالغین الا الناشز منهن " ذکرہ ابن المنذر وضمیرہ . وفيه ضرب من العبرة و هو ان المرأة  
محبوسة على الزوج يمنعها من التصرف و الاكتساب فلا بد من ان ينفق عليها كما لمبد مع  
سیده "

و جملة الامر ان المرأة اذا سلمت نفسها الى الزوج على الوجه الواجب عليها . فلها  
عليه جميع حاجتها من مأكول و مشروب و ملبوس و مسكن المبنى . ابن قدامة ج ۷ ص ۱۵۲۳  
ذکر فی الخلاصة قال هشام سالت محمدا من النفقة . قال . النفقة هي الطعام و الكسوة  
و السكنى " قالوا نفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلثة . بالزوجية . و القرابة و الملك .  
ضابط وجوب نفقة کے سلسلے میں ان النفقة جزاء الاحتباس فكل من كان محبوسا بحق  
مقصود لغيره كانت نفقته عليه البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۸

ذکر کئے گئے دلائل قرآن و حدیث و اجماع ہر ایک سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ زوجات کا نفقہ شوہروں پر  
شریعت نے لازم کیا ہے ، لہذا ہر حال میں شوہر پر لازم ہو کر رہے گا . شرط اس کی لگائی جائے یا نہ لگائی جائے ۔

۱۶) نیز انہی دلائل سے قسم ثانی کا جواب ہو جاتا ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس کا  
مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو ، مثلا شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ  
اس کے ذمہ نہیں ہوگا ، یہ ایسی شرط ہے جس سے قرآن و حدیث کے حکم کا تغیر لازم ہوتا ہے اور ہر ایسی شرطیں جو  
اللہ و رسول کے حکم کو بدل ڈالتی ہوں باطل اور فاسد ہیں ، البتہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس پر نفقہ بھی واجب ہوگا ،  
چنانچہ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ج ۲ ص ۱۷۶ - ج ۲ ص ۱۷۷ پر قاعدہ بیان کیا گیا کہ انہی شرطوں کو پورا  
رہنا ہوگا جو تغیر حکم اللہ و رسول نہ ہو ، چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیں " لا یحل ان تشکح امرأة بمطلاق اخری .  
کے تحت عبارت آئی ہے " فتضمن هذا تفسیرا لحکم اللہ ورسوله ، الحاصل عدم وجوب نفقة یا کوئی بھی  
ایسی شرط جس سے شرعا لازم کردہ چیزوں سے گریز ہو فاسد و لغو ہوں گی ، اور نکاح صحیح ہوگا ، اور ایسی چیزوں کا لزوم  
ہی برقرار رہے گا ، جیسا کہ اس جگہ ، کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ رہے گا ۔

تیسری قسم نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں  
ہی آتی ہے اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں  
تا ، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد ہوتی ہو ۔  
لا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے نکال

کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، بلکہ وہیں رکھے گا، یہ تمام شرطیں ایسی ہیں جو مخرج عن الامر المشروع بن رہی ہیں، لہذا یہ تمام شرطیں فاسد ہیں، البتہ نکاح صحیح ہو جائے گا، چونکہ شروط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے، اور وہ شرطیں لازم الایفاء نہیں ہیں۔ الحاصل ان شروط فاسدہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اور نہ یہ لازم الایفاء ہوں گی، بلکہ نکاح اپنی جگہ صحیح و سالم منعقد ہو جائے گا۔

و به قال ابو حنيفة و مالک (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء، ج ۷ ص ۲۲۹۔

ہدایۃ ج ۱ ص ۱۵۱)

## نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں

مولوی محمد شہاب الدین انیس سبیلی ✽

### فریقین کا تقاضہ عقد کے مطابق شرط لگانا

زوجین میں سے کسی نے ایسی شرط لگائی جس سے فریقین پر نئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو، بلکہ عقد نکاح ہی سے وہ حقوق و فرائض فریقین پر لازم ہو جاتے ہوں، یا نئی ذمہ داری تو عائد ہو رہی ہو مگر ان شرائط کو شریعت مقتضیات عقد کے خلاف نہیں سمجھتی ہے، مثلاً شوہر کہتا ہے کہ میں اس شرط پر نکاح کر رہا ہوں کہ میری بیوی کا رہنا سنا میرے ساتھ ہی ہوگا، یا پھر عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کے قیام گاہ کا انتظام شوہر کرے گا، اور اس کا خاوند حسن معاشرت یا اچھا برتاؤ کرے گا، تو متذکرہ تمام شرطوں سے نکاح میں کوئی خرابی نہ آئے گی، اور صورت بالا میں جاہلین سے لگائی گئی شرائط بھی واجب العمل ہوں گی، صاحب فقہ السنہ فرماتے ہیں۔

و من الشروط ما يجب الوفاء بها و هي ما كانت من مقتضيات العقد و مقاصده و لم تتضمن تقييرا لحكم الله و رسوله كاشتراط <sup>العشرة</sup> بالمعروف و الانفاق عليها و كسوتها و سكنها بالمعروف و انه ... لا يقصر في شئ من حقوقها و يقسم لها كغيرها و انها لا تخرج من بيته الا باذن و لا تنشر عليه و الا تصوم تطوعا بغير اذن و لا تاذن في بيته الا باذنه و لا تتصرف في متاعه الا برضاه. و نحو ذلك (فقہ السنہ، ۲۷۰، ۳۷۰، ۲۷۰)

وہ شرطیں جو مقتضیات عقد اور مقاصد نکاح میں داخل ہوں ان کا پورا کرنا واجب ہے، لیکن اس شرط پر کہ وہ



اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہوں، جیسے حسن سلوک، نان و نفقہ اور معقول لباس و پوشاک کی شرط لگانا۔ اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر حقوق زوجیت کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کرے گا، دوسری بیویوں کی طرح اس کے لئے بھی دن متعین کرے گا، اور شوہر یہ شرط لگانے کہ محترمہ گھر سے بلا اجازت باہر نہیں جائے گی، نافرمانی نہیں کرے گی، بلا اجازت نقلی روزے نہیں رکھے گی، کسی اجنبی کو بلا اجازت گھر نہیں بلستے گی، یا یہ شرط لگانا کہ اسی کے مال میں اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرے گی، اسی طرح کی دوسری شرطیں۔

۶۔ فریقین کا متعینات عقد کے خلاف شرط لگانا۔

میاں بیوی عقد نکاح میں باہمی مشورہ سے ایسی شرائط آپس میں طے کر لیں جن میں مذہبی اعتبار سے قباحت پائی جاتی ہو، یا کوئی فریق نکاح کے وقت ایسی شرط لگائے جس کا منشاء اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثال کے طور پر شوہر بیوی کے قیام گاہ کا انتظام اپنے اوپر لینے سے انکار کرے، یا شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ فراہم نہ کرنے کی شرط پر نکاح کرے، تو ان شکلوں میں شوہر کی لگائی ہوئی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا، اور شوہر پر قیام گاہ کا انتظام، نان و نفقہ کی فراہمی لازم ہوگی، کیونکہ صورت مذکورہ میں شوہر اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے گریز کر رہا ہے۔ جب کہ یہ عمل شرعی ہدایات کے سراسر خلاف ہے، ہاں عقد نکاح کی صحت پر اس طرح کی ناقابل اعتناء شرائط کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد نکاح اپنی جگہ بالکل صحیح ہوگا، اور ان شرائط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے غیر ضروری رہے گی، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں۔ الاحکام الفقہیہ - میں شروط نکاح کی بابت یہ عبارت درج ہے۔

فالشروط التي يقضيها العقد كان يشترط خلوها من الموانع الشرعية فانه صحيح

نافذ بطبيعته و اما الشروط التي لا يقضيها العقد فانه تلتى و لا يعمل بها و يصح العقد

(الاحکام الفقہیة ج ۲ ص ۱۳۶)

عقد نکاح کی متقاضی شرائط، جیسے عورت کا شرعی موانعات سے عاری ہونا، تو اس قسم کی شرطیں واجب العمل ہیں، لیکن وہ شرطیں تقاضہ عقد کے خلاف ہوں تو وہ لغو اور ناقابل عمل ہوں گی، مگر نفس عقد درست ہوگا۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے عورت کا مہر متعین نہیں کیا، یا مہر ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عورت شوہر کے عمل پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتی ہے، پھر بھی مہر مثل شوہر کے ذمہ لازم ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ شریعت نے عورت کو مہر معاف کر دینے کا حق مہر کے طے پا جانے یا ثابت ہو جانے کے بعد دیا ہے اور اس شکل میں عقد نکاح کے وقت مہر کا وجوب ہی ساقط ہو رہا ہے، جب کہ نفس مہر کا وجوب فریقین کی اتفاق رائے سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وان لم یسمه او نفاہ فلہا مہر مثلہا لانہا حق الشرع وجوبا۔ وانما یصیر حقہا فی حالة

البقاء فتملک الا برادون النفی (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۰)

اگر شوہر مہر متعین نہ کرے یا مہر دینے سے انکار کر دے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ یہ حق شرعی ہے، ہر حالت میں عورت کا حق ہے، لہذا عورت شوہر کو بری الذمہ کر سکتی ہے، لیکن مہر کی نفی نہیں کر سکتی ہے۔

صورت بالا کے بارے میں فقہ السنہ کے مصنف بڑی وضاحت سے لکھتے ہیں۔

و منها ما لا یجب الوفاء بہ مع صحة العقد و جوبا و هو ما کان منافیا لمتقضى العقد  
کاشترائط ترک الانفاق و الوطأ و کاشترائط ان لا مہر لہا او یعزل صنفها او اشترط ان تنفق علیہ  
او تعطیہ شیئا او لا یكون صندھا فی الاسبوع الا لیلة او شرط لہا النہار دون اللیل فہذہ کلہا  
باطلۃ فی نفسہا لانہا تنافی العقد (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۳۷)

بعض شرطیں ایسی ہیں جن کو عقد کے درست ہونے کے باوجود پورا کرنا واجب نہیں اور اس قسم کی شرائط تقاضہ عقد کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً، نفقہ یا جائز جنسی تعلقات کو قطع کرنے کی شرط عائد کرنا۔ یا شوہر یہ شرط لگائے کہ عورت نکاح کے بدلے کچھ دے گی، یا یہ کہے کہ ہفتہ میں ایک ہی شب بیوی کے پاس قیام کرے گا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں رہے گا، یہ ساری شرطیں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ تمام شرائط تقاضہ عقد کے منافی ہیں۔

ڈاکٹر وہب زحلی زیر بحث مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان الفقہاء اتفقوا علی صحة الشروط التي تلائم مقتضى العقد و علی بطلان الشروط  
التي تنافی المقصود من الزواج او تنحالف احکام الشرعیۃ الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۱۵۹  
فقہاء کرام نے ان شرطوں کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو تقاضہ عقد میں داخل ہیں، اور ان شرائط کو باطل قرار دیا  
ہے جن سے مقاصد نکاح فوت ہوتے ہوں یا مذکورہ شرطیں احکام شریعت کے خلاف ہوں۔

## تیسری قسم کی شرائط کا حکم

اگر زوجین ایسی شرطیں لگائیں جن سے شرعی مصلح کے ضائع ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے، البتہ متذکرہ  
شرطوں کے باعث شوہر بیوی پر ایسی ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہوں کہ غیر مشروط نکاح کی صورت میں ایسی پابندیاں

لازم نہیں آتی ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کرے گا، یا وہ اپنی بیوی کو آبائی وطن سے نہیں لے جائے گا، یا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسفار نہیں کرے گی، مذکورہ تمام صورتوں میں عورت کی شرائط شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں ہیں، شوہر کو بھرپور اختیار ہے وہ چاہے تو بیوی کے مطالبات پورا کرے، یا بیوی کے منشاء کی تکمیل نہ کرے، یعنی بیوی کی عائد کردہ ساری شرطیں شوہر کے لئے ناقابل اعتناء ہوں گی اور نکاح کا انعقاد عمل میں آجائے گا۔

و من الشروط ما يعود نفعه و فائدته الى المرأة ان يشترط لها الا يخرجها من دارها او بلدھا او لا يسافر بها او لا يتزوج عليها ونحو ذلك فمن العلماء قالوا ان الزواج صحيح وان هذه الشروط ملغاة و لا يلزم الزوج و فاء بها و الاول مذهب ابی حنیفة و الشافعی و كثير من اهل العلم اذفقہ السنة ج ۲ ص ۱۲۷

ایسی شرائط جو عورت کے حق میں نفع رساں اور فائدہ بخش ہوں، جیسے عورت یہ شرط لگانے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی، وہ اسی شہر میں رہے گی، وہ اسفار میں شوہر کے ساتھ نہیں جائے گی، شوہر اس کی موجودگی میں نیا نکاح نہیں کرے گا۔ اسی قسم کی اور دوسری شرطیں، تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ عقد نکاح صحیح ہوگا، اور مذکورہ شرطیں لغو قرار دی جائیں گی، شوہر کے لئے یہ شرطیں واجب الایفاء نہیں ہوں گی، یہ مذہب حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور بہت سارے دوسرے مقتدر علماء کرام کا ہے۔



## نکاح میں نفقہ، سکینی اور کسوتہ کی شرط لگانا

مولوی محمد عارف مظہری

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے ہی وہ لازم ہو جاتیں ہیں، ان کے ذکر سے نکاح صحیح ہوگا اور ان شرائط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ نفقہ سکینی اور کسوتہ جیسی ذمہ داریاں خود ہی منجانب شرع شوہر پر لازم ہیں۔ فرمان خداوندی ہے۔

و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف (البقرة - ۲۳۳)

بچے کے والد پر ان کی ماں کا نفقہ اور کسوتہ رواج کے مطابق واجب ہے۔

اور

و اسکنوهن من حیث سکنتن (الطلاق - ۶)

بیویوں کو بھی وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔

اسی نان و نفقہ کے مسئلہ میں اگر عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس پر ماہانہ سو دینار مثلاً بطور نفقہ خرچ کرتا رہے گا، تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایسا نکاح جائز ہوگا، اور عورت کو رواج کے مطابق نفقہ ملے گا۔ (قاضی

خان علی ہامش ہندیۃ ج ۱ ص ۳۳۱ فصل فی النکاح علی الشرط)

## کسی ذمہ داری سے گریز کی شرط

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اس طرح کی شرطوں سے نکاح فاسد نہیں ہوگا اور شرط کا عدم قرار پائے گی، بیوی یا شوہر میں سے کسی نے یہ شرط لگائی کہ مرنے کے بعد ان میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

311

علامہ فخرالدین قاضی خاں فرماتے ہیں۔

رجل تزوج امرأة .. علی ان لا ترثه و لا يرثها جاز النکاح و يتوارثان (حوالہ سابق)

کسی آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ نہ ہی بیوی وارث ہوگی اور نہ وہ بیوی کا وارث ہوگا تو یہ نکاح جائز ہوگا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے

رجل تزوج امرأة بالف علی ان لا ینفق علیها و مہر مثلها مائة كان لها الالف و النفقة

(ہندیہ ج ۱ ص ۳۰۹۔ فصل فی الشرط فی المہر)

کسی آدمی نے ایک عورت سے ایک ہزار مہر پر شادی کی اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفقہ نہیں دے گا اور اس عورت کا مہر سو ہے تو عورت کو مہر کے ایک ہزار اور نفقہ بھی ملے گا۔

اسی طرح شوہر نے اگر یہ شرط لگادی کہ نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہونا چاہئے تو اس طرح کی شرط کے بارے میں صاحب مجمع الانہر شیخ محمد بن سلیمان فرماتے ہیں۔

وکذا مع نفيه ای یصح النکاح مع نفی المہر و یكون النفی لغواً مجمع الانہر ج ۱

## تفویض طلاق کا مسئلہ

مولوی محمد مجتبیٰ مظاہری

جس طرح انسان خود سے یا دوسرے کو وکیل بنا کر عورت کو طلاق دیتا ہے اسی طرح شریعت نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ شوہر عورت کو اپنے اختیار طلاق کا مالک بنا دے، جیسا کہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں۔

لان الزوج مالك لامرها فانها يملكها بهذا اللفظ ما هو مملوك فيصح منه و يلزم حتى

لا يملك الزوج الرجوع منه. المبسوط ج ۲ ص ۲۲۱

اس مسئلہ کے اثبات کے لئے ذیل میں یہاں بھی قائل لایا گیا ہے ان کنتن تردن الحیوة۔ الی سراحا جمیلا کے پیش کرنے میں علماء کا زبردست اختلاف ہے اور قول اصح بھی یہی ہے کہ حدیث میں تفویض کا ذکر نہیں جیسا کہ علامہ زیلیلی نے نصب الرایہ کے ج ۳ ص ۲۳۰ پر اہل فیصلہ فرمایا ہے۔

”وهذا ای اثبات التفویض بهذه الآیة اذیر ظاہر لانه صلیہ السلام لم یخیرها فی ایقاع

الطلاق بنفسها وانما خیرها علی انہا اختارت نفسها احدث لها طلاقا لقوله تعالیٰ فتعالین

امتکن الخ

البتہ از روئے آثار و احادیث و قواعد فقہ اس کا ثبوت بالیقین ہے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق ابن ابی شیبہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لہذا اب یہ اعتراض نہ رہا کہ طلاق کا حق تو شوہر کو ہے تو پھر عورت کی طرف منتقل کیوں



ہو جاتا ہے جو اب واضح ہے کہ ایک اجماعی مسئلہ ہے نیز اس میں عورت کی طرف علی الاطلاق ملک کا انتقال نہیں ہے بلکہ ملکیت میں شرکت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تفویض کے بعد شوہر کو طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے۔

بہر حال یہ تفویض یا تو مطلق طلاق کا اختیار دینا یا شرائط کے ساتھ طلاق کا حق حاصل ہونے کا نام ہے۔ ہر دو شکلیں جائز ہیں۔ آنے والی صورت ثانیہ میں صورت تفویض کا زبان سے کہنا ضروری ہے۔ اور بقیہ دو صورتوں میں کہنے لکھنے دونوں کا اختیار ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ائمہ فقہاء کی عبارات سے تین صورتیں مستفاد ہوتی ہیں کہ یا تو تفویض قبل از نکاح ہوگی یا بوقت عقد یا نکاح کے بعد تفویض کا معاملہ پیش آئے، ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صورت اول اور ثانیہ میں کچھ شرائط و قیود ہیں، مناسب ہے کہ ہر دو صورتوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔

صورت اولیٰ۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ نکاح اگر نہ ہوا ہو لیکن نکاح کی طرف اصناف و نسبت کی جائے مثلاً یہ کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح ہوا تو مطلقاً یا فلاں شرائط کے تحت اسے اختیار حاصل ہوگا۔

چنانچہ شامی میں صراحت ہے

شرطه الملك كقوله لمنكوحته او معتدة ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان

نكحتك فانت طالق فلما قوله لاجنبية (ج ۲ ص ۲۹۲)

یعنی یا تو مفوض الیہا منکوحہ ہو یا نکاح کی طرف نسبت ہو، معلوم ہوا کہ اجنبیہ کو بلا نسبت الی النکاح طلاق کا اختیار دینا صحیح نہیں ہے۔

صورت ثانیہ۔ اس میں شرط یہ ہے کہ اولاً نکاح میں ایجاب من جانب عورت ہو اور اسے جو شرائط لگانی ہو اس کا تذکرہ ایجاب کے ساتھ کرے، بعدہ مرد قبول کرے ورنہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب ہو اور بعد میں لڑکی والے کی جانب سے مطلقاً یا شرائط کے ساتھ تفویض کا تذکرہ ہو تو یہ معتبر نہیں، چنانچہ علامہ شامی نے حاکمی کے قول نکحها ان امرها بیدها پر مذکورہ شرط کا اضافہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

مقید اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك متى ان امری بیدی اطلق نفسي كلما

ارید او صلی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها كما

فی البحر (شامی ج ۲ ص ۲۸۵)

البتہ اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہو جس میں تفویض کا تذکرہ نہ ہوا ہو اور مرد نے اپنی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض کی زیادتی کر دی تب بھی یہ تفویض صحیح ہوگی۔

صورت ثالثہ۔ بعد النکاح تفویض کے سلسلہ میں کوئی شرط نہیں ہے بالکل درست ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ صورت اولیٰ پر حضرت علیؑ و ابن عمر وغیرہ کی روایت " لا طلاق قبل النکاح " ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۲۸۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۲۰۔ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۵۲۔ نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۲۰ سے اشکال نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اس صورت میں اگرچہ قبل النکاح طلاق کے واقع ہونے کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ ملاحظی لے فرمایا ہے۔

انیا محمولة علی نفی التخییر لانه هو الطلاق اما المعلق به فلیس به (مرقات ج ۲ ص ۲۷۷)

**ضروری نوٹ۔** فقہاء امت نے اپنے خدا داد بصیرت کے تحت ہر دو فریق کی رعایت فرمائی ہے جہاں مرد کا لحاظ کیا وہاں ہی اپنی عورت کی حاجت روائی فرمائی کہ وہ شوہر کی بے جا ظالمانہ زیادتی اور وحشیانہ برتاؤ کی بنیاد پر فسح عند القضاء حاصل کرتے ہوئے گلو خلاصی کر سکتی ہے تاکہ بلاوجہ مظلومانہ حیات سے نجات حاصل ہو۔ لیکن بایں ہر عورت کو بھی علی الاطلاق اس چیز کی اجازت نہ دینے کو بیان فرمایا جس کی صورت یہ ہے کہ عند التفویض کوئی پابندیاں ہو ورنہ اپنے نفسیاتی جذبات کے تحت معمولی معمولی بات پر تفریق کر لے گی جس سے مقصد شرع انسداد طلاق کا قلعہ قمع ہو جائے گا۔ لہذا تفویض میں مناسب قیودات کا ضرور اضافہ ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ عورت کو فلاں فلاں تکلیف پہنچنے پر طلاق کا اختیار رہے گا جس کی مصیبت و تکلیف ہونے کی گواہی فلاں فلاں کم از کم دو آدمی دیں تو ایسی صورت میں عورت اپنی مظلومیت سے بھی محفوظ رہے گی اور انسداد طلاق کا مقصد شرعی بھی برقرار رہے گا۔ اسی لئے حضرت تھانوی نے المیلۃ الناجزۃ کے صفحہ ۳۵ پر مستقلاً ضروری مشورہ کا عنوان قائم فرمایا۔ جس کا اپنا ازا صد ضروری ہے۔

اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ متعدد آدمیوں کی مشیت پر معاملہ کو چھوڑنے میں کوئی مرج نہیں ہے۔ شرعاً اس کی اجازت ہے چنانچہ بزازیہ میں ایک مسئلہ تحریر ہے تزوج امراتہ انشاءت و شاء فلان فابطل فلان المشینۃ فی المجلس "ابزازیۃ ج ۲ ص ۱۱۵۳" اس کی نظیر ہو سکتی ہے، اخیراً یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ عورت سے احتیاط و نادمہ کے لئے اول دو صورتیں بہ نسبت تیسری صورت کے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ صورت ثالثہ میں بعد النکاح معاملہ ہونے سے شوہر پر کسی قسم کا تفویض کے لئے دباؤ نہیں ہو سکتا، بلکہ معاملہ اس کی رضامندی پر طے ہوتا ہے، برخلاف پہلی دو صورتوں کے، اسی لئے فقہ میں اول دو صورتوں کے اکتفا کرنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ عورت کو خوف ہے کہ شوہر بعد النکاح طلاق کا اختیار نہیں دے گا تو اسے چاہئے کہ نکاح ہی میں اس طرح کا ایجاب کر لے کہ تفویض پر مشتمل ہو۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

"اذا خافت المرأة انه اذا تزوجها لا یجمل الامر بیدها بعد التزوج تقول زوجت نفسي منك بهذا علی ان امری بیدی اطلق نفسي منك متى شئت كلما ضربتني بغیر جنایۃ او تزوجت علی اخری او تسربت او ضبت منی سنۃ ابزازیۃ ج ۲ ص ۱۲۳"

## آشتراط فی النکاح

مولوی مجاہد الاسلام قاسمی ✽

۱۱) وہ شروط جو بالاتفاق مقتضیات عقد میں سے ہوں مثال کے طور پر عورت

کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ اس کا نان نفقہ کپڑا اور مکان وغیرہ شوہر کے ذمہ ہوگا ان  
شروط کا ایفاء شوہر کے ذمہ بالاتفاق واجب ہوگا، چنانچہ فقہ السنہ میں ہے۔

بعض شرطیں وہ ہیں جن کا ایفاء شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے یہ شرطیں ہیں  
جو مقتضیات عقد میں سے ہوں اور اس طرح کی شرطیں لگانا، کتاب اللہ اور  
سنت رسول کے خلاف نہ ہوں گی جیسے عورت کی طرف سے اچھا



ملوک، نفقہ مکان اور کپڑا کی شرطیں لگائی جائیں اسی طرح یہ شرط لگائی جائے کہ شوہر اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا اس کا مال منیر کی طرح بے دریغ تقسیم نہیں کرے گا، اسی طرح شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ عورت بدون اس کی اجازت گھر سے نہیں نکلے گی، اس کے سامنے نازیبا حرکت نہیں کرے گی، نفلی روزہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی، اور اس کی رضاء کے بغیر اس کے مال میں بے جا تصرف نہیں کرے گی اور اسی طرح کی دوسری شرط لگائے، فقہ السنۃ ج ۲ ص ۱۲۶

اس طرح کی شرائط کی پابندی فریقین میں سے ہر ایک کو لازم ہوگی جیسا کہ فقہ السنۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، نیز قرآن میں ہے -

(ولهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف) لینفق ذو سعة من سعته (الآیۃ ۱)

”اور ان کے لئے تم پر عمدہ کھانا اور اچھا کپڑا فرض ہے، چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق“ (۷) وہ شرط جو عقد کے منافی ہوں جیسے شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہ ہوگا، اسی طرح عورت کا شرط لگانا کہ شوہر سوتن کو طلاق دیدے، اس طرح کے شرطوں کی پابندی فریقین میں سے کسی پر واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس طرح کی شرط لگانا باطل ہے، لیکن نکاح صحیح ہو جائے گا اس کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ زحیلی رقمطراز ہیں -

شرط باطلہ کا ایفاء صحیح نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ نکاح صحیح ہو جائے گا اور وہ شرط یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے ایسی قید لگائی جائے کہ جو نظام شرعی کے منافی ہو جیسے عدم مہر یا انفاق کی شرط لگانا، الفقہ الاسلامی

للزحیلی ج ۱ ص ۱۲۶

نیز سید سابق لکھتے ہیں:

بعض وہ شرط ہے جس کی تکمیل واجب نہیں ہوتی ہے لیکن عقد صحیح ہو جاتا ہے اور وہ شرط عقد کے منافی ہوتا ہے جیسے ترک انفاق اور عدم دلہی کی شرط لگانا، اور اسی طرح عورت کے لئے مہر نہ ہونے کی شرط لگانا، پس یہ تمام شرطیں باطل ہیں اس لئے کہ یہ عقد کے منافی ہیں، اور اس لئے بھی کہ یہ شرطیں عقد کے ذریعے واجب ہونے والے حقوق کے اسقاط کو لازم ہوتی ہیں انعقاد عقد سے پہلے، لہذا صحیح نہیں بہر حال عقد فی نفسہ صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ ان شرطوں کی وجہ سے عقد نکاح میں ایک امر زائد کا اضافہ ہوتا ہے جس کا بیان کرنا ضروری بھی نہیں اور نہ ہی اس کی جہالت مضر ہے، لہذا نکاح باطل نہیں ہوگا جیسا کہ نکاح میں حرام چیز کی تعیین مبطل نکاح نہیں (فقہ

السنۃ ج ۲ ص ۲۷۰۔ المصنی لابن قدامة ج ۱ ص ۷۲۔ الروض المربع ص ۲۲۱)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ شوہر کا شرط لگانا عدم انفاق اور مہر کا صحیح نہیں ہے۔  
نیز قرآن میں ہے،

”ولهن من رزقهن و کسوتهن بالمعروف“ یعنی ذو سعة من سعة رزقهن و ابتهوا باموالکم

(آیات)

اور تم پر ان کے لئے اچھا کھانا اچھا کپڑا لازم ہے، چاہنے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور مالوں کے ذریعہ تلاش کرو۔

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر اور نفقہ واجب ہوتا ہے اس لئے عدم انفاق اور مہر کی شرط لگانا درست نہ ہوگی، اسی طرح عورت کے لئے جائز نہیں کہ سوتن کے طلاق کی شرط لگائے چنانچہ اس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لامرأة تسأل طلاقاً اختها

لتستفرغ صحفتها فانما لها قدر لها (فتح الباری ج ۹ ص ۲۶۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنی بہن کے طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کا پیالہ خالی ہو جائے حالانکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے

لا تشترط المرأة طلاقاً اختها

عورت بوقت نکاح اپنی بہن کے طلاق کی شرط نہ لگائے۔

۱۳۱) کچھ شرطیں ایسی ہیں جو صرف عورت کے حق میں ہیں، جیسے عورت کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ اس کا شوہر اس کے گھر یا اس کے شہر سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرے گا، یا عورت کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جائے گا، اسی طرح یہ شرط لگانا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا، ان شرطوں کے پورا کرنے کے بارے میں فقہاء کے یہاں قدرے اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، شافعی) کے یہاں اس قسم کی شرطیں لگانے سے نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر ان شرطوں کے پورا کرنے کا پابند نہیں ہوگا، بلکہ یہ شرطیں ختم ہو جائیں گی، ان حضرات کی دلیل رسول اللہ کا فرمان ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلمون علی شروطہم الا شرطاً احل حراماً

او حرم حلالاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے شروط (پابند) پر ہوتے ہیں مگر ایسی شرط نہ ہو جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔

اس لئے ایسی شرط لگانا درست نہیں نیز آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة ا ماخوذ فقه السنة ج ۲ ص ۲۷۷۔

حلیۃ العلماء ج ۲ ص ۱۲۲۹

جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے گرچہ سو ہی کیوں نہ۔

امام احمد وغیرہ کے یہاں شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، ان کا مستدل عقبہ بن عامر کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احق الشروط ان یوفی بہ ما استحلتم بہ

### الفروج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرطوں میں سے زیادہ ایفاء کے قابل وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تمہارے لئے فرج حلال ہو۔

جواب: حدیث میں وہ شروط مراد ہیں جو مقتضائے عقد میں سے ہیں، چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں۔

امام شافعی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث معمول ہے ایسی شرطوں پر جو مقتضائے نکاح کے منافی نہیں بلکہ مقتضیات عقد میں سے ہیں جیسے اچھا سلوک اور نفقہ، شرط لگانا، صون المعبود ج ۷ ص ۱۷۶، فتوح

الباری ج ۹ ص ۱۲۱۸



## تفویض طلاق کا حکم

مولوی احمد نادر القاسمی

تفویض طلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اگر عورت کو کسی طرح کی تکلیف دی گئی یا اس کو نفقہ وقت پر ادا نہیں کیا وغیرہ اور شوہر اس کو عقد کے وقت تسلیم کر لے تو کتب فقہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ تفویض درست ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں عند النکاح لگائی گئی شرط کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ فخر الدین قاضی خاں نقل کرتے ہیں۔

فقہ ابو للیث کہتے ہیں کہ جب شوہر کی جانب سے ابتدا ہوئی اور کہا میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے تو واقع نہ ہوگی اور اگر عورت نے ابتدا کیا اور اس طرح کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر کہ طلاق والی ہوں یا میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی طلاق واقع کر لوں گی اور شوہر نے اسے قبول کر لیا تو نکاح جائز ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اس لئے کہ ابتدا اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق اور تفویض دونوں نکاح سے قبل ہوں گے لہذا یہ درست نہ ہوگا اور اگر اجواء عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد قرار پائے گی اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب شامل ہے اس چیز کے اعادہ کو جو سوال کے اندر ہے تو گویا شوہر کا قول ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ وہ کہے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے یا ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے

باتھ میں ہے تو گویا تقویض نکاح کے بعد کی گئی " (خانیۃ ہامش علی الہندیۃ - ج ۱ ص ۱۳۲۹)

## تقویض طلاق سے رجوع

فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طلاق کا حق اپنی بیوی کو سپرد کر دے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ بیوی کو حق تقویض کے استعمال سے روک دے فقہ کی تمام متداول کتابوں میں یہ مضمون ملتا ہے۔

شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے رجوع کر لے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ حق جو اس نے بیوی کی جانب سپرد کیا ہے اس کے کرنے سے روک دے اور نہ اس کو فسخ کر سکتا ہے (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۲۸۷)

شوہر اس بات کا مالک نہیں ہے کہ تقویض کے انواع ثلاثہ اختیار، امر بالید اور مشینۃ سے رجوع کر لے اور مختار ج ۱ ص ۳۲۷ - شامی ج ۳ ص ۱۳۳۲

علامہ کاسانی اس بحث میں تفصیل سے کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

تقویض یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے شوہر کی جانب سے یہاں تک کہ اس سے رجوع کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی عورت کو اس سے روک سکتا ہے جس کو اس نے اس کی طرف سونپا ہے اور نہ ہی فسخ کر سکتا ہے کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنایا ہے اور ضابطہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کسی چیز کا مالک بنا دیتا ہے تو اس چیز پر سے اس کی ولایت ختم ہو جاتی ہے، لہذا نہیں باطل کر سکتا ہے اس کو رجوع کے ذریعہ، عورت کو روکنے کے ذریعہ اور فسخ کے ذریعہ، اس لئے کہ طلاق وجود میں آنے کے بعد رجوع کا احتمال نہیں رکھتی اور نہ فسخ کا، اسی طرح اس کے واجب کرنے کے بعد بھی رجوع کا احتمال نہیں رکھتی (بدائع ج ۳ ص ۱۱۳)

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ شوہر نکاح کے وقت طلاق کا حق تقویض کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کو اس طلاق سے رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے۔

## نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں

۱) عقد نکاح سے قبل شرائط نامہ تحریر ہو جائے جس پر جانہین کے دستخط ہوں۔

جس وقت شرائط نامہ عقد نکاح سے قبل تحریر کیا جائے اس وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس لڑکی سے نکاح ہو رہا ہو اس عاقدہ کی جانب نکاح کی نسبت نام کی صراحت کے ساتھ ہو۔ اس طرح کہ اگر میں فلاں بنت

فلان سے نکاح کروں اور مثلاً اس کو کسی طرح کی اذیت دوں تو اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کر کے میرے نکاح سے الگ ہو جانے کا پورا اختیار ہوگا، اگر اس شرائط نامہ پر اس عاقدہ کی جانب اضافت نہ کی گئی تو اس شرائط نامہ کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے۔

اور تعلق کے لئے شرط ہے کہ ملکیت ہو خواہ حقیقت میں ہو مثلاً معق کا قول اگر میں نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے یا حکما ہو جیسے کسی شخص کا قول اپنی منکوحہ کے بارے میں یا ممتہ کے بارے میں اگر تو گئی تو تو طلاق والی ہے یا ملکیت کی طرف اضافت ہو خواہ اضافت عام ہو یا خاص، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ اگر میں غلام کا مالک ہوا تو آزاد ہے یا معین غلام کے بارے میں کہے کہ اگر میں مالک ہو جاؤں اس غلام کا تو آزاد ہے اور مختار ج ۱ ص ۱۲۳۹ ان شرائط میں سے ایک ملک یا علاقہ ملک کا ہونا ہے لہذا درست نہیں ہے طلاق مگر ملک میں یا ملکیت کے علاقوں میں سے کسی علاقہ میں، مثلاً عورت کا عدت طلاق میں ہونا، یا ملکیت کی طرف اضافت کا ہونا، ضروری ہے طلاق کو معلق کرنے کے لئے۔ یا تعویض کے لئے (بدائع ج ۳ ص ۱۱۲۲)

۱۲) **شرائط طے ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب بیسی میں تمام شرائط جو لگانے ہوں اسے ذکر کر دیا جائے اور ابتداء (ایجاب مشروط) عورت کی جانب سے ہو اور مرد تمام شرائط کے ساتھ اسے قبول کر لے یہ صورت بھی شرعاً درست اور معتبر ہے اور نکاح کے بعد معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا۔ جب چاہے گی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کر سکے گی، ابن نجیم مصری فرماتے ہیں۔**

اگر عورت نے ابتداء کیا اور کہا میں نے تم سے شادی کی اس شرط پر کہ میں طلاق والی ہوں یا یہ کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں گی۔ شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ (بحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۱۸)

۱۳) **شرائط طے ہونے کی تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کیا جائے اس طرح کہ عورت کو کوئی تکلیف دی گئی یا اس کی موجودگی میں شوہر نے دوسرا نکاح کیا یا بغیر جرم اس کی ناحق پٹائی کی گئی تو عورت کو اس وقت یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کر کے شوہر سے خلاصی حاصل کر لے تو یہ شرط بعد النکاح بھی درست اور شرعاً معتبر ہوگی۔ اور ان تمام شکلوں میں عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لے، ابن نجیم جامع الفصولین سے نقل کرتے ہیں۔**

اور جامع الفصولین میں ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیری موجودگی میں شادی کروں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں اور تیرے سپرد ہوگا، پھر عورت نے اپنے شوہر کے خلاف دعویٰ کر دیا کہ فلان عورت جو حاضر ہے



اس سے تو نے شادی کی ہے اور حاضرہ بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ ہاں میں نے اس سے شادی کی ہے اور شاہد بھی اس نکاح کی شہادت دیدیں تو معاملہ اس عورت کے ہاتھ میں ہوگا (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹)

### جانہین کے لئے کچھ مفید قیدیں

نکاح کے شرائط ناموں میں مزید کچھ ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو جانہین کی ازدواجی اور عائلی زندگی میں استحکام پیدا کریں مثلاً نکاح کے شرائط نامہ میں جانہین کے کم از کم دس افراد جو باوثوق اور اہل علم ہوں کے نام اور ان کے دستخط ۱۰ اسی طرح یہ قید بھی شرائط نامہ میں بڑھادی جائے (جس وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی نوبت آن پڑے) کہ ان دس حضرات میں سے جو حضرات اس وقت موجود ہوں اور وہ عورت کے حق میں طلاق کو مناسب سمجھیں تب عورت کو شرائط کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا وغیرہ۔ اس بارے میں قرآن کریم کی اس آیت سے مدد لی جاسکتی ہے۔

### حکامنا اھلہ و

وان ختفم شقاق بینہما فابمشوا حکما من اھلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما ان اللہ

کان علیہا خبیرا (پارہ ۱۵)

### کیا تفویض طلاق سے مصالح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ہے؟

یہ بات تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ عورت نفسیاتی طور پر جلد باز ہے جس کی وجہ سے الجھن میں بہت جلد آجاتی ہے اس لئے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے شوہر کوئی ایسی شرط لگا سکتا ہے جس سے عورت خوف کرے اور طلاق واقع کرنے میں عجلت سے کام نہ لے مثلاً مرد یہ شرط لگا دے کہ عورت اس شرط پر اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے جب سارا مہر معاف کر دے اس طرح کی قید سے ضیاع کے اندیشہ کا سد باب ممکن ہے۔ ابن نجیم لکھتے ہیں:

اگر شرط لگایا شوہر نے کہ تین طلاق واقع کرنے کا حق تم کو ہے اگر تم اپنے مہر سے مجھ کو بری کر دو، اگر وہ لڑکی کھڑی ہوگئی اس مجلس سے تو اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا اور اگر واقع کیا طلاق مجلس میں اور اس نے مہر سے برات کو مقدم کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر بری نہیں کیا مہر سے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ طلاق واقع

کرنے کا وکیل شوہر نے برات کی شرط لے بنایا ہے (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹)

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں تاکہ مصالح شرع پر کنٹرول رہے۔

## تفویض طلاق اور احتیاطی قیودات

مولوی عبد القادر قاسمی

عقد نکاح کے وقت عورت کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی شرط لگانا

عقد نکاح کو وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم بھی کر لے تو یہ شرط شرعا معتبر ہوگی اور اس تسلیم کی وجہ سے شوہر کا حق طلاق ختم ہو کر بیوی کو مل جائے گا اور شرعا شوہر کو کچھ بھی حق طلاق نہ ہوگا۔

” واذا اشترمت المرأة لنفسها في عقد النكاح مقدا للطلاق - اي حقها في تطليق نفسها من زوجها فالنكاح صحيح و الشرط جائز - بهذا قال المجيزون بشروط القسم الاول التي ذكرناها و منهم الحنابلة و كذلك قال بجواز هذا الشرط الحنفية - ولكن بشرط ان يكون اشتراط هذا الشرط بالصيغة الصحيحة - وهي ماياتي - ” او هو هذا ” و اذا قالت المرأة في ايجابها ” زوجت نفسي على ان يكون امرى بيدي - اطلق نفسي كلما شئت - او متى شئت فقال الرجل في قبوله - قبلت - فالنكاح صحيح و الشرط صحيح ” الخ - الفصل في احكام المرأة ج ۲ ص ۱۳۶ (ايضا) الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۲۳ (ايضا) رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۹ (دار الفكر) (ايضا) الفقه الاسلامي ج ۷ ص ۵۲

طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا جائز نہیں؟

اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض کو ختم کرنا چاہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اس کے قبول کرتے ہی اس کا حق و اختیار شرعاً باطل ہو جاتا ہے۔

”ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک ولا ینہاها عما جعل الیہا ولا یفسخ کذا فی الجوہرۃ

النیرۃ“ الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۸۷

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ تفویض طلاق کی تفصیل شرط کی تین صورتوں کے ذیل میں حضرت تھانوی کے ارشاد کے ذریعہ بیان کیا جائے گا۔

شرط کی تین صورتیں۔ قبل العقد۔ بعد العقد۔ وقت العقد

شرط کی تین شکلیں ہیں، پہلی شکل یہ ہے کہ شرائط قبل از نکاح طے ہو جائیں۔ اور طرفین کے جانب سے دستخط بھی ہو جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط کا ذکر کیا جائے ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ تیسری شکل یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد طرفین آپس میں کوئی شرائط نامہ تحریر کریں

حکم

مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز و درست ہیں، البتہ، شرائط اگر قبل از نکاح طے ہوں اور طرفین کے دستخط بھی ہو جائیں اور شرائط عین نکاح کے وقت طے ہوں ان دونوں صورتوں کی صحت کے لئے ایک ایک شرط ہے۔ اس کی مکمل اور جامع تفصیل حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی بیس با اور قیمتی تصنیف ”الحیلۃ التاجزۃ“ سے ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

پہلی صورت

یہ کہ کاہن نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو۔ مثلاً یہ لکھا جاوے کہ۔ اگر فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار



نامہ محض بے کار ہوگا اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

كما في تنوير الابصار باب التعليق و شرطه الملك كقوله لمنكوحه ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق فلما قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق الخ - اشامى ج ۲ ص ۸۱۳

وفي الفصل الثالث من كتاب الشروط للعالمگیریة مانعه و الثاني تعليق التفويض بالشرط و انه اقسام (الی ان قال) القسم الثاني تعليق التفويض بترك نقد المجل الی وقت كذا صورة كتابة هذا القسم جعل امرها بيدها فی تطليقة واحدة بائنة مطلقا بشرط انه اذا مضى شهر اوله كذا و آخره كذا و لم يؤد اليها جميع ما قبل تعجيله لها من صداقها وهو كذا فانها تطلق نفسها بعد ذلك متى شاءت ابدا واحدة بائنة فوض الامر فی ذلك اليها و انها قبلت منه هذا الامر فی مجلس التفويض القسم الثالث تعليق التفويض بشرط قماره او شربه الخمر او ضرب ضربا موجعا يظهر اثره على بدنها و صورة كتابته على نحو ما بينا (صالمگیری مصري ج ۲ ص ۲۲۱)

قلنا قوله و انها قبلت فی مجلس التفويض قد خرج منخرج مادة المحاضر و السجلات و الا فقبولها فی مجلس التكلم ليس بشرط بل الشرط استعمال الخيار فی مجلس وقوع الشرط كما سيأتي و قد صرح بذلك فی الفصل الاول من الباب الثالث لطلاق الهندية -

### دوسری صورت

کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں اس کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل) یعنی قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماة فلان بنت فلان کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جاوے) تو اپنے کا اختیار میرے (یا مسماة موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو طلاق بان دے کہ اس نکاح سے الگ کر سکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد نکاح یوں کہے کہ میں نے قبول کر لیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت دیکھے تو اپنے آپ کو ایک طلاق بان دے کہ اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے یعنی اس طرح کہدے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق

بان واقع کرتی ہوں۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح تو بلا کسی شرط کے صحیح ہو جاوے گا، اور شرط بالکل بے کار ہو جائے گی۔ خوب سمجھ لو ”فی الدر المختار قبیل فصل المشیة من کتاب الطلاق نکحها علی ان امرها بیدها الخ و فی حاشیة رد المحتار قوله صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما لو بدا الزوج لا تعلق ولا یصیر الامر بیدها كما فی البحر من الخلاصة و البرازیة انتہی۔ شامی ج ۲ ص ۱۲۸۲ ومثله مہرح فی حیل العالمگیریة ج ۷ ص ۲۲۳ و بین الفقیہ ابو للیث رح وجه الفرق بین الصورتین فقال لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق بالتفویض قبل النکاح فلا یصح اما اذا كانت من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت یتضمن اعادة ما فی السؤال صار كأنه قال قبلت علی انک طالق او علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح اه اشامی کتاب الطلاق تحت قول الدر لا یقع طلاق المولی علی امرأة صده الا اذا قال الخ ج ۲ ص ۲۹۹

تہنئہ ۔ اور اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو مگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کر دیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط کو بڑھائے یا نہ بڑھائے عورت کی جانب سے جب ایجاب بلا کسی شرط کے ہو چکا، تو اس کے ہاتھ سے بات لکل چکی، اس لئے کہ عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جائے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں، بلکہ ایجاب میں شرط لگانا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلا کسی شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

### تیسری صورت

کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جاوے یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔ مشورہ : یہ صورت اس عورت کے لئے کارآمد ہے جس کے نکاح میں کاہن نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا، لیکن جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے واسطے اس میں بھی وہی کمی ہے جو ابھی تہنئہ بالا کے ذیل میں مذکور ہوئی، یعنی جبکہ عقد نکاح تمام ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کر لے بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

اس لئے کہ مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری ہی صورت اختیار کرنا ہے اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کو مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے، کہ عقد سے پہلے ہی کاہن نامہ لکھوایا جائے مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے یعنی یہ لفظ ضرور لکھوادئے جائیں کہ اگر میں "فلان دختر فلان" سے نکاح کروں اور پھر فلان فلان شرط کے خلاف کروں رخصت اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو کاہن نامہ کالعدم ہوگا، جیسا کہ پیشتر گذر چکا واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فائدہ - نکاح مذکور جس میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرائی گئی ہیں۔ اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے، بعض لوگوں نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں۔ بلکہ نکاح مجز ہے۔ جو تمویض معلق کے ساتھ مشروط ہے۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو جیسے عورت یوں کہے کہ "میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا اگر میرا باپ راضی ہو" یا مرد یوں کہے کہ "میں نے قبول کر لیا اگر میرا باپ راضی ہو" اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جاوے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہو جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔

ضروری مشورہ - چونکہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، پس مناسب یہ ہے کہ تمویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماة فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں معاوضہ مہر۔ روپے۔ سکے رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدیدہ پہنچے گی جس کو فلان فلان اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر دئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بانن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کر لی جاوے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدیدہ ہے لیکن عورت کو اس کے بعد بھی چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے اور تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

اول - یہ کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اس اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتدبہ مدت تک غور و خوض کرے جس کی معیاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔



دوسرے - یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے ضرور مشورہ کرے۔

تیسرے - یہ کہ سنت کے موافق استخارہ کر لے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اس تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اس طرح وہ خطرہ نہ ہوگا، جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ

اصلم

تنبیہ ضروری - تعلق مذکور میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے، ورنہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ مقید ہو جاوے گی جس میں وہ شرائط ہوں اور اس مجلس کے ختم ہو جانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق کا باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کر دینا مناسب نہیں، اسی طرح لفظ "جب چاہے" بھی شرط میں نہ استعمال کیا جاوے، ورنہ ہمیشہ کے لئے (حتیٰ کہ اعادہ نکاح کے بعد بھی) اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہو جاویں، اور ایسا اختیار عورت کو دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن سے نہ تو ایسی تنگی لازم آئے کہ تفویض مقید یا مجلس ہو جائے اور نہ اتنی وسعت ہو کہ عورت کو تینوں طلاقات واقع کر لینے کا اختیار مل جائے اس لئے ہم نے کاہن ناموں میں اور گذشتہ مثالوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو باتفاق محاورات فریقین کی رعایت اور مصلحت پر مشتمل ہیں، ان الفاظ سے صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا، مگر وجود شرط کی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور اردو کے محاورات مختلف ہونے کی وجہ سے تمام الفاظ شرط کا حکم منضبط نہ ہو سکا، اس واسطے الفاظ عربیہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں تاکہ اہل علم بوقت ضرورت اس تفصیل میں اور مستحکم کے محاورہ میں بغور تطابق کر کے بقیہ الفاظ شرط کا حکم متعین کر سکیں اور عوام کو لازم ہے کہ جو الفاظ ہم نے تجویز کئے ہیں ان کی رعایت رکھیں اور اگر ان کے سوا کسی لفظ کا حکم معلوم ہونے کی ضرورت پیش آ جاوے تو علماء کرام سے دریافت کریں صرف اپنی زبان دانی پر بھروسہ کر کے خود فسیلہ کرنا جائز نہیں۔

والتفصیل ما فی العالمگیریۃ من الوجوہۃ النیرۃ اذا قال لها طلقی نفسک و سوا، قال لها ان شئت اولا فلها ان تعلق نفسها فی ذالک المجلس خاصة " ا ج ۲ ص ۱۸۶ و فیہ ایضا " ان قال لها طلقی متی شئت فلها ان تطلقها فی المجلس و بعده - ولها المشیۃ مرة واحدة و کذا قوله متی ما شئت و اذا ما شئت و لو قال كلما شئت کان ذالک لها ابدا حتی یقع ثلث کذا فی السراج الوہاج " (الباب الثالث فی تفویض الطلاق فصل المشیۃ ا ج ۲ ص ۱۸۷ و فی البحر الرائق فصل الامر بالید ا ج ۳ ص ۳۱۸) و اطلق الامر بالید فشمع المنجز و المعلق اذا وجد

شرطه و منه ما في المحيط لو قال ان دخلت الدار فامرک بيدک فان طلقت نفسها كما وضعت القدم فيها طلقت لان الامر في يدها وان طلقت بعد ما شئت خطوتين لم تعلق لانها طلقت بعد ما خرج الامر من يدها.

تسمیہ دوم - شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے شرائط میں مرد کو خور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کر لینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی و پشیمانی ہوگی۔

لما في العالمگیرية و ليس للزوج ان يرجع في ذلك ولا ينهاها مما جعل اليها و لا يفسخ كذا في الجوهرة "عالمگیری ج ۲ ص ۱۷۵ و فی الدر المختار من فصل المشیئة كتاب الطلاق و لا يملك الزوج الرجوع منه ای من التفویض بانوامه الثلاثة لما فيه من معنى التعليق قال الشامی قوله الثلاثة ای التحییر والامر بالید والمشیئة اهـ۔ و الله سبحانه و تعالی اعلم  
علمه اتم و احکم الحیلة الناجزة من ص ۳۰ الی ص ۳۷

## تفویض طلاق اور اس کی شرطیں

مولوی نسیم الدین قاسمی

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد بسا اوقات جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، کبھی مرد کی طرف سے ظلم و ستم کبھی نان و نفقہ سے دستبردار ہو جاتا ہے اور کبھی بیوی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے اور عورت بیچاری بے کسی و بے بسی کی حالت میں اپنی زندگی گذارتی ہے اور شوہر کبھی بھی اس کی طرف التفات نہیں کرتا، ایسے حالات کے پیش نظر اگر نکاح سے قبل یا عقد نکاح کے وقت یا عقد نکاح کے بعد باہم رضامندی سے کچھ شرائط مقرر کر لئے جائیں کہ اگر شوہر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں (۲) نکاح کے وقت طے ہوں (۳) یا نکاح کے بعد شرائط طے ہو۔  
 (۱) پہلی صورت یعنی جب کہ نکاح سے قبل شرائط طے ہوں، ان شرائط کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان شرائط کی اضافت یا نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہو۔ مثلاً شوہر یہ کہے کہ اگر میں مسماۃ فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر جو شرط طے پائے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد شوہر یہ کہے کہ اگر میں نے مذکورہ شرائط کی ادائیگی نہیں کی تو عورت کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جائے۔



اور اگر اس شرط کی نسبت یا اضافت نکاح کی طرف نہیں کی گئی تو شرائط نامہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا

لما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطہ الملک کقولہ لمنکوحۃ ان ذہبت فانک طالق  
اولا ضافۃ الیہ کان نکحتک فانک طالق فلما قولہ لاجنبیۃ ان زرت زیدا فانک طالق در  
مختار ج ۲ ص ۱۵۳۷

(۱۲) عالمگیری میں ہے

القسم الثانی تعلیق التفویض بترک نقد المجل الی وقت کذا صورة کتابہ هذا القسم  
جمل امرها ببیہا فی تطلیقہ واحدة بائنة مطلقا بشرط انه اذا مضی شهرا و له کذا او  
آخره کذا و لم یؤد الیہا جمیع ما قبل تجویله لها من صداقہا و هو کذا فانہا تطلق نفسها بحد  
ذالک متى شاءت ابدا واحدة بائنة فوض الامر فی ذالک الیہا و انہا قبلت منه هذا الامر فی  
مجلس التفویض

القسم الثالث تعلیق التفویض بشرط قمارہ او بشرط الخمر او ضربہ ضربا موجعا  
یظہر اثرہ علی بدنہا و صورة کتابہ نحو ما بینا عالمگیری ج ۲ ص ۱۲۶

دوسری قسم تفویض کو معلق کرنا ہے متعین وقت تک مہر نقد مجمل کے ترک کرنے کے ذریعہ، کتابت کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے ایک طلاق بائن کا اختیار عورت کو دے دیا مطلقاً اس شرط کے ساتھ کہ جب ایک ماہ گزر جائے اور اس کو میں نے اتار روپے حوالہ نہیں کیا اس کے مہر مجمل میں سے تو عورت کو اس کے بعد اختیار ہوگا جب چاہے ایک طلاق بائن لے لے، شوہر نے اس امر طلاق کو عورت کے حوالہ کر دیا اور عورت نے اس تفویض طلاق کو قبول بھی کر لیا مجلس تفویض ہی میں۔

(تیسری قسم) تفویض طلاق کو معلق کر دیا، جو کھیلنے یا شراب پینے یا ضرب شدید پر جو تکلیف کا باعث ہو اور اس کا اثر بدن پر ظاہر بھی ہو اور اگر شوہر نے اس میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر جدا ہو جائے۔

۱۲۱ دوسری شکل یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول کے وقت شرائط ذکر کی جائیں اس شرط کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً عورت یا اس کا ولی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلان بنت فلان کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر تم نے فلان فلان کام کیا (جتنی

شرائط لگانی ہوں بیان کر دے) تو میرے معاملے کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یا مسرۃ فلان بنت فلان کے ہاتھ میں ہوگا اسی وقت یا پھر کسی وقت جب عورت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے جدا ہو جائے۔ اس کے جواب میں شوہر نکاح یوں کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس پر عورت کو اختیار ہوگا جب وہ اپنے اوپر ظلم و مصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

اور اگر ایسا نہ کیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے اور لڑکی قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگا دے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی۔

۱۔ در مختار میں ہے

نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح (در مختار ج ۲ ص ۵۷۵ تا ۵۷۶)

نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو ایسا کرنا درست ہے۔

۲۔ حضرت علامہ شامی اس عبارت کے ضمن میں لفظ صح پر کلام کرتے ہوئے رقم خراز ہیں۔

اقوله صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علی ان امری بیدی

اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر

الامر بیدھا كما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة اشامی ج ۲ ص ۵۷۶

صح مقید ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہوا ہو چنانچہ عورت کہے کہ میں اپنا

نکاح تم سے اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے تو میں جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے دوں گی یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار مجھ کو ہوگا تو اس کے جواب میں شوہر نے کہا میں نے قبول کیا۔

لیکن اگر ایجاب شوہر کرے تو طلاق کا اختیار عورت کو نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو شوہر کا اختیار حاصل ہوگا۔

۳۔ عالمگیری میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور فقیر ابواللیث نے ان دونوں کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا

ہے۔

فقیر ابواللیث نے بیان کیا ہے

وجه الفرق بین الصورتین فقال لان البدأة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفویض

قبل النکاح فلا یصح اما اذا كانت من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد

کلام المرأة قبلت علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح (ہندیۃ ج ۱ ص ۲۷۳)

خانیۃ ج ۱ ص ۳۲۹

ان دونوں صورت کے درمیان فرق یہ ہے کہ جب ایجاب شوہر کی جانب سے ہوگا تو طلاق اور تفویض طلاق نکاح سے قبل سمجھا جائے گا، لہذا یہ صحیح نہ ہوگا، لیکن جب ایجاب عورت کی جانب سے ہوگا تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، کیوں کہ شوہر نے جب عورت کے کلام کر نیکیے بعد کہا "قبلت" تو گویا کہ شوہر کا یہ کلام اعادہ مافی السوال کو متضمن ہوا تو گویا کہ شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے۔ لہذا یہاں پر تفویض طلاق نکاح کے بعد سمجھی جائے گی۔

اس لئے دوسری شکل میں جب کہ عین عقد کے وقت شرائط طے کی جائیں تو ایجاب شوہر کی جانب سے کیا جائے نہ کہ عورت کی جانب سے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوا لیا جائے۔ یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

لیکن جب عقد نکاح تمام ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور



(۱) اول یہ کہ غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتد بہ مدت تک طور و نحوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

(۲) اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرے۔

(۳) تیسرے یہ کہ سنت کے مطابق استحارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو۔ ان تمام کوشش کے بعد جو شکل دل میں آئے کرے اور اس کے بعد اللہ پر بھروسہ رکھے اس طرح یہ تفویض پر خطر نہیں ہوگی جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے۔

کرے بلکہ صرف اس کی مرضی کی بات رہ جاتی ہے۔ اس لئے مصائب سے ہتھنکارے کی وجہ صرف پہلی یا دوسری تدبیر اختیار کرنے ہی میں ہے۔

اور اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ جب کاہن نامہ لکھوایا جائے تو شرط کی نسبت و انصاف نکاح کی طرف کرے اور اگر ایسا نہ کیا تو شرط باطل ہو جائے گی۔

### ضروری مشورہ

حضرت تھانوی نے اپنی کتاب الحیلۃ الناجزۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ

عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے۔

مثلاً عورت کی طرف سے اس کا ولی یا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ اتنا روپے اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تظلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں تو اس وقت معاملہ میرے یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کے ہاتھ میں ہوگا۔

لیکن عورت کو چاہئے کہ اس کے بعد طلاق میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے اور تین باتوں کا التزام ضرور کرے۔

## تفویض طلاق کا شرعی حکم

مولوی محمد نعیم رشیدی

آج بھر مظلومیت میں عورت ذات جس قدر غوطہ زن ہے، وہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ اگر کوئی اہل دل ان مظلوم زدہ زندگیوں کے اوراق الٹنے لگے تو اسے ایسے دلگداز اور ہولناک مظالم اور قیامت خیز مصائب نظر سے گذریں گے کہ قلب انسانی تلملا جائے۔ یہی ایک مظلومی فضاء بوقت رشتہ ازدواج اپنے لئے نجات دہندگان کے ایسے حکمی راہوں کی متلاشی ہوتی ہے، جس کا کچھ حصہ سوال میں درج ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر جس وقت طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور شوہر بھی اس شرط کو تسلیم کرتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس شرط کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس کے بعد عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہوگا؟ اس شرط کو اصطلاح شرع میں "تفویض طلاق" کہتے ہیں اور شرعاً ایسی شرط کا اعتبار ہوگا، اور شرط صحیح ہو جائے گی، اور پھر عورت کو جو چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، ہم یہاں پر فقہاء گرامی کی عبارات نقل کرتے ہیں۔

فقالت "زوجت نفسی منك علی انی او علی ان اطلق نفسی كلما ارید فقال الزوج

قبلت جاز النکاح وقع الطلاق او صار الامر بیدھا فتاوی قاتار خانیتہ ج ۲ ص ۲۰۲

عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں طلاق والی ہوں، یا مجھ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا

تو شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہو جائے گا طلاق یا حق طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

نیز خانہ میں بھی یہی عبارت مذکور ہے، اخانیہ فی ہامش الہندیہ ج ۱ ص ۳۷۹۔ علامہ حاکمی لکھتے ہیں: نکحہا علی ان امرہا بیدھا صح اور مختار علی الشا ص ۳ ص ۳۷۹

الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج ۲ ص ۱۸۵

اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کو اختیار ہے تو صحیح ہے۔

لیکن یہاں پر ایک اہم بات قابل غور یہ ہے کہ مذکورہ شرط کا اعتبار اور اس کے صحیح ہونے کا مدار ایک قید پر موقوف ہے، اگر وہ نہ پائی جائے تو پھر شرط لغو ہو جائے گا اور عورت کو کوئی حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، وہ یہ ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو یعنی شرط کی ابتدا عورت کی طرف سے واقع ہوتی ہو اور شوہر محض تسلیم کرے اس کے برخلاف شرط ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت اس کو تسلیم کرے تو یہ شرط بے کار ہو جائے گی، اور عورت کو اس وقت کسی قسم کا حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے۔

رجل قال لامرأة تزوجتك علی انک طالق او علی ان امرک بیدک تطلقین نفسک کلماً

تریدین فقبلت لا یقع الطلاق و لا یصیر الامر بیدھا فتاوی تاتار خانیتہ ج ۲ ص ۱۰۲

مرد نے کہا عورت سے کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تم طلاق والی ہو یا تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اور عورت نے اس کو قبول کیا، تو عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں نہیں ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں

نکحہا علی ان امرہا بیدھا صح مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقلت زوجتك نفسی

منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلماً ارید فقال الزوج قبلت امالو بدأ الزوج لا تطلق و

لا یصیر الامر بیدھا اشامی ج ۲ ص ۱۳۲

مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا، تو یہ صحیح ہے اور یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب کہ عورت ابتدا کرے چنانچہ عورت کہے کہ میں اپنے آپ کو تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا جب چاہے میں طلاق واقع کر سکتی ہوں۔

دونوں میں وجہ فرق سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تفویض طلاق کا اعتبار ملکیت نکاح ہی میں صحیح ہو سکتا ہے، اگر حق طلاق کا اختیار ملکیت میں نہ ہو، یعنی عورت اس کے نکاح میں کسی بھی حیثیت سے داخل نہ ہو تو پھر اس طرح کی تفویض کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کا



پورا ہونا قبول پر موقوف ہوتا ہے۔ محض ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا، چنانچہ اب فرق اس طرح سمجھا جاسکتا ہے، کہ جب طلاق کی شرط کی ابتداء مرد کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح سے پہلے سمجھی جائے گی، کیونکہ یہاں محض ایجاب ہی ہوا ہے اور ابھی قبول باقی ہے۔ لہذا تفویض نکاح سے پہلے واقع ہوتی، چنانچہ گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفویض صحیح نہیں، نیز ایسے تفویض ملکیت میں نہیں پائی گئی، لہذا تفویض صحیح نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو، اور مرد اس کو تسلیم کرتا ہو تو یہاں تفویض کے بعد شوہر قبول کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے تمہاری شرط کو قبول کیا تو گویا تفویض طلاق مرد کی جانب سے نکاح کے بعد ہوا، لہذا اس صورت میں شرط صحیح ہو جائے گی مرد و عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا، یہاں پر شوہر قبول میں شرط کے الفاظ استعمال نہیں کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود محض اس کے "قبلت" (میں نے قبول کیا) کہنے میں خود سوال بھی شامل ہو جائے گا، جیسا کہ عام محاورات میں اس طرح کے استعمال سے ہر ایک واقف ہے۔ چنانچہ غانیہ میں اس کا فرق اس طرح واضح کیا ہے۔

اس لئے کہ ابتداء اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق و تفویض نکاح سے قبل ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا اس لئے کہ عورت کے کلام کے بعد شوہر نے "قبلت" (قبول کیا) کہا اور جواب سوال کے مضمون کو بھی شامل ہوتا ہے تو گویا وہ اس طرح کہا کہ میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تم طلاق والی یا تم کو اختیار ہوگا۔ تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا (اور درست ہو جائے گا) **افتاویٰ**

**خانیۃ فی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۱۳۲۹**

حاصل کلام یہ ہوا کہ شرط کے وقت مذکورہ قید کا لحاظ رکھنا صحت شرط کے لئے ضروری ہے، ورنہ شرط لغو اور بے کار سمجھی جائے گی اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، لیکن یاد رہے کہ یہ تعلق نہیں ہے کہ جس سے اشکال ہو۔

یہاں پر مزید ایک قید کا اضافہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب عورت شرط لگائے تو محتاط ہو کر ایسے الفاظ استعمال کرے کہ جس سے نکاح کے بعد جس وقت چاہے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو، چنانچہ اس کے الفاظ اس طرح ہوں "میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے اختیار ہوگا کہ نکاح کے بعد جس وقت چاہوں گی ایک طلاق باتن اپنے اوپر واقع کر کے الگ ہو جاؤں" اس کے برخلاف اگر عورت مطلق یوں کہتی ہے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے طلاق کا اختیار ہوگا، تو اس صورت میں مجلس متہ پرہیز کے بعد وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مجاز نہیں ہوگی، چنانچہ ملک العلماء عامہ کاسانی نے دونوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

چنانچہ اگر مطلقاً اس طرح کہا کہ تم کو اختیار ہے تو اس کا بقاء، حکم بقاء، مجلس تک ہی ہے اور یہی مجلس ہے جس میں تفویض کا علم ہوا ہے، اگرچہ وہ مؤقت ہے، چنانچہ وقت کو مطلق رکھا اور اس طرح کہا کہ جب چاہے اور جس وقت چاہے تم کو اختیار ہوگا، تو عورت کو مجلس وغیر مجلس دونوں میں اختیار ہوگا، مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا، بدافع

الصنایع ج ۲ ص ۱۳۳

جب عورت کی جانب سے شرط پوری ہو جائے اور اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے اب شوہر کو تفویض طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، عورت اب طلاق کی مالک بن چکی ہے جب چاہے طلاق واقع کر لے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

بہر حال تعلق کی صفت سو وہ شوہر کی طرف سے لازم ہے یہاں تک کہ اس سے رجوع کرنے اور عورت کو اس کے اختیار سے منع کرنے کا مالک نہیں ہو سکتا، اور نہ فسخ کا اس لئے کہ وہ عورت کو طلاق کا مالک بنا دیا ہے اور جو کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنا دے تو اس کی ولایت ملکیت سے ختم ہو جاتی ہے اور کسی طرح باطل کرنے کا مالک نہیں ہو سکتا، بدافع الصنایع ج ۳ ص ۱۲۶۔ مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۱۶۔ الشامی ج ۳ ص ۳۲۲۔

فتاویٰ مالگیریۃ ج ۱ ص ۳۸۷۔ کذا فی تحفة الفقہاء،

## شرائط نکاح کی تین صورتیں

مذکورہ تینوں صورتیں درست ہیں، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں چند قیدوں کا بڑھانا ضروری ہوگا، پہلی صورت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے، اس اقرار نامہ میں نکاح کی جانب نسبت اور اذعان موجود ہو، بغیر اضافت کے اقرار نامہ بے کار ہو جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ تفویض میں ملکیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور بغیر ملکیت کے تفویض معتبر نہیں ہوگی، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں

(التعلیق) انما یصح فی الملک کقولہ لمنکوحته ان زرت فانت طالق او مضافاً الیہ کان

نکحتک فانت طالق ای مطلقاً بسبب الملک ای ان ملکک بالنکاح (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۳)

تعلق صرف ملکیت ہی میں ہو سکتی ہے، جیسے اپنے منکوحہ کو کہے کہ اگر تم زیارت کرو تو تم کو طلاق ہے، یا پھر نکاح کی طرف اضافت ہو یعنی اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق ہے یعنی ملکیت کے سبب پر طلاق کو معلق کیا

ہے۔

نیز علامہ کاسانی لکھتے ہیں

فصلها الملك او صلته من ملائقہ فلا یصح الطلاق الا فی الملك او فی صلته من

ملائق الملك وهي عدة الطلاق او مضافا الى الملك۔

تعلق کی شرائط میں سے ملکیت یا علاق ملک ہونا ہے، لہذا طلاق صرف ملکیت ہی میں درست ہو سکتی ہے، یا پھر علاق ملک میں سے ہو۔ اور وہ عدت طلاق ہے، یا ملکیت کی طرف اضافت ہے۔

معلوم ہوا کہ تقویض طلاق کے لئے ملکیت یا سبب ملک کا ہونا ضروری ہے، اور دوسری صورت معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے مشروط ہو یعنی ابتداء عورت نے کی ہو، اگر مرد ابتداء کرے اگرچہ مشروط ہی کیوں نہ ہو اور عورت قبول کرے تو یہ صورت درست نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی، البتہ ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو لیکن غیر مشروط ہو یعنی اس میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو لیکن شوہر کا قبول مشروط ہو یعنی طلاق کے ساتھ قبول کرتا ہو تو ایسی صورت میں بھی شرط درست ہو جائے گی، اور عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا، لیکن اس صورت میں شوہر کے اختیار پر معاملہ رہے گا چاہے شرط کا ذکر کرے یا نہ کرے اس لئے کہ عورت کی جانب سے بغیر مشروط کے ایجاب واقع ہو چکا تو اب عورت کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

اور تیسری صورت بھی اگرچہ درست ہے۔ لیکن اس صورت میں نکاح بغیر کسی شرط کے تام ہو چکا، اب شرط کا اقرار نامہ لکھا گیا تو درست ہے لیکن شوہر انکار کر دے تو اس کو مجبور بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے سب سے زیادہ احتیاط کی صورت پہلی اور دوسری ہے۔

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اور اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر مصلح کا لحاظ کئے بغیر اپنے اوپر طلاق واقع کر لینے کا عین امکان ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ کوئی قید بڑھایا جائے کہ جس سے یہ احتمال ختم ہو جائے، مثلاً یہ قید بڑھایا جائے کہ عورت نکاح کے وقت یا جو بھی اس کا ولی ہے یہ کہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس بشرط پر دیا کہ مجھ کو تم سے کوئی تکلیف شدید نہ پہنچے جس کو فلاں فلاں دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں تو اس وقت یا جس وقت چاہے معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ اس صورت میں طلاق کا حق عورت کے ہاتھ میں تو آجائے گا، البتہ طلاق واقع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقررہ اشخاص پیش آمدہ واقعہ کو تسلیم کر لیں کہ یہ واقعی معقول عذر ہے۔ اور اگر تسلیم نہ کریں تو پھر ابھی طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔



## تفویض طلاق

مولوی محمد حاذق قاسمی

### تفویض کی پہلی صورت اور اس کا حکم

یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے تو اس کے مفید و معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ فلان بنت فلان کے ساتھ نکاح کروں اور پھر میں اس اقرار نامہ کی مندرجہ شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماة فلان مذکورہ کو یہ اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہو جائے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ کی گئی۔ تو یہ اختیار دینا درست نہ ہوگا، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ

شرطه الملك حقيقة كقوله لقينه ان فعلت كذا فانت حرة و حكما و لو حكما كقوله لمنكوحته او معتدته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه اي الملك الحقيقي او الحكمي كذالك كان نكحت امرأة او ان نكحتك فانت طالق وكذا كل امرأة ارد المحتار مع الشامي ج ۳ ص ۱۳۲۲

اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے یا ملک حکمی ہونا ہے۔ جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گزار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو گئی تو تجھے طلاق ہے، یا

ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا اگر تم سے نکاح کیا تو مجھے طلاق ہے اور اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے۔

## تفویض کی دوسری صورت اور حکم

عقد نکاح میں ہی یہ شرائط زبانی ذکر کئے جائیں، تو اس کے معتبر اور صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دے دیا کہ تم نے یہ کام کیا یعنی مجھے مارا یا کہیں جانے سے روکا (غرض جتنی بھی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یعنی مذکورہ شرائط میں سے کسی کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق باتن دے کر اس نکاح سے الگ کر لوں گی تو اس کے جواب میں مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کیا، تو اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق باتن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے اور یوں کہے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق باتن واقع کرتی ہوں۔

لیکن اگر ابتداء کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو، اور لڑکی قبول کرنے کے ساتھ تفویض کی شرط لگائے تو نکاح درست ہو جائے گا لیکن شرط باطل، لغو اور بے کار ہو جائے گی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ۔

نكحها علیٰ امرها بیدها صح، قوله صح مقید اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي  
منك علی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو  
بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدها رد المحتار مع الشامی ج ۳ ص ۳۷۹

کسی نے نکاح کیا کسی عورت سے اس شرط پر کہ عورت کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا درست ہے، مصنف کا صحیح کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب کہ ابتداء عورت نے کیا ہو اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو جائے گی اس پر شوہر نے کہا کہ قبول کرتا ہوں اور اگر شوہر نے ابتداء کی تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا۔

## تفویض طلاق کی تیسری صورت اور حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرط نہ لگائی جائے اور نہ ہی عقد نکاح کے وقت، بلکہ نکاح کے مکمل ہونے بعد ما بین الطرفین کوئی اقرار نامہ لکھوایا جائے ملاذ فریقین اس پر راضی ہوں تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں، وہ یمین و قسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرنا واجب ہے۔

## تفویض و اختیار کے ساتھ مزید احتیاطی قیدیں

چونکہ عورت ناقصات العقل میں سے ہیں، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، لہذا مناسب ہے کہ اختیار دیتے وقت کوئی ایسی مناسب قید بڑھادی جائے کہ وہ اس کا غلط استعمال نہ کر سکے، مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے آپ کو یا مسماة فلان بنت فلان کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر بیس ہزار روپیہ سکے رائج الوقت کے اس شرط پر دیدیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی اور اس کو فلان فلان دس لوگ تسلیم کر لیں گے تو اس وقت کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا فلان کے اختیار میں ہوگا کہ ایک طلاق بائن واقع کر لیں اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت ہوگا جب کہ تسلیم کردہ اور مقرر کردہ اشخاص میں سے دس آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدید ہے۔



## مہر کی دو مشروط مقدار

مولانا محمد انظر سبیلی

(۱) اگر عقد نکاح کے وقت مہر کی تعیین دو طرح سے کی جائے، مثلاً مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر ۵۰ ہزار ہوگا اور طلاق نہ دینے کی صورت میں ۷۵ ہزار ہوگا، اور مقصد یہ کہ طلاق کے بے جا استعمال اور غیر مشروع اقدام کو روکا جاسکے، تو اس طرح کی تعیین معتبر اور جائز ہونی چاہیے، اس طرح کی تعیین میں جو صاحبین کی رائے ہے اس پر عمل کرنا فی زمانہ زیادہ بہتر اور مفید ہے، چنانچہ اس قسم کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

اگر کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور دوسری عورت ہوگی تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر بیوی کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر لے گیا تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر عقد کیا کہ اگر اس کی زوجیت میں باندی ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر عہنی یا اس قسم کی آزاد عورتیں ہوں گی تو مہر دو ہزار ہوگا، تو نکاح کی درستگی میں کوئی شک نہیں ہے، البتہ مہر (کی جہاں تک بات ہے) تو پہلی شرط بلا اختلاف جائز ہے، پس شرط کو پورا کیا تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر شرط پوری نہیں کی تو اگر شرط کے خلاف کیا ہے تو مہر مثل لازم ہوگا، اصل یعنی ایک ہزار سے کم یا دو ہزار

سے زائد نہ ہوگا، اور یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں شرطوں کے جواز کے قائل ہیں۔

ابداع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۹-۱۶۱

گو کہ امام صاحب کے نزدیک دوسری صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور تسمیہ باطل قرار پائے گی اور فتویٰ بھی اسی پر ہے، لیکن چونکہ موجودہ دور میں طلاق کے واقعات کی بسات ہوتی جا رہی ہے اور لوگ اس کا بے جا استعمال کر رہے ہیں اور ایک مجلس میں تین طلاق جیسے غیر مشروع اقدام سے گریز بھی نہیں کرتے، اس لئے خیال یہی ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دی جانی چاہئے۔ اور تعیین مہر کی دونوں مقدار کو درست اور معتبر قرار دیا جانا چاہئے، تاکہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے غیر مشروع اقدام نہ کرنے پائے۔

(۲) اگر عقد کے وقت مہر میں اضافہ کی شرط شوہر کے عقد ثانی پر معلق کیا ہے، مثلاً عورت عقد کے وقت اس طرح کہے کہ اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو درست ہے، شرعاً یہ دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی، اور اس میں بھی صاحبین کی رائے کو ترجیح ہوگی، جیسا کہ ہمیشہ سوالنامہ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جب ایک ہزار مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کر لے کہ اس کے پاس دوسری عورت نہ ہوگی اور دو ہزار پر جب کہ اس کی زوجیت میں دوسری بیوی ہوگی، یا اگر اس کو شہر سے نہیں لے جائے گا تو ایک ہزار اور اگر لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا، پس نکاح درست ہے، شرط اول میں مہر معتبر ہے، اگر اس نے اس کی تکمیل کی، تو مہر مسمی ہوگا اور اگر تکمیل نہیں کی تو مہر مثل ہوگا، ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہیں کیا جائے گا، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، الفتاویٰ التاتاریخانیۃ - کتاب النکاح المہر

صفحة ۱۰۱-۱۰۲ ج ۳

## طلاق کو روکنے کے لئے مہر میں کمی اور زیادتی کی شرط

مولوی محمد ہارون القاسمی

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، تو اس طرح مہر طے کرنا اس ناپسندیدہ چیز کو روکنے کے لئے، شرعاً جائز اور درست ہوگا، البتہ حنفیہ کے مابین اس بات میں اختلاف ہے کہ کون سا مہر لازم اور درست قرار دیا جائے؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس مہر کا اول میں ذکر کیا گیا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا، اور دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ مہر مثل لازم ہوگا۔ اس شرط کے ساتھ کہ مہر مثل مہر مسمی سے زائد نہ ہو، اور اس مسئلہ میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں، اور ہر دو صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا، اور حضرت امام زفر کے نزدیک یہ



دونوں شرطیں فاسد ہیں، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے :

وإذا تزوجها على الف لم تكن له امرأة وعلى الفين ان كانت له امرأة او على الف ان لم يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر في المهر الشرع الاول ان وفي به فلها المسمى على ذلك الشرع و ان لم يف فله مهر المثل لا ينقص من الاقل و لا يزداد على الاكثر و قال ابو يوسف و محمد الشرطان جائزان - و في الهداية و قال زفر رحمه الله - الشرطان جميعا فاسد ان و يكون لها مثلها لا ينقص من الالف و لا يزداد على الفين اذا تزوج امرأة على الف ان كانت قبيحة و على الفين ان كانت جميلة فان كانت جميلة فلها الفان وان كانت قبيحة فلها الف وهذا بلا خلاف - والفرق ان في مسألة الاخراج دخلت الخاطرة في التسمية الثانية فانها لا تدري ان الزوج يخرجها او لا يخرجها في مسألة القبح و الجمال لا مخاطرة اصلا فان المرأة على صفة واحدة لكن الزوج لا يعرف و جهالته لا توجب الخطر التاتارخانية كتاب النكاح ج ۳ ص ۱۰۲ - ۱۰۱ - بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۲ - الهندية ج ۱ ص ۳۰۷ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۹ - الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۳ - المبسوط للسرخسي ج ۵ ص ۹۰ - الهداية مع فتح القدير ج ۳ ص ۲۳۱

اب رہی یہ بات کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو جب آج کل لوگ اس ناپسند چیز کے استعمال سے باز نہیں آ رہے ہیں، اور بات بات پر طلاق دیتے رہتے ہیں، تو احقر کی ناقص رائے ہے کہ اس کے غلط اور بے محل استعمال سے لوگوں کو بچانے کے لئے جن سے خاندان اور معاشرہ کے سبھی لوگ متاثر ہو رہے ہیں، حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں تغیر زمان اور ضرورت کے پیش نظر اصحاب ابوحنیفہ نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے، اور حوادث زمانہ کے پیش نظر فتویٰ دیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی شرح عقود رسم المفتی کے اندر لکھتے ہیں۔

قال الامام قاضی خان و ان كانت المسئلة مختلفا فيها بين اصحابنا فان كان مع ابي حنيفة احد صاحبيه يؤخذ بقولهما اي بقول الامام و من وافقه - لو فور الشرائط و استجماع ادلة الصواب فيها و ان خالفه صاحبا في ذلك فان كان اختلافهم اختلاف مصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يؤخذ بقول صاحبيه لتغيير احوال الناس و في الزارعة و المعاملة و نحوهما يختار قولهما لاجماع المتأخرين على ذلك و فيما سوى ذلك يخير المفتي

جتھد و یعمل بما افضی الیہ رأیہ (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۰)

۲۱) اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ تو جیسا کہ باقیل میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے، میزاخیال ہے کہ دونوں شرطیں شرعاً معتبر ہوں گی، اور حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، اور اگر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا۔ اور احقر کے نزدیک یہ اقرب الی الفقہ ہے۔

### عورت کا بغرض ملازمت باہر نکلنا

۳۱) آج کل عورتوں میں بھی ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں، یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی رہتی ہیں۔ ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کر لے، تو شوہر کے لئے شرعاً اس شرط کی پابندی ضروری اور لازم نہیں ہے، کیوں کہ اس شرط کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور شرط قاسد اور لغو ہو جائے گی۔

الاحوال الشخصیہ میں ہے :

قسم یلغی فیہ الشرط و یصح النکاح و عند جمهور الفقہاء کل شرط لا یكون مقصد العقد و لا مؤكدا لمقتضاه و لم یقم دلیل من الشارع و جوب الوفاء من نفس او اثر او صرف مشہور فکل شرط لا یكون کذاک و لو یكون مؤقتا بالصیغۃ یكون لاغیا یبطل لا یؤثر فی صحۃ العقد

الاحوال الشخصیة ص ۱۵۸

پس شوہر اگر شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، نئی ملازمت سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری اور لازم ہوگی، کیوں کہ گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے، اور گھر کے باہر کے امور انجام دینے کی ذمہ داری مرد کی ہے، جیسا کہ حضرت فاطمہ کا نکاح

حضرت علی سے ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کام تقسیم اس طرح فرمائی کہ گھریلو جو امور ہیں ان کو اپنے دینے کی ذمہ داری حضرت فاطمہ پر ڈالی اور گھر کے باہر کے جو امور ہیں ان کی خدمت حضرت علی کے سپرد کی۔ نیز عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے جس کی وجہ کر عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق کے اندر تنقیص ہو رہی ہو، اور اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو، یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑ رہا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ملازمت کی صورت میں ایک طرف تو گھریلو نظم و نسق میں دشواری ہوگی تو دوسری طرف شوہر کے حق میں تنقیص لازم آئے گی۔ اور تیسرے یہ کہ اس کے لئے شوہر کے گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔  
علامہ ابن نجیم "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں :

لہ ان یمنع امراتہ من الغزل و لا تطوع للصلوة و الصوم بعیر اذن الزوج کذا فی الظہیریۃ  
و ینبغی صدم تخصیص الغزل بل لہ ان یمنعہا من الاعمال کلہا المقتضیۃ للكسب لانہا  
مستغنیۃ عنہ لوجوب کفایتہا علیہ و کذا من العمل تبرما لا جنبی بالاولی البحر الرائق ج ۲  
ص ۱۹۲۔ مکتبۃ العاجدیۃ پاکستان

نیز قاضی خاں میں ہے :

والذی ینبغی تحریرہ ان یکون لہ منہا من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقہ او ضررہ او  
الی خروجہا من بیتہ۔ قاضی خاں صلی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۰۳ دار الفکر، ان دونوں  
عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شوہر اگر بیوی کو ملازمت سے منع کرے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری  
ہوگی۔ البتہ شوہر اگر ملازمت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو پردہ شرمی اور شریعت کے دیگر امور کی رعایت  
کرتے ہوئے ملازمت کر سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خیال رہے کہ اگر گھنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو، یا شوہر  
اس کو کسی مصلحت کے پیش نظر ملازمت سے روکنا چاہتا ہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور عورت کے لئے  
شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، پس اگر بیوی شوہر کے منع کرنے کے بعد بھی ملازمت کرے گی تو گنہگار ہوگی  
اور ناشہہ کھائے گی۔



## مہر میں زیادتی کی شرط

مولوی عتیق الرحمان سیوانی ✽

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مباح چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے مغضوب طلاق ہے۔ اسی کے ساتھ بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کا غلط اور بے جا استعمال کیا جا رہا ہے جو صراحتاً منشاء شریعت اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانوں میں رنجشی مرد و عورت، زوجین میں نا اتفاقی بلکہ پورا معاشرہ بگڑتا چلا جا رہا ہے۔

لہذا طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح میں مہر اس طریقے پر طے کیا جائے کہ فلاں اگر اپنی بیوی فلاں کو طلاق دے (چاہے وہ جتنی ہو) تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا قرار پائے گا (جو ایک متعین مقدار ہو) یا اگر اس بیوی کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا اتنا ہوگا۔ اگر شوہر طلاق نہیں دیتا، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہیں کرتا، تو شوہر پر اتنا ہی مہر لازم ہوگا۔ اور حضرات صاحبین یعنی امام ابو یوسف و محمد فرماتے ہیں کہ خلاف ورزی کی صورت میں مہر مسمی یعنی دو ہزار لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیح اور درست ہیں اس کی نظیر کتب فقہ میں اور بھی موجود ہیں۔

مفتی بہ قول۔ ذکر کردہ مسئلہ میں مفتی بہ قول اصحاب ترجیح نے حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کو قرار دیا ہے البتہ حضرات صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس پر بحث کرنے سے پہلے اوپر ذکر کردہ مسئلہ کی دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امرأة و على الفين ان كانت له امرأة او على الف ان ا  
 يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر في المهر الشرط الاول  
 ان و في به فلها المسمى على ذلك الشرط و ان لم يف فلها مهر المثل لا ينقص على الاقل و  
 لايزاد على الاكثر - و قال ابو يوسف و محمد الشرطان جائزان - ۱۲ فتاوى تاتارخانية ج ۱۳  
 ص ۱۰۱

و قوله الا - بان تراشيا على شيئي فذالك هو الواجب اي اذا حصل و طؤ او موت ا حاشية  
 مطحطاوى ج ۲ ص ۱۵۱

المعتمد ان الزيادة في المهر بعد العقد تلزم الزوج اذا قبلت في المجلس او وليها اذا كانت  
 سفيرة - الفتاوى مشائخ بلخ من الحنيفة ص و ايضا البنائية في شرح الهداية ص ۱۵۹ ج ۳

## حضرات صاحبين کے قول پر فتویٰ

حضرات صاحبين کے قول پر فتویٰ دیا جانا اصولاً و فروعاً درست ہے کوئی مانع نہیں اور نہ اصولاً کوئی فریبی لازم  
 آتی ہے اتنی بات تو طے ہے کہ صاحبين کے اقوال بھی حضرت امام اعظم ابوحنيفہ کی روایت ہوتی ہے ، البتہ بعد  
 میں منسوب دوسرے نام سے کیا جانے لگتا ہے اس کی صراحت بھی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے شاگردوں کے  
 اقوال در حقیقت حضرت امام ابوحنيفہ ہی سے مروی ہوتے ہیں ۔

واذا اخذ بقول واحد منهم يعلم قطعاً انه يكون به اخذاً بقول ابي حنيفة فانه روى عن  
 جميع اصحابه من الكبار كابى يوسف و محمد و زفر و الحسن انهم قالوا باقلنا في مسألة  
 قول الا هو روايتان من ابي حنيفة واقسموا عليه ايماناً خليطاً الخ مقود رسم المفتى ص ۱۱  
 گرچہ مسئلہ ہذا میں اصحاب ترجیح نے حضرت امام اعظم کے قول کو راجع اور مفتی بہ قرار دیا ہے ، مگر صاحبين

کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے ، اصحاب ترجیح جو کسی مسلک اور روایت کو راجع قرار دیتے ہیں وہ چند وجوہات کی بناء  
 پر ہوتے ہیں ، ان ہی میں احوال زمانہ و دیار بھی پیش نظر ہوتے ہیں ، بلکہ بعض ائمہ نے حالات کے پیش نظر بہت  
 سارے اقوال کو بدل کر دوسرا فتویٰ دیدیا ، اور کیوں نہ ایسا کیا جاتا ، جبکہ احوال زمانہ یکساں نہیں رہتے اور شریعت نے  
 اس کا لحاظ بھی کیا ہے ۔ اس وجہ سے جب کہ ہمارے دیار اور زمانہ کی حالت بدل چکی ہے بناء بریں ضرورت کی شکل  
 میں ہمارے سامنے یہ مسئلہ آکھڑا ہوا ہے ۔ اگر اس کو دیکھتے ہوئے اور ضرورت کا احساس اور تقاضہ کو سامنے رکھتے

ہوتے حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جانا کوئی قباحت نہیں رکھتا، اور نہ اصولاً کوئی حرج سمجھ میں آتی ہے۔

والحاصل ان ما خالف فيه الا صحاب امامهم الاعظم لا يخرج من مذهبہ اذا رجحہ المشائخ المعترفون وكذا ما بنا المشائخ على العرف والحادث لتغير الزمان او للضرورة ونحو ذلك لا يخرج من مذهبہ ايضا لان ما رجحوه لترجيح دليله عندهم ماذون به من جهة الامام وكذا ما بناه على تغير الزمان والضرورة باعتبار انه لو كان حيا لقال بما قالوه انما هو مبني على قواسمه ايضا فهو متقضى مذهبہ. الخ اسقود رسم المفتی ص ۱۸

نوٹ : سوالنامہ میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو مہر میں زیادتی کی صورت بیان کی گئی ہے اس کا مقصد جو ذکر کیا گیا ہے کہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے۔ سوال مطلق طلاق میں مہر کی زیادتی کرنے کا ہے، اور ابتداء سوال میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کا سدباب کرنا مقصد بیان ہو چکا ہے، اس لئے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اتنی بات تو متحقق ہے کہ سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں تینوں طلاق شامل ہے۔ طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کرنے کی بہت ساری صورتیں ہیں صرف ایک مجلس میں تین طلاق کا دیا جانا ہی نہیں ہے۔ طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو صورت و طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ شرعاً صحیح و درست ہے۔ البتہ اس کے نتیجہ کو خالی الذہن ہو کر دیکھا جانے تو کوئی خاص فائدہ اور مسئلہ کا حل نکلتا دکھائی نہیں دیتا۔

ایک طرف مردوں کے جانب سے ہونے والی زیادتی کا سدباب ہے۔ تو دوسری طرف اس صورت کے اختیار کئے جانے میں عورت کی جانب سے ہونے والی زیادتی کا دروازہ کھولنا ہے، جو مردوں کی جانب سے ہونے والی زیادتی کے بہ نسبت زیادہ خطرناک ہے اور یقینی پہلوئے ہوئے ہے۔ آئے دن مشاہدہ کیا جاتا رہا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رنجش و نااتفاق ہے جو دونوں کو اس موڑ پر لاکھڑی کی ہے کہ علمدگی از حد ضروری ہے۔ اس زمانہ میں جہالت و نادانی کی وجہ سے یا تو مہر کی کوئی اہمیت نہیں دیتے یا تو باعث فخر و شرافت اور عزت کی چیز ہے، اس لئے جتنا زیادہ مہر ملے کیا جائے قابل تعریف قرار پاتی ہے۔ اور شوہر کی مالی حالت یہ ہے کہ اس مہر کی خطیر رقم کو ادا نہیں کر سکتا اور نااتفاق ایسی ہے کہ علمدگی ناگزیر ہے، اس صورت میں عورت نہ گھر کی اور نہ گھاٹ کی کالمعلقہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ بعض مرتبہ عورت خود مہر معاف کر کے اس تنگ زندگی سے برأت حاصل کرتی ہے۔ یا نہیں تو شوہر مجبور ہو کر عورت پر ظلم و زیادتی کرنا شروع کر دیتا ہے تاکہ عورت مجبور ہو کر مہر معاف کر کے اپنا راستہ اختیار کر لے۔ مرنے کی بجائے بالآخر مہر معاف کر کے رستگاری کی منزل طے کرتی ہے۔ ان تمام پیدا ہونے والی خرابیوں اور



ظلم و زیادتی کے اس دور میں اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے مسئلہ کا حل نہیں نکالا جاسکتا، طلاق کا غلط اور بیجا استعمال تو لاعلمی اور بے عملی کا نتیجہ ہے جس کے واسطے دوسرے مناسب اقدام کئے جاسکتے ہیں۔ اس صورت کو اپنالینے میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کا ختم کرنا اور طلاق کے معاملہ کو دشوار بنانا ہوگا۔ اس لئے مناسب ہے کہ طلاق کے باب میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کو برقرار رکھا جائے، احقر کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے جو وقت کا تقاضا اور مصلحت بھی ہے۔

**نوٹ** خیال جو ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ دو صورتیں داخل نہیں ہیں۔

ایک عورت کے ہوتے ہوئے شوہر کا دوسری شادی کرنا، ایک مجلس میں عورت کو تین طلاق دینا جو غیر مشروع اقدام ہے ان دونوں میں مہر کی زیادتی کرنا مذکورہ مقصد کے تحت بالکل درست اقدام ہے، حالات اور مصلحت کے عین مطابق ہے۔ ان دونوں صورتوں میں شوہر کو کوئی حرج بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ ضرورت کے تحت طلاق دے کر شوہر اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہے تو کیا ضروری کہ غیر مشروع طلاق کے طریقہ کو اپنائے؟ جو طریقہ شریعت نے مشروع قرار دیا ہے اس کے ذریعہ شوہر اپنے مقصد کو پورا کر سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے دوسری شادی کرنا مستطیع ہونے کو بتلا رہی ہے اگر مالی اعتبار سے استطاعت نہیں رکھتا تو کیسے دوسری شادی کی طرف قدم بڑھاتا، لہذا ان دونوں صورتوں میں وہ علت نہیں پائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے مصلحت کے خلاف اس اقدام کو قرار دیا گیا تھا **فلا منافات بینہما**۔

## مہر کی کمی اور زیادتی کو طلاق پر معلق کرنا

☆ مولوی محمد عاقل قاسمی

آج کل مردوں کی طرف سے عورتوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ طرح طرح سے عورتوں کو ستایا جا رہا ہے ذرا ذرا سی بات پر انہیں طلاق کی دھمکی دی جاتی ہے۔ اور انجام کار ان کو گھر سے بے گھر کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اگر عورت بوقت عقد نکاح اس طرح کی شرط لگائے کہ میں اس شرط پر نکاح کروں گی کہ اگر مجھے طلاق دی تو میرا مہر بیس ہزار ہوگا اور بصورت دیگر دس ہزار ہوگا۔ ایسی شرط عورت لگا سکتی ہے۔ اس بارے میں سوال نامہ میں مذکور جزئیہ اور اس کے علاوہ بہت سے جزئیات سے رہنمائی ملتی ہے۔ سوال نامہ میں مذکور جزئیہ یہ ہے کہ۔

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ

مہر مسمیٰ سے مجاوز نہ ہو۔ امام صاحب کے بالمقابل صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست و صحیح قرار پاتی ہیں اور ہر دو صورت میں ذکر کردہ مہر (مہر مسمیٰ) لازم ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح اور ایک جزئیہ ہے۔ کہ اگر عورت بوقت عقد نکاح یہ شرط لگانے کہ اگر شوہر کی پہلے سے کوئی عورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا اور اگر شوہر کی کوئی عورت نہیں ہے تو مہر ایک ہزار ہوگا، اس میں مجر امام صاحب اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو پہلے جزئیہ میں ہے۔

امبسوط سرخسی ج ۵ ص ۹۰ دار المعرفۃ - خانیتہ ج ۱ ص ۱۳۷۸

مذکورہ جزئیات میں فتویٰ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ہونا چاہئے، کیونکہ تسمیہ کسی عقد میں ایک ہی ہوتا ہے۔ دو تسمیہ نہیں ہوتے اگر دو تسمیہ ہوں تو دونوں میں تصادم ہوگا۔ نیز امام صاحب کے قول سے عدول اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ کوئی ضرورت ہو، یا امام صاحب کی دلیل ضعیف ہو۔ دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی یہاں نہیں ہے۔ نہ ہی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس ضرورت سے نمٹنے کے لئے دوسری قیدی بڑھائی جاسکتی ہیں، جیسا کہ اس سے قبل گزرا۔ اور نہ ہی امام صاحب کی دلیل ضعیف ہے۔ جس سے اعراض کی گنجائش ہو۔

نیز قاضی خاں کا طریقہ ہے کہ وہ راجح قول کو مقدم بیان کرتے ہیں انھوں نے امام صاحب کے قول کو مقدم بیان کیا ہے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان کے علاوہ فقہاء نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

لہذا فتویٰ امام صاحب ہی کے قول پر ہوگا۔ بصورت دیگر یعنی اگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہو تو اس کا دروازہ کھل جائے گا کہ ہر شخص ایک بڑی مقدار میں مہر باندھنے لگے گا۔ جس کے نتیجے میں شوہر طلاق کی اشد ضرورت کے وقت بھی اپنا حق استعمال نہ کر سکے گا۔ جبکہ شریعت نے طلاق کو اسی لئے مباح قرار دیا ہے کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو حسن خوبی کے ساتھ طلاق دے کر اجیرن زندگی کو سکون سے تبدیل کر سکے۔ اور اس طرح مرد جنہیں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حاکم بنایا ہے انہیں عورتوں کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ اور ان کا حق تلف ہو کر رہ جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

بوقت نکاح مہر کی کمی و بیشی کو دوسری عورت سے نکاح کرنے نہ کرنے پر  
معلق کرنا

اگر بوقت عقد نکاح عورت مرد پر یہ شرط لگانے کہ اگر میرے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر دس ہزار ہوگا۔ یا اس جیسی اور کوئی شرط لگانا۔ اس



میں وہی اختلاف ہے جو ماقبل میں گزرا کہ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں (یعنی جب شرط پوری نہ کرے) تو ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسری صورت پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے بشرطیکہ مہر مثل مسمی سے متجاوز نہ ہو اور اقل سے کم نہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔

یہ گفتگو تسمیہ کے متعلق تھی۔ جہاں تک فی نفسہ اس شرط کی بات ہے تو یہ شرط لگانا شرط فاسد ہے جس سے صلح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ایسی شرطوں کو شوہر کے ذمہ پورا کرنا ضروری ہے۔ والنکاح لا یبطل

بالشروط الفاسدة المبسوطة سرخسی ج ۵ ص ۱۹۵

بدائع الصلح میں ہے :

وتنال ما شرط الزوج من طلاق الصراة و ترک خروج من البلد لا یلزمه فی الحکم لان ذالک

وعد و عدلها فلا یكلف به ابدان الجنان ج ۲ ص ۱۲۸۵

لہذا شوہر کے ذمہ مذکورہ شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے۔ اور ایسی شرطوں کا حکم جو مقتضی عقد کے خلاف ہوں، ماقبل میں بالتفصیل گذر چکا۔

لہذا اگر شوہر اپنا اخلاقی فریضہ انجام دیتے ہوئے اگر ورت کی شرط پوری کر دے تو پہلا مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کرے تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا، بشرطیکہ اقل مسمی سے کم اور اکثر سے متجاوز نہ ہو۔ غانیہ میں ہے :

ولو تزوجها علی الف ان اقام بها و علی الغین ان اخرجها من بلدها او علی الف ان لم

یکن له امرأة و علی النین ان کان له امرأة قال ابو حنیفة الشرط الاول جائز ان وافق الشرط

کان لها الالف لا ضیر، ان خالف کان لها مهر المثل لا یزاد علی الغین و لا ینقص من الف الخ

اخانیة ج ۱ ص ۱۳۷۸

۱۳۱ بوقت عقد نکاح عورت کا سابقہ وابستہ ملازمت سے یا آئندہ ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا اور شوہر

کو قبول کرنا تو کیا ایسی شرط کی پابندی ضروری ہے؟ اور کیا عدم پابندی کی صورت میں عورت کے لئے شوہر کی تعمیل حکم ضروری ہے؟ عورت کے لغوی معنی ہیں پھٹی ہوئی چیز۔ عورت کو عورت اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پوشیدہ رہنے کی چیز ہے۔ عورت کی مثال ایک ایسے گلاب کے پھول کی طرح ہے کہ جو ایک عام شاہراہ پر رکھا

ہوا ہو اور ہر ایک اس کو چھوئے تو یقیناً وہ مرجھا جائے گا اور اس کی رنگت باقی نہیں رہے گی۔

## انسداد طلاق کے لئے مہر میں اضافہ

مولوی احتکام الحق قاسمی

یہ حقیقت ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، جن سے معاشرہ کا معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا ہے، لہذا اس کے بے جا استعمال سے بچنے اور غلط استعمال کو روکنے کے لئے سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کی قباحت سے آشنا کرایا جائے، تین طلاق سے روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کرنا مناسب نہیں۔ کیوں کہ بعض دفعہ عورت کو طلاق دینا ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کو دیکھ کر وہ طلاق دینے سے عاجز رہتا ہے۔ نتیجہ عورت کا سعلقہ ہو کر رہ جاتی ہے، اگرچہ عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار درست ہے، اور شرط کی جو بھی صورت پائی جائے گی وہی مہر لازم ہوگا، بس فرق یہ کہ امام اعظم کے نزدیک شرط اول کی ایفا کی صورت میں مہر مسمی لازم آئے گا اور عدم ایفا یعنی طلاق دے دینے کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر لازم آئے گا یعنی طلاق دینے کی صورت میں بیس ہزار اور نہ دینے کی صورت میں دس ہزار۔

### صاحبین کے قول پر فتویٰ

اس مسئلہ (مسئلہ مذکورہ) میں اگرچہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور دوسری شرط صحیح نہیں ہے لیکن

بوقت حاجت و ضرورت صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس جگہ بھی اگر طلاق کے واقعات کو روکنے اور اس کے غلط اور بے جا استعمال کے سد باب کے لئے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ علامہ ابن عابدین نے ضرورت کے تحت صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو اس سلسلہ میں شرح عقود رسم المفتی کی عبارت۔

" والحاصل ان ما خالف فيه الا - حباب امامهم الاضخم لا يخرج من مذهبه اذا رجحه المشايخ المعتبرون وكذا ما بناء المشايخ على العرف والحادث لتغيير الزمان او للضرورة و نحو ذلك لا يخرج من مذهبه ايضا لان ما رجحوه لترجيح دليله عندهم ما ذون به من جهة الامام وكذا ما بنوه على تغير الزمان والضرورة باصتبار انه لو كان حيا لقال بضا قالوه لان ما قالوه انما هو مبني على قواعده ايضا فهو مقتضى مذهبه (رسم المفتی ص ۱۸)

نیز فقہاء کی تصریحات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ میں سے کسی کے قول پر عمل کیا جائے تو وہ حقیقتہً امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرنا شمار ہوگا اس سے عدول نہیں سمجھا جائے گا، اس اعتبار سے بھی صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ شامی نے فرمایا۔

واذا اخذ بقول واحد منهم يعلم قطعاً ان يكون به آخذ بقول ابي حنيفة فانه روى من جميع اصحابه من الكبار كابى يوسف و محمد و زفر و الحسن انهم قالوا ما قلنا فى مسألة قولنا الا و هو روايتنا عن ابي حنيفة واقسموا عليه ايماناً ضليخاً فلم يتحقق اذن فى الفقه جواب ولا مذهب الا له كيف ما كان و ما نسب الى غيره الا بطريق المجاز للموافقة (رسم المفتی ص ۱۶)

اسی طرح ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ اگر نکاح کرتے وقت اس طرح کا مہر طے ہو کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا، اس مسئلہ میں بھی اگرچہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور شرط اول صحیح اور شرط ثانی باطل ہے، لیکن حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس طرح کا مہر طے کرنا میرے خیال میں صحیح و درست ہوگا، اور دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی، اس لئے کہ بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے، یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو اس سلسلہ میں حضرات صاحبین نے دونوں شرطوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی تزویج اور عدم تزویج کی شرط پر مہر متعین کرنے کو بھی صحیح قرار دیا



جائے گا، ملاحظہ ہو اس سلسلہ میں ہدایہ کی عبارت (قن)

و اذا تزوجها على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها اخرى فان و في بالشرط فلها المسمى و ان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها و لو تزوجها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فله المهر المثل لايزاد على الالفين و لا يتقص من الالف. و اذا صدقها بى حنيفة و قال الشرطان جميعا جائز ان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الالف ان اخرجها اهداية ج ۷ ص ۳۲۹

## بیوی کی طرف سے شرط ملازمت

مولوی معین الدین قاسمی

### عورت کا ملازمت کے سلسلہ میں باہر نکلنا

آج کل ترقی یافتہ دور میں جہاں مردوں کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا رواج عروج پر ہے وہیں ہمارے مسلم معاشرے کی عورت میں بھی ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم کا رواج دن بدن ترقی پر ہے۔ چنانچہ حصول تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے بھی وابستہ ہو جاتی ہیں اور حکومت بھی عورتوں کی ملازمت پر دھیان دیتی ہے اور اسے ملازمت سے وابستہ کرتی اور جوڑتی ہے، ایسی صورت میں ایک امر یہ ہے کہ جب عورتوں کو اپنے آپ ملازمت ملے گی تو وہ سب اپنی ملازمتوں پر جائیں گی، اور شریعت کے اندر عورتوں کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نکلنا جائز و درست نہیں، لیکن اگر عورت بوقت نکاح عقد ہی کو اس شرط کے ساتھ طے کر لے کہ میں نکاح کرتی ہوں اس شرط کے ساتھ کہ مجھے وہ لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول کرے تو شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی جو آئندہ ہونے والی ملازمت ہو اس سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ اس لئے کہ یہ شرط شرط فاسد ہے جس کا ایفاء لازم نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اخراج من البلد کے سلسلہ میں ہے کہ اگر شرط پوری کرے۔ ورنہ کوئی ذمہ داری

عائد نہیں ہوتی ہے۔

او تزوج علی مهر مسمی و شرط لها شیعہ آخر بان تزوجها بالف صلی ان لا یخرجها من بلدھا و صلی ان لا یتزوج صلیھا فان و فی بالشرط فلھا المهر المسمی الخ | مجلسۃ الفقہ

الاسلامی ص ۵۲ ج ۱۷

اس کے علاوہ فقہاء کرام کے اقوال و تصریحات سے بھی یہ فیصلہ سامنے آتا ہے کہ شوہر پر اس شرط کے قبول کرنے کے باوجود اس کی پابندی ضروری نہیں۔ نیز شوہر اگر بیوی کو روکے تو اس پر اس کی تعمیل ضروری ہو جائے۔ اور عدم تعمیل کی صورت میں گنہگار ہوگی۔ فتح القدر میں ہے

وما صد اذالک من زیارة الاجانب و صیادتهم و الولیمة لا یاذن لها و الا تخرج ولو اذن و خرجت کانا ماصیین | فتح القدر ج ۵ ص ۳۸۵

آگے مزید تصریح فرماتے ہیں کہ

ولکن اذا اراد ان تخرج لتعلم مسئلة من مسائل الوضوء والصلوة ان کان الزوج یحفظ المسائل ویذکر معها له ان یمنعھا و ان کان لم یحفظ الا ولی یاذن لها احياناً وان لم یاذن فلا شئ علیہ | شرح فتح القدر ج ۲ ص ۳۵۸

اسی طرح شامی کے اندر علامہ ابن عابدین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ شوہر بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کر سکتا ہے جن سے اس کے حق میں ضرر یا نقص پیدا ہوتا ہے جس کے کرنے کی صورت میں بیوی کو شوہر کے گھر سے باہر نکلنا لازم آئے گا۔ ینبغی تحریرہ ان یکون له منعھا من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقہ او ضررہ او الی خروجھا من بیتہ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۶۰۳)

اور آیت قرآنی بھی موجود ہے عورت کے پردے سے متعلق اور احادیث و قرآن میں بہت ہی سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے کہ عورت بغیر پردے کے باہر نکلے اور اب رہی ملازمت کی اور تعلیم کی بات، اس کے متعلق احقر کی یہی رائے ہے کہ عورت تو پردے میں رہنے والی ہے اور اس کے لئے ہر حالت میں پردہ ضروری ہے اور اسلامی معاشرہ میں بھی اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت ملازمت کرتی ہے اور اس میں کوئی ضرر اس کو محسوس نہیں ہو رہا ہے اور حجاب کا معقول انتظام ہو تو ملازمت کر سکتی ہے اور تعلیم کے غرض سے باہر نکل رہی ہے اور اس میں پردے کا انتظام ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس کے باہر نکلنے میں اندیشہ ضرر ہے اور پردے کا معقول انتظام نہیں ہے تو وہ باہر نہیں نکل سکتی ہے اور ایسی حالت میں تعلیم کے



غرض سے بھی نہیں نکل سکتی ہے ، اور ان کو شوہر روک بھی سکتا ہے اس کے روکنے پر شرعا کوئی پابندی نہیں لگا سکتی ، یہاں پر ایفاء شرط ضروری نہیں ہے ، اگرچہ شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کر لیا عقد نکاح کے وقت ، ان کے شوہر کو جہاں پر ضرر ہوگا تو وہ بلا تامل اپنی بیوی کو ایسی ملازمت اور ایسی تعلیم سے روک سکتا ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پردے کے متعلق قرآن میں فرمایا ۔

ان تمام عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی صورت میں شوہر روک سکتا ہے ، اس پر اس وقت ایفاء شرط لازم نہیں ہے ۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

## نکاح میں عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

مولوی سمیع اللہ قاسمی

سوال ۳ - ملازمت کرنے والی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس طرح کی شرطیں شرعاً جائز اور درست ہیں، اور ان کو تیسری قسم کی شرائط میں شمار کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی خاتون کوئی ملازمت کرے یا صنعت و حرفت میں اپنے کو مشغول رکھے، دن کو مشغول رکھے اور رات کو گھر میں حاضر رہے، یا اس کا عکس یعنی اٹا کرتی ہے، ان تمام صورتوں میں شوہر کو سپردگی کامل نہیں ہے۔ اس لئے عورت کا ان پیشوں میں مشغول رہنا اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، مثلاً ڈاکٹر ہے یا نرس ہے یا استانی ہے جائز نہیں ہے، شوہر اس سے روک سکتا ہے ہاں وہ اگر شوہر کی رضامندی سے ان کاموں میں مشغول ہے تو شوہر اس ناقص سپردگی کو خود قبول کر لیا ہے، اس وجہ سے اس طرح کی شرطیں جائز اور درست ہیں۔

لیکن اس ذیل میں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ اگر شوہر نے اس شرط کو قبول کر کے ایک بار اجازت دیدی ہے تو یہ اجازت دائمی نہیں ہوگی، بلکہ شوہر کو بعد میں روکنے کا اختیار ہوگا اور عورت پر اس حکم کی پابندی ضروری ہے، ورنہ شوہر پر اس کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے اگر کسی شخص نے یہ جان کر بھی کہ اس کی ہونے والی

بیوی کہیں ملازمت کرتی ہے اس کے ساتھ نکاح کیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس کے ملازمت کرنے پر راضی ہے اور اس کا نفقہ برقرار رہے گا، پھر اگر وہ اسے شادی کے بعد روک دے اور عورت اس حکم کی تعمیل نہیں کرتی ہے تو منع کرنے کے بعد کی مدت میں بصورت عدم تعمیل وہ مستحق نفقہ نہیں ہوگی۔

در مختار میں ہے

ولو سلمت نفسها بالليل دون النهار او عكس فلا نفقة لنقص التسليم قال في المجتبى  
وبه صرف جواب واقعة في زماننا انك اذا تزوج من الحترفات التي تكون بالنهار في  
مسالحها وبالليل منده فلا نفقة لها انتهى

یعنی اگر عورت اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہے اور دن کو گھر میں حاضر رہتی ہے یا اس کا برعکس کرتی ہے، تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اور مجتبیٰ میں ہے اسی سے اس کا بھی جواب سمجھ میں آجاتا ہے جو ہمارے زمانے میں واقع ہے کہ اگر ملازمت یا کسی طرح کا پیشہ اختیار کرنے والی سے شادی کرتا ہے جو کہ رات کو حاضر رہتی ہے اور دن کو اپنے پیشہ میں مشغول رہتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔ اب ان عبارتوں سے مسئلہ کا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ ایسی شرطیں لگانا شرعا جائز اور درست نہیں۔ لیکن شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وجہ کہ شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے اس حکم کی تعمیل لازم اور ضروری ہے، اور اگر اس سے باز نہیں آتی ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتی ہے تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔



## نکاح میں شرط ملازمت اور اس کا حکم

مولوی محمد منصور عالم قاسمی

جواب ۳ - آج کل عورتوں میں ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی ہوتی ہیں، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے، تو اس شرط کی پابندی شوہر کے لئے ضروری نہیں ہے، اور یہ شرط شرعاً درست نہیں ہے، اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری اور لازمی ہے فقہاء کرام نے فرمایا کہ شوہر عورت کو سوت کاتے سے روک سکتا ہے، نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں رکھ سکتی ہے، صرف غزل کی تخصیص نہیں ہے بلکہ شوہر ہر ایسے اعمال سے بیوی کو منع کرے گا جو اعمال کسب کمانے کا مقتضی ہو۔ وجہ ممانعت یہ ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ شوہر پر لازم ہے، پھر کمانے کی کیا وجہ اور ضرورت ہے؟ اسی طرح کسی غیر کے لئے بھی کوئی عمل نہیں کرے گی، ذیل میں ملاحظہ ہو البحر الرائق کی عبارت

ان يمنع امراته من الغزل ولا تطوع للصلوة والصوم بغیر اذن الزوج کذا فی الظہیریۃ -  
ولا ینبغی تخصیص الغزل بل لہ ان یمنعہا من الاعمال کلہا المقتضیۃ لکسب لانہا مستغنیۃ  
منہ لو جوب کفایتہا علیہ وکذا من العمل تبر ما لا جنبی بالاولی (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶)

شوہر بیوی کو ہر اس چیز سے روک سکتا ہے جو اس کے اور اس کی بیوی کے حق میں خلل واقع ہو۔ چنانچہ بیوی کے پاس پہلے شوہر کا بچہ ہے اور بیوی اس بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہے، اور تربیت کرنا چاہتی ہے تو شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دودھ پلانے سے روک دے۔ کیونکہ دودھ پلانے میں اور جاننے میں ٹھکے گی۔ اور یہ ٹھکانا اور جگنا حسن کو کم کرے گا جو شوہر کا حق ہے۔ خود کرنے کا مقام یہ ہے کہ شریعت نے حقوق زوج کا کتنا خیال رکھا ہے۔ اگر بیوی ملازمت کے لئے نکلے گی تو یقینی بات ہے کہ پورے دن کی ٹھکی ماندی رہے گی جب شام میں آنے گی تو اپنے آرام و سکون کے فکر میں رہے گی۔ شوہر کا کیا خیال رکھے گی؟ بچے کی بھی صحیح تربیت نہیں کر سکے گی۔ گھر کا نظام بھی درست نہ رکھ سکے گی۔ جو عورت کا فریضہ ہے، حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قال الرملى اقول لو كان معها ولد من غيرها و ارادت ان ترضعه و تربيه هل له منعها و الذى  
يجب ان يقال ان له منعها يدل عليه ما فى التاتار خانية من الكافى فى اجارة الضمير - وللزوج  
ان يمنع امراته مما يوجب خلا فى حقها وما فيها ايضا نقلنا من الغنائى و لانها فى الارضاع و  
السهر تتعب و ذالك ينقص جمالها و جمالها حق الزوج فكان له ان يمنعها حواله البحر الرائق

ج ۲ ص ۱۹۵

حضرات فقہاء کرام نے عورتوں کو باہر نکلنے کے حدود بیان فرماتے ہیں کہ عورتیں شوہر کی اجازت سے کن کن صورتوں میں باہر نکل سکتی ہیں اور اس کے موقع کیا ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شوہر بیوی کو سات جگہوں میں باہر نکلنے کی اجازت دے گا۔ والدین کی زیارت و ملاقات۔ ان دونوں کی عیادت و تعزیت یا ان میں سے ایک کی عیادت و تعزیت اور محارم کی تعزیت و زیارت۔ عورت اپنے حق کے لئے جو کسی دوسرے پر ہو اور حج کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے بھی نکل سکتی ہے۔ ولیمہ میں شرکت کے لئے شوہر بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور نہ بیوی باہر نکل سکتی ہے اگر شوہر نے بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت دیدیا اور بیوی نکل گئی تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔ جن صورتوں میں عورتیں باہر نکل سکتی ہیں ان صورتوں میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا ہے کہ بیوی ملازمت کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ اگر عورتوں کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز اور مناسب ہوتا تو ضرور فقہاء کرام ذکر فرماتے لیکن کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کا بغرض ملازمت باہر نکلنا درست اور مناسب نہیں ہے۔ ولیمہ جو سنت نبوی ہے اور دعوت قبول کرنا سنت ہے، لیکن اس میں عورتوں کی شرکت ممنوع ہے۔ وجہ ممانعت میرے خیال میں ابتلاء فتنہ اور معصیت ہے۔ (واللہ اعلم) جب سنت نبوی میں شرکت فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ تو

ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ جب کہ بیوی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نفقہ شوہر پر لازم اور واجب ہے۔

يجوز للرجل ان ياذن لها بالخروج الى سبعة مواضع : زيارة الابوين و عيادتهما و تعزيتهما او احدهما و زيارة المحارم فان كانت قابلة او كان لها على آخر حق تخرج بالاذن و بغير الاذن و لحج على هذا او فيما عدا ذلك من زيارة الاجانب و عيادتهم و الوليمة لا ياذن لها ولا تخرج ولو اذن و خرجت كانا صاصيين . احواله . البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۲

اگر کوئی عورت اپنے نفس کو دن میں شوہر کے حوالہ کرے۔ لیکن رات میں حوالہ نہ کرے۔ یا اس کے برعکس۔ تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ اس لئے کہ تسلیم نفس ناقص ہے۔ اس سے اس پیشہ ور عورت کا حکم معلوم ہوا، جو دن کا اکثر حصہ کارخانہ میں گزارے، اور رات شوہر کے ساتھ تو اس صورت میں بھی عورت نفقہ کی مستحق نہیں رہتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ عورت کے لئے تسلیم نفس کامل طور پر ضروری ہے۔ ملازمت کی صورت میں ظاہر ہے کہ نفس کی تسلیم کامل نہیں ہوگی، جو شوہر کا حق ہے۔ اس لئے عورت بغرض ملازمت باہر نہیں نکل سکتی ہے۔

اذا سلمت نفسها بالنهار دون الليل او على مكسه لا تستحق النفقة لان التسليم ناقص . قلت و بهذا صرف جواب و اقامة في زماننا بانه اذا تزوج من المحترفات التي تكون عامة النهار في الكارخانة و الليل مع الزوج لا نفقة لها البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۵ وقبرن في بيوتكن و لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى . اس آیت میں پردے کے متعلق اصلی حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں (یعنی بلا ضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں) اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھریں۔

اس آیت سے پردے کے متعلق دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ ہے کہ اصل مطلوب عند اللہ عورتوں کے لئے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لئے ہوتی ہے۔ ان میں مشغول رہیں۔ اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ حجاب بالبیوت ہے۔ اگرچہ ضرورت کے وقت باہر نکلنے کی اجازت ہے، لیکن عورت کا ملازمت کے لئے شوہر کے موجود ہوتے ہوئے باہر نکلنا درست نہیں۔ ضرورت کہتے ہیں جس کے بغیر ضرر ہو۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کے نہ نکلنے میں ضرر نہیں ہے۔

پردہ سے متعلق تمام آیات و احادیث کا اصل مضمون شرعی حجاب اشخاص ہے یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نگہ رانی میں مستور ہو۔ ملازمت کی صورت میں اس حکم پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہے۔ غور



فرمائیں جس شریعت نے نماز جیسی اہم عبادت کو مردوں کے ساتھ مسجد میں ابتلاء، فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع قرار دیا وہ شریعت عورتوں کو ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا خرجت المرأة استشرفها الشيطان - عورت جب گھر سے نکلتی ہے، تو شیطان اس کو ٹاک لیتا ہے۔ (یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے) اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں و اقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں، باہر نہ نکلیں، اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - ليس للنساء نصيب في الخروج الا مضطرة - یعنی عورتوں کا باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں سوا اس کے کہ گھر سے باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آئے۔ اس حدیث میں اضطرار کی صورت میں نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ غور کیجئے کیا ملازمت کے لئے عورتوں کا باہر نکلنا اضطرار ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں ملازمت کے لئے نہیں نکل سکتی ہیں۔ میں تمام آیات و احادیث کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عورتیں شوہر کے موجود ہوتے ہوئے گھر سے باہر ملازمت کے لئے نہ نکلیں خصوصاً یہ زمانہ پر فتنہ ہے جس میں ابتلاء، معصیت و فتنہ و فساد کا مہوم ہے۔ اس لئے وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے بلا ضرورت عورتوں کو ملازمت کی اجازت نہ دی جائے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

## عقد نکاح میں خواتین کی طرف سے شرط ملازمت

مولوی نظام الدین قاسمی

تعلیم و تعلم کا دروازہ ہر دور میں اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں پر بھی کھلا رکھا ہے، بلکہ ضروریات دین کے بقدر تحصیل علم کو فرض قرار دیا گیا ہے، عہد رسالت میں اس کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی، حضور نے خواتین کی تعلیم کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں عورتوں نے علم کے میدان میں اپنا ایک خاص مقام بنالیا تھا، اور اکثر مردوں کو عورتوں کی طرف مسائل کے سلسلہ میں رجوع کرنا پڑتا تھا۔ تابعین کے دور میں بھی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو عہدہ قضاء و افتاء سے لے کر طب اور صنعت کے فن تک سے واقف تھیں، لہذا اس دور میں بھی اگر خواتین علم کا حصول شریعت کے حدود میں رہ کر کریں تو جائز ہی نہیں بلکہ بہتر قدم ہوگا، جس کی وجہ سے عورتوں کو عورتوں سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی اور سہولت ہوگی۔

اگر بیوی نے شوہر سے یہ شرط لگانی کہ اس کو لگی ہوئی ملازمت سے یا آئندہ متوقع ملازمت سے نہیں روکے گا۔ تو اگر یہ شرط اسلام کے موافق ہوگی، مثلاً پردہ کا اہتمام ہو، باہر نکلنے کے لئے شوہر کی اجازت ہو، جو مرد کا عورت پر ازدواجی حق ہے۔ غیر محرم اور اجنبی مردوں سے اختلاط اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بیوی سے مروی ہے کہ وہ اپنی کمائی سے اپنے شوہر اور اپنے اہل و عیال کی

کفالت کرتی تھیں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۷۱۲)

تاہم چونکہ شریعت نے عورت پر مرد کا یہ حق رکھا ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے اور شریعت کا نشاء بھی یہی ہے کہ عورتیں گھر ہی کو اپنی محنت کا میدان بنائیں اس لئے یہ شرط واجب الایفاء نہ ہوگی، جیسا کہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

بخلاف مالو شرط شرط فاسدا کمالو تزوجتہ علی ان لا یطاہا فانہ یصح النکاح و

یفسد الشرط ارد المحتار علی الدر الشامی ج ۳ ص ۱۳۱ (کراچی)



# مباحثہ

زیر بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں پر دلائل کی روشنی میں  
شرکائے سمینار کا تفصیلی مباحثہ

## اشتراط فی النکاح سے متعلق مباحثہ \*

(اسلامک فقہ اکیڈمی کے آٹھویں سیمینار منعقدہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مورخہ ۷۷-۷۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں "اشتراط فی النکاح" ایک اہم موضوع تھا، اس سلسلہ میں تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی اور اس نے درج ذیل تجاویز اجلاس کے سامنے پیش کی جو بعض ترمیمات کے ساتھ منظور ہوئیں جو اس مجموعہ مضامین میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ موضوع سے متعلق عرض مسئلہ اور پیش کردہ تجاویز پر جو بحثیں ہوئیں اور تبادلہ خیال ہوا ان کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے منتقل کیا گیا جو ذیل میں درج ہیں، صحیح ٹیپ نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی حصہ چھوٹ گیا ہو تو ادارہ اس کے لئے معذرت خواہ ہے)

### ذیلی کمیٹی کی مجوزہ تجویز

قانون فطرت سے مطابقت مصلح انسانی کی پوری پوری رعایت، توازن و اعتدال، عدل و صلاحیت اور اہلیت کے مطابق حقوق و واجبات کا متعین کرنا شریعت اسلامی کی نمایاں خصوصیت اور اس کا اولین امتیاز ہے، اسلام کے عائلی قوانین بھی اسی خصوصیات کے حامل ہیں اور انسان کی سماجی ضروریات اور مصلح کی پوری طرح تکمیل اور معاشرتی مشکلات اور دشواریوں کا نہایت متوازن حل پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ احکام شریعت سے ناآگاہی اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی دوسری اقوام کی بعض رسوم سے تاثر اور خصوصیت سے نظام قسط کے فقدان کے

باعث ہمارے معاشرے میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جن کو ہمیں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے حل کرنا ہے۔ اس پس منظر میں نکاح کے ساتھ عورت کو حق طلاق کی تفویض اور مہر کے بعض مسائل کی بابت غور کیا گیا اور درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگانا کہ جن کو شریعت نے واجب و لازم قرار نہیں دیا ہے اور ان سے منع کیا ہے۔ بلکہ ایسی شرطوں کے ذریعہ مرد اپنے بعض حقوق سے باز آجاتا ہے، ایسی شرطیں معتبر ہیں۔

۱۔ نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کو ہی مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں۔ اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲۔ نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو تو غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جہیز تک کی شرط لگانا، دوسری موجودہ بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگانا، ایسی شرطیں معتبر نہیں۔

۳۔ اسلام نے انسانی فطرت، ضرورت اور مختلف مصلح کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعدد ازدواج کی اجازت دی۔ لیکن زوج کے درمیان عدل کو واجب قرار دیا اور اگر عدل نہ کرنے کا خطرہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کا حکم دیا گیا۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اکثر اوقات تعدد ازدواج کی صورت میں زوج کے درمیان عدل نہیں کیا جاتا، دوسری طرف مغرب کی تقلید میں تعدد ازدواج کو مطلقاً ممنوع قرار دئے جانے کے لئے قانون سازی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ خود بسا اوقات فتنہ کا موجب ہوتا ہے، یہ صورت حال کہ ضرورت کے وقت بھی تعدد ازدواج ممنوع اور دوسری طرف تعدد ازدواج کی صورت میں عدل کا فقدان اور معاشرہ میں عورتوں پر ظلم کا رواج ہو جائے، شرعاً قابل قبول نہیں۔ اس پس منظر میں اکیڈمی کا یہ سینار طے کرتا ہے کہ نکاح کے وقت مصلح و مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ شوہر نکاح ثانی کی ضرورت محسوس کرنے پر دارالقضاء یا کسی مستند یا متعین ادارے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کر کے نکاح ثانی کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح ثانی کرے، ایسی صورت میں شوہر پر اس شرط کا پورا کرنا واجب ہوگا۔

۴۔ شریعت نے طلاق کا اختیار انسان کی فطری صلاحیت اور معاشرتی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے مرد کو دیا ہے، جو عقل و فطرت کا عین تقاضا ہے، تاہم مرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خود زوج کو یا کسی تیسرے شخص کو طلاق کا مالک بنا سکتا ہے، ایسی صورت میں اس عورت کو اپنے آپ پر یا اس تیسرے شخص کو عورت پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن اس تیسرے شخص کے طلاق واقع کرنے سے قبل مرد کا حق طلاق سلب نہیں ہوگا، بلکہ وہ خود بھی اس حق کے استعمال کا مجاز ہوگا۔



۵ - عورت کو تفویض طلاق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

الف - نکاح سے پہلے ہی تفویض طلاق کی جائے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا جائے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو فلاں فلاں شرطوں کے ساتھ اپنے آپ پر اتنی طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

ب - نکاح کے وقت تفویض طلاق کی جائے، اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی شرط عورت یا اس کے ولی کی طرف سے پیش ہو اور مرد قبول عقد کے وقت اس شرط کو بھی قبول کرے۔

ج - نکاح کے بعد بھی تفویض طلاق ہو سکتی ہے۔

د - تفویض طلاق کے ذریعہ چونکہ عورت اپنے طلاق کی مالک ہو جاتی ہے، اس لیے یہ مسئلہ بہت نازک ہے، اور اندیشہ ہے کہ اگر تفویض کو غیر مشروط رکھا جائے تو اس حق کا غلط استعمال ہونے لگے، اس لیے اس کے ساتھ ایسی قیدیں بھی لگادی جائیں کہ اس کا شرعی و معاشرتی مصلح کے مطابق استعمال کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب ہوگا کہ دارالقضاء یا اصلاح بین المسلمین کا کام انجام دینے والے کسی ادارے سے تصدیق کی جائے کہ شوہر نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے، اور وہ تفریق کو مناسب سمجھتا ہے۔ اس کے بعد ہی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر وہاں کوئی ایسا ادارہ موجود نہ ہو تو چند با بصیرت متدین اور احکام دینی سے واقف افراد کے نام بھی لکھے جاسکتے ہیں جو شوہر کی جانب سے زیادتی اور حقوق زوجیت سے غفلت محسوس کریں تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

۵ - تفویض طلاق میں تین طلاق بطریق سنت یا ایک طلاق بان کا حق تفویض کیا جائے، کیونکہ ایک دفعہ تین طلاقوں کا واقع کرنا طلاق بدعت اور سخت گناہ ہے۔

۶ - طلاق کے واقعات کو کم کرنے اور اس کے بے جا استعمال سے بچانے کے لئے بہتر ہے کہ جہاں دارالقضاء یا کوئی دوسرا معتبر ادارہ موجود ہو وہاں تفویض طلاق عورت کے بجائے اسی ادارے کو کیا جائے کہ اگر زوجین کے بابت وہ محسوس کرے کہ ان میں تفریق بہتر ہے تو وہ عورت پر ایک طلاق بان واقع کر دے۔

۷ - اگر کسی معاملہ میں مرد کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو تو یہ درست ہے کہ نکاح کی دو صورتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار متعین کی جائے۔

مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں خاتون کا مہر بیس ہزار ہوگا، اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا یا اس

منکوحہ کو طلاق دے دی، اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ شرط معتبر ہوگی۔ اور اگر مرد نے دوسرا نکاح کیا یا اس منکوحہ کو طلاق دے دیا تو مہر بیس ہزار روپے دینے ہوں گے ورنہ دس ہزار ہی واجب ہوگا۔ تاہم بہتر ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگانے کے بجائے یہ قید لگادی جائے کہ اگر مرد نے دارالقضاء یا فلاں ادارے یا اشخاص کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کیا یا طلاق دی تو بیس ہزار واجب ہوگا ورنہ دس ہزار، ایسی صورت میں اگر مذکورہ ادارہ یا شخص نے مصلح شرعی کے تحت محسوس کیا کہ واقعی اس کو دوسرے نکاح کی ضرورت ہے یا اس کے لئے طلاق دینے کے سوا چارہ نہیں اور اجازت دے دی تو مہر مقررہ مثلاً دس ہزار روپے ہی بطور مہر واجب ہوں گے۔

۸۔ اگر زوجین میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو شریعت نے حکیم و ثانی کا اصول مقرر فرمایا ہے، تاکہ زوجین کے درمیان ممکنہ حد تک موافقت و مصالحت کی راہ نکالی جاسکے۔ اور اگر دونوں کا معروف طریقہ پر ایک ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو تفریق کا راستہ اختیار کیا جائے۔

### مولانا سید نظام الدین صاحب

اس وقت جو حالات ہمارے سامنے ہیں اس کے تحت نکاح نامہ میں شرائط اور تفویض طلاق کا درج کیا جانا بالکل مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو آجکل یونسی رشتے نہیں ملتے۔ اور پھر ان شرطوں کے ساتھ کون نکاح کرنے پر آمادہ ہوگا، پھر نکاح کا جو ماحول ہوتا ہے وہ عام طور پر خوشگوار ماحول ہوتا ہے، اعتماد و انس کا ماحول ہوتا ہے، اس موقع پر تفویض طلاق کی بات لانے سے باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی، اس سے مجھے اختلاف نہیں کہ شرعاً تفویض طلاق کی گنجائش ہے، لیکن نکاح کے وقت تفویض طلاق کو لکھا جانا ضروری ہے نہ مناسب، بلکہ یہ مقاصد شریعت کے بھی خلاف ہے اس سے طلاق کم ہونے کے بجائے بڑھے گی۔ اور مردوں کی طرف سے ہونے کے بجائے عورتوں کی طرف سے زیادہ طلاق ہوگی، اس لیے آپ میرے اختلاف کو نوٹ کر لیں، میں اس کا قطعاً حامی نہیں ہوں کہ نکاح نامہ میں یا عقد نکاح کے وقت عورت کو مرد کی طرف سے یہ اختیار دیا جائے۔

### مولانا مجاہد الاسلام صاحب

مسئلہ یہاں شرعی نقطہ نظر سے زیر بحث ہے، اور شرعاً غور کرنا ہے کہ اگر عورت یہ کہتی ہے کہ میں آپ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ فلاں فلاں حالات میں مجھے حق ہوگا کہ میں اپنے نفس پر طلاق دیدوں یا قاضی یا برادری کا سردار مطمئن ہو جائے کہ مجھ پر زیادتی ہوتی ہے تو میں اپنے آپ پر طلاق واقع کر لوں اور مرد نے کہا کہ میں نے تمہاری اس شرط کو قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہوگی یا نہیں۔



## مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

میں اس موقع پر سب سے پہلی بات یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ اہل علم و اہل افتاء حضرات کا معزز مجمع ہے۔ اور اس میں کوئی ایسا فیصلہ نہ ہونا چاہئے جو ہندوستان کے موجودہ حالات میں بہت سارے فتنے کا موجب بنے، اگر تقویض وغیرہ کے مسئلے کو اگر نکاح نامے میں داخل کر دیا گیا، اور یہ بھی احساس ہے میرا کہ یہ چیزیں جو آئیں گی وہ دراصل اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی وہ گویا ارون شوری وغیرہ مسلمانوں کے بارے میں جو لکھتے آرہے ہیں ہم اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہم نے یہ تمام جزئیات اور تفصیلات بیان کی ہیں۔ ظاہر بات ہے آپ حضرات مالی دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ نکاح سب سے بابرکت وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو، مالی دشواریاں اور دقتیں نہ ہوں، لیکن ایسا نکاح جس میں ہم شرط لگائیں ذہنی طور پر بہت بار کا باعث ہوگا، تو ایسا نکاح بھی کس طرح مطلوب ہو سکتا ہے؟ تو میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جیسے مغربی ممالک نے مسلمانوں کے خلاف یا اسلامی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہے، اس میں بہت حد تک اس کو تقویت پہنچانے والے اجزاء موجود ہیں، میرا اپنا احساس یہ ہے کہ اگر تقویض کی کوئی بات آتی ہے چاہے جو بھی اس کی صورت ہو، طلاق کی شرح بڑھ جائے گی معاشرہ سدھرے گا، نہیں بلکہ بگاڑ کی طرف چلا جائے گا، اصلاح نہ ہوگی، بلکہ اور فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے ہمیں نہایت محتاط انداز میں صرف جواز اور عدم جواز کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ ہندوستان کے موجودہ چوکھٹے میں ان مسائل کو ہمیں دیکھنا ہے، اور ان حالات کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ تو وہی ہے، ابھی بھی طلاق کی شرح پوری دنیا میں مسلمانوں میں سب سے کم ہے۔

ہاں دارالقضاء کے مسئلے کو بڑھایا جائے، حکم کی جو صورت ہو سکتی ہے اس کو اور اس جذبے کو آگے بڑھایا جائے، میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ کہ اشراط ہو لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے، اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تقویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے۔

اسلام فقہ اکیڈمی کا یہ امتیاز اور اعزاز ہے کہ اس نے اختلاف رائے کو ہمیشہ برداشت کیا ہے، سنا ہے اور گوارا کیا ہے، اور اسی سے اس کا یہ امتیاز باقی ہے۔

## مولانا سید نظام الدین صاحب

دوسری بات جو ایک سے زیادہ شادی سے متعلق کسی گئی ہے اس پر بھی غور کرنا چاہئے، شریعت نے ایک



سے زیادہ شادی کی اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا ہے اگر کسی نے غلط طریقہ پر دوسری شادی کی ہے تو اس کی سزا آپ کیا مقرر کر سکتے ہیں؟ سماج اس کو کیا سزا دے سکتا ہے؟ اور اس پر کیسے کیسے روک لگا سکتی ہے؟ وہ تو ضرور کیجئے، لیکن فقہی نقطہ نظر سے محض جواز کی وجہ سے محض دس ہزار یا بیس ہزار مہر دینا مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ یہ تو کچھ نہیں شوہر پچاس ہزار دے سکتا ہے، لیکن کیا اس سے عدل قائم ہو جائے گا؟

ہاں تحکیم کی جو بات کہی گئی ہے وہ سارے مسئلے کا حل ہے کہ آئندہ زوجین میں کبھی کوئی اختلاف ہوا تو اس میں نہ لڑکی عجلت کرے گی اور نہ لڑکا عجلت کرے گا۔ بلکہ یہ قرآن کے حکم کے مطابق اپنے اپنے خاندان سے حکمین منتخب کریں گے اور اگر اپنے اہل خاندان میں حکم نہ ہوں تو دارالقضاء یا علماء جو مستند ہوں ان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی اقدام کریں گے۔ یہ ضرور لکھا جانا چاہئے، کیوں کہ اس کی اجازت شریعت نے آپ کو دی ہے اور حل قرار دیا، اس کی میں تائید کرتا ہوں۔

## کوئی خاتون

طلاق کا مسئلہ ہو یا وراثت کا یا خلع کا میرے خیال میں ضروری چیز یہ ہے کہ لوگوں کو Educate کیا جائے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی جائے کہ یہ غلط ہے یہ صحیح ہے، اس وقت یہ معاشرہ سدھرے گا اور سب سے بڑی چیز ہوتی ہے خوف خدا، جب انسان میں خدا کا خوف نہ ہو، نہ آخرت کا ڈر ہو تو وہاں نہ قانون کام آتا ہے نہ ہی کوئی تدبیر کام آتی ہے۔ وہ انسان اپنا راستہ خود بخود نکال لیتا ہے، سب سے پہلی چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی قوانین سے واقف ہی نہیں ہیں، نہ تو خواتین واقف ہیں، نہ ہی ہمارے مرد واقف ہیں تو پہلے ضرورت یہ ہے کہ ان کو کسی نہ کسی طرح سے یا جس طرح مناسب سمجھتے ہیں آپ ان کو Educate کریں۔

## مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

میں آپ حضرات سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ اگر ہم ان تفصیلات میں جائے بغیر صرف ان تین اصولوں کا ذکر کر دیں کہ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہیں ان میں کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ معتبر ہیں، اور جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف اور ممنوعات کی ہیں ان کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ایسی شرائط جو ممنوع ہیں نہ مامور ہیں، ایسی شرائط کا لگانا جائز ہوگا، اگر ان تین باتوں پر اس تجویز کو ہم یہاں پر منظور کر دیں تو کیسا رہے گا؟

## مولانا قاری امداد اللہ صاحب

ایک چھوٹا سا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق، خلع اور فسخ تینوں چیزیں اسی غرض سے مشروع ہوئیں کہ بعد میں کوئی ایسی صورت حال پیش آئے تو مرد اور عورت دونوں اس سے فائدہ اٹھائیں جب وہ اسی غرض سے مشروع ہوئے تو پہلے سے تذکرہ کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

## قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب

میں اپنے جائزے کے مطابق اس تہ تک پہنچا ہوں کہ نکاح ثانی جیسا کہ میں نے ۹۰ فی صد کہا تھا، میں اس سے آگے بھی جانے کو تیار ہوں کہ نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی کے ساتھ عدل بہت دور کی بات ہے، واجب اور جائزہ تک بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا، اتنی بڑی معاشرتی حقیقت کو آپ نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں اور اس کا حل نہیں نکالنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے حل ہم اسی دائرے میں نکالیں گے جہاں تک فقہاء نے گنجائش ہمیں دی ہے، قانون سے اس کو ہم منع کر دیں گے کہ Polygyny حرام ہے، نہیں کر سکتا کوئی بھی شخص، تو قانون ظاہر ہے بنے گا، پھر جو ضرورت کے حالات ہیں تو ان حالات میں بھی تعدد ازدواج نہیں ہو سکے گا۔ اس کا اثر معاشرہ پر بہت گہرا پڑے گا۔ آپ چاہیں گے تو مجھے کوئی اس میں ٹکف نہیں ہے کہ اس پوری بحث کی جملہ تجاویز کو ختم کر دیا جائے تو ہم نے کوئی بحث ہی نہیں کی، بہر حال ہمیں ایک ایسی بات کہنی ہے جس پر عام لوگوں کا بھی اتفاق ہونا چاہئے، اس معاشرتی حقیقت کو کہ یہ میری ایک بن لے کہا اللہ ان کو جزائے خیر دے، لیکن جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ہم نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے امارت شرعیہ سے یا جہاں جہاں جو لوگ بھی ادارہ چلا رہے ہیں وہ مسلمانوں سے یہ بات بار بار کہہ رہے ہیں کہ عدل کرو، انصاف کرو۔ ان کو ان چیزوں کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر سب کچھ صحیح ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کے لئے کوئی قانونی تدبیر بھی تلاش کرنی ہوگی۔

میں نے کہا ان لوگوں سے کہ اگر تم واقعی مسلمانوں کو اس کا اطمینان دلادو کہ یونین فارم سول کوڈ دفعہ ۳۳ کے ذریعہ احکام شریعت میں تحریک و ترمیم نہیں کرو گے تو موجودہ معاشرتی مسائل کا حل خود اسلام کے سانچے میں ہم نکلنے کی پوزیشن میں ہیں، یہ خوف ہمارا ہے، اور اس خوف کی وجہ سے قدم بہت احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے اشرافیہ النکاح کے یہ چند اصول بننے اسی میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے زیادتی مہر یا تخفیف مہر کا کہ دو صورتوں میں دو قسم کا مہر مقرر ہو سکتا ہے۔ مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ لوگ زیادہ بتائیں گے کہ کچھ اور مسلک کے فقہاء۔

نے بھی غالباً زیادتی مہر اور قلت مہر والی بات لکھی ہے حنا بلہ کا مسلک اشتراط کے بارے میں سب سے زیادہ جائز قرار دیا ہے۔ ان حالات میں آپ لوگ غور کریں، دوسرا مسئلہ بالکل الگ ہے۔ کہ نکاح نامہ کیا ہو، نہیں ہو؟ ظاہر ہے قطعی عملی چیز ہے، مرد کہیں پر راضی ہوگا، کہیں پر راضی نہیں ہوگا، نکاح نامہ کی بحث بالکل الگ ہے، میں اس سلسلے میں یہ صرف تین اصول بیان کر رہا ہوں کہ کس قسم کی شرطوں کا نکاح میں لگانا جائز اور کس قسم کی شرطوں کا لگانا نہیں جائز، کس قسم کی شرطیں معتبر، کونسی شرطیں غیر معتبر، یہ تین قسمیں جو تمام فقہاء نے لکھی ہیں، اس کو لکھ کر اصول کی حد تک چھوڑ دیا جائے، اب اس کے بعد اگر تفصیلات میں جانا ہے کہ عورت ملازمت کرنا چاہتی ہے یا ملازمت کر رہی ہے، اس سلسلے میں آپ لوگ کیا حکم دیں گے۔ اگر مرد یہ شرط لگا دے کہ ملازمت نہیں کرنی پڑے گی، بیوی کو نوکری سے روک سکتا ہے کہ نہیں؟ یا کس قسم کی نوکری کرے کس قسم کی نہیں؟ ان ساری تفصیلات کو ظاہر ہے کہ ہم آج طے نہیں کر سکتے اس کی روشنی میں آپ لوگوں کی جو رائے ہو وہ تجویز لکھی جائے۔ یا اشتراط فی النکاح کی پوری شرط کو خارج قرار دیا جائے۔

### مفتی شبیر صاحب

حالات کے اعتبار سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مغربی یورپی میں مراد آباد میں محکمہ شرعی عدالت موجود ہے۔ اور عدالت میں ہم لوگ کام کرتے ہیں، تو یہ بات کہنا چاہ رہا تھا کہ میں خود مبتلا ہوں، اسی بات کی میں تشریح کرنا چاہ رہا تھا، ہمارے یہاں جتنے مقدمات آرہے ہیں، ان تمام مقدمات میں ایسا ہے کہ کم از کم ستر فیصد مقدمات ایسے ہیں جن میں عورت کی زیادتی کی وجہ سے یہ نوبت آتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ یا ۳۰ فیصد مقدمات ایسے ہیں کہ جن میں شوہر کی تعدی کی بنا پر یہ نوبت آتی۔ ہمارے یہاں پورے سال میں ۲۰ یا ۱۰ مقدمات آجاتے ہیں، دوسری جگہوں سے بھی آتے ہیں، اس وقت جو ہمارے یہاں پانچ مقدمے چل رہے ہیں، ان میں سے دو شوہر کی طرف سے اور تین عورت کی طرف سے دائر کئے گئے ہیں۔

### مولانا عتیق احمد بستومی

یہ جو پوری بحث چل رہی ہے وہ اپنے دائرے سے ہٹ گئی ہے۔ مسئلہ کیا ہے اور کیا شرعی حکم ہے؟ اس کے بجائے صورت حال اور مصلح کیا ہیں؟ اس پر گفتگو چل رہی ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے، ہمارے بزرگوں نے جن حالات کی بنیاد پر گنجائش دی، اور بہت سے مسائل کو انہوں نے حل کیا، ان حل کو ہم رفتہ رفتہ واپس لیتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا رجحان پایا جا رہا ہے۔ الحیلۃ الناجزۃ جو لکھی گئی ہے



اس میں تمام علماء اس وقت کے ممتاز اصحاب افتاء موجود تھے اور وہ لوگ وہ تھے کہ جن کے پاس پورے ہندوستان سے ہی نہیں بلکہ باہر سے سینکڑوں ہزاروں استفتاء آیا کرتے تھے۔ اور ان کے فتاویٰ سے کئی جلدیں مرتب ہو چکی ہیں، حضرت تھانوی، مفتی شفیع صاحب، مولانا عبد الکریم صاحب وغیرہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب فتاویٰ تھے، اور ہر ایک کے فتاویٰ کی کئی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان حضرات کو جو اندازہ تھا اس وقت کے حالات کا کہ کیا واقعی عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا ہے؟ ان حالات میں ان حضرات کو غور کرنا پڑا کہ جو گناہیں شریعت میں ہیں اور جن کی بنیاد پر ہم بندش لگا سکتے ہیں شوہر پر کہ وہ غلط طلاق دے، اور عورت کو نکاح کے بعد گویا اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے، بسا اوقات کہ نکاح ہو گیا، اب شوہر صاحب ہندوستان سے باہر چلے گئے، اور ان کی واپسی نہیں ہو رہی ہے اور نکاح بھی کب ہوتا ہے کہ صاحب ویزا آ گیا ہے، نکاح کر دینے، میرا بچہ جانے والا ہے، اب نکاح کے بعد ان عورتوں کے شوہر چلے جاتے ہیں، اس میں کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی سال تک نہیں آتے ہیں، میں چونکہ لکھنؤ میں دارالقضاء سے وابستہ ہوں، ایسے مقدمات کثرت سے آتے ہیں، وہاں کی عورتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ چار سال ہو گئے شادی کو، دس سال ہو گئے، شوہر خبر نہیں لے رہا ہے ادھر شوہر کے گھر سے اس کی والدہ بہنیں شکایت کر رہی ہیں کہ ہم تو لینے آتے ہیں، مگر اس نے نافرمانی کیا، عورتیں لنگی ہوتی ہیں، یہ حالات جو ان حضرات کے زمانے میں تھے اس کا حل ان کے سامنے نہیں تھا، دارالقضاء موجود نہیں تھے، انہیں مشکلات کو حل کرنے کے لئے ان حضرات نے محنت کی اور بہت بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ حضرت تھانوی کے زمانہ میں شرعی پچنات قائم کرنے کی بات ہوئی، اب صورت حال یہ ہے آپ ذرا مجھے یہ بتائیں اور پوری دیانت داری کے ساتھ کہ اس دور میں جو مظالم عورتوں پر ہو رہے تھے کیا آج مظالم میں کمی آگئی ہے؟ اور اس وقت صورت حال یہ تھی کہ سماجی بندھن ہمارے اوپر تھا، اگر کوئی طلاق کا اقدام کر رہا ہے برادری سے باہر تو اس کا کھانا پینا بند، ان بندشوں کی وجہ سے طلاق دینے کی ہمت وہ آسانی سے کرتا نہیں تھا، اور آج صورت حال کیا ہو چکی ہے کہ آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے، جیسا کہ کسی دوسرے پر دباؤ نہیں، سماجی دباؤ ختم ہونے کی بنا پر حالات میں تبدیلی آئی ہے۔ اور مظالم میں اضافہ ہوا ہے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ پروپیگنڈہ جو لوگ بھی کر رہے ہیں کہ شرح طلاق اتنی ہے، اتنی ہے، اس سے ہرگز ہم متاثر نہیں ہیں، اللہ کا فضل ہے، اور اب بھی ہمارا مسلم سماج ان سے کہیں بہتر ہے، ہر لحاظ سے ہمارے مسلم سماج کو بھی اس کا حق ہوتا ہے۔ ہمارے مسلم سماج میں جو انصاف ہو رہا ہے عورتوں کے ساتھ وہ کسی سماج میں نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں زیادتیاں ہیں۔ اور جو حضرات دارالقضاء سے وابستہ ہیں۔ ابھی کئی گھنٹو ہو رہی تھی مفتی حبیب اللہ قاسمی بیٹھے ہوئے ہیں وہ اعظم گڑھ میں رہتے ہیں۔ وہ وہاں کی صورت حال بیان کر رہے تھے۔ کہ ہر گھر سے لوگ باہر گئے ہوتے ہیں اور،

نہیں کیا کیا صورت حال ہے کہ بیان کرنے میں بھی شرم آتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ صورت حال جو ہے اس پر ہم کب تک پردہ ڈالتے رہیں گے، کہ ہمارے فیصلے کی بنا پر ہمارے شرط عائد کرنے کی بنیاد پر یہ تاثر پریس میں ہوگا، وہ تاثر پریس میں ہوگا، اگر یہ واقعہ ہے کہ زیادتیاں ہو رہی ہیں، اور طلاق کے دینے میں بے احتیاطی ہوئی ہے تو بجائے اس کے، پریس پر یہ تاثر پڑے گا وہ تاثر پڑے گا، اس کے سد باب کی کوشش کیوں نہ کریں یہ تو میں نے مصالح کی بات کہی، جہاں تک مسئلے کی بات ہے کہ گنجائش کیا ہے اور کس حد تک، کون سی شرطیں عائد کی جاسکتی ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ سر میں کمی کی اور زیادتی کی جو بات ہے، اس کمی اور زیادتی کی بات کو صاحبین نے اختیار کیا ہے۔ تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ اس مسئلہ کا حل نہیں ہے کہ اگر ایک مرد مشروط نکاح نہیں کرنا چاہتا، اس کو تو ہم لازم کر نہیں رہے ہیں کہ تم کو مشروط نکاح ہی کرنا ہے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ جہاں پر دونوں فریق راضی ہیں ان شرطوں پر، شرعا اس شرط کی گنجائش ہے کہ نہیں، یہ شرطیں عائد ہو سکتی ہیں کہ نہیں؟ میرا مقصد یہ ہے کہ صورت حال کی ایک تصویر ہمارے سامنے ایک قوت کے ساتھ آتی، دوسرے کو ہم غور کریں کہ ہمارے یہاں سے کتنی زیادتیاں ہو رہی ہیں، اور دوسری افسوسناک بات کیا ہے کہ ان زیادتیوں کا جو بڑھاوا ہے اس کا تقاضا ہے کہ دارالقضاء قائم ہو پورے ملک میں، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ذمہ داران بیٹھے ہوئے ہیں، اس میں بڑی سست رفتاری ہے، دارالقضاء کہاں کہاں قائم ہے؟ بہار و اڑیسہ میں یہ نظام قائم ہے، لیکن پورے ہندوستان میں بہت سست رفتاری کے ساتھ کام ہو رہا ہے، اگر دارالقضاء کی تحریک کو ہم آگے بڑھاتے تو شاید مظالم میں کمی آتی اور بے جا طلاق کا استعمال نہ ہوتا، اس پوری صورت حال میں ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے اور تنہا محض پریس کا یہ اثر پڑے گا، یہ بنیاد بنے گی، میرے خیال میں یہ صورت حال ٹھیک نہیں، اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے جو بات فرمائی ہے، حکیم والی بات بھی، اس بات میں بھی آخر طلاق کا ذکر آئے گا، اگر نکاح کی تقریب میں کسی بھی عنوان سے طلاق کا ذکر آنا معیوب بات ہے اس سے ماحول خراب ہوگا تو حکیم کی جو بات ہم لائیں گے اس وقت بھی ماحول خراب ہوگا، بات وہی پیدا ہوگی، چاہے حکیم کی بات لائیں، چاہے اشتراط کی باتیں۔

حکیم ظل الرحمان صاحب

اس کا حل یہ ہے کہ تمام نکاحات رشتہ کے وقت طے کئے جائیں، نکاح کے وقت نہیں۔



## مفتی نسیم صاحب

اس مسئلے میں زیادہ الجھاؤ پیدا ہو رہا ہے، قاضی صاحب نے مسئلے کو جس حساب سے پیش کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ صرف اسی نقطہ نظر پر ہم اور آپ غور کریں، نکاح کے وقت شرائط کی جو تفصیل ہے، دو شرطوں پر تو سب لوگوں کا اتفاق ہے، اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صرف ایک شکل ہے جس پر ہم کو اور آپ کو غور کرنا چاہئے اور جن حضرات کی اختلافی رائے ہو تو اس کو نوٹ کر لینا چاہئے۔ خاص طور پر جو اصحاب افتاء ہیں، ان سے رائے لینی چاہئے، تیسری شکل جو ہے وہ شکل یہ ہے کہ ایسی شرط لگانا جس میں بیوی یا شوہر کا فائدہ ہو اور شرع اسلامی نے اس کے لگانے کو حرام قرار نہیں دیا ہو تو ایسی شرط نکاح میں لگانا درست ہوگا یا نہیں، اور صرف اس شرط کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی، شافعی یا مالکی میں واجب کی بات نہیں ملتی، بلکہ فقہ حنبلی میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ شرطیں لگانا درست ہے، اور شوہر پر اس کو پورا کرنا بھی واجب ہے۔ اسی چیز پر غور کیا جائے کہ یہ بات موجودہ حالات میں قابل قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

## مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ چونکہ حالات و واقعات دو نوں طرف ہیں، عورتوں کے بھی مظالم کم نہیں ہیں، اور اس کی دلیلیں بہت پیش کی جاسکتی ہیں، اس لئے مسئلے پر از سر نو مصلح اور مقاصد پر غور کر کے اس کی تشریح کی جائے، دیکھا جائے کہ تشریح میں فائدہ ہے یا اس کو روکنا زیادہ بہتر ہے، جو بھی شکل ہو اس پر از سر نو غور کیا جائے، ملک کے حالات کو دیکھا جائے، شہر کے حالات میں عورتوں کی ایسی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں کہ بہت زیادہ زیادتیاں ہوتی ہیں، مگر شوہر طلاق اس لئے نہیں دے سکتا کہ طلاق دے گا تو بڑی مشکلات میں آجائے گا، قانونی طور پر، معاشرتی طور پر، اس کے اپنے تعلقات کے بنیاد پر، اس لئے اس کی تشریح و تبیین سے پہلے اس کے مصلح اور مقاصد پر از سر نو غور کر لیا جائے۔

## مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بحث یہ بات فرض کر کے کی جا رہی ہے کہ ہر نکاح سے پہلے لامحالہ نکاح کی کوئی شرط یا مہر کے ساتھ کوئی شرط عائد کی جائے گی، اصل میں صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ بعض دفعہ تقویض طلاق کے ذریعہ یا مہر مشروط کے ذریعہ بچھے رشتے کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے، دارالقضاء میں ہم لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ بعض



دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے علاحدگی ہوگئی اور بچوں کی وجہ سے ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ یہ رشتہ قائم ہو جائے، تجدید نکاح کی گنجائش موجود ہوتی ہے، لیکن عورت اپنے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے ایسے موقع پر ہم لوگ تعویض طلاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا بعض شرطیں عائد کرتے ہوئے دوبارہ عورت کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ اجڑے ہوئے گھر کو بسانے کی کوشش کی جائے میرا خیال ہے کہ مسئلہ کو صرف ایک پہلو سے دیکھا جا رہا ہے، اس تجویز کی وجہ سے مرد اس بات پر مجبور نہیں ہو جاتا ہے کہ لامحالہ وہ نکاح کے ساتھ شرطوں کو قبول ہی کرے مگر مشروطہ کو قبول ہی کرے یہ تو اس کے اختیار میں ہے اگر چاہے گا تو اس طرح نکاح قبول کرے گا، ورنہ نکاح قبول نہیں کرے گا، غیر معمولی حالات میں تجربات کی روشنی میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا جب لوگوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ فلاں شخص سے رشتہ کرنے میں خطرہ ہے تو اس طرح کی شرطیں لگا کر آئندہ اس کی مضرت کو کم کیا جاسکتا ہے، نہ نکاح نامہ میں اس مضمون کو لانا ہے اور نہ نکاح کے لئے اس کے مستقل اصول ہی قرار دینا ہے، اس لئے یہ بات ناقابل فہم ہے یہ مصلحت کے منافی اور مصلحت کے خلاف کیسے ہے؟ عام حالات میں بالخصوص دیہی علاقوں میں جہاں کہ تعلیم کا فقدان ہے، صورت حال وہ ہے جو قاضی صاحب نے فرمایا، ہمارے یہاں حیدرآباد میں بھی کافی مقدمات آتے ہیں اکثر حالات میں عورت کے مطابق فیصلہ کرنے پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر جگہ کے حالات مختلف ہیں، مولانا مفتی نسیم صاحب نے جو بات کہی کہ حنفیہ کے یہاں نکاح کے وقت کی شرط لازم الایفاء نہیں ہے تو ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے ایسی شرط کو منظور کر لیا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ علامہ عینی اور علامہ کشمیری کی صراحت موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دیانتاً واجب ہے، قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے، پس حنابلہ اور حنفیہ کے درمیان وجوب میں اور لازم الایفاء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے، اس کا نتیجہ اور اثر کیا مرتب ہوگا؟ حنابلہ کے نزدیک عورت کو دعوی تفریق کا حق حاصل ہوگا، اور حنفیہ کے یہاں مہر مسمی کے بجائے مہر مثل کا حق حاصل ہوگا ورنہ واجب الایفاء دونوں کے نزدیک ہے، اس لئے جو تجویز لکھی گئی ہے، وہ بہت محتاط انداز کے ساتھ لکھی گئی ہے، اور اس میں قدم قدم پر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تعویض طلاق کا عورت میں غلط استعمال نہ کر پائیں، یا مہر کی جو مقدار متعین کی جا رہی ہے، بے موقع اس کا استعمال نہ کیا جائے، اس طرح شرط کے بارے میں جو عبارت لکھی گئی ہے۔ اس میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ اس شرط کو پورا کرنا مرد پر واجب ہے۔ بس اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی گئی ہے، اس طرح جو حقائق اور واقعات ہیں، ان سے آنکھیں موند کر صرف امکانی خطرات کی وجہ سے اگر ہم جو بعض سولتیں عورتوں کو فراہم کر سکتے ہیں، فراہم نہ کریں تو جو اس ملک میں شریعت کے ڈاکہ زن بیٹھے ہیں، اور جو چاہتے ہیں کہ اس ملک کے مسلمانوں کا مذہبی تشخص باقی نہ رہے، ان کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ زیادہ

سے زیادہ ہمارے خلاف مواد فراہم کریں، اور ملک کی رائے عام کو ہمارے خلاف بگاڑنے کی کوشش کریں، یہ نہیں ہے کہ اسلامی حکومت اگر ہوتی تب ہمارے لئے قانون کے نفاذ میں سہولت تھی، اور ہندوستان میں چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار نہیں ہے اس لئے اس طرح کی دفعات کا لانا خلاف مصلحت ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہندوستان جیسے حالات ہی میں یہ مصلحت کا زیادہ تقاضا ہے اس طرح کی دفعات کا لانا، اگر اسلامی حکومت ہوتی اور اسلام کا صاف ستھرا آسان اور شستہ نظام عدل موجود ہوتا تو اس طرح کی شرطوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہاں درہ فاروقی کام کرتا، وہاں نہ مہر کی شرط کی ضرورت ہوتی اور نہ نکاح کے ساتھ کسی شرط کی ضرورت ہوتی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ واقعات اور حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے، ان تمام شرطوں کے باوجود کسی مرحلہ پر مرد مجبور نہیں ہے۔ وہ اس شرط کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں اختیار رکھتا ہے، عورتیں ٹھیک ہے کہ زیادتی کرتی ہیں لیکن مرد کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ جن صورتوں میں وہ عورتوں سے تنگ ہو اور ان میں نشوز کی کیفیت پائی جائے۔

### مولانا سلطان احمد اصلاحی

میں تیسری تجویز کی پر زور تائید کرتا ہوں، یہ بہت مناسب تجویز ہے، یہ بات کہنا کہ فلاں تجویز لانے سے کون سا عدل قائم ہو جائے گا یہ دراصل غلط بحث ہے، قانون اور اخلاق کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ نہ رکھنا ہے، اخلاق کی کمی کو قانون پورا نہیں کر سکتا ہے، مقصود یہ ہے کہ جائز قانون سازی کے ذریعہ اگر کچھ بے اخلاقیوں کو روکا جاسکتا ہے تو فقہ اکیڈمی کا یہی دائرہ ہے، اور اس پس منظر میں یہ چیز بہت ہی مناسب ہے، کنفیوژن شاید اس لئے بھی ہو رہا ہے کہ ہماری نگاہ مخصوص چیزوں پر مرکوز ہے، مہر کا اضافہ وغیرہ جائز شرطوں کو اگر ہم تصوراً سا وسیع کر دیں تو بات مزید واضح ہو سکتی ہے، اور کچھ شرطیں ایسی ہیں جن کو نکاح کے وقت ہی لگایا جاسکتا ہے۔ نکاح کے بعد ایک مدت گزر جانے کے بعد کوئی اس کا جواز باقی نہیں رہے گا، لیکن اگر عورت اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کچھ جائز شرطوں کی گارنٹی چاہتی ہے، اور اگر وہ چیز جائز ہے، تو اس کو اس جائز حق سے محروم کرنے کا کس کو اختیار ہو سکتا ہے، میں اس کی تین مثالیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ وہ شادی کے بعد جو اسٹٹ فیملی (Joint Family) میں نہیں رہے گی۔ مشترکہ خاندان میں دیہات میں جو مظالم عورتوں پر ہوتے ہیں جو شریعت اسلام کے لئے باعث تنگ ہے۔ مسلمان معاشرے کی یہ صورت حال ہے کہ اس کے پیش نظر اگر کوئی پڑھی لکھی خاتون یہ مطالبہ کرتی ہے کہ شادی کے بعد وہ شوہر کے ساتھ جہاں رہے گی، جب کہ اس کو مناسب مقام



فراہم ہو جائے گا۔ وہ چاہے تنگی سے ہی زندگی بسر کرے گی مگر وہ شوہر کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتی ہے۔ بچوں کی پرورش اور دوسرے مسائل کے لئے شریعت کا منشاء یہی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کے حقوق کو نظر انداز کر کے دوسری چیزوں میں پیسہ خرچ کرتا ہے۔ تو اگر جائز شرطوں کے اضافے سے مسلمانوں کے معاشرے کا تحفظ ہوتا ہو تو کوئی خرچ نہیں ہے اور مولانا عتیق صاحب نے جو بات کہی وہ بہت ہی اہم بات ہے کہ ہمارا معاشرہ اس وقت بکھرا ہوا ہے، اور خصوصی توجہ کا طالب ہے، آج سے پچاس سال پہلے بہت سی بندشیں تھیں، وہ بندشیں اب ٹوٹ رہی ہیں، اور ان بندشوں کے ٹوٹنے کے نتیجے میں ہم کو کچھ تحفظات فراہم کرنے ضروری ہیں، گو اگر ان شرطوں کے اضافے سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو ان شرطوں کا نکاح نامے میں اندراج ضروری نہیں ہے۔ ہر جگہ اس کا تذکرہ ضروری نہیں ہے، صرف بات یہ ہے کہ اگر عورت چاہتی ہے کہ کچھ شرطوں کا اضافہ ہو جائے اور یہ کہ یہ چیز جائز ہے تو ان کو اس حق سے محروم کرنے کا حق نہیں ہے۔ قانون اور اخلاق کے دائرے الگ الگ ہیں ان کو آپس میں ملانا نہیں چاہئے۔

### مولانا ریاست علی صاحب

مسئلہ شرائط نکاح کا چل رہا ہے۔ تیسری شرط کے بارے میں قاضی صاحب کی رائے پہلے سے ہے کہ عہدہ رکھا جائے، میری رائے ہے کہ اس میں ذرا تشریح ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ہم لوگ بھی محکمہ شرعیہ چلاتے ہیں، دارالقضاء چلاتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق اتر پردیش میں سب سے پرانا محکمہ شرعیہ ہاپوڑ میں ہے اور صوبہ راجستھان کے مقدمات خاص طور پر ہاپوڑ میں ہی آتے ہیں، اور راجستھان میں پورے صوبے محکمہ شرعیہ اور دارالقضاء میری معلومات کے مطابق نہیں سے، راجستھان کے بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ پورے خاندان کی بچیوں کے نکاح ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی خاندان میں پچاس لڑکیاں ہیں تو بلخ اور نابالغ سب کا نکاح ایک ساتھ ہو جاتا ہے۔ والدین چونکہ نکاح کرتے ہیں تو نکاح تو لازم ہو گیا۔ لیکن جب بلخ ہوتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں، لڑکی یا لڑکے کو کسی کو کسی ایسی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو وہ جانے کو تیار نہیں ہوتی۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شرائط کچھ ہونی چاہئیں۔ اگر لڑکی کو عملی طور پر کوئی شکایت سامنے نہیں آتی یا لڑکی گئی ہی نہیں تو قاضی کیسے تفریق کرے گا، تو شرائط تو ہونی ہی چاہئے۔ لیکن ان شرائط کی تفصیل ضروری ہے۔

### مولانا زبیر احمد قاسمی

تعویض طلاق کے بارے میں تائید کرتا ہوں۔



### مولانا انیس الرحمان قاسمی

میری رائے میں تو قاضی صاحب نے اصولی طور پر جو تین تجویزیں بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں اور ان میں کوئی شرعی نقص نہیں ہے۔ دلائل کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں۔

### مفتی ظفر الدین صاحب

تین ہی پر محدود ہو، تجویز آگے نہ بڑھے۔ ورنہ اس میں اختلاف ہے۔ اس کی تائید کرتا ہوں، آگے کی تائید نہیں کرتا۔

### مولانا عبد اللہ طارق صاحب

اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ اس میں دو چیزوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ ایک یہ کہ جو عورت یا اس کے رلیاء ضرورت محسوس کریں۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت نہیں بلکہ رشتہ ہونے کے وقت یہ معاملات طے کئے جائیں۔

### مفتی عبد الرحمان صاحب

میری رائے بھی یہی ہے۔ تجاویز جو مرتب کی گئی ہیں۔ اس میں مصلحت دیکھنا لڑکے اور لڑکی والوں کا کام ہے۔ تو اس لیے یہ قید و بند ہو جانی چاہئے کہ نکاح کرنے کے وقت میں اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو تفویض طلاق کر سکتے ہیں۔

### مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ اعظم گڑھ

میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

### مولانا قاضی صاحب

اس لئے ہم جب اس مسئلے کی تصویر کریں تو ہم کو تملیک اور توکیل کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی تعبیر

اختیار کرنی پڑے گی کہ جس میں اگر عورت کو حاصل ہونے والے اختیار کو ہم تھوڑا مشروط کرنا چاہیں قاضی یا امام یا کسی اور منصب کی صوابدیدی کے ساتھ، تو وہاں پر یہ کہنا ہوگا کہ اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ میں نے اس کے حقوق میں کوتاہی کی ہے، اور وہ اجازت دے تو بیوی کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق واقع کرے۔ تو اس طرح کی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں جو گنجائش ہمارے فقہاء کے یہاں موجود ہے۔ میرا عرض یہ کرنا ہے کہ خود فقہ حنفی میں جو بحث آئی ہے۔ اور بحث کا عام طور پر حوالہ دیا جا رہا ہے یعنی زیادتی مہر اور قلت مہر کی یہ مسئلہ معروف ہے کہ نکاح کے بعد بھی مرد کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں اضافہ کر دے اور عورت کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں کمی کر دے۔ آج جو بحثیں چل رہی ہیں، کیا کورٹ کو یہ اختیار ہے کہ نہیں کہ وہ مہر کو بڑھا دے، ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم فتنہ کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے خود صاحب ہدایہ نے جس تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہاں امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین کے قول کے اختیار و عدم اختیار کی بحث کچھ اہم نہیں ہے، محض صرف اتنا سافرق ہے کہ دونوں ہی اس طریقے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مہر مسمی اول ہے، مسمی ثانی لازم نہیں ہوگا، بلکہ مثل لاگو ہوگا، اور آج کل یہ خود مسئلہ ہے کہ مہر مثل ہے کیا؟ اتنا فرق پڑ چکا ہے کہ مہر مثل کا تعین ایک دشوار مسئلہ ہے۔ جیسی دونوں نے شرطیں لگائی ہیں اسی کا اعتبار ہوگا، اور اس کا کوئی بڑا فرق، مسئلے پر نہیں پڑتا ہے۔ آپ قول امام صاحب کا اختیار کیجئے کوئی فرق نہیں، مہر زائد کا ذکر پہلے کر دیا جائے گا اور مہر قلیل کا ذکر بعد میں کر دیا جائے تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین دونوں مل کر یہ کہیں گے کہ مہر زائد ادا کرو بلکہ اس میں ایک اور اچھی بات ہو جائے گی کہ عورت کی طرف سے گویا احسان ہو گیا کہ تم نے شادی دوسری نہیں کی، لہذا میں مہر بجائے ۲۰ ہزار کے دس ہزار قبول کرتی ہوں۔ یہ صورت حال جو ہے اس کا حل ہر حال فقہاء نکال سکتے ہیں، مجھے یہ عرض کرنا ہے آج اپنی بحث آپ معاشرے کی صحیح صورت حال کو سامنے رکھ کر اس خدشہ کو بھی سامنے رکھ کر کہ اگر کبھی طور پر یہ اختیار دے دیا جائے تو مقصد شریعت کہیں فوت نہ ہو جائے، ایسا راستہ نکالنے کی کوشش کریں کہ اس وقت جو مسئلہ درپیش ہے اس کے حل میں مدد مل سکے، میں نے اس مداخلت کو ضروری سمجھا چونکہ بحث کا رخ بہت تفصیل کی طرف خاص طور پر تفویض طلاق کی طرف جا رہا تھا۔

مولانا جمیل ندیری

بات ہو گئی ہے اب مجھے کچھ بولنا نہیں اسی موضوع پر بولنا تھا۔ مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔ جانے دیجئے۔





برطانیہ میں داخل ہونے کا ویزا یہ ایک ایسا مستقل مرحلہ ہے کہ بقول ہمارے دوست کے جنت میں جانا آسان برطانیہ میں داخل ہونا مشکل۔ تو اس سلسلے میں مہیبہ یہ ہوتی ہے کہ لڑکی والے عام طور پر لڑکے کے سلسلے میں زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے والے آکر کوشش کرتے ہیں ویزے کے لئے، بس ایک مرتبہ حکومت کے قانون کے تحت میں لڑکوں کے سوال جواب میں لڑکا کوئی ایسی غلط بات کہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انٹرویو فیل ہو جاتا ہے اور وہ ویزا ریفیوز (Visa Refuse) کر دیتے ہیں، اب اس کے بعد اپیل کا حق ہے لڑکی کو اب یہ بھی قانون بننے جا رہا ہے اپیل ہی میں شاید، اگر یہ بن گیا تو اپیل کا حق بھی ختم ہو جائے گا، اب لڑکی والے پھر اپیل کرتے ہیں، اس میں خاصے مصارف ہو جاتے ہیں تقریباً کم سے کم دو ڈھائی ہزار پونڈ اس میں خرچ ہوتا ہے، اس کے بعد بھی بعض مرتبہ وہ ریفیوز (Refuse) ہو جاتی ہے چونکہ وہ لڑکے سے کچھ سوالات اس قسم کے کرتے ہیں اس وجہ سے اب جب یہ باتیں ہو جاتی ہیں تو لڑکی والے یوں کہتے ہیں کہ بھئی یہ مسئلہ مشکل ہے آپ طلاق دے دیں تو لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم طلاق دیں گے ہی نہیں، ایسے بھی واقعات ہوتے کہ لڑکی کو ہی وہاں بھیج دیا جائے۔ لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہم لڑکی بھیج دیتے ہیں، پاکستان میں آپ رہو ساتھ میں۔ ویزا آجائے اب تک وہاں رہو۔ لڑکے نے کہا کہ منشاء تو وہاں آنا تھا، کیوں بلاؤں اس کو یہاں، اس لئے میں خرچہ کیوں برداشت کروں، جب طلاق کی بات آتی تو اس کے جو واقعات اور حقائق ہیں کہ خطیر رقم کے مانگنے کے باوجود وہ اس کے اوپر تیار نہیں ہوتے، اگر اس قسم کا شادی نامہ طے کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہمارے یہاں تو ہمارے لوگوں کے یہاں اس سلسلے میں لڑکیوں کے لئے جان سے چھٹکارے کی شکل ہو سکتی ہے۔ ورنہ دو دو تین سال کی کوشش کے باوجود بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں اس کو نکاح نامہ میں رکھنا چاہئے۔

### مولانا عتیق احمد قاسمی

یہ جو اشراط فی النکاح کی بحث چل رہی ہے اس کا پس منظر جیسے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت کوتاہیاں مردوں سے ہوتی ہیں یہ تو واقعہ ہے کہ طلاق کی جو شرح ہمارا پریس پیش کر رہا ہے، اور جس حد تک مظالم کی داستان سنا رہا ہے مسلمانوں کی خواتین پر یہ زیادتیاں ہو رہی ہیں، وہ تو بہت مبالغہ آمیز بات ہے، اور انہوں نے اپنے گھر کے عیب کو چھپانے کے لئے ہماری طرف رخ موڑ دیا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بے جا طلاق کے واقعات ایک ہی مجلس میں تین طلاق کے واقعات ہو رہے ہیں اور ان کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اسی کے ساتھ بہت سی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں مشکلات کی۔ لکھنؤ میں میرا قیام ہے دارالقضاء سے میرا تعلق

ہے۔ وہاں جو مقدمات آتے ہیں۔ ان مقدمات میں کثرت سے ایسے مقدمات ہوتے ہیں کہ نکاح ہو گیا اور شوہر چلے گئے سعودیہ عرب، کویت چلے گئے، اب وہ خبر نہیں لے رہے ہیں۔ اب دشواری کیا ہے مقدمہ دارالقضاء میں آتا ہے۔ یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ مدعا علیہ تو غائب ہے۔ اس پر کیسے نوٹس تعمیل ہو اور اگر نوٹس سپونج بھی گئی تو حاضر نہیں ہوا تو غائب کے خلاف فیصلے ہم کیسے کریں۔ اس بنیاد پر بست ہی عورتیں اپنے حقوق سے محروم رہتی ہیں ان کے مقدمات یا تو ہم لیتے نہیں ہیں یا اس کے فیصلے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ تو یہ صورت حال کوئی نادر نہیں ہے، باہر ملکوں میں جانے کی بات کثرت سے ہو رہی ہے اور کمانے کی دھن میں شوہر کو واپسی کا موقع نہیں ہے اور اس مسئلے کا جو حل تھا کہ دارالقضاء کے نظام کو ہم فعال بنائیں، محبے افسوس کے ساتھ کتنا پرتا ہے کہ ہم اس میں کوتاہی کر رہے ہیں اور بست سست رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ بہار، اڑیسہ کی بات میں نہیں کرتا، یوپی میں بست کم اضلاع میں دارالقضاء ملے گا آپ کو، مقدمہ اگر ہمارے پاس آ بھی جائے تو بست سی چیزیں ایسی پیدا ہو جاتی ہیں کہ ہم مقدمہ لینے کے موقف میں نہیں ہوتے، تو یہ مسئلہ تو کثرت سے موجود ہے سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا حل کیا صرف یہی ہے کہ ہم سمجھا دیں، وعظ و نصیحت کر دیں یہ مسئلے کا حل نہیں ہے اگر گنجائش شریعت دیتی ہے اس طرح کے مشروط نکاح نامے کی جس میں جو شریعت کے مقاصد اور احکام نکاح و طلاق متاثر نہ ہوں اور کسی حد تک عورتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ہو سکے تو ایسے نکاح نامے کو ہمیں مرتب کرنا چاہئے اور اسے آگے بڑھانا چاہئے۔ لیکن جو اصل کام ہے اصلاح معاشرہ کا وہ کام بھی مستقل جاری رہنا چاہئے، اور اسے آگے بڑھانا چاہئے۔ اور دارالقضاء کے قیام کی تحریک پورے ملک میں پھیلانی چاہئے۔ کہ ہر جگہ فعال دارالقضاء قائم ہو۔ میری رائے یہی ہے کہ اگر فقہاء کی تشریحات کے اعتبار سے، کتاب و سنت کے اعتبار سے گنجائش ہے اور میاں بیوی چاہتے ہیں اور اس مشروط نکاح نامہ کو قبول کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ جبر تو نہیں کر سکتے ہیں کہ اگر ایک شوہر مشروط نکاح نامہ قبول نہیں کرتا اور شرط کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن بسا اوقات نکاح میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کی گنجائش شریعت میں ضرور ہے، تو اسے ہم کیوں اختیار نہ کریں۔

### مولانا سعود عالم قاسمی

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے یہ بڑا نازک مسئلہ بھی ہے اور ضروری بھی ہے، کہ آپ حضرات اس پر کھل کر گفتگو کریں اور میں تو گزارش کروں گا قاضی شریعت سے اور بورڈ کے محترم سکریٹری صاحب سے بھی، کہ اس پر تفصیل سے گفتگو ہونی چاہئے۔ صورتحال یہ ہے کہ جو سیلاب ہندوستان میں آ رہا ہے۔ آنے والے وقتوں میں آپ ان کو فیس (Face) نہیں کر پائیں گے۔ حکومت کی طرف سے بھی اور خود عوامی رد عمل بھی جو پیدا ہو رہا ہے



اس کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس پر غور کریں، غور کرنے کے دو پہلو ہیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ ایک طرزِ معاملہ نہیں ہے کہ آپ کو قوام بنا دیا گیا۔ آپ کے جو حقوق عورتوں پر ہیں تو عورتوں کے بھی حقوق آپ کے اوپر ہیں، یہ جو نکاح ہے وہ سوشل کنٹیکٹ (Social Contact) ہے یہ بیچ نہیں ہے، ایک معاہدہ جو آپ کرتے ہیں اسے ایک شخص توڑتا ہے اور ایک استحصال کرتا ہے۔ اور آپ کے یہاں عائلی محکمہ ہے ایک شخص اپنے آپ کو قوام بنا کر وہ معاہدہ کو توڑتا ہے اور اس کے اللہ اور رسول نے جو احکام دئے ہیں ان کو توڑتا ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ایک طبقہ کو استحصال سے اور ظلم سے بچانے کے لئے کچھ اضافی قانون بنائے جائیں تو ان کو بنانا چاہئے۔ تاکہ شریعت کا وہ عادلانہ نظام برقرار رہے۔ صورت حال یہ ہے کہ جو حضرات دارالقضاء سے متعلق ہیں، ان کے سامنے وہ مسائل جو ابھی پیش کئے گئے وہ تو آتے ہی ہیں سب سے بڑا مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شادی کی، وہ بیوی کو رکھتا نہیں اور طلاق بھی نہیں دیتا، کیوں طلاق نہیں دیتا، اس لئے کہ وہ جائے گی کسی دارالقضاء میں خلع کرائے گی اور مہر معاف کر دے گی۔ اور اسے مہر نہیں دینا پڑے گا۔ اس وقت صورت حال عملاً یہ زیادہ پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے کہ عورت کو جو حق ملنا تھا طلاق کے بعد وہ اس حق سے بھی محروم کر دینا چاہتا ہے۔ اور ہماری عدالت بخوشی اس کا خلع کر دیتی ہے۔ عورت تو مجبور ہے، اس کو جان چھڑانا ہے لیکن اس کے پیسے بھی جارہے ہیں۔ ایسا ظاہر ہے ہندوستان کے معاشرے میں ایک عورت جو بیوہ ہوگئی جو مطلقہ ہے اس سے شادی کرنے کے لئے کون لوگ تیار ہو سکتے ہیں۔ یہ سماجی مسئلہ ہے آپ اس پہلو پر غور کریں تو بجائے اس کے کہ ایک عورت کی پوری زندگی خراب ہو، کیوں نہ خراب کرنے والے کو ایسے قانون میں جکڑا جائے کہ وہ جرات نہ کر سکے۔ اس کے تین پہلو اور ہیں۔ ایک تو یہ پہلو ہے کہ آپ کچھ عدالتیں یا آپ کا پرسنل لا بورڈ اس کو نافذ کر سکے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اور یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ آپ کچھ اختیارات گورنمنٹ آف انڈیا (Govt. of India) کو بھی دیں

شانہ اس کو دینے کے لئے ہم مسلمان ابھی تیار نہیں ہیں، موجودہ حالات میں مثال کے طور پر آپ یہ کہتے ہیں تین طلاقیں بیک وقت اگر دی جائیں تو وہ نافذ تو ہو جائیں گی لیکن ہے غلط طریقہ۔ اور حضرت عمر نے درے گلوئے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ درے حکومت کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ جو تین طلاق بیک وقت دیتا ہے تو اس کی ایسی دھنائی کریں کہ آنے والوں کو عبرت ہو۔ اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو یہ سلسلہ جاری رہے گا، تیسری چیز یہ ہے اس سلسلے میں کہ آپ نکاح کے وقت کچھ شرطیں لگائیں، خواہ شرطوں کا تعلق اس سے ہو کہ عورت کے کہ تم دوسری شادی کرو گے تو میرا مہر اتنا ہوگا اس کے علاوہ بھی شریعت کے مطابق جو ہمارے زمانے میں جائز ہیں کچھ شرطیں اور بھی لگائی جاسکتی ہیں، جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ساتھ دیتا ہے اور یہاں اگر تاریخ کے اساتذہ بیٹھے



ہیں تو وہ تائید کریں گے کہ میڈیول انڈیا (Medival India) میں عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں ایسی شرطیں لگائی جاتی تھیں نکاح ناموں کے اندر اور خود ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہاں رواج زیادہ ہے، ماضی قریب کی تاریخ میں یاد آتا ہے کہ یہاں جو نکاح نامہ پہلے چھپتے تھے ان میں بھی یہ ہوتا تھا، اور تقویض طلاق بھی اس میں شامل ہوتی تھی، تو ہم کیوں نہ اس پہلو پر غور کریں کہ آئے دن جو حالات ہیں خود ان میں اسلام کے عادلانہ نظام کو عائلی قوانین کو بچانے کے لئے ہم ان شرطوں کی طرف توجہ دیں۔ ہمارے پرنسپل لائبریری کے اندر قوت نافذ نہیں ہے، آپ صرف سفارش کر سکتے ہیں۔ آپ کے سماج میں جو خرابیاں آرہی ہیں خواہ وہ غیر مسلموں کے تعلق سے یا ہماری اپنی نفسانی کمزوریوں کے نتیجے میں آرہی ہیں یہ بات مسلم ہے کہ استحصال حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

میری گزارش یہ ہے کہ آپ اس پہلو پر غور کریں کہ نکاح ناموں کے اندر ایسی شرطیں لگائی جائیں اور وہ اضافی بھی شرطیں ہوں اور اس زمانے کے مطابق عذر کریں یا ہر جگہ آپ کی ایسی عدالت قائم ہو جائے آپ کے پاس سفارشی ہیں، حکومت کے پاس قوت نافذ ہے، تو کوئی ایسی شکل ضرور نکلی چاہئے کہ ان تینوں پہلوؤں سے اور اگر ایسا نہیں تو آپ صرف دس سال کے اندر دیکھیں گے کہ آپ اپنے اس نظام کو بچانے میں ناکام رہیں گے۔

### مولانا شاہین جمالی صاحب

تقویض طلاق کا مسئلہ اصل میں طلاق "دے دو" کا نہیں ہے، بلکہ "لے لو" کا ہے۔ اردو میں اگر اس کو اس فرق کے ساتھ دیکھیں گے کہ شریعت نے عورت کو جو اختیار دیا ہے وہ طلاق "لے لو" کا ہے طلاق "دے دو" کا نہیں ہے۔ جہاں تک نکاح نامے میں شرط کا تعلق ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں یہ تجویز ہو جائے کہ نکاح نامے میں عبارت لکھی جائے کہ اگر میری طرف سے بیوی کے حقوق واجب کی ادائیگی میں کوتاہی ہو، جس کی وجہ سے وہ مجھ سے علاحدگی ضروری سمجھتی ہو تو فلاں فلاں پانچ علما سے وہ رجوع کرے اور وہ ضروری سمجھیں تو مجھ سے طلاق دلوائیں، اور میں راضی نہ ہوں تو ان کو میری طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اگر اس قسم کی کوئی عبارت نکاح نامہ میں لکھوائی جائے اور اس پر دونوں فریق راضی ہوں تو میرے خیال سے علما ہی کے ہاتھ میں یہ اختیار ہوگا اور طلاق دلوائنا شوہر کے لئے اور عورت کے لئے مناسب ماحول میں ممکن ہو سکے گا۔ اور اس شرط نامہ میں یہ بھی لکھ دیا جائے مرد کی طرف سے کہ واپسی کا مجھے اختیار نہیں ہوگا۔

## مفتی نسیم احمد قاسمی

اگر عورت کو مطلق حق طلاق تفویض کر دیا جائے تو عورت اس کا غلط استعمال کرے گی۔ جہاں تک شرائط کے تحقق کا سوال ہے وہ بھی بعد میں ایک موضوع بن جائے گا کہ شرطیں پائی گئیں یا نہیں پائی گئیں۔ عورت چونکہ خلاصی چاہے گی وہ یہ کہے گی کہ شوہر کی طرف سے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس لئے میں طلاق دینے کی مجاز ہوں۔ اس لیے اس سلسلے میں دارالقضاء کے فیصلے کو یا کم سے کم مستند علماء کی رائے کو معتبر ماننا چاہئے، مہر کے سلسلے میں جو بات کہی جا رہی ہے اور فقہ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں خاص طور پر فقہ حنفی میں اور دیگر فقہی کتابوں میں اس کو بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ دو طرح مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اگر شوہر نے دوسری شادی کی تو مہر کی یہ مقدار، اور اگر اس نے شادی نہیں کی تو مہر کی یہ مقدار ہوگی اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس سلسلے میں جو ہندوستان کے مخصوص حالات ہیں زیادتی مہر یہ ہمارے سماج میں مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ خاص طور پر اس وقت ہمارے سماج میں جو جسز کی لعنت اور تلک اور سلامی کی لعنت ہے۔ مرد اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ اور وہ سلامی یا تلک لینے کے لئے بار بار دوسری یا تیسری شادی کر سکتا ہے۔ حیدرآباد میں ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ جا رہا تھا میں نے اس سے بات کی میں نے اس سے یہ کہا کہ بھائی تم لوگ چھوٹی بچیوں کی شادی عرب شیخ سے کیوں کر دیتے ہو۔ اس نے جو بات کہی وہ علماء حضرات کے لئے قابل توجہ ہے۔ اس نے یہ کہا کہ مولانا ہوتا یہ ہے کہ ہم اپنی بچی کی شادی یہاں کسی شخص سے کرتے ہیں، اس شادی میں لاکھ دو لاکھ روپیہ کم سے کم متوسط خاندان میں خرچ آتا ہے شادی کرنے کے بعد میری بیٹی چلی جاتی ہے اپنے سسرال، مہینہ دو مہینہ وہ وہاں چین و سکون کی زندگی گزارتی ہے، اس کے بعد میاں بیوی میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے شوہر کیا کرتا ہے کہ جسز کے سامان کو آہستہ آہستہ فروخت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب سارا سامان ختم کر دیتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اب بیٹی میرے گھر پر آ جاتی ہے۔ تو دو لاکھ روپیہ تو میں پہلے خرچ کر چکا ہوں۔ اور بعد میں اس بچی کا رشتہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تو جب ہم عرب کے شیخ سے شادی کرتے ہیں تو سلامی دینے کی نوبت نہیں آتی بلکہ جو شیخ کی طرف سے مہر ادا کی جاتی ہے اس سے ہمارا گزارا ہوتا ہے۔ تو اس سلسلے میں خاص طور پر سماج میں طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے اور جہالت دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ آخری مسئلہ جو اشراط فی النکاح کا ہے اس وقت کا اہم موضوع ہے اس سلسلے میں میرا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ امر اربعہ کی فقہ میں سب سے زیادہ وسعت اور تفصیل فقہ حنبلی میں ہے۔ امام ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہ کے یہاں جو شرائط خود بخود نکاح کے ذریعہ یا نکاح کے ذیل میں آتی ہیں ان شرطوں کا اعتبار کرتے ہیں یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، مسئلہ کا حل خاص طور پر بے جن مشکلات یا دشواریوں

سے اس وقت ہمارا سماج گذر رہا ہے ، اگر ہم ان مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو فقہ حنبلی سے ہمیں استفادہ کرنا چاہئے ، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج اور مضائقہ بھی نہیں کہ وہ شرطیں اگرچہ مقتضائے عقد کے موافق نہیں ہیں لیکن شریعت نے ایسی شرطوں کے لگانے کو حرام بھی قرار نہیں دیا ہے ، اور ان شرطوں کے لگانے میں عورت کا فائدہ ہے تو ایسی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں اور ایسی شرطیں جب لگادی جائیں تو دونوں فریق پر اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا بس یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے ۔

### ڈاکٹر توقیر عالم صاحب

یہ اشتراط فی النکاح سے متعلق مجھے ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ جب طلاق البغض المبارعات ہے ۔ اور یہ طلاق کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے تو یہ طلاق اس وقت بالکل مجبوری کے حالات میں ہوتی ہے جب کہ میاں بیوی کے درمیان سخت ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں ، یہ بات واضح ہے کہ اگر طلاق کے ذریعہ ایک شخص اور ایک عورت الگ ہو جاتی ہے ، تو ظاہر ہے دونوں کو نکاح ثانی کا حق حاصل ہے ۔ اور اس طرح سے کسی پر جبر نہیں ہے ، دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ نکاح ثانی کر سکے لیکن ایک شخص جو معاشی لحاظ سے بد حال ہو اور نکاح کے وقت اس طرح کی کوئی مشروط رقم اس پر نافذ کردی جائے ایسی حالت میں تو اس طرح سے اس پر ایک ظلم ہے ۔ میرے خیال سے مناسب نہیں ہے ۔ میں شاہین جمالی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ نکاح کے وقت نکاح نامے میں کوئی ایسی عبارت تحریر ہونی چاہئے کہ کم از کم وہ شخص زد میں نہ آئے ، شکریہ

### مولانا انیس الرحمان صاحب

نکاح میں جو شرطیں نفس نکاح کے لئے ضروری ہوتی ہیں ان کے علاوہ فریقین کچھ دیگر شرائط کا اضافہ کر سکتے ہیں یا نہیں ۔ فقہاء نفس اشتراط کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ کون سی شرطیں صحیح ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور کونسی شرطیں فاسد ہیں جن پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے ۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عورت نکاح کے وقت ملازمت کرنے کی شرط عائد کر سکتی ہے ، کیا شوہر سے نکاح ثانی کرنے کی صورت میں مہر کے اضافے کی شرط لگا سکتی ہے یا اسی طرح عقد نکاح کے وقت طلاق کے حق کی شرط لگا سکتی ہے یا نہیں ، فقہاء نے جو تشریحات کی ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی خاتون کا ملازمت کی شرط عائد کرنا شرعاً فساد میں داخل ہے ۔ اسی طرح نکاح ثانی کی صورت میں اضافہ مہر کی شرط صاحبین کے مسلک پر درست ہے ، ایسا کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاتون عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ نکاح کی طرف اذعان کرتے ہوئے حق طلاق کو تقویض کی صورت میں حاصل کرتی ہے تو یہ اسے اختیار ہے کہ فقہاء اصناف کی تشریحات کی روشنی میں یہ صورت



## مولانا مصطفیٰ مفتاحی

تفویض طلاق کے سلسلے میں ایک رائے یہ آئی کہ تفویض طلاق باطل ہے۔ اور اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ یہ تو نص ہے کہ یہ امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی پوری ملت کے ہر طبقہ کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں استنباط کیا جائے گا۔ مسئلہ تفویض طلاق میرا خیال ہے کہ منصوص ہے۔ بالفرض اگر یہ منصوص نہ بھی ہو تو غیر منصوص ہونے کی بنا پر اس کو باطل اور غیر معتبر کہا جائے تو میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ کتنا چاہئے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس پر غور و فکر کرنا ہوگا۔ دلی سے نکلنے والے ایک پرچہ ترجمان میں نے پڑھا تھا جس میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ تفویض طلاق بالکل ہی باطل ہے اور اس میں کئی ملکوں کی نظیر دی گئی تھی۔ مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ جب یہ رائے ہی غلط ہے باطل ہونے کی، تو دوسرے ملکوں کی نظیر دیکھ کر کے اس غلط نظیر کی اتباع کی دعوت دینا بھی درست نہیں ہوگا۔ دوسری بات جو عرض کرنی تھی وہ یہ کہ جو ڈبل ڈبل مہر کی بات کی گئی ہے اس سلسلے میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ملک کے دو خطے ہیں ایک خط میں تلک کا رواج ہے۔ اور ملک کا دوسرا خطہ وہ ہے کہ جہاں تلک کی رسم وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں ٹھیک سیدھے طریقے سے شریعت کے مطابق نکاح عمل میں آتا ہے۔ لیکن وہاں دوسری خرابی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈبل مہر والی تجویز درست نہیں ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی

میں تجویز کی تائید کرتا ہوں۔

## مولانا شمس پیرزادہ صاحب

جو مسائل اس وقت پیدا ہو رہے ہیں ہمارے معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے تعلق سے ان کے ساتھ جو نا انصافی ہو رہی ہے اور وہ جن مسائل میں گھری ہوئی ہیں ان کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جائے، معاملات کو یونہی نہ رہنے دیا جائے کوئی اسکیم سوچی جائے لیکن وہ ایسی ہونی چاہئے جو شریعت کے دائرے کے اندر ہو۔ اور کوئی ہم ایسی چیز تجویز نہ کریں کہ جس سے کہ شریعت کے احکام متاثر ہوتے ہوں، میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ طلاق قابل انتقال چیز نہیں ہے، اور اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے نہیں ہے، طلاق جیسی چیز قابل انتقال نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ عظیم مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ اور ان مصلحتوں کا لحاظ طلاق دینے والا ہی کر سکتا ہے۔ دوسرا نہیں کر سکتا۔ تو اس صورت میں جب کہ طلاق تفویض کردی جائے تو کیل کی صورت میں تو یہ عظیم مصلحت فوت

ہو جائے گی۔ اور ہمیں صرف یہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ قانونیت کس طرح پیدا کی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ مصلحتیں جو شریعت نے رکھی ہیں ان میں سے کوئی مصلحت فوت نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر طلاق تفویض کی جاسکتی ہے عورت کو تو عورت کو بھی خلع کا حق ہے۔ تو کیا اگر کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کو خلع کا حق دے دیتی ہوں۔ اس طور سے کہ وہ جب چاہے خلع کا معاملہ کرے۔ اور مہر معاف ہوگا تو خلع کا حق تفویض کیا جاسکتا ہے مردوں کو۔ اور اگر کیا جاسکتا ہے تو مرد بھی یہ چاہیں گے کہ ایسی شرائط نکاح نامے میں لکھ دی جائیں تاکہ اس کو مہر دینا ہی نہ پڑے۔ وہ خلع کا اعلان کر دے گا۔ تو اگر طلاق قابل انتقال ہے اگر تفویض کی جاسکتی ہے، تو خلع کی بھی تفویض کی جانی چاہئے۔ اور جو شرطیں آپ نکاح نامے میں لکھیں وہ جھگڑے پیدا کرنے والی آئندہ چل کر یہ باتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور یہ شرطیں قابل عمل بات نہیں ہیں۔ ایسی صورت سوچنا چاہئے جس کو قبول کرنے کے لئے معاشرہ تیار ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا حل دوسری شکل میں تلاش کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ کہ جو ظلم طلاق دی جاتی ہے، اس پر کوئی تادیبی کارروائی ہونی چاہئے۔ طلاق کے تعسف کی صورت میں کوئی معاوضہ شوہر کو دینا ہوگا۔ اور معاوضہ کتنا دینا ہوگا یہ الگ بات ہے۔ کچھ اس قسم کی سزائیں تجویز کی جاسکتی ہیں کہ اس صورت میں جب کہ طلاق تعسف کو ظلم یا ناحق قرار دیا گیا ہو، اور جس سے عورت کو ضرر واقع ہو۔ ہر طلاق پر نہیں۔ اس قسم کی چیزیں سوچی جاسکتی ہیں لیکن نکاح کے لئے شرائط نامہ تجویز کریں یہ تو کوئی قابل عمل بات ہی نہیں ہے۔

### مولانا مجاہد الاسلام صاحب

میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ جو معاشرہ میں مشکلات ہیں ان کا کوئی حل نکالنا چاہئے اور حل عملی ہونا چاہئے۔ اور مصلح شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ تو اب جو کچھ بحث اب تک ہو چکی ہے اس بحث کی روشنی میں تو یہ بات واضح ہے کہ جو زیادتیاں خواتین پر ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے، ایک بنیادی جو اختلافی نقطہ نظر ہے کہ تفویض طلاق جائز ہے یا نہیں، اور اب جو پیرزادہ صاحب نے جو بات کہی کہ توکیل طلاق بھی درست نہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بات پر ذرا غور کرنا ہوگی کہ یہ محل اجتہاد ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، اور جو مسئلہ خلع کا بتایا گیا ہے یہ تو روز ہم لوگ کراتے رہتے ہیں۔ خلع میں جو ایک مصیبت ہے وہ یہ ہے کہ میں اپنا مہر اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ شوہر مجھے طلاق دے دے۔ ظاہر ہے شوہر کی رضا مندی ہی پر موقوف ہوگا بست احتیاط کے ساتھ کبھی ہم لوگ اپنے دارالقضاء میں فقہ مالکی کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ جب دیکھتے ہیں کہ

حالات ایسے ہیں۔ طلاق ایک بری چیز ہے مگر طلاق ایک ضرورت بھی ہے۔ اور شاید طلاق کی اجازت ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہاں وہ فساد نہیں ہے جو غیر مسلم معاشرے میں ہے۔ تو دونوں ہی چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی متوازن حل ہمارے دوستوں کو کل جب کمیٹی میں بیٹھیں تو ان کو لگانا چاہئے تھا۔ حل کا دو راستہ ہے ایک تو یہ کہ ہم باضابطہ ایک شرائط نامہ تیار کریں، دیکھیں کہ وہ شرائط نامہ کس طرح کا ہو سکتا ہے کیا ہو سکتا ہے، اور وہ مصلح شریعت سے ہم آہنگ ہوں، اور دوسری چیز یہ بھی ہوگی کہ ہم یہ لکھیں گے کہ اگر کوئی شخص نکاح فلاں فلاں شرطوں پر کرتا ہے تو فلاں شرط معتبر ہوگی اور فلاں شرط معتبر نہیں ہوگی یعنی اس کی حیثیت ایک جزوی حیثیت ہے۔



## فصل اشترائط فی النکاح

- ۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں، اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔
- ۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہیں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جمیز و تملک کی شرط لگانا۔
- ۳- نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو لازم و واجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔

## ایک عملی قدم

اشرافیہ نکاح کے موضوع پر بحث کے نتیجہ میں اکیڈمی نے مسلم سماجی حالات و مسائل و ملک بھر کے شرعی ادارہ القضاہ میں دائرہ اور فیصلہ ہوئے مقدمات نیز سرکاری عدالتوں میں پیش مسلمانوں کے کھسز کے تناظر میں ایک تفصیلی نکاح نامہ تجویز کر کے تمام مکاتب فکر کے علماء و اسماہ افتاء نیز ماہرین قانون کے غور و خوض کے لئے جاری کیا اور بھیجا جس پر ملک کے مختلف حصوں سے سواہم علماء نے اپنی رائے ظاہر کی اور نکاح نامہ میں درج مختلف و نجات اور شرائط کے علاوہ تفویض حق طلاق کے معاملہ پر اصول فقہیہ کے دائرہ میں مگر انعقد آراء پیش کیں، جس میں اس جہت میں اقدام کی ضرورت کا اعتراف بھی شامل ہے، کیونکہ وہ قرآنی تصور خاندان اور طریقہ عدل فی العائلات کے مطابق ہے۔

علماء کے تمام جوابات کو مد نظر رکھتے ہوئے اکیڈمی نے دو بارہ اس مسئلہ سے متعلق ایک جامع واضح تحریر اور منضبط نکاح نامہ علماء کی خدمت میں ارسال کیا جسے استفادہ کے لئے درج کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات نیز مسلمانوں میں علاقائی و تہذیبی و سماجی درجات کے تفاوت کے پس منظر میں منضبط نکاح نامہ کے نتیجہ خیز و مفید ثابت ہونے کی توقع ہے۔

(ادارہ)

## ازدواجی زندگی کی مشکلات اور ان کے حل کی ایک کوشش

ایک بیوی کے موجود رہتے ہوئے دوسری خاتون سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ہر دو بیویوں کے درمیان بالانصافی کا خطرہ نہ ہو، اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ شوہر دو بیویوں کے ساتھ برابر برتاؤ نہ کر سکے گا تو اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے، "فان خفتن ان لا تعدلوا فواحدة" (سورہ نساء) اور نص قرآنی کی رو سے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کالمعلقہ چھوڑ دے کہ اسے نہ شوہر والی کہا جاسکے اور نہ مطلقہ یا بیوہ، "فلا تمیلوا کل المیل فذر وہا کالمعلقة" (قرآن)

آج عام طور پر جب میاں بیوی کے تعلقات معتدل اور نارمل ہوں، دوسرا نکاح نہیں کیا جاتا بلکہ جب پہلی بیوی سے تعلقات بگڑتے ہیں تو عام طور پر اسے اس کے میکے بٹھا دیا جاتا ہے، یا پھر اس پر کوئی الزام یا تہمت لگائی جاتی ہے، اس کا کھانا خرچہ بند کر دیا جاتا ہے اور دوسری طرف شوہر دوسری کسی عورت کو بیاہ کر لے آتا ہے، نہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دیتا ہے نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات اپنی پہلی بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اس بیوی کے ذمہ چھوڑ دیتا ہے، ان کے اخراجات بھی ادا کرنے کی بات نہیں سوچتا ہے، جو لوگ عام سماج کے حالات پر نظر رکھتے ہیں وہ اس طرح روزمرہ پیش آنے والے واقعات سے خوب باخبر ہیں، ظاہر ہے کہ نکاح ثانی شرعاً اجازت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی کمزور مخلوق پر ظلم و ستم روا رکھا جائے۔

کچھ تعدد ان لوگوں کی بھی ہے جو نکاح ثانی کے بندھے نکلے انداز پر پہلی بیوی کو خرچ تو دیدیتے ہیں، لیکن اس کو بحیثیت شوہر جو محبت دینی چاہئے یا اس کے ساتھ جس طرح رہائش کرنی چاہئے اس سے بالکل گریز کرتے ہیں اس طرح شرعی اجازت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہوس کے بندے اجازت پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم عدل سے گریز کرتے ہیں، یعنی اللہ کے احکام میں کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ سے انکار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس صورت حال کی اصلاح ضروری ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ نکاح ثانی کی اجازت بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے بہت سے فتنوں کے دروازوں کو بند کرتی ہے، اور بہت سے معاشی و معاشرتی اور نفسیاتی حالات ایسے ہیں جن میں نکاح ثانی ضروری ہوتا ہے، نکاح ثانی کے بعض اسباب تو ظاہر ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسکتے ہیں، مثلاً عورت کا جنون مطبق میں مبتلا ہونا یا کسی مرض مزمن کا شکار ہونا جس کی وجہ سے وہ فرائض زوجیت ادا کرنے کے لائق نہ ہو، لیکن بعض ایسے اسباب بھی ہو سکتے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوں لیکن شوہر اسے محسوس کرتا ہو، بعض اوقات سماجی اور معاشی حالات کا بھی تقاضا ہوتا ہے، اور بعض علاقوں میں کچھ عرصہ پہلے تک ایسے بڑے کسان جن کی جائیداد اور پیداوار کا سنبھالنا مشکل کام ہوتا تھا وہ ایک سے زائد نکاح کرتے اور اس طرح گھر کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے لئے انہیں ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت ہوتی، بعض اوقات ہنگامی حالات میں مردوں کی تعداد کم ہو جانا بھی معدود خواتین کے ساتھ نکاح کا باعث بنا ہے، بعض اوقات ایک مرد اپنی جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سے زائد قانونی شادی کر کے اپنے کو گناہ سے بچاتا ہے۔



ہندوستان کے موجودہ معاشرہ میں چند مستثنیات کو چھوڑ کر یہ بات تقریباً سچ ہے کہ نکاح ثانی کے بعد ہر دو بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو پاتا ہے بلکہ ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے۔

مذکورہ صدر صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو نکاح ثانی کی اجازت کو منسوخ کرنا اس حکمت شرعی کو ترک کر دینا ہو گا جو شارع کی نظر میں اس جواز کیلئے رہا ہے، دوسری طرف اس جواز کے ناجائز استعمال سے جو معاشرہ میں ظلم و فساد برپا ہو رہا ہے اس کا بھی ازالہ ضروری ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس طرح کی ازدواجی الجھنوں کو دور کرنے کے لئے ایک کامیاب نامہ کی تجویز رکھی تھی، اب جو حالات پورے ملک میں ہیں ان کو دو نقطہ نظر سے دیکھنا چاہئے، ایک تو مغربی تہذیب اور جدید افکار کے نتیجہ میں نکاح کو ایک ایسا رشتہ بنانے کی کوشش ہے کہ جس میں عورت ہر حیثیت سے خود مختار ہو، یہ آزادی نسواں کے ان نعروں کا نتیجہ ہے جو یورپ میں خاندان کا شیرازہ منتشر کر چکے ہیں اور جنسی اہمیت کے رشتہ پر مغربی تہذیب کو ڈال دیا ہے، ہمارے یہاں کا بھی بزم خود انشور طبقہ شعوری یا غیر شعوری طور پر نظر و فکر اور تنقید کے بغیر اس نظریہ پر ایمان لے آیا ہے، اس لئے وہ حقوق اور حدود کے ان شرعی قوانین سے گریز کرنا چاہتا ہے جن سے ایک اچھا خاندان نشوونما پا سکتا ہے، اور جس میں زوجین کی خلقی کیفیات اور ان کے فطری فرائض کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت نے ہر وہ کے لئے کچھ حدود مقرر کئے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے کچھ حدود لازم کئے ہیں، اور پھر قانون کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کو خاص اہمیت دی گئی ہے، نیز ہم تن تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے، خاص کر اس لئے کہ زوجین کے تعلقات امانت اور باہمی اعتماد پر مبنی ہیں، اور یہ رشتہ اس حد تک نجی ہے کہ اس پر قانون کی دخل اندازی کا کم سے کم امکان رہتا ہے، اس لئے خطبہ نکاح میں جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں چار وفد تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ ظاہر و باطن اور جہلوت و غلو ت ہر جگہ کے احوال پر اللہ علیم وخبیر کی نظر ہے۔

لیکن اگر ایسے دعووں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اس سچائی کو مان کر چلنا پڑے گا کہ تقویٰ کے فقدان اور قانون کے بے جا استعمال کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں کئی الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں، خاندان بکھر جاتا ہے، بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی، اور معاشرہ میں ظلم و بے انصافی کے پھیل جانے کی وجہ سے کئی طرح کے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں، سرسری نظر سے اس طرح کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پہلی بیوی کے رہتے ہوئے دوسری شادی کر لینا اور پہلی بیوی کو حقوق سے محروم رکھنا یا ہر دو بیویوں کے درمیان تعلقات میں برابری نہیں برتنا۔

(۲) طلاق جو ناپسندیدہ عمل ہے اور ضرور سے شروع کیا گیا ہے، اس کا بے محابا اور بے جا استعمال، اس طرح کہ طلاق جس کا استعمال بہت غور و فکر اور اصلاح حال کی ساری کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد ہونا چاہئے تھا، محض وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر بغیر غور و فکر اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) ہندوستانی معاشرہ میں طلاق کا صحیح شرعی طریقہ معروف نہیں رہا، اور بیک مجلس تین طلاق دیدی جاتی ہے، یہ دیکھ جاتا ہے کہ عورت حالت طہر میں ہے یا حیض میں، اور سارے احکام شرعی کو نظر انداز کر کے طلاق دیدی جاتی ہے، یہ طریقہ قطعی طور پر ناپسندیدہ اور نقتی پیدا کرتا ہے۔

(۴) طلاق کے بعد یا تو بچے ماں سے چھین لئے جاتے ہیں یا پھر بچوں کی کفالت سے غفلت برتی جاتی ہے۔

(۵) مختلف ترکیبیں استعمال کر کے عورت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ مہر معاف کر دے، بلکہ اوپر سے کچھ رقم دیکر

شوہر سے طلاق حاصل کرے، اس کے سامان جہیز واپس نہیں کئے جاتے اور اسے بے عزتی سمجھا جاتا ہے، جو بدلہ لیا اور تھانف سے ملتے ہیں اسے بھی ضبط کر لیا جاتا ہے، اور عورت ایسے جبر کا شکار ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر علیحدگی قبول کرتی ہے، ظاہر ہے کہ شرع اسلامی اس طرح کے جبر کو سند جواز نہیں دے سکتی، اور "الا ان تکون تجارۃ عن تراحم منکم" یعنی انتقال ملک کے لئے تراحمی طرفین ضروری ہے، اور اسی رضا پر ممکن ہے کہ کوئی قانونی حکم لگایا جاسکے، لیکن کوئی مال مال طیبہ نہیں ہو سکتا اگر رضاء قلبی نہ ہو، جب تک حقیقی رضامندی کے ساتھ عورت اپنے کسی حق سے دستبردار نہ ہو جائے یا مرد کو کچھ نہ دے شوہر کے لئے وہ جائز و حلال نہیں "فان طین لکم عن شیء منہ لفسا فکلوہ ہینا ہرینا" بعض اوقات شوہر اس طرح لاپتہ ہو جاتا ہے کہ اسکے مرنے جینے کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

بعض اوقات اس کی زندگی کا پتہ تو رہتا ہے اور کبھی کبھی اس کے وجود کی خبر لگ جاتی ہے، لیکن وہ کہاں ہے، کیا کر رہا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ اپنے اہل و عیال سے بالکل غافل رہتا ہے۔

(۶) بعض اوقات شوہر اپنی جاہلانہ حیثیت استعمال کرتے ہوئے نہ بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ اسے طلاق دیکر علیحدہ ہی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ بنائے، اور عام طور پر انتقاماً اسے کا لعلقہ رکھتا ہے کہ نہ اسے بیوہ کہا جاسکتا ہے اور نہ شوہر والی کہا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے کئی سماجی مسائل ہیں جنہیں معاشرہ کی کمزوری اور تلخ حقیقتیں کہا جاسکتا ہے، قضاء شرعی کا مضبوط نظام بلاشبہ اس طرح کے مسائل کو حل کرنے میں بہت حد تک معاون ثابت ہو سکتا ہے، لیکن ہندوستان میں ابھی یہ نظام پورے ملک کے پیمانہ پر مستحکم نہیں ہوا ہے، اور جہاں ہے بھی وہاں کئی طرح کی قانونی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان حالات میں اگر نکاح میں چند شرائط لگائی جاسکیں تو شروط نکاح نامہ بہت ساری پیچیدگیوں کے سلجھانے میں مدد دے سکتا ہے، شرائط نکاح کے باب میں ظاہر ہے کہ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، معتبر نہیں ہوں گی، لیکن نظر فقہی یہ کہتی ہے کہ نکاح کے ذریعہ حاصل ہونے والے حقوق اور ان حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں پیدا ہونے والے ظلم کو رفع کرنے کے لئے جو شرائط لگائی جائیں گی وہ مقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی شرطوں کی اجازت دی ہے جن میں عورت کو ضرر سے محفوظ رکھا جاسکے۔

مثلاً فقہ حنفی کی صراحت کے مطابق مہر مسمی دو ہونا اور شرائط کے پورا کرنے کی صورت میں کم تر مہر مسمی اور انط کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ مہر مسمی جو مہر مثل سے زائد ہو گا واجب ہونا، فرق صرف اتنا ہے کہ صاحبین ہر دو متعین (مسمی) مہر کو ہر دو حالتوں میں واجب الادا قرار دیتے ہیں، اما اعظم ابو حنیفہ پہلے ذکر کئے ہوئے مہر کو مسمی قرار دیتے ہیں اور دوسری صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں، یہ ساری بحثیں مقالات میں آچکی ہیں، جن کے یہاں ذکر کی ضرورت نہیں ہے، مسئلہ پر اس طرح غور کرنا ہے کہ نکاح ثانی کی چھوٹ شریعت کے عدل کو مجروح کرتی ہے، اور غالب حالات میں عورت ظلم کا شکار ہوتی ہے اسی طرح بے محابا طلاق، عورت کو کا لعلقہ چھوڑ دینا اور نہ حقوق ادا کرنا عورت کے ساتھ ظلم ہے اور سماج میں اس طرح کی باتوں کا پیش آنا بے شاذ و نادر نہیں رہا ہے۔

ان حالات میں اور مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں منسلک نکاح نامہ کا مطالعہ کیا جائے اور اس کو قطعی صورت دیدی جائے جو احکام شرع کے مطابق ہو، جس میں مصالح شرع کی رعایت اور ممکن حد تک قانون کے بے جا استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے تحفظ بھی ہو اور وہ معاشرہ کو صحیح خطوط پر قائم کرنے کا ذریعہ بنے۔

نکاح نامہ

شوہر کا نام مع ولدیت:

عمر:

پتہ:

موجودہ پیشہ / عہدہ:

نکاح اول یا نکاح ثانی:

دلہن کا نام مع ولدیت:

عمر:

پتہ:

نکاح اول یا نکاح ثانی:

نکاح ثانی کی صورت میں، کیا یہ نکاح پہلے شوہر کی وفات کے بعد یا طلاق حاصل کرنے کے بعد کیا جا رہا ہے

موجودہ پیشہ / عہدہ:

دکیل نکاح کا نام مع ولدیت (زوج کی طرف سے):

عمر:

پتہ:

پیشہ:

دلہن سے اجازت کے گواہ (۱):

گواہ نمبر (۲):

نام مع ولدیت:

نام مع ولدیت:

عمر:

عمر:

پتہ:

پتہ:

گواہ نکاح نمبر (۱): نام مع ولدیت:

گواہ نمبر (۲):

عمر

عمر:

پتہ:

پتہ:

پیشہ:

پیشہ:

مہر..... اگر زوج نے زوجہ مذکورہ کی موجودگی میں دارالقضاء..... کی رائے کے بغیر دوسرا نکاح یا زوجہ

مذکورہ کو طلاق دی۔

ایس صورت میں پیش نہ آنے کی صورت میں مہر کی مقدار..... ہوگی۔



## اقرار نامہ

- (۱) شوہر رزوہ دونوں مسلمان ہیں اور شرع اسلام کے پابند رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔
- (۲) میں..... بنت..... اقرار کرتی ہوں کہ جائز باتوں میں اپنے شوہر کی اطاعت کروں گی اور شوہر اور اس کے گھر والوں کے ساتھ بہتر اخلاق اور سلوک رکھوں گی اور ناموافق حالات میں بھی شوہر کی رفاقت کا حق ادا کروں گی۔
- (۳) میں..... ولد..... اقرار کرتا ہوں کہ میں بیوی کے ساتھ معروف طریقہ پر زندگی بسر کروں گا اور ان تمام حقوق کو ادا کروں گا جو شریعت کی جانب سے مجھ پر واجب ہیں، نیز اگر مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے اور دارالقضاء..... یا حکمین..... یا جماعت مسلمین..... یا برادری / پنجائیت..... باضابطہ یا غیر رسمی طور پر تحقیق کے بعد مطمئن ہو جائیں اور اپنے اطمینان کا تحریری اظہار کر دیں تو زوجہ کو اسی وقت یا جب تک یہ صورت برقرار رہے، اس میں کبھی بھی اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۱۔ شوہر دو سال سے مفقود الخیر ہو

۲۔ ایک سال سے زوجہ کا نفقہ باوجود زوجہ کے مطالبہ کے ادا نہیں کرے

۳۔ ایک سال تک عورت کے مطالبہ کے باوجود بلاوجہ حق زوجیت سے غفلت برتے

۴۔ شوہر مجنون یا فاقر العقل یا متعدی جنسی مرض یا خطرناک غیر متعدی مرض میں مبتلا ہو

۵۔ شوہر زوجہ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتا ہو جس میں یہ صورتیں بھی شامل ہیں

(الف) بیوی کو شدید زرد کو ب کرتا ہو۔

(ب) دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا ہو۔

(ج) بیوی کو غیر اخلاقی فعل کرنے پر مجبور کرتا ہو۔

(۱۳) شوہر موجودہ زوجہ کے عرصہ حیات میں اگر دوسری شادی کی ضرورت محسوس کرے تو دارالقضاء یا مقامی ذمہ دار علماء

یا برادری کے ذمہ داروں کے سامنے اس کی وضاحت کرے گا کہ وہ دوسرا نکاح کیوں کرنا چاہتا ہے اور کیا وہ دو بیویوں کی

کفالت کی استطاعت رکھتا ہے اور وہ دو بیویوں کے درمیان حسب حکم شرع عدل کر سکے گا۔

(۵) اگر شوہر نکاح ثانی کرے تو اس بات کا پابند ہوگا کہ پہلی بیوی کے مطالبہ پر دوسری بیوی کے لئے علاحدہ رہائش کا انتظام

کرے۔

(۶) پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد مدت حضانت میں اس سے علاحدہ نہیں کی جاسکتی، اور مدت حضانت کے

بعد یہ ضروری ہوگا کہ بچوں کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے قاضی کے ذریعہ اس کی پرورش کے لئے مناسب حکم دیا

جائے۔

(۷) ازدواج کی طرف سے مہر کی معافی کئی یا جزوی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ معافی کسی بھی قسم کے دباؤ یا دلہن کی سادگی یا اس کی مسائل شرع سے لاعلمی کی بنیاد پر دھوکہ دے کر نہیں کرائی گئی ہے۔  
 (۸) شوہر طلاق دیتے وقت شرعی اصول کو پیش نظر رکھے گا، کسی سبب شرعی کے بغیر اور دارالقضاء یا مقامی علماء سے مشورہ کے بغیر طلاق دینے سے اجتناب کرے گا، نیز اگر طلاق دینا ناگزیر ہے تو اسے ایک سے زیادہ طلاق نہیں دے گا۔

گ۔

(۹) وہ تمام اشیاء جو شادی کے وقت یا اس کے بعد (نکاح اور طلاق کے وقت) شوہر کے اہل خاندان، شوہر کے رشتہ داروں، شوہر کے دوستوں اور شوہر کے والدین، رشتہ داروں، شوہر کی ملکیت مانی جائیں گی۔  
 طور پر حاصل ہوئی ہیں،

(۱۰) ہم زوجین اقرار کرتے ہیں کہ خدا نخواستہ ہم دونوں میں جب بھی کوئی نزاع پیدا ہو تو دارالقضاء..... یا..... ثالث ہوگا اور تمام ازدواجی نزاعات پہ شمول طلاق، طلع، مہر، حضانت، نفقہ وغیرہ کی بابت صوابدید و اطمینان پر فیصلہ کا مجاز ہوگا۔

دستخط زوجہ:

دستخط قاضی

دستخط زوج:

دستخط گواہ دوم:

دستخط گواہ اول: